

اسلامک اکیڈمی نچپٹر کی لاجواب نادر علی پبلیشرز

آثار الحادیث

جلد دوم

عنوانات

آداب الحدیث قواعد الحدیث اقسام الحدیث متن الحدیث
شروع حدیث تراجم حدیث ائمہ حدیث فقہاء حدیث
ائمہ جمع و تحصیل ائمہ تالیف ائمہ تخریج
اہل حدیث منکرین حدیث عارس حدیث

تالیف

ڈاکٹر علامہ عبدالحمود
ڈاکٹر سید اسلامک اکیڈمی نچپٹر



دارالمعارف

انٹرنل پارکیٹ، اردو بازار، لاہور

اسلامک اکیڈمی ناچپٹر کی لاجواب نادر علمی پیشکش

اشعار الحادیث

جلد دوم

عنوانات

آداب الحدیث قواعد الحدیث اقسام الحدیث متون الحدیث
شرح حدیث تراجم حدیث ائمہ حدیث فقہاء حدیث
ائمہ جرح و تعدیل ائمہ تالیف ائمہ تخریج
اہل حدیث منکرین حدیث مدارس حدیث

تالیف

ڈاکٹر علامہ خالد محمود
ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی ناچپٹر



دارالمعارف

افضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

اصل دین آمد کلام اللہ معظم دشتن پس حدیث مصطفیٰ بر جان مسک دشتن

اشاعت اول	۱۹۸۸ء
تعداد	۵۰۰
کتابت	حفظ الحق صدیقی
ناشر	دارالمعارف لاہور
قیمت	۹۰/- روپے

19 CHARLTON TERRACE OFF UPPER BROOK STREET
MANCHESTER - U.K.

کاپی رائٹ ایکٹ آف پاکستان کے تحت اس کتاب کو بغیر مصنف کی باضابطہ اجازت کے کوئی شخص شائع نہ کرے نہ اس کا ترجمہ کرے اور نہ اس کے کسی حصہ کو اس کتاب کا حوالہ دیے بغیر کہیں نقل کرے۔ ورنہ تمام تر ذمہ داری اس پر ہوگی۔
ہندوستان میں اس کے حقوق اشاعت ادارہ تاج المعارف دیوبند کے نام محفوظ ہیں، انگلینڈ میں اسلامک ایڈمیسی ہائپسٹر کی اجازت کے بغیر کوئی اسے شائع نہ کرے، جس کا شوق اُبھرے وہ مصنف سے اس کی اجازت لے۔

عابد محمود
ناظم دارالمعارف
الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

فہرست

پیش لفظ — از مؤلف

آداب الحدیث

۴۷	۱۹	مقام صحابہؓ قرآن پاک کی روشنی میں	جو ادب حضورؐ کا وہی آپ کی حدیث کا
۴۸		مقام صحابہؓ تاریخ کے آئینہ میں	ادب رسالت قرآن پاک کی رو سے
۴۸	۳۳	صحابہؓ کی روایت پر رائے زنی نہ کرے	بعد الوفات آپ کے ادب کی صورت
۴۹	۳۳	صحابہؓ روایت میں تائید سے مستغنی ہیں	آپ کی مسجد میں آواز بلند نہ کرے
۴۹	۳۵	حدیث کی سماعت کے وقت مجلس کا احترام	ادب حدیث قرآن پاک کی رو سے
۴۹	۳۶	حدیث پڑھتے کسی اور طرف توجہ نہ کرے	ادب حدیث خود حدیث کی رو سے
۵۰	۳۶	معروف اہل فن سے روایت	ادب حدیث عمل صحابہؓ کی رو سے
۵۱	۳۷	غیر اہل فن نیک لوگوں کی روایت	ادب حدیث عمل ائمہ کی رو سے
۵۲	۳۸	صنفر سنی میں سنی گئی روایات	حدیث ماننے کے آداب
۵۳	۳۹	کبر سنی میں احتیاط کی ضرورت	حدیث کے مقابلے میں اپنی آواز نہ چلائے
۵۴	۴۰	راوی سے مزید شہادت لینا	حدیث کو قبول کرنے کا جذبہ طاعت
۵۴	۴۰	اہل بدعت سے لی گئی روایات	حدیث سے بڑی سند نہ مانگے
۵۶	۴۱	احادیث احکام میں مزید احتیاط	حدیث کے مقابلے میں کسی کی بات نہ مانے
۵۶	۴۱	استاذہ حدیث کا ادب و احترام	حدیث کو دھی سمجھ کر سنا جائے
۵۷	۴۲	محدثین سلف کا ادب و احترام	حدیث پڑھنے میں ادب کا پیرایہ
۵۷	۴۳	مطالعہ کے وقت کتاب کا احترام	صحابہؓ کے لیے در طرفہ رضا
۵۹	۴۴	استاذہ کی موجودگی میں خاموشی کا انداز	تعلیم حدیث میں یک طرفہ ترضی
۵۹	۴۴	استاذہ کی بے ادبی کا انجام	احادیث صحابہؓ کو علیحدہ نہ کرے
۵۹	۴۵	استاد پر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں	جو صحابہؓ سے منقول نہیں وہ علم ہی نہیں
۶۱	۴۵	استاذ حدیث کی امتیازی نشست	
۶۱	۴۶	شاگردوں میں بیداری پیدا کریں	

قواعد احادیث

- ۴۵ فن روایت کو مسلمانوں نے قواعد بنائے
- ۴۶ قبول قول کے فطری اصول
- ۴۶ بات کے لائق قبول ہونے کے عقلی تقاضے
- ۴۷ راوی کمزور نہ ہو
- ۴۷ جانا پہچانا ہو
- ۴۷ دیانت دار ہو
- ۴۸ ہر جائی نہ ہو
- ۴۸ بات کے لائق اعتماد ہونے کا قرآنی نظریہ
- ۴۹ رسولِ ملکی کا اعتبار و ثقاہت
- ۸۰ رسولِ بشری کا اعتبار و ثقاہت
- ۸۱ راوی کے بنیادی اوصاف
- ۸۲ رواد کے لحاظ سے حدیث کی چار قسمیں
- ۸۳ قبول روایت میں صحابہ کا موقف
- ۸۳ راوی کی شخصیت اور دیانت بھروسہ کے لائق ہو
- ۸۴ ثقاہت کے لیے معصوم ہونا ضروری نہیں
- ۸۵ فسق راوی اور مظنہ جہالت
- ۸۵ خبر فاسق از خود مقبول نہیں
- ۸۶ خبر واحد صرف حدوق کی معتبر ہے
- ۸۷ شیعہ محدثین کی رائے
- ۸۷ حکیم الاسلام قاری محمد طیب کی رائے

- ۶۲ شاگردوں کو بھی سوال کا موقع دیں
- ۶۳ طلب حدیث میں نامور اساتذہ کی تلاش
- ۶۴ تعلیم حدیث کے لیے اہل لوگوں کی تلاش
- ۶۵ ہر ایک تک حدیث پہنچانا
- ۶۶ حدیث پڑھنے کے لیے احترام سے بیٹھے
- ۶۷ آداب روایت کا بیان
- ۶۷ حدیث کا تکرار کرنا کہ یاد ہو جائے
- ۶۷ طلبہ قلم و دوات ساتھ رکھیں
- ۶۸ لکھتے ہوئے سُنی گئی روایات
- ۶۸ تحریر سے حدیث روایت کرنا
- ۶۹ حدیث بیان کرتے وقت قبلہ رو ہونا
- ۶۹ حدیث کو مختصر کرنے سے احتراز
- ۷۰ تقطیع حدیث کی بحث
- ۷۰ روایت بالمعنی سے حتی الوسع احتراز
- ۷۲ کثرت روایت سے حتی الوسع احتراز
- ۷۳ ثقہ راویوں کے زیادہ الفاظ کی قبولیت
- ۷۳ استاد شاگرد میں اختلاف ہو جائے تو؟
- ۷۴ روایت حدیث پر اجرت لینا کیسا ہے؟
- ۷۴ کھڑے ہو کر حدیث پڑھنے پر فتوے
- ۷۴ ضعیف حدیث روایت کرنا
- ۷۴ موضوع روایات سے کلی اجتناب
- ۷۴ آداب محدثین کی پوری معرفت

۱۱۳	خبر واحد کے لائق قبول ہونے میں قرآنی موقف	۸۹	جرح کے مختلف درجات	۱۱۳
۱۱۴	حضرت امام بخاریؒ کی شہادت	۸۹	لم یصح میں جرح نہیں	۱۱۴
۱۱۵	خبر واحد کے لائق قبول ہونے میں نبوی موقف	۹۰	جرح وہی لائق قبول ہے جو مفسر ہو	۱۱۵
۱۱۶	روایت بالمعنی کے لائق قبول ہونے میں قرآنی موقف	۹۲	جرح و تعدیل کا اختلاف	۱۱۶
۱۱۸	قبولیت روایت میں اصل الاصول اعتماد ہے	۹۴	جرح تعدیل پر مقدم ہے	۱۱۸
۱۱۸	سند کا مطالبہ ضروری نہیں	۹۵	متشد کی جرح اکیلے کافی نہیں	۱۱۸
۱۲۱	کُل صحابہؓ عادل اور لائق اعتماد ہیں	۹۶	قواعد حدیث کی مستند کتابیں	۱۲۱
	حدیث اور کذب میں فرق	۹۷		
	عدالت صحابہؓ کی نزالی شان	۹۸		
	مرسلات صحابہؓ پر کلی اعتماد	۹۹	حدیث میں کوئی تقسیم قرن اول میں نہ تھی	۱۲۳
	پہلے دور میں اسناد پر زور نہ تھا	۱۰۱	ہرفن میں اس کے ماہرین پر اعتماد	۱۲۴
	قبول مرسل میں ائمہ اربعہ کا اختلاف	۱۰۲	اسناد پر بحث ہر عامی کا کام نہیں ہے	۱۲۴
	عمل راوی کے اختلاف سے روایت کمزور	۱۰۳	تقسیم حدیث کے مختلف اعتبارات	۱۲۵
	نقل میں کچھ رہ جانا موجب قرح نہیں	۱۰۴	حدیث کی تقسیم سات پہلوؤں سے	۱۲۵
	راوی کی نقاہت کا اعتبار	۱۰۵	عقائد کے باب میں حدیث سے متک لازم	۱۲۶
	ثقة راوی ضعف عمر میں یاد نہ رکھ سکے	۱۰۸	حدیث کی تقسیم باعتبار علم	۱۲۷
	تصحیح روایت میں محدثین پر اعتماد	۱۰۹	حدیث متواتر	۱۲۷
	ترجیح و تطبیق میں ائمہ کے مختلف مسالک	۱۱۱	تواتر کی مختلف قسمیں	۱۲۸
	متون و اسانید	۱۱۲	حدیث لانی بعدی	۱۲۹
	جرح و تعدیل کے پیرائے	۱۱۲	نزد دل عیسیٰ بن مریم	۱۲۹
	ائمہ جرح و تعدیل	۱۱۳	قطع الثبوت کی دلالت	۱۳۰
	الفاظ الجرح والتعدیل	۱۱۳	ابن حیان کی شہادت	۱۳۱
	تعدیل کے مختلف درجات	۱۱۳	قاضی عیاض کی شہادت	۱۳۲

اقسام حدیث

۱۳۸	موضوع حدیث کی بحث	۱۳۲	امام غزالی کی شہادت
۱۳۸	اس فن کی اہم کتابیں	۱۳۳	فروع میں ظنیت
۱۳۹	تذکرۃ الموضوعات	۱۳۴	حدیث کے قطعی البتہ ہونے پر تشویش نہ ہو
۱۳۹	موضوعات ابن جوزی	۱۳۵	تواتر کی ایک قسم تواتر سکوتی بھی ہے
۱۳۹	موضوعات حسن صفائی	۱۳۵	حدیث متواتر کے مقابل خبر اعداد کا درجہ
۱۵۰	موضوعات المصابیح	۱۳۵	حدیث مشہور خبر واحد کی مضبوط ترین صورت
۱۵۰	اللائی المصنوعہ	۱۳۶	حدیث عزیز خبر واحد کے دوسرے درجے میں
۱۵۰	تذکرۃ الموضوعات وقانون الموضوعات	۱۳۷	فرض اعتقادی اور فرض عملی میں فرق
۱۵۰	موضوعات کبیر	۱۳۸	حدیث غریب بھی خبر واحد کی ایک صورت ہے
۱۵۰	الفوائد المجموعہ	۱۳۸	حدیث غریب، فرد مطلق اور فرد نسبی
۱۵۰	الآثار المرفوعہ	۱۳۹	حدیث غریب صحت کے متافی نہیں
۱۵۱	چند موضوع روایتیں	۱۴۰	خبر واحد کے مختلف مراتب ہیں
		۱۴۱	خبر واحد پر عمل نہ کرنے کی صورتیں
		۱۴۱	حدیث کی تقسیم باعتبار رواۃ
			صحیح، حسن، غریب
۱۵۶	صحیفہ حضرت بہام بن منبہؓ	۱۴۲	حدیث صحیح بغیرہ
۱۵۶	پہلے دور کی دس کتابیں	۱۴۲	حدیث حسن لغاۃ
۱۵۷	۱۔ مسند حضرت امام ابو حنیفہؒ	۱۴۳	حسن غریب
۱۵۷	۲۔ مؤطا امام مالک بن انسؒ	۱۴۳	حسن بغیرہ کا حکم
۱۵۹	۳۔ مؤطا حضرت امام محمدؒ	۱۴۳	حدیث ضعیف کا حکم
۱۵۹	۴۔ کتاب الآثار امام ابو یوسفؒ	۱۴۵	حدیث ضعیف اور قیاس
۱۵۹	۵۔ کتاب الآثار حضرت امام محمدؒ	۱۴۵	ضعیف، حسن بغیرہ تک
۱۶۰	۶۔ مسند حضرت امام شافعیؒ	۱۴۶	علم کی آنتوں میں سب سے بڑی آنت
۱۶۰	۷۔ المصنف لعبد الرزاق بن بہامؒ	۱۴۶	حدیث ضعیف، حکم ترک میں
۱۶۰	۸۔ مسند ابی داؤد الطیاسیؒ	۱۴۷	

مثنون حدیث

۱۴۰	موطا - الصحيح - المصنف	۱۹۰	۹۔ المصنف لابن ابی شیبہ
۱۴۰	الجامع - السنن - المسند	۱۹۱	۱۰۔ مسند امام احمد بن حنبل
۱۴۱	المعجم - المستدرک - المستخرج	۱۹۲	۱۱۔ صحاح ستہ کا دور تدوین
۱۴۲	جو کتابیں اپنے موضوع سے موسوم ہیں۔	۱۹۲	۱۔ صحیح البخاری
۱۴۲	کتابوں کے عرفی ناموں میں اول بدل	۱۹۳	۲۔ صحیح مسلم
۱۴۳	کتب حدیث کی ایک اور تقسیم	۱۹۴	۳۔ سنن ابی داؤد
۱۴۵	تقسیم باعتبار درجات حدیث	۱۹۵	۴۔ جامع ترمذی
۱۴۶	کتب حدیث ایک اور عنوان سے	۱۹۵	۵۔ سنن نسائی
۱۴۶	حدیث کی تخریج پر مبنی اہم کتابیں	۱۹۶	سنن دارمی
۱۴۷	فقہ کی کتابوں کے گرد حدیثی خدمات	۱۹۶	۶۔ سنن ابن ماجہ
۱۴۸	تفسیر کی کتابوں کے گرد حدیثی خدمات	۱۹۷	صحاح ستہ کے بعد کے متداول مجموعے
۱۴۸	علم اخلاق کی کتابوں پر حدیثی خدمات	۱۹۷	شرح معانی الآثار للطحاوی
	انتخاب پر مبنی حدیث کی کتابیں	۱۹۷	مشکل الآثار امام طحاوی
۱۴۸	شرح السنہ	۱۹۷	المعجم الکبیر للطبرانی
۱۴۹	مشارق قاضی عیاض	۱۹۷	سنن امام دارقطنی
۱۴۹	جامع الاصول	۱۹۸	المستدرک للإمام الحاکم
۱۴۹	الترغیب	۱۹۸	السنن الکبریٰ امام بیہقی
۱۸۰	ریاض الصالحین	۱۹۸	معرفة السنن والآثار بیہقی
۱۸۰	احکام الاحکام	۱۹۸	کتاب التہذیب لابن عبد البر
۱۸۰	المنتقى	۱۹۹	فوائد الاصول حکیم ترمذی
۱۸۰	مشکوٰۃ المصابیح	۱۹۹	حلیۃ الاولیاء لابن نعیم صنفائی
۱۸۰	زاد المعاد	۱۸۲	دس اور اہم حدیثی ذخیرے
۱۸۱	بلوغ المرام	۱۸۲	انوار کتب حدیث
۱۸۲	کنز العمال		
۱۸۲	فتح الرحمن		
۱۸۲	جمع الفوائد		
۱۸۲	عقد الجواہر		

۱۸۳	جامع ترمذی کی معروف شرحیں	۱۹۶
۱۸۳	موطا امام مالک کی معروف شرحیں	۱۹۷
۱۸۳	موطا امام محمد کی معروف شرحیں	۱۹۸
۱۸۲	کتاب الآثار امام محمد کی شرحیں	۱۹۸
۱۸۲	طحاوی شریف کی معروف شرحیں	۱۹۸
۱۸۲	مشکوٰۃ المصابیح کی معروف شرحیں	۱۹۹
۱۸۲	جامع صغیر امام سیوطی کی معروف شرحیں	۱۹۹
۱۸۲	جامع ترمذی کے معروف حواشی	۱۹۹
۱۸۲	سنن نسائی کے حواشی	۱۹۹
۲۰۰	سنن ابن ماجہ کے حواشی	۲۰۰
۲۰۰	چند اہم کتب حدیث کے حواشی	۲۰۰
۱۸۵	المصنف لعبد الرزاق ولا بن ابی شیبہ	۲۰۰
۱۸۶	السنن للدارمی والدارقطنی	۲۰۰
۱۸۸	مستدرک امام حاکم	۲۰۰
۱۸۹	سنن کبیرے امام بیہقی	۲۰۰
۱۹۰	حدیث کی فارسی شرحیں	۲۰۰
۱۹۱	حدیث کی اردو شرحیں	۲۰۱
۱۹۱	حدیث کی انگریزی شرحیں	۲۰۲

تراجم حدیث

۱۹۵	عربی اسلام کی سرکاری زبان ہے	۲۰۳
۱۹۵	تعلیم کے لیے دوسری زبانوں میں ترجمہ	۲۰۴

التاج الجامع ، زجاجة المصابیح
اعلام السنن للمحدث ظفر احمد عثمانی
اردو میں حدیث کی مستقل کتابیں
موضوع احادیث پر مستند کتابیں
شیعہ کی کتب حدیث
پہلے دور کے مجموعے
اصول اربعہ
دیگر کتب حدیث
متاخرین کی کتابیں

شرح حدیث

شرح حدیث کی ضرورت
متون حدیث میں شرعی جملے
شرعی ابواب و تراجم
شرح حدیث کا آغاز
شرح لغات حدیث
مفصل شرح حدیث
صحیح بخاری کی معروف شرحیں
صحیح بخاری کے معروف حواشی
صحیح مسلم کی معروف شرحیں
صحیح مسلم کے معروف حواشی
سنن ابی داؤد کی معروف شرحیں
سنن ابی داؤد کے معروف حواشی

۲۰۹	کتاب الاذکار امام نووی اردو	۲۰۴	ترجموں کا آغاز خود عہد رسالت میں
۲۰۹	زاد المعاد کا اردو ترجمہ	۲۰۵	حضرت ابن عباسؓ کے مترجم
۲۱۰	جمع الفوائد کا اردو ترجمہ	۲۰۵	غیر عربی ممالک میں پہلا ایران ہے [جس پر اسلام کا جھنڈا لہرایا۔]
۲۱۰	کتاب الکبائر کا اردو ترجمہ	۲۰۵	حدیث کے پہلے فارسی ترجمے
۲۱۰	انتخاب صحاح ستہ اردو	۲۰۵	ترجمہ مشکوٰۃ شیخ عبدالحق محدث دہلوی
۲۱۰	کنتز الآثار کا اردو ترجمہ	۲۰۶	ترجمہ صحیح بخاری للشیخ ذراحق دہلوی
۲۱۰	اعلام السنن کا اردو ترجمہ	۲۰۶	ترجمہ موطا امام مالک از شاہ ولی اللہ
۲۱۱	حدیث کے انگریزی ترجمے	۲۰۶	شیعہ کتب حدیث کے فارسی ترجمے
۲۱۱	ترجمہ صحیح البخاری	۲۰۶	حدیث کے اردو تراجم
۲۱۱	ترجمہ صحیح مسلم	۲۰۷	ترجمہ مشکوٰۃ از نواب قطب الدین دہلوی
۲۱۱	ترجمہ مشکوٰۃ شریف	۲۰۷	تراجم صحیح بخاری شریف
		۲۰۸	صحیح مسلم کے اردو تراجم
		۲۰۸	سنن ابی داؤد کا اردو ترجمہ
		۲۰۸	جامع ترمذی کا اردو ترجمہ
		۲۰۸	شمائل ترمذی کا اردو ترجمہ
		۲۰۹	سنن نسائی کا اردو ترجمہ
		۲۰۹	موطا امام مالک کا اردو ترجمہ
		۲۰۹	موطا امام محمد کا اردو ترجمہ
		۲۰۹	کتاب الآثار امام محمد اردو
		۲۰۹	طحاوی شریف کا اردو ترجمہ
		۲۰۹	سنن ابن ماجہ کا اردو ترجمہ
		۲۰۹	ریاض الصالحین کا اردو ترجمہ
		۲۰۹	جامعین حدیث
		۲۰۹	مستند حدیث کے مختلف دائرے
		۲۰۸	ائمہ حدیث کی مختلف قسمیں
		۲۰۸	علمائے حدیث
		۲۰۹	اولی الامر سے مراد کون کون ہیں ؟
		۲۰۹	علمائے حدیث اور روادۃ حدیث میں فرق
		۲۰۹	اسلام میں علم و حکمت کا مرتبہ
		۲۰۹	علماء جرح و تعدیل
		۲۰۹	مستند حالی میں خراج عقیدت
		۲۰۹	آٹھ ائمہ کرام جو اس فن میں آگے بڑھے
		۲۰۹	جامعین حدیث

ائمہ حدیث

۲۲۱	۱۰۔ حضرت جابر بن عبد اللہؓ	۲۲۲	ائمہ تالیف حدیث
۲۲۲	② — صحابہؓ میں روادۃ حدیث	۲۲۳	تالیفات کے مختلف انداز
۲۲۳	مقلین روایت کے اسماء	۲۲۳	بیش ائمہ تالیف
۲۲۴	اکابر روادۃ حدیث	۲۲۴	حدیث کے ائمہ تخریج
۲۲۴	۱۔ حضرت ابوذر غفاریؓ	۲۲۴	چودہ ائمہ تخریج
۲۲۵	۲۔ حضرت حذیفہ بن یمانؓ	۲۲۴	علماء تراجم رجال
۲۲۵	۳۔ حضرت عمران بن حصینؓ	۲۲۴	اسماء الرجال پر لکھنے والے
۲۲۵	۴۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ	۲۲۵	ائمہ حدیث کی مختلف خدمات
۲۲۶	۵۔ حضرت ابوہریرۃؓ	۲۲۵	صحابہؓ کی خدمت حدیث کے انداز
۲۲۶	۶۔ حضرت سمرة بن جندبؓ	۲۲۶	صحابہ کرامؓ کے فقہاء حدیث
۲۲۶	۷۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ	۲۲۶	تابعین کرامؓ میں اساتذہ روایت
۲۲۸	۸۔ حضرت براء بن عازبؓ	۲۲۶	طبقات ائمہ حدیث
۲۲۸	۹۔ حضرت ابو سعید الخدریؓ	۲۲۸	① — صحابہؓ میں فقہاء حدیث
۲۲۹	۱۰۔ حضرت انس بن مالکؓ	۲۲۹	حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ
۲۵۰	ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ	۲۲۹	۱۔ حضرت معاذ بن جبلؓ
۲۵۱	③ — تابعین کرامؓ میں فقہائے حدیث	۲۳۰	۲۔ حضرت ابی بن کعبؓ
۲۵۱	۱۔ حضرت علقمہ بن قیس الکوفیؓ	۲۳۲	۳۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ
۲۵۲	۲۔ مسروق بن اجدع الکوفیؓ	۲۳۲	۴۔ حضرت ابو الدرداءؓ
۲۵۲	۳۔ حضرت سعید بن مسیب الکوفیؓ	۲۳۵	۵۔ حضرت علی المرتضیٰؓ
۲۵۳	۴۔ حضرت سعید بن جبیر الکوفیؓ	۲۳۶	۶۔ حضرت زید بن ثابتؓ
۲۵۳	۵۔ حضرت ابراہیم النخعی الکوفیؓ	۲۳۸	۷۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ
۲۵۴	۶۔ ابو عبد اللہ کحول الشامیؓ	۲۳۹	۸۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ
۲۵۴	۷۔ ابو عمرو علامہ شعبی الکوفیؓ	۲۴۰	۹۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ

۲۶۷	تلامذہ و اساتذہ
۲۶۹	تنقید روایۃ کا مقام
۲۷۰	احاطہ علم حدیث
۲۷۲	امام کا نظریہ حدیث
۲۷۵	امام اعظمؒ کا لقب
۲۷۶	پانچ لاکھ حدیث پر نظر
۲۷۷	تابعیت حضرت امام
۲۷۷	عادت علماء کو کہ
۲۷۸	حضرت امام کی ثقاہت
۲۷۸	امام کی شرط روایت
۲۷۹	حضرت امام کے اقران
۲۸۰	محدثین میں اہل الرائے
۲۸۱	مسند امام اعظم کی اصل
۲۸۱	دکیع کا آستانہ عقیدت
۲۸۲	ابن خلدون کی شہادت
۲۸۲	۴. حضرت امام اوزاعی
۲۸۲	۳. امام سفیان الثوری
۲۸۲	۴. حضرت امام مالک
۲۸۴	۵. امام ابو یوسف
۲۸۷	۶. حضرت امام محمدؒ
۲۸۸	۷. حضرت امام شافعیؒ

۲۵۶	۸. سالم بن عبد اللہ بن عمر المدنی
۲۵۶	۹. قاسم بن محمد فقیہ مدینہ
۲۵۷	۱۰. حماد بن ابی سلیمان
۲۵۷	۱۱. تابعین کرام میں اساتذہ روایت
۲۵۸	۱. ابو بردہ بن ابی موسیٰ الاشعری
۲۵۸	۲. طاؤس بن کيسان الیمانی
۲۵۸	۳. عکرمہ
۲۵۹	۴. ابوسعید حسن یسار المدنی
۲۵۹	۵. امام محمد بن سیرین
۲۶۰	۶. عطاء بن ابی رباح
۲۶۱	۷. امام نافع المدنی
۲۶۱	۸. میمون بن معدان
۲۶۱	۹. امام زہری السحاق
۲۶۲	۱۰. عمرو بن دینار
۲۶۲	تابعین کے پانچ اور عمائد
۲۶۳	۱. ابواسحق السبعی
۲۶۳	۲. ابو عبد الرحمن ابوالزناد
۲۶۴	۳. سلیمان بن طرفان البصری
۲۶۴	۴. ہشام بن عروہ
۲۶۵	۵. ابو محمد سلیمان الاعمش الکوفی
۲۶۶	طبقة ثالثہ کے فقہائے حدیث
۲۶۶	دس ائمہ مجتہدین جن کی مجتہدیت
۲۶۶	مسلمانوں میں ہمیشہ مسلم رہی ہے۔

۲۹۹	۷۔ سفیان بن عیینہ	۲۷۹	حضرت امام کے اقران
۲۹۹	۷۔ یحییٰ بن معین	۲۸۰	اہل الرائے محدثین
۳۰۰	۸۔ علی بن المدینی	۲۸۱	علم کلام پر جامع نظر
	ائمہ صحاح ستہ	۲۸۱	محدثین کے مسلک پر
۳۰۰	۱۔ حضرت امام بخاریؒ	۲۸۲	۲۔ حضرت امام اوزاعیؒ
۳۰۲	ائمہ ثلاثہ سے روایت نہ لینا	۲۸۲	۳۔ امام سفیان ثوریؒ
۳۰۳	امام کا مسلک	۲۸۳	۴۔ حضرت امام مالکؒ
۳۰۳	مجتہدانہ بصیرت	۲۸۶	۵۔ امام ابو یوسفؒ
۳۰۴	دیانت و امانت	۲۸۷	۶۔ حضرت امام محمدؒ
۳۰۵	قیاسات امام	۲۸۸	۷۔ حضرت امام شافعیؒ
۳۰۸	دوسری تالیفات	۲۹۰	امام شافعی کے تفردات
۳۰۸	ثقاہت امام	۲۹۱	۸۔ امام احمد بن حنبلؒ
۳۰۹	صحیح کی روایات	۲۹۲	امام کا نظریہ حدیث
۳۰۹	دارقطنی کے تعقیبات	۲۹۳	صحابہؓ کا طریق فیصلہ
۳۰۹	دارقطنی کا تشدد	۲۹۴	۹۔ تفسیر الحدیث
۳۱۰	۲۔ حضرت امام مسلم بن حجاج	۲۹۴	۱۰۔ صحابہ میں اہل الرائے
۳۱۱	اہل شام سے مشافہتہ روایت		
۳۱۱	صحابہؓ کی مرویات		
۳۱۲	صحیح مسلم کی روایات مجمع علیہ	۲۹۵	۱۔ شعبہ بن الحجاج
۳۱۲	صحیح مسلم میں تعلیقات کم ہیں	۲۹۶	۲۔ عبد اللہ بن مبارک
۳۱۲	صحیح مسلم کے ابواب	۲۹۷	۳۔ دکیع بن الجراح
۳۱۳	صحیح مسلم کا مقدمہ	۲۹۷	۴۔ عبد الرحمن بن المہدی
۳۱۳	امام مسلم کے ہاں شرط اتصال	۲۹۸	۵۔ یحییٰ بن سعید القطان

ائمہ جرح و تعدیل

۳۲۷	پانچ ثلاثی احادیث	۳۱۴	امام مسلم کا فقہی مسلک
۳۲۷	کتاب صحاح ستہ میں شمار	۳۱۴	امام ابو داؤد السجستانی
۳۲۷	اختلاف کرنے والے حضرات	۳۱۵	اپنے وقت میں محدثین کے امام
۳۲۸	حافظ ابن کثیر کی رائے	۳۱۶	امام فقہی پہلو سے منبلی تھے
دور صحاح کے دیگر اکابر محدثین		۳۱۶	اختلاف احادیث کی صورت میں صحابہ کے عمل سے فیصلہ لیتا۔
		۳۱۷	سنن ابی داؤد کی ثلاثی روایت
۳۲۸	امام سعید بن منصور	۳۱۷	ابو داؤد کی روایات کا درجہ
۳۲۸	ابو یوسف بن ابی شیبہ	۳۱۷	سنن ابی داؤد کے نسخے
۳۲۹	حضرت امام دارمی	۳۱۸	امام محمد بن عینی الترمذی
۳۳۰	ابن ابی الدینا	۳۱۸	امام بخاری کا ان سے روایت لینا
۳۳۰	حافظ ابو بکر البزار	۳۱۸	تراویح میں امام شافعی کا استناد
۳۳۰	حافظ ابو یعلیٰ الموصلی	۳۱۹	مجموعی فوائد میں سب سے مفید کتاب
۳۳۱	ابن جارد النیشاپوری	۳۲۰	ابن حزم کا آپ کو نہ جانتا
۳۳۱	حافظ ابو بشر الدولابی	۳۲۱	امام عبد الرحمن النسائی
۳۳۱	حافظ ابو بکر بن خزیمہ	۳۲۱	اساتذہ و تلامذہ
۳۳۲	حافظ ابو عوانہ اسفرائی	۳۲۲	اپنے دور میں فن کے امام
۳۳۲	حافظ ابو جعفر الطحاوی	۳۲۳	امام پر شیعیت کا الزام
۳۳۷	حافظ ابو بکر البحر جانی	۳۲۳	امام نسائی کا فقہی مسلک
۳۳۸	حافظ ابن حبان البستی	۳۲۳	امام نسائی کی تصنیفات
۳۳۸	حافظ ابو القاسم الطبرانی	۳۲۵	بن حزم کا اس سنن کو نہ جانتا
۳۳۸	حافظ ابو بکر احمد السنی	۳۲۵	امام ابن ماجہ قزوینی
۳۳۹	حافظ ابو شیخ الاصفہانی	۳۲۶	سنن ابن ماجہ کی خصوصیت
۳۳۹	حافظ ابو الحسن الدارقطنی	۳۲۶	

اہل اسحدیث

۳۵۲	۱۔ باصطلاح قدیم
۳۵۳	حافظ ابراہیم کی شہادت
۳۵۳	مولانا ابراہیم کی شہادت
۳۵۴	۲۔ باصطلاح جدید
۳۵۴	ایک خاص فقہی مسلک
۳۵۴	جماعت اہل حدیث
۳۵۴	حدیث کو سب مسلمان محبت مانتے ہیں
۳۵۴	جو حدیث کو نہ مانے وہ مسلمان نہیں
۳۵۴	المحدیث سے مراد حدیث ماننے والے نہیں ہیں
۳۵۵	بصورت دیگر منکرین حدیث کی تائید ہوتی ہے
۳۵۵	منکرین حدیث کو ہمارا جواب
۳۵۵	منکرین حدیث کو اہل قرآن کہنا
۳۵۵	اہل حدیث باصطلاح قدیم
۳۵۵	حافظ ابن تیمیہ کی شہادت
۳۵۶	حافظ جمال الدین زلیعی کی شہادت
۳۵۶	حضرت امام شافعی کی شہادت
۳۵۶	حضرت امام ترمذی کی شہادت
۳۵۸	ابن عبد البر کی شہادت
۳۵۸	امام ذری کی شہادت
۳۵۹	حافظ ابن حجر کی شہادت
۳۶۰	امام ابن ہمام کی شہادت

۳۶۰	ابن عدی صاحب الکتاب الکامل
۳۶۱	حافظ ابوسلیمان الخطابی
۳۶۱	حافظ ابوعبداللہ الحاکم
۳۶۲	حافظ ابولعیم الاصفہانی
۳۶۲	حافظ ابن حزم الاندلسی
۳۶۳	حضرت امام ابوبکر البیہقی
۳۶۴	مسلک اہل سنت میں تعلق
۳۶۴	بیکندی کی معتزلی کوششیں
۳۶۶	امام بیہقی کی تصنیفات
۳۶۷	حافظ ابن عبد البر المالکی
۳۶۷	خطیب بغدادی

تالیف حدیث نئے دور میں

۳۶۸	ابو محمد حسین البغوی
۳۶۸	ابو الحسن رزین معاویہ
۳۶۸	المبارک بن احمد الجعفی
۳۶۹	شیخ ذکی الدین المنذری
۳۶۹	حافظ قطب الدین السبکی
۳۶۹	خطیب تبریزی صاحب مشکوٰۃ
۳۶۹	حافظ جمال الدین الزلیعی
۳۶۹	نور الدین ابوالحسن البہیمی
۳۷۰	دقت کے دیگر اکابر علمائے حدیث
۳۷۱	برصغیر پاک و ہند کے علماء حدیث

۳۷۱	علامہ شامی کی شہادت	۳۷۱	مجاہدین بالاکوٹ و ہابی نہ تھے
۳۷۲	اہل حدیث باصطلاح جدید	۳۷۲	نقطہ و ہابی مقلدین پر اتارا گیا
۳۷۲	ائمہ اربعہ سے اختلاف	۳۷۲	غیر مقلدین کا ان سے لا تعلقی کا اظہار
۳۷۳	جماعت اہل حدیث کا قیام	۳۷۳	شیخ سے لا تعلقی کا اظہار و ہابی
۳۷۴	پاک و ہند میں پہلا مسلک	۳۷۴	نقطہ و ہابی کو گالی سمجھتے رہے
۳۷۴	انگریزوں نے مذہبی آزادی دی	۳۷۴	مقلدین کو بدعتی کہنا غلط ہے
۳۷۴	ہندوستان میں نامور محدثین	۳۷۴	شیخ الکل میاں نذیر حسین صاحب
۳۷۴	شیخ اسماعیل لاہور میں	۳۷۴	عبدالحق بنارس کی بے لگام زبان
۳۷۴	شیخ صفائی لاہور میں	۳۷۴	نواب صدیق حسن خاں صاحب
۳۷۴	نور الدین شیرازی گجرات میں	۳۷۴	انگریزوں اور نواب صاحب کی ایک سوچ
۳۷۴	شیخ محمد طیب سندھ میں	۳۷۴	وہابیوں ہزارہ سے نفرت کا اظہار
۳۷۴	شیخ محمد طاہر پٹنہ میں	۳۷۴	ایک لاکھ چوبیس ہزار روپے سالانہ
۳۷۴	شیخ عبدالحق محدث دہلی میں	۳۷۴	محدثین ہند کی علمی اور عملی حالت
۳۷۵	شاہ ولی اللہ کا خاندان	۳۷۵	مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی
۳۷۶	المجدیث ایک جدید فرقہ	۳۷۶	نقطہ و ہابی کی منسوخی کے لیے درخواست
۳۷۶	حکومت سے نام کی الائنمنٹ	۳۷۶	جماعت اہل حدیث کا نقطہ آغاز
۳۷۶	وہابی نام سے اختلاف کی وجہ	۳۷۶	پنجاب میں غزنوی علماء کی آمد
۳۷۸	شیخ محمد بن عبد الوہاب پر اعتراضات	۳۷۸	مولانا شہار اللہ امرتسری
۳۷۸	شیخ محمد بن عبد الوہاب صہلی مقلد تھے	۳۷۸	مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی
۳۷۸	شیخ کسی نئے مذہب کے بانی نہیں	۳۷۸	المجدیث سلفی کہلانے لگے
۳۷۹	غیر مقلدین کی ان سے لا تعلقی	۳۷۹	ترک تقلید سے نئے نئے مذاہب
۳۷۹	انگریز وہابیوں کے خلاف کیوں؟	۳۷۹	اکابر جماعت المجدیث کی آثار
۳۸۰	ہندوستان میں نقطہ و ہابی	۳۸۰	مولانا محمد حسین بٹالوی کی فکری صدا

- ۳۸۸ قاضی عبدالواحد خاں پوری کی رائے
- ۳۸۹ مولانا وحید الزماں کا اٹھدہیٹ پر تبصرہ
- ۳۹۰ مولانا عبدالعزیز ناظم جمعیت مرکزیہ اٹھدہیٹ
- ۳۹۱ آزاد دئی رائے کا غلط استعمال
- ۳۹۲ غزنوی علماء مولانا شتار اللہ کے تعاقب میں
- ۳۹۳ منہالم روپڑی بر منظم امرتسری
- ۳۹۴ مولانا عبدالوہاب ملتانی پر فتوے
- ۳۹۵ مولانا جوننا گڑھی مولانا روپڑی کے تعاقب میں
- ۳۹۶ غیر متقلد علماء کی آپس کی سرد جنگ
- ۳۹۷ اہل حدیث میں اقبال صحابہ کا درجہ
- ۳۹۸ اہل حدیث کے ہاں امام ابو حنیفہ کا مقام
- ۳۹۹ خطبہ اٹھدہیٹ کی تنگ نظری
- ۴۰۰ مولانا شتار اللہ امرتسری کا عبد اللہ
- ۴۰۱ چکڑالوی کے انکار حدیث پر تبصرہ
- ۴۰۲ شیخ محمد اکرم صاحب کی رائے
- ۴۰۳ عاقل اسلم جیرا چوری کا انکار حدیث
- ۴۰۴ کیا پیر دی صرف زندہ کی ہو سکتی ہے؟
- ۴۰۵ مولانا وحید الزماں اٹھدہیٹ کی رائے
- ۴۰۶ اسلم صاحب اسوہ رسول کو تسلیم کرتے ہیں
- ۴۰۷ ما اقا کہ الرسول کو مالی امور سے متعلق کرنے کی توجیہ
- ۴۰۸ اقا کہ — قرآنی محاورات میں
- ۴۰۹ نیاز صاحب فقہوری کا انکار
- ۴۱۰ قرآن مجید الہام ربانی نہیں (معاذ اللہ)
- ۴۱۱ معجزے محض داستانیں ہیں
- ۴۱۲ علامہ تمنا عمادی پھلوری کا انکار حدیث
- ۴۱۳ حدیث لکھنے کا عمل حکم رسالت سے منسوخ ہوا؟
- ۴۱۴ عہد رسالت میں حدیث لکھنا کبھی نہیں ہوا
- ۴۱۵ ہر آیت کے متعلق متضاد روایات
- ۴۱۶ حدیث پر بھی سازش ہونے کا الزام
- ۴۱۷ پاکستان کے منکرین حدیث
- ۴۱۸ ڈاکٹر غلام جیلانی برق
- ۴۱۹ اسلام صرف نیکی کا نام ہے
- ۴۲۰ دو اسلام اور دو قرآن
- ۴۲۱ ڈاکٹر صاحب کا رجوع الی الحق

منکرین حدیث

- ۳۹۹ انکار حدیث کے مثبت پیرائے
- ۴۰۰ انکار حدیث کے منفی پیرائے
- ۴۰۱ انکار حدیث کی حدیث میں پیش گوئی
- ۴۰۲ معتزلہ کا انکار حدیث احاد
- ۴۰۳ شیعہ کا انکار اخبار عامہ
- ۴۰۴ قادیانیوں کا انکار زبر حدیث
- ۴۰۵ مستشرقین کی سعی انکار حدیث
- ۴۰۶ ہندوستان کے منکرین حدیث
- ۴۰۷ قاضی غلام نبی المعروف عبد اللہ چکڑالوی

حدیث کی حمایت میں علماء دیوبند کی جدوجہد ۲۲۹

مدارس حدیث

۲۲۳ ہر صحابی کا حلقہ ایک مدرسہ حدیث تھا

۲۲۳ مدارس حدیث کی ان دلوں بمیت و صورت

۲۲۳ قرن اول کی ممتاز درسگاہیں

۲۲۳ کوفہ کا مدرسہ حدیث

۲۲۵ امام مالک کا مدرسہ حدیث

۲۲۶ شام کا مدرسہ حدیث

۲۲۶ مصر کا مدرسہ حدیث

۲۲۶ علم حدیث ہندوستان میں

۲۲۶ سندھ کے علاقہ کچ میں

۲۲۸ برصغیر کے پہلے محدثین

۲۲۹ سندھ میں علم حدیث

۲۵۰ پنجاب میں علم حدیث

۲۵۱ گجرات میں علم حدیث

۲۵۲ علم حدیث وسط ہند میں

۲۵۳ ہندوستان کے مدارس حدیث

۲۵۳ علاقہ گجرات کا ٹھٹھا وارڈ

۲۵۶ دہلی کے مشہور مدارس حدیث

۲۵۸ یوپی کے مشہور مدارس حدیث

۲۵۹ لکھنؤ کے مشہور مدارس حدیث

۲۵۹ مدارس کے مدارس حدیث

② — چودھری غلام محمد پر دہن

۲۲۲ اسلام میں کوئی طے شدہ شریعت نہیں

۲۲۳ زکوٰۃ ہمیشہ کے لیے ۲٪ فی صد نہیں

۲۲۲ مسیح کی پیدائش بن باب نہیں

۲۲۳ حضور کو کوئی حسی معجزہ نہیں دیا گیا

③ — علی پور چٹھہ کے متکین حدیث

انکار حدیث متشابہات کے سائے میں

۲۲۵ کعب بن اشرف کے قتل کا قصہ

۲۲۶ ابو رافع سلام بن ابی الحقیق کا قتل

۲۲۸ حافظ اسلم حیرا چوری کا بیان

۲۲۸ مولانا مناظر احسن گیلانی کا بیان

۲۲۹ صحیح بخاری کی روایات زیر بحث

۲۲۹ حدیث نخن الحق بالشک من ابراہیم

۲۳۰ حضرت ابراہیم کی تین خلاف واقعہ باتیں

۲۳۰ عربی کے لفظ کذب اور بھٹ میں فرق

۲۳۱ حدیث غسل ام المؤمنین پر اعتراض

۲۳۲ مباشرت کے معنی اکٹھے مل بیٹھنا

۲۳۲ مباشرت جماع سے کنایہ بھی ہے

۲۳۳ حدیث کی غلط تشریح موجب ارتداد

۲۳۵ غار جیت انکار حدیث کے سائے میں

۲۳۵ حدیث کو قرآن کا نسخ بتلانا

۲۳۵ حدیث کو عجیبی سازش بتلانا

۲۳۶ صحیح بخاری پر ایک بریلوی نظر

۴۷۱	۱۵ - جامعہ فریدیہ اسلام آباد	۴۵۹
۴۷۱	۱۶ - جامعہ عربیہ چنیوٹ	۴۵۹
۴۷۱	۱۷ - مدرسہ العلوم الشرعیہ جھنگ	
۴۷۱	۱۸ - جامعہ فاروقیہ شیخوپورہ	۴۶۱
۴۷۱	۱۹ - مدرسہ العلوم الشرعیہ ساہیوال	۴۶۲
۴۷۱	۲۰ - جامعہ مدنیہ ڈسکہ	۴۶۳
۴۷۱	② مسلک جماعت التحدیث	۴۶۵
۴۷۱	۱ - جامعہ سلفیہ فیصل آباد	۴۶۵
۴۷۱	۲ - دارالعلوم تقویت الاسلام لاہور	۴۶۶
۴۷۱	۳ - تعلیم الاسلام ماموں کابنجن	۴۶۶
۴۷۱	۴ - جامعہ محمدیہ اودکارٹھ	۴۶۶
۴۷۱	۵ - جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ	۴۶۷
۴۷۱	۶ - جامعہ ابی بکر کراچی	۴۶۷
۴۷۱	③ مسلک بریلوی	۴۶۸
۴۷۱	۱ - دارالعلوم حزب الاحناف لاہور	۴۶۹
۴۷۱	۲ - جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور	۴۶۹
۴۷۱	۳ - دارالعلوم امجدیہ کراچی	۴۶۹
۴۷۱	۴ - جامعہ رضویہ منظر الاسلام فیصل آباد	۴۷۰
۴۷۱	۵ - جامعہ نظامیہ لاہور	۴۷۰
۴۷۱	۶ - انوار العلوم ملتان	۴۷۰
۴۷۱	خانقاہی مدارس	۴۷۰
۴۷۲	۱ - مدرسہ خانقاہ تونسہ شریف	۴۷۰
۴۷۲	۲ - مدرسہ عربیہ گورٹہ شریف	۴۷۰

بنگال کے مدارس حدیث

برما کے مدارس حدیث

پاکستان کے مدارس حدیث

بلوچستان میں

سندھ میں

سرحد میں

کشمیر میں

پنجاب میں

① مسلک دیوبند

۱ - جامعہ قاسم العلوم فقیر والی

۲ - جامعہ رشیدیہ ساہیوال

۳ - جامعہ اشرقیہ لاہور

۴ - جامعہ خیر المدارس ملتان

۵ - جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

۶ - جامعہ قاسم العلوم ملتان

۷ - جامعہ امدادیہ فیصل آباد

۸ - سراج العلوم سرگودھا

۹ - مخزن العلوم خانپور

۱۰ - دارالعلوم کبیر والہ

۱۱ - جامعہ حنفیہ جلم

۱۲ - جامعہ اسلامیہ صدر راولپنڈی

۱۳ - دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی

۱۴ - مدرسہ انوار العلوم راولپنڈی

پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اَصْطَفٰی اِمَابَعَد

آئناں الحدیث جلد اول کو شائع ہوتے تین سال ہو رہے ہیں اور جلد ثانی ابھی تک پریس سے باہر نہیں آئی۔ کتنی مشتاق نگاہیں اس کی منتظر اور کتنے خوش عقیدت اس کے لئے بیتاب ہیں۔ اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے آئناں الحدیث جلد اول کی خُداداد مقبولیت کو دیکھا ہے یا طالبین کے پچھلے دو سال کے خطوط جو انہوں نے دارالمعارف کے نام لکھے کہ جلد ثانی کب منصہ شہود پر آ رہی ہے۔ آنکھوں دیکھے ہیں۔

اس تاخیر کی وجہ یہ نہیں کہ یہ کوئی نئی نئی تالیف ہے جس نے تین سال اور لے لئے نہیں۔ اس کی ایک وجہ ادارہ دارالمعارف کے نظام کی تبدیلی ہے۔ ناظم صاحب اسے پورا وقت نہ دے سکے تھے اور راقم الحروف کا جنوبی افریقہ کا طویل سفر بھی اس کی وجہ وجہ بنا۔ جو سفر دنوں کی نیت سے اختیار کیا گیا تھا مہینوں تک جا پہنچا اور پھر ادارہ کی مالی کمزوریاں بھی کچھ اس میں حائل رہیں۔ کراچی کے آتشزدگی کے واقعات اور کاغذ کی ہوش ربا گرانی بھی اس میں وجہ تعویق رہی ورنہ کتاب کا مستودہ تو اُس وقت کی یادگار ہے جب احقر ابھی عازم انگلستان نہ ہوا تھا۔

یہ جلد ثانی جن مضامین پر مشتمل ہے ان میں سے بعض برسوں پہلے ملکی اور غیر ملکی رسائل و جرائد میں منت پذیر اشاعت ہو چکے ہیں۔ جلدی محض اس لئے ہوئی کہ یہ علمی امانت جتنی جلدی ہو سکے اپنے اہل حضرات تک پہنچ جائے ورنہ ظاہر ہے کہ بالاقساط اشاعت سے کتاب کی اشاعت کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ جلد ثانی کا پہلا مضمون

آداب الحدیث ماہنامہ الرشید ساہیوال میں کئی قسطوں میں شائع ہوا تھا اُس وقت کے شیخ الجامعہ حضرت مولانا محمد عبداللہ راتپوری خلیفہ ارشد حضرت شاہ عبد القادر راتپوری قدس سرہ نے اس کی جن الفاظ میں قدردانی اور حوصلہ افزائی فرمائی اس پر راقم الحروف اللہ رب العزت کے حضور سجدۂ شکر کئے بغیر نہ رہ سکا۔ علمی ذخائر میں بکھرے ہوئے مضامین کو ایک مضمون کی مناسبت سے اس مختصر رسالے میں لے آنا خاص توفیق ایزدی کے بغیر کسی طرح ممکن نہ تھا۔ اب یہ مضمون یکجا آپ کے سامنے ہے اور جلد ثانی کی یہ پہلی کتاب ہے۔

حدیث کے یہ آداب، اسے حاصل کرنے کے یہ التزامات اور اسے پڑھنے پڑھانے کے یہ احترامات کس لئے ہیں؟ محض اس لئے کہ حدیث کا منتہی ذات رسالت ہے۔ یہیں آکر سندیں ختم ہوتی ہیں اور یہی متن میں حرف آخر ہے۔ قرآن کریم بھی اسی کی روشنی میں سمجھا جائے گا اور تسلسل اُمت بھی اسی کی روشنی میں راہ پائے گا اور حق یہ ہے کہ جس بات اور عمل کی نسبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گئی اُس کا ہر جہت سے اکرام ضروری ہے۔ آداب الحدیث کی ساری ہدایات اسی ایک نقطہ کے گرد گھومتی ہیں۔ صی: اہل بیت اور عزت رسول سب اس لیے کرام و عظام ہیں کہ وہ آپ سے نسبت پاتے۔

علم روایت یونہی نہیں جمع ہو گیا اس کی تحقیق و تثبیت میں وہ تمام پہلو ملحوظ رکھے گئے ہیں جو درایت چاہتی ہے۔ انسان کسی بات کے ہونے یا نہ ہونے کی فطری طور پر کن کن طریقوں اور کس کس انداز سے تحقیق کر سکتا ہے؟ انہیں عقل و تجربہ اور فہم و بصیرت سے ہی طے کیا جاسکتا ہے محض نقل سے نہیں۔ سو یہ درایت ہے جس نے روایت کو اصول بنائے۔ مغربی تعلیم کے وہ حلقے جنہیں ارمغانِ مشرق نہیں ملا اور نہ انہیں دیوبند جیسی کسی درسگاہ میں تحقیق حدیث سُننے کی نوبت آتی ہے وہ ہمیشہ یہ کہتے سُنے جاتے ہیں کہ علماء روایت میں درایت سے یکسر خالی ہو کر چلتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ وہ نہیں جانتے

کہ علمِ حدیث جن قواعد پر مرتب ہوا ہے صرف ان کے اصولِ نقل سے ماخوذ ہیں۔ روایت کا رد و قبول اور اس کی تحسین و تضعیف ہمیشہ ان تجربات اور ضابطوں سے ہی طے ہوتی ہے جو انسانی فکر و فراست اور تجربہ و دانش نے تجویز کئے تھے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ ان تجربات اور ضابطوں نے آگے نقل کی صورت اختیار کر لی، کیونکہ ہر آنے والے نئے مفکر کو نئے سرے سے ضابطے طے کرنے کی اجازت نہ دی جاسکتی تھی۔ یہ اس لئے نہیں کہ علمائے حدیث اصولِ روایت کے خلاف تھے بلکہ اس لئے کہ ہر نئے مجتہد کی فکر و ذکاوت سے متاثر ہو کر پوری قوم کی تاریخ بدلی نہیں جاسکتی اور اصولِ حدیث کے پہلے طے ہونے والے ضابطوں کو ہمیشہ کے لئے متزلزل اور محلِ ترمیم نہیں ٹھہرایا جاسکتا ورنہ قوم کو اپنی علمی تاریخی میں کبھی اور کہیں نقطہ یقین میسر نہ آسکے گا۔ ہاں یہ بات صحیح اور درست ہے کہ روایت کے گرد ہمیشہ روایت نے پہرہ دیا ہے۔ پہرہ سند کے گرد ہو تو قواعدِ حدیث کا موضوع ہو گا اور متن کے گرد ہو تو اس سے فقہ کی راہ کھلے گی۔ آدابِ حدیث کی صحیح قدر کے لئے قواعدِ حدیث پر نظر کرنا بھی ضروری ہے۔ قواعد سے اس کا ثبوت ملتا ہے اور آداب سے اسکے حقوق طے ہوتے ہیں۔

قواعدِ حدیث سے حدیث کی قسمیں ہوتیں اور اقسامِ حدیث کا عنوان قائم ہوا۔ محدثین نے اس باب میں اتنی کاوشیں کیں کہ ہر صادق کاذب سے اور ہر حافظ و ضابطِ مخطیٰ اور ناسی (بھولنے والے) سے ممتاز ہوتا گیا اور پھر ان رِوایۃ و طبقات کے اتنے تراجم لکھے گئے کہ اب سندِ حدیث اپنے وجود و ثبوت میں کسی مزید روایت کی محتاج نہ رہی اور حدیث اپنی مختلف قسموں سے پھر نقل و خبر کی راہ پر آگئی اور طلبہ اقسامِ حدیث میں بصیرت حاصل کر کے نئے سرے سے جانچ اور پڑتال کی زحمت اٹھانے سے بچ گئے۔

پھر یہ اقسام صرف علمی حدود تک محدود نہ رہیں۔ محدثین نے کتبِ حدیث ان اقسام پر مرتب کر ڈالیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم ایک خاص درجے کی صحیح احادیث کے ستون ہیں۔

پھر امام ابو عبد الرحمن النسائی اور امام ابو عوانہ اسفہانی کچھ اس شان ثقیات سے چلے
امام ترمذی روایات کے ساتھ ساتھ ان کی اقسام بھی ذکر کرتے گئے اور محدثین کی اس محنت
نے آنے والے طلبہ حدیث کو اس باب میں بھی کافی حد تک مزید گروہ پیمانی سے بچالیا
ہے۔ متن کی گہرائی میں امام ابو داؤد اور امام طحاوی مجتہدانہ شان سے چلے ہیں

یہ محنت سمٹ کر کتب حدیث میں جمع ہوئی اور پھر یہ کتابیں سبقاً پڑھی پڑھائی
جانے لگیں۔ ان میں پھر فنی مباحث اُچھلے اور معارف و معانی نکھرے تو ان تحقیقات و
تدقیقات نے شروح کی شکل اختیار کی۔ آج حدیث کی مشکلات میں یہی شروح ہیں جو
چراغِ راہ کا کام دیتی ہیں اور ضروری ہے کہ شروح حدیث کو ایک مستقل عنوان دیا جائے
اور جو طلبہ عربی نہیں جانتے اُن کے لئے تراجم حدیث ایک عنوان کے تحت ذکر کر دیے جائیں۔

اس ماحول میں اردو اور انگریزی تراجم کفایت کرتے ہیں۔ بنگلہ کے تراجم ان کے علاوہ ہیں
ان عظیم کاوشوں میں خراج تحسین محدثین کو جاتا ہے۔ جو قوم اپنے محسنوں کی شکر گزار
نہ ہو وہ خدا کی شکر گزار کیسے ہوگی۔ پس ضرورت ہے کہ آثار الحدیث میں ائمہ حدیث
کو بھی ایک مستقل عنوان کے تحت ذکر کیا جائے۔ احقر کی یہ ایک پُرانی تالیف ہے جو
عرصہ سے نایاب تھی۔ الحمد للہ کہ اب یہ پھر سے ہدیۂ قارئین ہے۔ ائمہ حدیث بہت سے
ذیلی موضوعات پر مشتمل ہے ہم نے ان کو مستقل عنوانوں سے فہرست میں جگہ دی ہے تاکہ
طلبہ کو جس باب سے دلچسپی ہو انہیں اُن کی ضرورت کا مواد اس عنوان کے تحت مل سکے۔
مجتہدین کرام، ائمہ جرح و تعدیل، ائمہ تالیف اور ائمہ تخریج تقریباً سبھی اس میں آگئے ہیں۔

ناظرین حیران نہ ہوں کہ حدیث کے ان مباحث میں ہم نے صرف دو فرقوں کا
تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ (۱) جماعت اہلحدیث اور (۲) منکرین حدیث۔ دیگر کسی
حلقے کے علماء کو ہم نے کسی مستقل عنوان سے ذکر نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علماء حدیث
کے دیگر حلقوں کی اپنی کوئی راہ نہیں۔ وہ مذاہبِ اربعہ کے قدامتہ محدثین کی روش پر

چلے ہیں اور اُن قدماء کا ذکر ہم ائمہ حدیث کے تحت پہلے کر چکے ہیں۔

حالات کے طور میں حدیث کی نسبت سے یہی دو طبقے اس نئے ماحول کی پیداوار ہیں اور ان کا عوامی تعارف ردّاً ہو یا قبولاً حدیث کی نسبت سے ہی ہوا ہے۔ سو ہم نے اہل حدیث (باصطلاح جدید) اور مُنکَرین حدیث کو اس جلدِ ثانی میں مستقل عنوانوں سے جگہ دی ہے۔ جماعت اہل حدیث سے ہمیں تحقیقات حدیث میں کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو لیکن اس بات کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ پچھلی صدی میں اپنی بے بضاعتی کے باوجود حدیث کے جھنڈے انہی لوگوں نے قریہ قریہ اور شہر شہر اٹھائے ہیں۔ اس وقت نہ انہیں کوئی بیرونی امداد حاصل تھی جس کے سہارے ان کی بڑی بڑی بلڈنگیں اور تنظیمیں بنی ہوں۔ بس ایک ولولہ اور جذبہ تھا جو اُن کے عوام کو ہر جگہ تراجم حدیث اٹھائے لئے پھرتا تھا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ بڑے صغیر پاک و ہند میں اگر ترکِ تقلید کی ہوا نہ چلتی تو علمائے دیوبند بھی شاید اورنگ زیبؒ سے ذرا آگے نہ بڑھتے۔ مولانا محمد حسین بٹالوی دس سوال لکھ کر دیوبند نہ بھیجتے تو حضرت شیخ الہندؒ کی ایضاح الادلہ جیسی علمی کتاب کب منصبہ شہود پر آتی۔ یہ انہی حضرات کی تنگ و دو تھی جس کے باعث عالم اسلام حدیث کے اعلاء السنن جیسے عظیم علمی ذخیرہ سے بہرہ یاب ہوا۔

پھر مُنکَرین حدیث بھی اس پہلو سے لائقِ ستائش ہیں کہ انہوں نے حدیث کی جڑوں کو ہی پسینج کر دیا۔ اگر یہ نہ ہوتے تو شاید ہمیں بھی ضرورت حدیث، حجیت حدیث اور تدوین حدیث جیسے رسائل نہ لکھنے پڑتے۔ عدو شرے برانگیز وہ خیرا وراں باشندے کے تحت ان لوگوں کی حدیث پر یلغار بڑھتی گئی اور ہماری ان ابواب میں تحقیق کی رفتار بڑھتی گئی۔ سو انصاف کا تقاضا تھا کہ اس دور میں جن طبقوں کا تعارف حدیث کے نام سے ہوا ہے وہ اہل حدیث ہوں یا مُنکَرین حدیث انہیں مستقل عنوانوں سے ذکر کیا جائے اور اس سے بھی ہمارا مقصد صرف اُن کا تاریخی تعارف ہے کسی سے کوئی دل لگی نہیں۔ ہاں

یہ ضرور ہے کہ منکرین حدیث کے مقابلہ میں ہم حدیث کو حجت ماننے والے ایک ہیں اور ہمارا آپس کا فقہی اختلاف اس مرحلے میں ہمیں ایک دوسرے سے دور نہیں رکھتا۔

فقہی اختلاف میں ہمیں صحابہ کی روش اختیار کرنی چاہئے علماء حقیقت میں یہی لوگ تھے اور بقول حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) یہی بروجر کی تاریکیوں میں روشنی کے چراغ تھے۔

جعلہم اللہ بمنزلۃ الخویم یہتدی بہم فی ظلمات اللیل والبحر وقد اجمع

المسلمون علی ہدایتہم وددایتہم (رفع الغلام عن الائمۃ الاعلام)

یہ حضرات کئی فقہی مسائل میں آپس میں مختلف تھے لیکن کبھی ایک دوسرے کی تفصیل و تفسیق نہ کرتے اس اختلاف کو وسعت عمل اور رحمت امر سمجھتے ان مسائل پر کبھی جماعت بندی نہ کرتے اور اختلاف عمل کے باوجود وحدت امت کی رسی کبھی ان کے ہاتھ سے نہ چھوٹتی تھی۔

سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ ہم امام کے پیچھے ہوں تو کیا سورت فاتحہ پڑھ لیا کریں؟ آپ نے فرمایا اپنے جی میں پڑھ لیا کرو لفظاً پڑھنے پر اصرار نہ فرمایا نہ یہ کہا کہ اس کے بغیر امام کے پیچھے بھی نماز نہ ہوگی۔ وہ جانتے تھے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتوے دیتے ہیں کہ جو شخص امام کے پیچھے سورت فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ہو جاتی ہے (موطا امام مالک جامع ترمذی جلد ۱ ص ۳۲) حضرت عبداللہ بن عمر کروع کے وقت رفع یدین نہ کرتے (طاہوی شریف) مگر حضور کے رفع یدین کو روایت کرنے میں انہیں کوئی جھجک نہ تھی یہ لگے علماء کا کام ہے کہ وہ ان میں تطبیق کی راہیں تلاش کریں صحابہ اس وسعت عمل میں خود ایک ذہنی راحت محسوس کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر صبح کی نماز کے لیے مسجد میں آئے دیکھا کہ جماعت کھڑی ہے دونوں نے ابھی سنتیں نہ پڑھی تھیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہی جماعت میں مل گئے لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے پہلے سنتیں پڑھیں پھر امام کے ساتھ ملے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ منبر سے فارغ ہو کر وہیں بیٹھے رہے یہاں تک کہ سورج نکل آیا اور پھر آپ نے وہ دو رکعت ادا کیں۔ اس ماحول سے پتہ چلتا ہے کہ ایسے فقہی مسائل میں وہ کبھی ایک دوسرے پر نیگز نہ کرتے تھے اگر اسلام میں اس قسم کے اختلاف کی گنجائش نہ ہوتی تو وہ کبھی بھی نہی عن المنکر سے باز نہ رہتے حافظ ابن تیمیہ نے ان کے اختلاف عمل کا یہ محاکمہ کیا ہے

فان السلف فعلوا هذا وهذا وكان كلا الفعلين مشهوراً بينهما - كانوا يصلون على الجنائز بقراءة وغير قراءة كما كانوا يصلون تارةً بالجهر بالسبلة وتارةً بغير جهر بها وتارةً باستفتاح وتارةً بغير استفتاح و تارةً برفع يدين في المواطن الثلاثة وتارةً بغير رفع اليدين وتارةً يسلمون تسلمتين وتارةً تسليمةً واحدةً وتارةً يقرؤون خلف الامام بالسرو وتارةً لا يقرؤون وتارةً يكبرون على الجنائز اربعاً وتارةً خمساً وتارةً سبعا - كان فيهم من يفعل هذا وفيهم من يفعل هذا - كل هذا ثابت عن

الصحابه رضي الله عنهم (فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۲ ص ۱۹۷)

(ترجمہ) سلف صاحبین نے اس پر بھی عمل کیا اور اس پر بھی عمل کیا ہے اور دونوں طریقے ان میں مشہور و معروف تھے بعض نماز جنازہ میں قرأت کرتے اور بعض نہ کرتے تھے کبھی بسم نماز میں پڑھی گواز سے پڑھتے اور کبھی اسے بغیر جہر کے پڑھ لیتے - افتتاح کبھی پڑھ لیتے کبھی نہ - رکوع میں جاتے رکوع سے اٹھتے اور تیسری رکعت شروع کرتے کبھی رفع الیدین کر لیتے اور کبھی نہ کرتے ، نماز پوری ہونے پر کبھی دونوں طرف سلام پھرتے اور کبھی ایک طرف پر ہی اکٹھا کرتے - کبھی امام کے پیچھے قرأت کر لیتے اور کبھی امام کے پیچھے قرآن بالکل نہ پڑھتے - نماز جنازہ پر چار تکبیریں بھی کہہ لیتے پانچ اور سات بھی - سلف میں ان میں سے ہر طریقہ پر عمل کرنے والے تھے اور یہ سب طریقے عمل صحابہ سے ثابت ہیں -

ان اختلافی مسائل میں اگر صرف ایک راہ حق ہوتی تو ان حق پرستوں میں یہ اختلاف عمل نہ ہوتا اس سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کے ہاں ان فقہی مسائل میں کسی ایک کی تعیین ضروری نہ تھی ائمہ اربعہ کے مقلدین بھی پھر اسی طرز پر چلے ہیں کہ اپنے اپنے مسلک کو رائج سمجھنے کے باوجود کبھی کسی نے دوسرے کو باطل پر نہیں کہا نہ ائمہ کے باہمی اختلاف کو کہیں حق و باطل کا فاصلہ بتایا سو جو کلام صحابہ کے دور میں نہیں ہوا وہ آج بھی دین کا تقاضا نہیں ہو سکتا صحابہ نے اس اختلاف مسالک پر نہ کبھی جماعت بندی کی نہ ان اختلافات کو کبھی موضوع دعوت بنایا نہ کبھی کوشش کی کہ ان میں کوئی فروعی اختلاف نہ رہتے پائیں -

یہ فروعی اختلافات قرآن کریم کے حکم اقیموا الدین ولا تتفوقوا فیدہ (پ ۱۵ الشوری) کے تحت نہیں آتے صاحب روح المعانی علامہ محمود آلوسیؒ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں :-
ولا يشمل هذا التمهی الاختلاف فی الفروع فانها لیست من الاصول المرادة هنا ولم یتمد بها النبیون - ۱

ترجمہ: یہ نہیں کہ دین قائم کرنے میں آپس میں اختلاف نہ کرو اس اختلاف کو شامل نہیں جو فروع میں ہوتا ہے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ ائمہ اربعہ کے حق ہونے پر امت صدیوں سے متفق چلی آرہی ہے تاہم آپ نے قرون وسطیٰ میں کہیں نہ دیکھا ہوگا کہ اسلامی دنیا میں کبھی حنفی مالکی اور شافعی حنبلی مسالک عمل پر کوئی جماعت بندی ہوئی ہو یہ سب مسالک اصول و اعتقاد میں صرف ایک جماعت اہل سنت و الجماعت ہیں اور یہ فروعی اختلاف امت کے وسعت عمل کی مختلف راہیں ہیں جو اس امت میں ہمیشہ رحمت سمجھی گئی ہیں۔ افسوس کہ آج ہماری صفوں میں فروعی مسائل پر جماعت بندی ہونے لگی ہے اور یہ وہ بدعت ہے جو عہد صحابہ میں نہ تھی ظاہر ہے کہ جو چیز صحابہ کے عہد میں نہ ہو وہ کبھی ہمارا دین نہیں ہو سکتی جلیل القدر صحابی حضرت حذیفہ بن الیمانؓ ۳۶ھ فرماتے ہیں کل عبادة لم يتبعوها اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا تقبدها (ترجمہ) دین کا ہر وہ عمل جسے صحابہ نے دین نہیں جانا تم اسے دین نہ سمجھنا

یہ سوال نہ کیا جائے کہ جب حنفی شافعی نام پر مسلمانوں میں کوئی جماعت بندی نہیں تو اہل حدیث حضرات نے فروعی مسائل پر کیوں علیحدہ جماعت بنا رکھی ہے تاریخ اسلام میں یہ پہلا گروہ ہے جس نے مختلف فقہی مسالک میں وسعت عمل کی لائن چھوڑ کر فروعیات میں بھی صرف ایک ایک راہ کو حق سمجھ رکھا ہے، یہ اسلئے کہ یہ کوئی عالمی جماعت نہیں ہے ان کا تعارف صرف برصغیر پاک و ہند میں ہی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کوئی ایک معین مسلک نہیں جسکی باقاعدہ تدوین ہوئی ہو یہ کوئی باقاعدہ مسلک ہوتا تو دنیا کے ہر خطے میں پایا جاتا غیر عالم عامی کا ترک تقلید کا نعرہ دوسرے کسی اسلامی ملک میں نہیں سنا گیا اور نہ عرب ممالک میں کسی ملک کے ذمہ دار مفتی صاحبان نے تقلید ائمہ اربعہ کو گناہ کہا ہے۔

مطالعہ حدیث میں صحابہ کے فروعی اختلافات ان میں وسعت عمل اور ائمہ اربعہ کے مختلف مسالک

یہ وہ راہیں ہیں جن کا کاٹ ضروری ہے اس سے مطالعہ حدیث میں کوئی الجھن پیدا نہ ہوگی اور منکرین حدیث اس راہ سے حدیث میں کوئی اور تشکیک کے کانٹے نہ بوسکیں گے اور اگر آپ ہر ایک موضوع میں صرف ایک ایک راہ عمل کو حق سمجھیں اور باقی سب کو باطل جانیں تو ظاہر ہے کہ کتب حدیث کے علمی ذخیرے اس گراںبہاری کے تحمل نہ ہو سکیں گے است میں ہر طرح سے اتحاد چاہیے لیکن ایسا بھی نہیں کہ پوری است کی ولایت کسی ایک فقہیہ میں جمع ہو جائے یہ منصب صرف رسالت کا ہے کہ اس کی ہر ہاں پوری است کہے ہاں ہو اور اس کی ہر نہ پوری است کے لیے نہ ہو۔

وماکان لمومن ولا مومنہ اذا قضی اللہ ورسولہ امرًا ان یکون لہم الخیرہ من امرہ ۲۲ الاحزاب ع ۵

اور یہ کسی مومن مرد یا عورت کا کام نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی کام طے کرے تو انہیں اپنا کوئی اختیار ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ ایران کے مذہبی پیشوا علامہ خمینی نے اپنے مسلک کے علماء حدیث کو اب ایک شرعی حیثیت دے دی ہے اور اس پر ولایت فقہیہ کے موقف کی تائیس کی ہے خمینی کا استدلال اس حدیث سے ہے۔

اللہم ارحم خلفائی ثلث مرات قبل من خلفاءک قال الذین یروون احادیثی وسنتی فیعلمونہا الناس من بعدی - الحکومتہ الاسلامیہ مصنفہ خمینی ص ۴۴
ہم پہلی جلد کے ص ۴۹ پر شیعہ کتب حدیث کے حوالہ سے اس روایت کو نقل کر آئے ہیں اہل السنۃ کے ہاں یہ روایت صحیح نہیں ہے وار قطنی نے اس کے راوی احمد بن عیسیٰ کو کذاب کہا ہے (مجمع الزوائد جلد ۱۲ ص ۱۲۶)
خمینی کا استدلال یہ ہے کہ جو علماء احکام الہی اس کے بندوں تک پہنچائیں اور انہیں معالم دین کی طرف راہنمائی کریں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ معصومین کے نائب ہیں اور انہیں حق پہنچانا ہے کہ وہ امام کی عدم موجودگی میں ولایت فقہیہ کا عہدہ قائم کریں اس فقیہ عادل کا اقدار پوری کائنات کا اقدار اعلیٰ ہوگا اور ان کو وہی حق حاصل ہوگا جو ائمہ کو ہے خمینی لکھتا ہے

ان الفقہاء ہم اوصیاء الرسول من بعد الانمۃ وفي حال غیابہم وقد کلفوا بالقیام ما کلف الانمۃ بالقیام بہ - الحکومتہ الاسلامیہ ص ۵۷
(ترجمہ) بیشک فقہاء ائمہ کے بعد اور ان کی غیبت میں اوصیاء الرسول ہیں اور ائمہ اسلام جس طرح

اقامت دین کے مکلف ہیں فقہار بھی اس کے مکلف ہیں۔ ولایت فقہ قائم ہونے پر اس فقہ اعظم کی پیروی اللہ اور اس کے رسول اور ائمہ ہدیٰ کی پیروی سمجھی جائے گی اور اس سربراہ کی مخالفت اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت شمار ہوگی۔

دوسرے علماء شیعہ جیسے قم کے آیت اللہ طباطبائی اور آیت اللہ العظمیٰ شریعت مداری اس نظریہ ولایت فقہ کے خلاف ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس پر کوئی دلیل عقلی موجود ہے اور نہ اس پر کوئی حجت شرعی قائم ہے۔ (دیکھئے النورۃ البائسہ ص ۱۵۷ اور پنج خمینی ص ۱۸)

ہمیں خمینی کے اس استدلال سے اتفاق نہیں یہ روایت جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان علماء کو اپنا خلیفہ بنایا ہے جو آپ کی احادیث و سنن روایت کریں اور لوگوں کو ان کی تعلیم دیں کسی ایک فقہ کو جانشین رسول نہیں بنا رہی آپ کے خلفاء کا پتہ دے رہی ہے اور یہ اسی طرح ہے جیسے حدیث میں العلماء و رثۃ الانبیاء کہا گیا سو اس روایت میں خلافت خاصہ کا بیان ہے جو تمام محدثین اور فقہاء کو حاصل ہے اور خلافت کبریٰ وحدت چاہتی ہے اس روایت میں خلافت کا تعدد مذکور ہے اور ولایت فقہ (خلافت کبریٰ) وحدت چاہتی ہے۔

ولایت فقہ قائم ہونے کی صورت میں کسی محدث یا فقہ کو فقہ اعظم سے اختلاف کا حق نہیں رہتا اور دیگر سب محدثین اور فقہاء اس کے ماتحت ہو جاتے ہیں ظاہر ہے کہ اس سے احادیث و روایات میں وسعت عمل کا تصور جو حضور کے بعد اب تک امت کا سرمایہ عمل رہا ہے یکسر ختم ہو جاتا ہے۔ اس پیش لفظ میں خمینی کے اس نظریہ پر کوئی علمی بحث مقصود نہیں بتلانا صرف یہ ہے کہ اس دور آخر میں بھی حدیث کی روایت اور نقل و سند کو وہ رتبہ حاصل ہے کہ جو لوگ اصلاً اجتہاد پر یقین نہیں رکھتے ائمہ معصومین کی تاقیامت رہنمائی کے قائل ہیں وہ بھی غیبت امام کے وقت نقل و روایت کے سلسلے میں پناہ لے رہے ہیں گو ولایت فقہ پھر انہیں اس وسعت عمل سے دور کر دیتی ہے جس کے سلسلے احادیث و روایات کی روشنی میں دور تک پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس صورت حال میں ہم نے مدارس حدیث میں قم، مشهد اور نجف اشرف کے مدارس حدیث کا ذکر نہیں کیا اور دوسرے مسالک کے کچھ مدارس حدیث ذکر کر دیے ہیں ان مسالک میں کوئی کسی ایسی امامت یا ولایت فقہ کا قائل نہیں اور نہ جماعت اہلحدیث کے ایک فرقہ امامیہ کے سوا کسی کا دعوے ہے کہ حق اب صرف انہی کی اتباع میں ہے۔

ائمہ اربعہ کے پیرو عقیدہ رکھتے ہیں کہ اجتہادی مسائل میں ان کے امام کی تفسیر درست ہے لیکن وہ سمجھتے ہیں کہ اس میں خطا کا احتمال موجود ہے ہو سکتا ہے کہ اس میں دوسرے امام کی رائے درست ہو اس صورت میں بھلا ان میں سے کوئی اپنے لیے کسی آسمانی حق کا قائل ہو سکتا ہے؟ اس صورت حال میں حق ایک وسیع دائرہ میں پھیلا ہوا نظر آتا ہے جس میں وسعت عمل کی بھی راہیں ہیں اور اختلاف میں بھی ملامت نہیں رحمت ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی غیر منصوص مسائل میں فقہ حنفی پر عمل پیرا تھے اور اس میں بھی اگر مختلف اقوال ہوں تو مفتیان کرام کو اپنے طور پر راجح کی تلاش کا پورا حق ہے اس صورت میں اگر کوئی اختلاف راہ پا جائے تو اسے باسانی الہی رحمت کہا جاسکتا ہے نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث کہ در علم و عمل ہمسر خود در عرب و عجم نہ داشت و خاندان او حنفی مذہب بود از اولاد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ در غیر منصوص تابع حنفیہ ماند و قشر ان را از لبٹ منفصل ساخت و جادہ تطبیق و توفیق در مذاہب اربعہ بتقدیم احکام سنن بسپرد و بعد از دے پسرا نش ہم بریں پنج قیام کردند . (ہدایۃ السائل)

ترجمہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا عرب و عجم میں علم و عمل میں کوئی ہمسر نہ تھا آپ حضرت عمر کی اولاد میں سے تھے اور حنفی خاندان کے فرد تھے غیر منصوص مسائل میں حنفی فقہ پر چلتے اور اس کے پھلکے کو مغز پر حاوی نہ ہونے دیتے تھے آپ نے مذاہب اربعہ میں موافقت اور تطبیق کی راہ نکالی کہ سنن کو مقدم رکھا جائے آپ کے بعد آپ کے بیٹے بھی اسی طریق پر چلتے رہے

خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالغفریہ محدث دہلوی "حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی" حضرت شاہ اسماعیل شہید حضرت شاہ محمد اسحاق سب اسی لائن کے پیرو تھے اور برصغیر پاک و ہند کی دینی قیادت انہی کے ہاتھ میں تھی ان کی علمی سلطنت سمرقند اور بخارا تک پھیلی ہوئی تھی۔

اسی دور کے قریب نجد میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تحریک اٹھی یہ مذاہب اربعہ میں حنبلی طریقے کے پیرو تھے اور ان کا ہندوستان کے محدثین دہلی سے کسی ضابطے کا رابطہ نہ تھا نواب صاحب مرحوم لکھتے ہیں خاندان محمد بن عبدالوہاب بیت علم ضابطہ بود و خاندان ایٹاں بیت علم حنفیہ است

ایشان رابا اوشاں بیچ علاقہ تلمذ یا ارادت یا ہومطنی یا صحبت یا معرفت گاہی
نمودہ پس الصاق اس جماعت ہندو جماعت اہل نجدہ واز کجا صحیحے تواند شد۔

ہدیہ السائل الی اولہ المسائل صد ۱۲۰

(ترجمہ) شیخ محمد بن عبدالوہاب کا خاندان جنیلیوں کا مرکز علم تھا اور شاہ ولی اللہ کا خاندان
حنفیوں کا مرکز علم ہے۔ ان کو ان سے شاگردی یا عقیدت یا ہم وطنی یا ہم مجلس
اور معرفت کا کوئی علاقہ نہیں پس انہیں ان نجدیوں سے جوڑنا کیسے درست
ہو سکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ وہابیہ نجد امام احمد بن حنبل کے مقلد تھے غیر مقلد نہ تھے محدثین دہلی حضرت امام اعظم
کے مقلد تھے غیر مقلد نہ تھے ہندوستان کے غیر مقلدین ان میں سے کسی کے ساتھ نہیں نواب صاحب
مرحوم ان کے بارے میں اپنی رائے لکھتے ہیں۔

اما وہابیہ ہند پس اذ حال ایشاں و مخالفین ایشاں یچ مہرس کہ عجب چہل مرکب نصیب
ایشاں شد و توقع خلاص ازاں علی مزالد ہو و منقطع گردیدہ صد ۱۱۹

یہاں ان لوگوں کے (غیر مقلدین کے) بھی اپنے مدارس ہیں اور ان کے آپس میں اختلافات بھی
ہیں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی جماعت دیوبند کے امام الائمہ ہیں ان کے اپنے مدارس ہیں۔ بریلوی جماعت
جو علماء دیوبند علماء حرمین اور جماعت اہل حدیث (غیر مقلدین) تینوں کے خلاف ہے ان کے اپنے مدارس
ہیں بعض پرانے بزرگوں کی خانقاہوں پر بھی مدرسے قائم ہیں جیسے تونسہ اور گولڑہ کے خانقاہی مدارس ان
کا بریلوی مدارس سے جوہری اختلاف ہے یہ خانقاہی مدارس علماء دیوبند اور علماء حرمین کو کافر کہنے والوں
کو اچھا نہیں سمجھتے۔ اور نہ اپنے ذاتی مفاد کے لیے تفریق امت کے قائل ہیں۔

ہم نے خانقاہی مدارس کا محض ایک مختصر ذکر کیا ہے ورنہ ان کی ایک لمبی فہرست تیار ہو سکتی ہے
برصغیر پاک و ہند میں یہ خانقاہی مسلک اکثریت میں ہے اور بریلوی مقابلہ اقلیت میں تاہم یہاں ہر
مکتب فکر کے اپنے مدارس ہیں اور کچھ مدرسے یہاں جماعت اسلامی کے زیر انتظام بھی چل رہے ہیں۔
ان میں زیادہ موافقت علماء دیوبند سے ہے لیکن یہ ایک طریق کے پابند نہیں ہیں کچھ مدارس منتسبین،
دیوبند کے بھی ہیں اور ان کی اپنی اہمیت ہے۔

منکرین حدیث کے مقابلہ میں ہم سب ایک ہیں اور ہمارا آپس کا فقہی اختلاف اس مرحلے میں ہمیں ایک دوسرے سے دُور نہیں رکھتا۔

مدارس حدیث ہر مسلک کے اپنے ہیں لیکن ان سب میں حدیث کو حجت شرعی اور شریعت کا دوسرا علمی ماخذ سمجھ کر پڑھایا جاتا ہے۔ منکرین حدیث کے ہاں درس حدیث گو ان کی اپنی افتاد طبع اور تاریخی حیثیت سے ہی کیوں نہ ہو کہیں موجود نہیں۔ سو یہ صحیح ہے کہ انہیں حدیث کے کسی ایک پرائے یا محدثین کے کسی ایک طبقے سے اختلاف نہیں ان کی تمام فکری اساس ہی حدیث دشمنی پر مبنی ہے اور مسلمانوں کی علمی صفوں میں کسی جگہ ان کی صف نظر نہیں آتی جس طرح قادیانی اپنے دعوے اسلام کے باوجود مسلمان نہیں سمجھے جاتے منکرین حدیث بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اجابت میں کہیں جگہ نہیں پاتے۔ اور عملاً بھی مسلمانوں میں اُن کی صف نظر نہیں آتی۔ رب العزت کا کس زبان سے شکر کیا جاتے جس نے آثار الحدیث جلد ثانی کی تکمیل کی توفیق بخشی۔ ہر بن موزبان ہو جاتے تو پھر بھی اس کے احسان عظیم اور فضل عظیم کا شکر ادا نہیں ہو سکتا۔ کہاں یہ ناکارہ اور کہاں قصر شاہی کی پہرہ داری۔

آثار الحدیث کا اصل مسودہ سالہا سال پہلے کاتبے بعد میں حالات میں بہت تبدیلیاں ہوئیں تاہم کئی نئے موڑوں سے گزری کئی بزرگ مرحوم ہو گئے جو دوران تالیف دامت برکاتہم کی صف میں تھے نظر ثانی کے وقت کئی مقامات پر بطور تبدیل کرنی پڑیں تاہم مجھے اعتراف ہے کہ بعض مقامات میں تالیف کا حق ادا نہیں ہو سکا احباب سے صرف نظر اور بزرگوں سے نقد نظر کی نیاز مند درخواست ہے۔ آثار الحدیث کی تیسری جلد اختلاف الحدیث سے شروع ہو رہی ہے۔ اس کی اساس حضرت امام شافعیؒ کا رسالہ اختلاف الحدیث ہے جو کتاب الام کے ساتھ چھپا ہے۔ راقم الحروف نے اس پر عراقی نقطہ نظر سے بحث کی۔ اللہ رب العزت سے دُعا ہے کہ وہ اس کی بھی تکمیل کی توفیق بخشے اور راقم الحروف کو بھی ان خوش قسمتوں میں جگہ دے جنہوں نے پورے اخلاص و محبت سے علم نبوت کے گہرے پہرہ دیا ہے خالہ محمود عفا اللہ عنہ

حال وارد پاکستان ۱۰۱۰۸۸

رائے گرامی حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ

علم القرآن اگر اسلامی علوم میں دل کی حیثیت رکھتا ہے تو علم حدیث شریک کی۔
یہ شریک اسلامی علوم کے تمام اعضاء و جوارح تک خون پہنچا کر ہر آن ان کے لیے تازہ
زندگی بہم پہنچاتا ہے۔

مسلمانوں نے آغاز اسلام سے قرآن پاک کے بعد اسی علم کو اپنے سینہ سے لگایا ہے
اور اپنی پوری محنت قابلیت اور اخلاص و عقیدت کے ساتھ اس کی ایسی خدمت کی
ہے کہ دنیا کی کوئی قوم اپنی قدیم روایات و اسناد کی حفاظت کی اس کی مثال نہیں پیش
کر سکتی اور ایسا ہونا ہی ضروری تھا کیونکہ اسلام قیامت تک کی زندگی لے کر آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ہر حرف کو دوام بخشا ہے اور علم
حدیث کے اوراق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی اہل بصر کو چلتے پھرتے اور بولتے چلتے
دکھائی دیتے ہیں۔

جتنے بدعتی فرقے پیدا ہوئے وہ وہی ہیں جنہوں نے کتاب کو سنت سے یا سنت کو
کتاب سے الگ کرنا چاہا خوارج نے کتاب کو مانا اور سنت سے انحراف کیا اور ان کے
مقابل کے فرقہ نے صرف اپنے ائمہ کی خفیہ سنت کی پیروی کی اور کتاب کو محرف بنا کر ہٹا دیا
اسی طرح معتزلہ نے قرآن کو بتادیل تسلیم کیا اور سنت سے اعراض کیا اور راہ راست سے
دور ہوئے۔

از
حضرت علامہ

خالد محمود صاحب
ڈائریکٹر اسلامک کیمپن
پانچٹر

ادب احادیث

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى۔ اما بعد !

آج کا موضوع بحث حدیث کو قبول کرنے، سننے سنانے، اس کے پڑھنے پڑھانے اور اس کی طلب و یافت میں پیش نظر رکھے جانے والے آداب ہیں۔ گذشتہ موضوعات میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی بایں جہت کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اور صحابہ کرام کی شخصیات کریمہ بایں جہت کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ اور تربیت یافتہ ہیں۔ حدیث کے موضوع ہیں۔ اب اس سے یہ بات سمجھنا آسان ہو گئی کہ حدیث کا ادب کیا ہے اور حدیث سننے سنانے اور پڑھنے پڑھانے کے آداب کیا ہیں!

جو ادب حضور کا ہے | جو ادب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے وہی آپ کی احادیث کا ہے، اور جو ادب صحابہ کرام کا ہے وہی ادب ان کے آثار و سنن کا ہے۔ جو عظمت الشرب العزت کی ہے وہی اس کے کلام کریم کی ہے سو ادب حدیث ادب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ایک پہلو ہے۔ اور آثار صحابہ کی توقیر و

تعظیم فیض رسالت ہی کی تعظیم و تکریم ہے اور ان کا امتثال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل ”تزکیہ اصحاب“ کا ہی ایک اکرام ہے۔ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی و بے ادبی کفر ہے اسی طرح ان کے ارشادات کی بے ادبی و گستاخی بھی کفر ہے۔ اور جس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی بے ادبی گمراہی کی انتہا ہے ان کے آثار و ارشادات سے لاپرواہی بھی ایک کھلی ضلالت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ارشاد اور ہر طریقے کو قبول کرنا ضروری ہے خواہ ہماری عقل میں آئے یا نہ آئے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ہماری عقل اس کو سمجھنے سے قاصر ہو لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات غلط ہو۔ آپ کے ہر ارشاد کے آگے تسلیم خم کرنا ضروری ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بات کے بارے میں دل میں کسی قسم کا تعلق بوجہ وغیرہ نہ ہونا چاہیئے۔ ورنہ ایمان قائم نہ رہ سکے گا۔ قرآن کریم میں ہے:

فَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۖ يَتَّبِعُونَ مَا بِهِمْ شُرَكَاءُ ۚ فَتَكُونُوا مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ ۖ وَلَكِنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّشْرِكِينَ ۚ

انفسہم حرجا مما قضیت ویسئلوناسلیما (پ: النساء)

(ترجمہ) ”قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو مصیبت جائیں اس جھگڑے میں جو ان میں

اتھیں، پھر نہ پاویں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلہ سے اور (تیرے فیصلہ کو) قبول کریں خوشی سے۔“

ادب رسالت | حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم کو دل سے قبول کرنا ضروری ہے اور اس کے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا۔ تو یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب دل سے بھی اس قدر ہونا چاہیئے کہ مجال ہے آپ کی کسی بات کے بارے میں تنگی آئے۔ قرآن کریم میں ہے

یا ایہا الذین امنوا و ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی لا تجہروا لہ بالقول کجہر
بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون ؕ (پ: ۲۶: انجرات)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آوازیں بلند نہ کرو نبی کی آواز سے اور آپ سے تیز آواز کے ساتھ نہ بولو جیسے تم
آپس میں ایک دوسرے سے بولتے ہو۔ اندیشہ ہے کہ کہیں تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔
اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں حضرت رسالت مآب کا ادب بتایا ہے۔ اس سے پہلے آیت میں اللہ تعالیٰ نے امتوں
کو اپنے نبی کے آداب سکھائے ہیں کہ تمہیں اپنے نبی کی توقیر و احترام عزت و اعظام اس قدر کرنا چاہیے کہ تم اپنے سائے کاوں
کو خدا اور اس کے رسول کے پیچھے رکھو۔ اس آیت میں ارشاد ہوا کہ نبی کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرو جیسے ایک دوسرے
سے بے محابا بات کرتے ہو۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اونچی آواز کرنا ایک شتم کی بے ادبی اور گستاخی ہے۔
شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مجلس میں شور نہ کرو، اور جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بے تکلف جبکہ طرح
کرات کرتے ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ طریقہ اختیار کرنا خلاف ادب ہے۔ آپ کے خطاب کو تو
زیر آواز سے، تعلیم و احترام کے لہجہ میں۔ ادب و شائستگی کے ساتھ۔ دیکھو ایک بہذب بیٹا اپنے باپ،
لائق شاگرد استاد سے، مخلص مرید پیر و مرشد سے اور ایک سپاہی اپنے افسر سے کس طرح بات
کرتا ہے۔ پیغمبر کا رتبہ تو ان سب سے کہیں بڑھ کر ہے۔ آپ کے گفتگو کرتے وقت پوری احتیاط رکھنی چاہئے مبادا
بے ادبی ہو جائے اور آپ کو تکدر پیش آئے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناخوشی کے بعد مسلمان کا ٹھکانہ کہاں ہے
ایسی صورت میں تمام اعمال ضائع ہونے اور ساری محنت رائیگاں جانے کا اندیشہ ہے۔
حضرت شیخ الاسلام کی اس تفسیر میں علماء دیوبند کا موقف روز روشن کی طرح واضح ہے کہ یہ حضرات رسالت کا ادب
احترام کس طرح مانتے ہیں۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ نبی کا درجہ اپنے بڑے بھائی کا سا نہیں۔ باپ، استاد، پیر و مرشد اور
اپنے افسر و اقا ہر ایک سے بڑھ کر ہے۔ حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عقیدہ بھی یہی تھا۔

بشر کے حق میں رسالت بڑا کوئی مرتبہ نہیں اور سائے مراتب اس سے نیچے ہیں۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں حضرت مولانا اسماعیل شہید لکھتے ہیں کہ:
”جہاں پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) سائے جہان کے سردار ہیں کہ اللہ کے نزدیک ان کا مرتبہ سب سے بڑا
ہے اور اللہ کے احکام پر سب زیادہ قائم ہیں اور لوگ اللہ کی راہ سیکھنے میں ان کے محتاج ہیں۔
آپ اس سے پہلے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لکھ آئے ہیں،
”سب انبیاء و اولیاء کے سردار پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور لوگ انسان کے بڑے بڑے معجزے دیکھے
انہیں سب سردار کی باتیں سمجھیں اور سب بزرگوں کو انہی کی پیروی سے بزرگ حاصل ہوئی۔“
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں کسی پہلو سے کوئی گستاخی اور بے ادبی نہ ہونے پائے

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کو ایک بڑا خطرہ قرار دیتے ہیں :

”خطرہ اس لئے ہے کہ رسول کی شان میں گستاخی یا ان کی آواز پر اپنی آواز کو بلند کر کے غالب کرنا ایک ایسا امر ہے جس سے رسول کی شان میں گستاخی اور بے ادبی ہونے کا احتمال ہے جو سبب سے ایذا بر رسول کا“ ۱۷

حضرات صحابہ کرامؓ اس آیت شریفہ کے نزول کے بعد بہت احتیاط سے آپ کے ساتھ کلام کرتے تھے اور ڈرتے تھے کہ کہیں ان کی آواز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند نہ ہو جائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے اکابر صحابہ کرام بھی آپ سے بات کرتے ہوئے جھجکتے تھے فہا باہ ان یہ علماء (بخاری خریف ج ۱ ص ۱۷۷) یہ دونوں حضرات بھی ہیبت کھاتے تھے کہ آپ سے کلام کریں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ صحابہؓ کے ہاں اور بار رسالت کا عز و احترام اور توقیر و احترام کتنا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضورؐ سے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی قسم اب تو میں آپ سے اس طرح بات کر رہا ہوں گاجس طرح کوئی سرگوشی کرتا ہے۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اسی طرح آہستگی سے بات کرتے تھے کہ بعض اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بات سن نہ پاتے جب تک کہ دوبارہ استہمام نہ فرماتے۔

قرآن کریم آپ کی تعظیم و توقیر کا ان الفاظ میں حکم دیتا ہے :

اِنَّا ارسلناکَ شَہِیْدًا وَّ مَبشُرًا وَّ نَذِیْرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَّرِسُوْلَہٖ وَّ تَعْلَمُوْا وَّ تَتَّقُوْا ۝ ۱۸

ترجمہ: ”ہم نے تجھ کو بھیجا احوال بتانے والا، اور خوشخبری اور ڈر سنانے والا تاکہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر یقین لاؤ اور اس کی نصرت کرو“ اور اس کی عظمت قائم رکھو اور خدا کی پاکی بولو صبح و شام“

یہ حکم خداوندی بتا رہا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر اور آپ کا اکرام و احترام ہر بندہ مومن کے لئے لازم ہے یہ تعظیم ایمانی اور قلبی حدود میں تو ہے ہی کہ بدوں اس کے مومن ہونے کا تصور بھی نہیں ہو سکتا لیکن بیرونی حدود میں بھی تعظیم و تکرار ہے کہ آپ کی آواز سے آواز بلند نہ کرے، آپ کو اپنی جیسوں کی طرح نہ بلائے، آپ کی ہر پکار پر لبیک کہے، آپ کے ہر حکم کو اپنے لئے واجب العمل جانے، اس کے انکار کو کفر جانے اور اس کے ترک کو گنہ گہی۔ رہا موضوع بدنی تعظیم کا تو آپ کے لئے دست بستہ قیام رکوع اور سجدہ نہ کرے۔ بدنی تعظیم اتنی ہی کرے جتنی چھوٹے درجے کے انسان بڑے رجب کے انسانوں کی کرتے چھ آتے ہیں۔

بعد الوفات آپ کے بعد جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ کے روبرو اونچی آواز سے کلام کرنا گویا اپنے اعمال کو نالغ کرنا ہے اسی طرح آپ کے اس دنیا سے روپوش ہونے کے بعد بھی آپ کے کلام یعنی احادیث کریمہ کے سامنے اونچی آواز نہ کرنی چاہیے شیخ الاسلام حضرت عثمانؓ کہتے ہیں :

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضورؐ کی احادیث سننے اور پڑھنے کے وقت بھی یہی ادب چاہیئے اور جو قبر شریف کے پاس ہو تو وہاں بھی ان آداب کو ملحوظ رکھئے نیز آپ کے خلفاء علمائے ربانیین اور اولوالامر کے ساتھ درجہ بدرجہ اسی ادب سے پیش آنا چاہیئے۔“ ۱۹

جس طرح بعد وفات آپ کی احادیث کریمہ کے سامنے اونچی آواز کرنے سے منع فرمایا ہے اسی طرح آپ کے تمام اہمال اور آپ کی سنتوں اور آپ کے احکام سے تجاوز کرنا بھی بے ادبی اور گستاخی سمجھا جائیگا اور یہ حکم قیامت تک کے لئے ہے۔ یہ حکم قیامت تک باقی رہے گا منسوخ نہیں ہوا۔ لہذا سنتوں سے آگے بڑھنا اور آپ کے احکام سے تجاوز کرنا بعد وفات بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ حالت حیات میں تھا اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔

حضرت تھانی ابو بکر بن عربی فرماتے ہیں کہ:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور ادب آپ کی وفات کے بعد بھی ایسا ہے جیسا کہ حیات میں تھا اسی لئے بعض علماء نے فرمایا کہ آپ کی قبر شریف کے سامنے بھی زیادہ بلند آواز سے سلام و کلام کرنا اور بکے خلاف ہے“

آپ کی مسجد میں آواز بلند نہ کرے

یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دو شخصوں کو مسجد نبوی میں بلند آواز سے کلام کرتے سنا تو آپ نے انکو منع فرمایا کیونکہ اس حالت میں آپ کا ادب و احترام قائم نہ رہ سکتا تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں بلند آواز سنی اور دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ مسجد مقدس میں دو اشخاص آواز بلند کر رہے ہیں۔ آپ نے انکو بلایا اور فرمایا تم لوگوں کو پتہ نہیں کہ تم کہاں بیٹھے ہو۔ فرمایا کہ یہ مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ کسی نے کہا کہ حضرت یہ دونوں اہل طائف ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم لوگ باہر سے نہ آئے ہوتے تو میں تمہیں رتروں کی سزا دیتا۔

لو کنتم من اهل المدينة لا وجعت كما ترفعان اصواتكما في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم
ترجمہ: اگر تم اس شہر کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں بدنی سزا دیتا تم حضور کی مسجد میں اپنی آواز بلند کر رہے ہو۔

(مشکوٰۃ شریف، رواہ البخاری و فی ردایۃ ابن کعبہ ناخذ الایرفع فیہ الصوت)

فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں مناظر کلام مسجد نہیں بلکہ مسجد باری نسبت ہے کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ نور ہے اور اس میں آواز بلند کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرام و احترام کے خلاف ہے۔

آداب حدیث قرآن کریم کی روش سے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلائے کا فوری حق یہ ہے کہ جس وقت اور جگہ بلائیں سب اشغال چھوڑ کر اُدھر ہی پہنچ جائے۔ حدیث رسول کوئی ایسی بات نہیں کہ اس پر فوری دھیان نہ کیا جائے حدیث کا پہلا ادب یہ ہے کہ اس پر فوری توجہ دی جائے ورنہ کرے۔ قرآن کریم یہ آداب یوں

لکھا ہے: یا ایہا الذین امنوا استجبوا لربہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم
ترجمہ: اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور رسول کا جس وقت وہ بلائیں اس کام کی طرف جس میں تمہاری زندگی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عمل یا بلاؤ ایسی چیز نہیں جس سے مومن ایک لمحہ کے لئے بھی پہلو تہی یا رُزگردانی کرے۔ قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلائے پر فوراً لبیک کا حکم دیتا ہے اور حضور کا بلانا صرف آپ کا ہی بلانا نہیں خدا کا بلانا بھی ہے۔ سو قرآن کریم کی روشنی میں حدیث رسول کا ادب یہ ہے کہ اس کے حکم پر فوراً لبیک کہی جائے

اسی میں مومن کی زندگی ہے اور اس کے آداب میں سے ہے کہ مومن حدیث کے سامنے مطیع و منفار ہو جائے کہ اسے آقا میں بسر و چشم حاضر ہوں۔ اب یہ بات مومن کی مرضی پر نہیں کہ حدیث کو تسلیم کرے یا نہ کرے یا اس سے کسی طرح پیچھے رہے۔ ہاں حدیث کے حدیث ہونے میں شک ہو تو یہ ایک علمی اختلاف ہوگا۔ حدیث کے ادب و احترام سے سرکاری نہ ہوگی۔

ادب حدیث خود | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین میں بیٹھے کوئی حدیث بیان فرمائی ہے تھے کہ ایک شخص (کوئی اسرائیلی) آیا اور اس نے آپ کے دوران بیان ہی ایک سوال کر دیا۔ آپ نے اس کی طرف توجہ نہ فرمائی اور حدیث برابر بیان فرماتے رہے جب بات پوری کی کہ تو فرمایا وہ شخص کہاں ہے جو قیامت کے باسے میں پوچھ رہا تھا۔۔۔۔۔

آپ کے طرز عمل سے حدیث کے احترام کا پتہ چلا کہ حدیث جب بیان ہو رہی ہو تو اور کوئی بات درمیان میں نہ لانی چاہیے گو وہ بات خود دین کی ہی کیوں نہ ہو۔ پوری حدیث آگے اس بحث میں آئے گی کہ حدیث کے بیان کے دوران کسی اور طرف توجہ نہ کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام میں ایک دفعہ ان کے حالات کے تفاوت سے غنیمت تقسیم فرماتے تھے۔ ظہر ہے کہ ہر ایک کے حالات پیش نظر اس کے لئے مقدار مختلف تھی اور اسی لئے آپ نے اسے کسی اور کے سپرد نہ کیا تھا بلکہ خود ہی تقسیم فرماتے تھے کہ ہر ایک ذوالخویصرہ تمہی نے کہا حضور! عدل فرمائیے، برابر تقسیم کیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، و ینالک من یعدل اذ اسم اعدل "تیری برابری میں عدل نہ کرو نہ لگاؤ اور کون کریگا؟" ۱۷

اور ایک روایت میں ہے کہ یہ بھی فرمایا: انا امین من فی السماء ینبئنی خبر السماء صباحا و مساءً "میں تو آسمان والے کا امین ہوں صبح و شام میرے پاس آسمان خبریں آتی ہیں" ۱۸

یعنی آسمانی باتوں میں تو مجھے امین سمجھا جاتا ہے تو کیا ان دنیوی امور میں کوئی بات خلاف امانت و دیانت مجھ سے ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ ذوالخویصرہ کے اس اعتراض پر آپ ناراض ہوئے۔ آپ نے اس شخص کے باسے میں یہ بھی فرمایا،

انہ یغوج من ضغفی ہذا قوم یتلون کتاب اللہ و یجاوزحنا جرہم یمسرقون من الدین حکما یمسرق السہم من الرمیۃ ۱۹

ترجمہ: اس کی پشت سے ایک ایسی قوم نکلے گی جو کتاب اللہ کی تلاوت میں ہر وقت رہیں گے لیکن تلاوت ان کے منہ سے نیچے اتر کر دل تک، نہ جاسکے گی، دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیرکان سے نکل جاتا ہے۔

آپ کی یہ پیشگوئی بالکل درست نکلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ہے ابنی کا ارتکاب کرنیوالا خارج کا بدورت اہل بنا۔ نبی کی بات کے سامنے یہ جبارت بالکل ناجائز تھی، نبی کی ترشان یہ ہے کہ اس کے سامنے آپس میں بھی کوئی جھگڑا نہ ہونا چاہیئے۔ جھگڑا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یا آپ کی طرف توجہ نہیں یا کسی کو آپ کی حدیث کو قبول کرنے میں تردد ہو رہا ہے۔

سیما حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :

و لو یمنعنی عند رنبی تنازع لہ ترجمہ : ”اور نبی کے پاس تنازع نہ ہونا چاہیئے“

بلکہ اگر کہیں آپس میں اختلاف ہو جائے تو اس کا فیصلہ نبی کی ذات اقدس سے لینا چاہیئے۔ اس اختلاف کو ہی آپ کی طرف منسوب کر دینا کسی بد نصیب کی فکر ہی ہو سکتی ہے۔

آداب حدیث عمل صحابہؓ کی رو سے | جن حضرات نے ملتہ نبوت میں تربیت پائی تھی ان سے زیادہ حدیث کا احترام کرنا والا کون ہو سکتا ہے۔ حضرت عمرو بن مسعودؓ تابعی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی

خدمت میں ہر جمعرات کو حاضر ہوتے تھے آپ ایک رات کا واقعہ نقل کرتے ہیں : فلما کان ذات عشیة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فنکس قال فنظرت الیہ فہو قائم محلتہ از دار قمیصہ قد انز و رقت عیناہ و انتفعت اوراجہ قال ”او دون ذالک او فوق ذالک“۔ او قریباً من ذالک

او شبیناً بذالک۔ (سنن ابن ماجہ ص ۷) ترجمہ : ایک رات آپ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا تھا آپ حضورؐ کی حدیث بیان کرتے سرنگوں ہو گئے تھے پھر میں نے آپ کی طرف دیکھا کہ آپ کھڑے ہیں میں کھڑے کے کھلے ہیں آنکھیں آنسوؤں سے تر ہیں، گریں پھول رہی ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے زیادہ کم یا زیادہ کے قریب قریب یا اس سے ملتی جلتی بات فرمائی تھی۔ اس ملتہ ارشاد میں جب حدیث رسول کا اتنا ادب تھا کہ مجال سے کوئی بات خلاف مراد رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی زبان سے نہ نکلتی، تو ظاہر ہے کہ ہماری مجالس اور ہمارے مدارس میں بھی حدیث بڑے ادب و احترام سے روایت کی جانی چاہئے۔

صحابہ کرامؓ جنہوں نے ملتہ نبوت میں تربیت پائی تھی وہ حدیث کے احترام میں جھکے جاتے تھے۔ جب حضورؐ کی کوئی حدیث سامنے آتی وہ جھٹ اپنی بات چھوڑ دیتے۔ ایک دفعہ حضرت کعب احبار اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما میں کسی موضوع پر اختلاف ہوا۔ کعب احبار کی تورات کی ایک یادداشت صحیح نہ تھی۔ حضرت ابو ہریرہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے خلاف روایت کر رہے تھے حضرت کعبؓ نے جب تورات کھلی تو روایت ابو ہریرہؓ کو درست پایا۔ فوراً پکار اُٹھے صدق رسول اللہ علیہ وسلم آنحضرتؐ نے سچ فرمایا : اللہ

حضرت ابو ہریرہؓ کا سخت حدیث پر اصرار اور اس کے مقابلہ میں تورات کی بات کو نہ ماننا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ صحابہؓ کے ہاں حدیث کی اہمیت اور اس کا ادب کتنا تھا

حضرت عمرو بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ : ”میں ابن مسعودؓ کے پاس ایک سال تک برابر آتا جاتا رہا مگر ان کو کسی وقت بھی بے تعلیمی سے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے نہیں سنا اور جبکہ ایک دن بے خیال میں ان کی زبان پر یہ جاری ہو گیا تو وہ اتنے روٹے کہ ان کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا اور وہ پسینہ پسینہ ہو گئے۔“

حضرت انس بن مالکؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کوئی حدیث نقل کرتے تو محض اس لئے کہ نادانستہ طور پر کوئی بات خلاف مراد مصطفیٰؐ کی زبان سے نہ نکل گئی ہو۔ آخر میں کہہ دیتے ”او کہا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: یعنی میری بات اگر کسی پہلو سے صحیح نہ ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات قرینۃً صحیح اور حق ہے وہی میری بات سب سے دو۔

آداب الحدیث عمل ائمہ کی رو سے | افضل التابعین حضرت سعید بن المسیبؓ (۹۳ھ) کا حدیث کے لئے احترام ملاحظہ ہو: حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت سعید بن المسیبؓ کے پاس آیا اور اس نے ان سے ایک حدیث دریافت کی تو وہ ایک پہلو پر بیٹے ہوئے تھے فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے اور حدیث بیان کی۔ اس شخص نے کہا مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ آپ تکلیف اٹھائیں اور اٹھ کر بیٹھیں انہوں نے فرمایا میں اسے مکروہ جانتا ہوں کہ پہلو پر لیٹے لیٹے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کروں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ادب حدیث ملاحظہ ہو:

”جو لوگ حضرت امام مالکؒ کے پاس آتے تو پہلے ان کی باندی باہر آتی اور پرچہ لے کر تم سے مسائل شرعیہ پوچھنے آئے ہو یا حدیث! اگر لوگ کہتے کہ ہمیں مسائل دریافت کرنے ہیں تو امام مالکؒ فوراً باہر تشریف لے آتے اور اگر مسائل کا جواب ارشاد فرماتے اور اگر لوگ کہتے کہ ہم لوگ حدیث معلوم کرنے آئے ہیں تو آپ پہلے غسل خانہ تشریف لیجاتے غسل کرتے اور بدن پر خوشبو ملتے اور نئے کپڑے پہنتے اور اپنا چغہ جو سیاہ یا سبز ہوتا زرب تن کرتے اور عمامہ سر پر رکھتے اور ایک تخت بچایا جاتا، پھر باہر تشریف لاتے تخت پر خشوع و خضوع سے بیٹھتے بخور جلا یا جاتا جب تک حدیث کے بیان سے فارغ نہ ہوتے اسی بیڑت کے ساتھ بیٹھے رہتے“

لیجئے حضرت عبدالرحمن بن ہمدانی (۱۹۸ھ) کا حال بھی ملاحظہ ہو:

جب ان کے سامنے حدیث پڑھی جاتی تو لوگوں کو خاموش رہنے کا حکم دیتے اور فرماتے لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی اور فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی قرأت کے وقت خاموش رہنا اسی طرح فرض ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام فرمانے کے دوران خاموش رہنا اور سننا فرض تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح مقام رسالت کا ادب ہے اسی طرح حدیث رسالت لائق احترام ہے آپ کی احادیث کریمہ کا ادب انتہائی لازمی ہے جہاں حدیث پڑھی جاتی ہو وہاں اونچی آواز نہ کرے اور خلاف ادب ذرا شور و شغب نہ کرے آداب حدیث میں یہ پہلا ادب ہے۔

حضرت ابو ابراہیم یحییٰ فرماتے ہیں: ”ہر مسلمان پر فرض ہے کہ جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرے یا اس کے سامنے حضور کا ذکر کیا جائے تو وہ خشوع و خضوع کا اظہار کرے اور بدن کو ساکن کر کے جنبش نہ کرے اور خود پرست نہ ہو بلکہ طاری کرے۔ گو یا کہ اگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ہوتا اور اس وقت جو ادب فرض تھا وہی ادا کرتا تو اس وقت اس کی سیساہی ادب کرے“

حدیث ماننے کے آداب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے سامنے اپنی بات نہ چلائے
عورت کو یہ حق نہیں رہتا کہ آپ کے ارشادات کے سامنے وہ اپنی بات
چلائے۔ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے: وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مَوْمِنَةٍ

اِذَا قَضَىٰ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَمْرًا اَنْ يَكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ (پہلا حزب، ۶۷)
ترجمہ: اور نہیں کسی مرد مومن کے لئے اور نہ کسی عورت کے لئے اپنے معاملے کا کوئی اختیار بعد اس کے کہ خدا
اور اس کا رسول اس کام کے بارے میں کوئی فیصلہ صادر کریں۔

حدیث کو قبول کرنے کا جذبہ اہل
آیت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث کو قبول کرنے میں دل میں تنگی نہ ہونی چاہیے
مومن کو چاہیئے کہ آپ کے ہر ایک حکم کو خوشی کے ساتھ دل سے قبول کرے اور آپ کے ہر حکم کو ظاہراً
و باطناً تسلیم کرے۔ ایسا نہ کرے گا تو اس کے ایمان کا کہیں اعتبار نہیں۔ قرآن کریم میں ہے:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ اَمْرِهٖ اَنْ يُصِيبَهُمُ فِتْنَةٌ اَوْ يَصِيبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ
ترجمہ: سو ڈرتے رہیں وہ لوگ جو خلاف کرتے ہیں اس کے حکم کا کہ آپ سے ان پر کوئی فتنہ یا پہنچے انکو کوئی دردناک عذاب۔
ایک یہودی اور ایک منافق میں کسی بات پر جھگڑا ہوا۔ فیصلے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم بنایا گیا۔ جب دونوں
آپ کی خدمت میں آئے اور مقدمہ پیش کیا تو آپ نے اس یہودی کے حق میں فیصلہ دیدیا۔ وہ منافق اس فیصلہ سے مطمئن اور
راضی نہ ہوا، اس نے کہا کہ حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں چلتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کو فیصلہ کرنے سے پہلے اس یہودی نے
بتا دیا کہ ہم حضور علیہ السلام کے پاس سے آئے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں فیصلہ دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے
اس منافق سے اس بات کی تصدیق کی۔ پھر حضرت عمرؓ تلوار لیکر آئے اور اس منافق کو تہہ تیغ کر ڈالا۔ اس مقتول کے اولیاء نے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا کہ انہوں نے ایک مسلمان کو بلاوجہ قتل کیا ہے۔ جب یہ استغاثہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ کی زبان مبارک سے بھی بے ساختہ یہ الفاظ نکلے:

مَا كُنْتُ اظُنُّ اَنْ عَمَّ يَجْتَرِعُ عَلٰى قَتْلِ رَجُلٍ مُّوْمِنٍ يَّجْ

ترجمہ: مجھے گمان تک نہ تھا کہ عمر بھی کسی مومن کے قتل کی جسارت کرے گا۔

لیکن جب اس آیت کریمہ (فلو و ربك و يومنون الخ) کا نزول ہوا تو حقیقت واضح ہو گئی کہ وہ شخص مومن ہی نہ تھا۔
اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گمان حضرت عمرؓ کے بارے میں بالکل درست تھا کہ وہ کبھی قتل مومن کے مرتکب نہ ہو سکتے تھے۔

حضرات مفسرین نے اس آیت کریمہ کے تحت یہ بات لکھی ہے کہ یہ عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کیساتھ ہی
نہیں، آپ کے بعد آپ کی شریعت مظہرہ کا فیصلہ آپ کا ہی فیصلہ شمار ہوگا۔ سو یہ حکم قیامت تک اسی طرح جاری رہے گا۔ آپ

کے زمانہ مبدک میں خود بلا واسطہ آپ سے رجوع کیا جاتا تھا۔ سو آپ کے بعد آپ کی شریعت مطہرہ کی طرف رجوع جلدی رہیگا اور یہ حقیقت میں آپ کی طرف ہی رجوع ہے۔ فردوہ الی اللہ والہ رسول (پٹ، النساء) پر اب اسی صورت میں عمل ممکن ہے کہ قرآن کریم کی طرف رجوع اللہ کی طرف رجوع سمجھا جائے اور حدیث کی طرف رجوع خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع مانا جائے۔ ورنہ یہ آیت اس باقی امت کے لئے بیکار ہو کر رہ جائے گی۔ اور قیامت تک لائق عمل نہ ٹھہرے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کے فیصلے آپ کی وفات کے بعد بھی پوری امت کے لئے حجت ہیں۔ آپ کی کسی حدیث پر اپنے رائے سے اعتراض کرنے بیٹھ جانا بہت نادانی ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کہتے ہیں: ”ادب نبوی میں سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد و اہل پر اپنی رائے سے اعتراض اور شک و شبہ نہ کرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے اپنی رائے پر اعتراض اور شک و شبہ کر لو اور قیاس سے نفس کا مقابلہ نہ کرو بلکہ قیاس کو نفس کے تابع کر دے اس کے مطابق بناؤ۔ قیاس کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ نفس کے مقابلہ میں نہ ہو۔“

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ رسولؐ کی آواز سے اپنی آواز اونچی کرنا جب عمل کو اکارت کر دیتا ہے تو اسکے احکام کے سامنے اپنی رائے کو مقدم کر دینا اعمالِ صالحہ کے لئے کیڑا کر تباہ کن نہ ہوگا۔

حدیث رسولؐ سامنے آئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پیش کر دی جائے تو مغرب زدہ لوگ بعض اوقات کہنے لگتے ہیں کہ یہ بات قرآن میں کہاں ہے؟ انہیں حدیث سے بڑی سند کی ضرورت ہوتی ہے مگر یہ بات صحیح نہیں ہے حدیث کو خود ایک بڑی دلیل سمجھنا چاہیے جسے اور دلیل کی حاجت نہیں نہ اس پر کسی بلا سند کا تقاضا کیا جانا چاہیے۔

حضرت مقدم بن معدی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **يُشَلِّفُ الرَّجُلُ مَتَكُثًا عَلَى اَرِيكَةِ يَحْدُثُ بِحَدِيثٍ مِنْ حَدِيثِي فَيَقُولُ بَيْنَا وَبَيْنَكُمْ كِتَابُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فَمَا وَجَدْنَا فِيهِ مِنْ حَلَالٍ اسْتَحَلَّاهُ وَمَا وَجَدْنَا فِيهِ مِنْ حَرَامٍ حَرَمْنَاهُ** اور ان ماحرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل ما حرم اللہ تہ ترجمہ: قریب ہے کہ ایک شخص جسکے پاس میری حدیث بیان کی جا رہی ہو اپنے صوفے پر ٹیک لگائے و بڑے تکبر سے کہے ہمارے تمہارے لئے اللہ کی کتاب ہی ہے اسی میں جسے حلال کیا گیا اسے ہم حلال سمجھیں گے اور جو چیز اس میں ہم حرام نہیں اسے ہی حرام سمجھیں گے بیشک جو چیز اللہ کے پیغمبر نے حرام بتلائی وہ ایسے ہی ہے جیسے وہ چیز جسے اللہ نے حرام بتلایا۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تحلیل و تحریم سب امر الہی کے تحت ہی بیان فرماتے تھے۔ آپ اللہ کے ہم پر کچھ بیان فرمادیں یا اللہ کا نام لئے بغیر حلال و حرام کی کوئی بات کہیں سب کا منبع و مرکز وحی الہی ہے متلو ہو یا غیر متلو پیغمبر کا اس میں اپنا دخل نہیں ہوتا۔

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی تمام باتوں کو قرآن کے اس فیصلے کی روشنی سے کہ ما اتاكم الرسول فخذوه و ما نهاكم عنه فانتهوا (پٹ، احزاب) قرآنی تعلیمات ہی کہتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک شخص کو سسے بوٹے کپڑوں میں غمزدیکھا تو منع فرمایا۔ اس نے قرآن کریم سے دلیل پوچھی تو آپ نے یہی آیت کریمہ پڑھی کہ جو چیزیں تمہیں رسولؐ لے لے لے لو اور جس چیز سے اس نے روکا اس سے رک جاؤ۔ ۱۷

اسی طرح آپ نے ایک مسئلہ کے بارے میں حدیث پڑھی تو ایک عورت نے ایسا ہی سوال کیا آپ نے پھر وہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی یعنی یہ کہ قرآن کو رُوسے پیغمبر کی ہر بات تہا سے لے سنا ہے۔ ۱۸

اس قسم کی روایات بہتہ دیتی ہیں کہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو خدا کی بات ہی سمجھتے تھے جب حدیث کے پیش ہونے پر قرآن کی سند طلب کرنا بے فائدہ ہے تو جو لوگ حدیث پیش ہونے کے بعد پھر اس پر عقلی دلائل مانگتے ہیں وہ مقام حدیث سے کس قدر بے خبر ہیں۔ حتیٰ کہ سب سے صحیح حدیث سلسلے آجائے تو کوئی اور سند مانگنے کا تصور بھی ذہن میں نہ آنا چاہیئے۔

آنحضرتؐ نے مذکورہ بالا حدیث میں منکر حدیث کا نقشہ جس صورت میں کھینچا ہے اس سے اس کی تکبر کی حالت عیاں ہے۔ معلوم ہوا کہ سند حدیث پر اکتفا نہ کرنا تکبر کا شعار ہوگا۔ ایک طریق میں یہ الفاظ بھی ہیں: "الو شکی رجل شعبان علی اریکتہ یقول علیکم بهذا القرآن (رواہ البراد اور الدارمی بمعناہ) "خبردار ہو قریب ہے کہ ایک سیر شدہ (امیر) آدمی اپنے صوفے پر ٹیک لگائے کہ تمہیں اس قرآن کی پابندی کرنی ہے جو اس میں حلال ہے اسے ہی حلال جانو اور جو اس میں حرام ہے اسے ہی حرام سمجھو۔" انتہی حضرت عرباض بن ساریہؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: "یحسب احدکم متکبرا علی اریکتہ یظن ان اللہ لم یحرم شیاء الا ما فی هذا القرآن (مشکوٰۃ ص ۲۹) ترجمہ: کیا تم میں سے کوئی شخص صوفے سے ٹیک لگائے اس گمان میں ہوگا کہ حرام صرف وہی کچھ ہے جو قرآن میں ہے۔"

حدیث کے مقابل کسی کی بات نہ مانے | ائمہ اربعہ جن کی اجتہادی امور میں امت میں تقلید جاری ہوئی اور جن کا قول ان کے معتدین کے ہاں محبت اور سند کجا جاتا ہے ان سب کا بھی

ارشاد ہے کہ حدیث صحیح سلسلے آجائے تو ہماری بات فوراً چھوڑ دو۔ حدیث کے مقابل کسی کی بات مانے جانے کے لائق نہیں۔ حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

فقد صح عنه انه قال اذا صح الحديث فمنه مذهبي وقد حكى ذلك ابن عبد البر عن ابي حنيفة وغيره من الائمة.... و نقلة ايضا الامام الشعراني عن الائمة الاربعة ولا يخفى ان ذلك لمن كان اهلا للنظر في النصوص ومعرفة محكمها من منسوخها ۱۹

زید، حضرت امام صاحب سے صحیح طور پر ثابت ہو چکا کہ جب کوئی حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔ عبدالبر نے بھی یہی امام ابوحنیفہؒ اور دوسرے اماموں سے نقل کیا ہے۔ امام شعرانی نے ائمہ اربعہ سے یہی نقل کیا ہے اور یہ بات مخفی نہیں کہ یہ اس کے لئے ہے جس کی نصوص (کتاب و سنت) پر نظر ہو اور حکم اور مسوٰخ کو سمجھتا ہو۔ یہ صحیح ہے کہ اس شخص میں جو حدیث کے بالمقابل اپنے امام کی بات چھوڑ رہا ہے حدیث سمجھنے کی پوری اہلیت ہونی چاہیے۔ جو لوگ حدیث کے محض ترجمے پڑھ کر ائمہ کی بات کو ٹھکرانے لگتے ہیں اور فن حدیث اور اس خاص موضوع کی دیگر روایات پر نظر نہیں رکھتے انہیں چاہیے کہ محض اپنی رائے سے اس روایت کو حدیث نہ سمجھیں بلکہ بات سمجھنے کے لئے جامع العلم علماء کی طرف رجوع کریں تاہم یہ پھر بھی ضروری ہے کہ ان کے سامنے جو حدیث پیش ہو اس کے مقابل کوئی کلمہ جاتا زبان پر نہ آجائے۔ ہاں جس وسیع النظر عمیق العلم عالم کی دوسری احادیث پر بھی پوری نظر ہو اور پھر وہ دیانتداری سے محسوس کرے کہ اس میں میرے امام کی بات واقعی حدیث کے مقابل ہے تو پھر صرف حدیث ہی ہے جس کی اتباع کی جائے قول امام کو حدیث کے سامنے کوئی وزن حاصل نہیں نہ معتدین کے ہاں امام شریک فی الرسالة سمجھتا ہے۔ سو اس صورت حال میں فتک تعلیم یہی ہے کہ وہ شخص امام کی بات چھوڑے اور حدیث کی بات مانیں۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ (۳۲۱ھ) اور امام کرخی جیسے سادات صنفیہ نے اسی اصول پر کئی مواقع میں قول امام کو چھوڑا ہے۔ ہر وقت طوطا ہے کہ معتدین کے ہاں قول امام ہرگز حدیث کے مقابلے میں نہیں لیا جاتا نہ ان کے ہاں ان کا اہم معصوم سمجھا جاتا ہے اصول برحق یہی ہے کہ حدیث کے مقابل کسی کی بات نہ مان جائے۔ یہ سخت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ضروری نہیں کہ اگر کچھ علماء نے کسی حدیث کے باعث قول امام چھوڑا ہو تو ضروری نہیں کہ اور سب علماء بھی ان کے ہم خیال ہو جائیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان دوسرے علماء راسخین کو کچھ اور احادیث ایسی مل گئی ہوں کہ انہیں قول امام کی سخت پھر محقق ہو گئی ہو۔ علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ (۹۷۳ھ) لکھتے ہیں کہ ائمہ کا یہ ارشاد کہ حدیث کے بالمقابل ہماری رائے چھوڑ دو انہی لوگوں کے لئے ہے جو فہم حدیث میں اپنے درجے کے عالم ہوں جو حدیث جانتے ہی نہیں انہیں حق نہیں کہ محض ترجمہ پڑھ کر متہدین پر تمکیش کرنے لگیں۔ اور ان کے فیصلوں پر جلد بازی میں خلاف حدیث ہونے کا فتویٰ دینے لگیں۔

حدیث کو وحی سمجھ کر پڑھا اور سنا جائے | قرآن وحی متلو ہے اور حدیث وحی غیر متلو ہے لیکن اس کا سرشمہ اور مخزن و منبع بھی اللہ رب العزت کی ہی ذات ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

(قال) ان الناس يقولون اكثر ابوهريرة و لو لا ايتان في كتاب الله ما حدثت حديثا ثم يتلو ان الذين يكتون ما انزلنا من البينات الى قوله الرحيم - ان اخواننا من المهاجرين كان يشغلهم

الصفق بالامواق وان اخواننا من الانصار كان يشغلهم العسل في اموالهم وان ابا هريرة كان يلزم رسول الله صلى الله عليه وسلم بشعب بطنه يحضو بالايحضر وهو يحفظ ما لا يحفظون (بخاری شریف ص ۱۱۱) ترجمہ: بیشک لوگ کہتے ہیں کہ ابوہریرہ بہت حدیثیں روایت کرتا ہے۔ قرآن کریم میں اگر یہ دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں کوئی بھی حدیث بیان نہ کرتا۔ پھر آپ نے وہ آیتیں پڑھیں ① بیشک جو لوگ ہدایت اور ان رذیل باتوں کو جو ہم نے اُتاریں

چھپاتے ہیں بعد اس کے کہ ہم نے اسے لوگوں کے لئے بیان کر دیا وہ ایسے ہیں کہ اللہ ان پر لعنت کرتا ہے اور سب لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت کرتے ہیں۔ (۲) مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور (جو چھپا یا تھا) بیان کر دیا سو میں ان کی توبہ قبول کرتا ہوں اور میں ثواب قبول کرنے والا ہوں۔ (پل البقرہ ع ۱۹) (حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا) ہمارے ہمارے بھائیوں کو مارکیٹوں میں آنے جانے کی مصروفیت رہتی اور انصار بھائیوں کو کھیتی باڑی کی مصروفیت روکے رکھتی اور ابو ہریرہؓ (یعنی ان) پیٹ بھوکا رکھے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس پکڑے رہتا اور جہاں اور نہ جاسکتے وہاں بھی جاتا اور جہاں اور نہ جاسکتے انہیں بھی یاد رکھتا (سو اس لئے وہ زیادہ حدیثیں روایت کرتا ہے)۔

اس روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے صریح طور پر حدیث کو رب العزت کے مامورین (جو ہم نے نازل کیا) میں داخل سمجھا ہے۔ آپ کے اس ارشاد پر صحابہ و تابعین میں سے کسی کا انکار ثابت نہیں اس کے پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرات حدیث کو وحی الہی سمجھ کر پڑھتے اور پڑھاتے اور سنتے اور سناتے تھے اور حضرت حسان بن عطیہؓ نے تو اس پر جبریلؑ کے آنے کی بھی صراحت کر دی ہے۔

(قال) کان جبیر یل علیہ السلام ینزل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالسنة کما ینزل علیہ بالقوان و یعلمہ ایاہا کما یعلمہ القوان (قولہ التحدیث من فنون المصطلح الحدیث للشیخ جمال الدین القاضی اللہ تعالیٰ ترحمہ: حضرت جبیرؓ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر) سنت لیکر بھی اسی طرح اترتے تھے جس طرح قرآن کریم لیکر نزول فرماتے اور آپ کو سنت بھی اسی طرح سکھاتے تھے جس طرح آپ کو قرآن سکھاتے تھے۔

حدیث پڑھنے میں ادب کو ملحوظ رکھئے | قرأت حدیث کے وقت جب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی آئے وہاں صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ساتھ کہئے اور جہاں انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی کا نام آئے وہاں بھی علیہ السلام پڑھے اور جب صحابہؓ اور ائمہ الثمنین کا نام گرامی آئے وہاں رضی رضی اللہ عنہ کہنا، کہ پوری پابندی کرے۔

انبیاء کرامؓ اور صحابہ کرامؓ کی شخصیات علم حدیث کا محور تھیں انہی کے گرد یہ سارا علم گھومتا ہے۔ ان کا پورا احترام نہ کیا جائے گا تو حدیث کا طالب علم کبھی ساحل مراد پر نہ اتر سکے گا۔

صحابہ کرامؓ کیلئے دو طرفہ رضا | قرآن کریم میں صحابہؓ کے لئے دو طرفہ رضا کا بیان ہے۔ ایک یہ کہ اللہ ان سے راضی ہوا اور دوسرا یہ کہ وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ ان حضرات سے اللہ کا

راضی ہونا ہی کافی تھا۔ رضوان من اللہ اکبر سے آگے اور کس مقام رضا کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ لیکن اللہ رب العزت نے ان نفوس قدسیہ کے ایمان و اخلاص کی اس طرح شہادت دی کہ محبت خداوندی میں ان حضرات کی طبیعت شریعت ہو چکی تھی اللہ اور رسول کی ہر بات ان کے لئے ان کی اپنی خوشیوں میں ایک نیا اضافہ ہوتا تھا وہ اللہ اور اس کے رسول کی ہر بات میں دل و جان سے راضی تھے۔

انسان جب کبھی کسی مقصد کی راہ میں قدم اٹھاتا ہے اور مصیبتوں سے دوچار ہوتا ہے تو دو طرح کی حالتیں پیش آتی ہیں کچھ لوگ خود انفراد اور باہمت ہوتے ہیں وہ بلا تامل ہر طرح کی مصیبتیں جھیٹتے ہیں لیکن انکو جھیلنا جھیل لینا ہی ہوتا ہے۔ یہ بات نہیں ہوتی کہ مصیبتیں نہ رہی ہوں عیش و راحت ہو گئی ہوں کیونکہ مصیبت پھر مصیبت ہے۔ باہمت آدمی کڑوا گھونٹ

انہیں جس جھجک کے پائے گالیکن اس کی کرواہٹ کی بد مزگی محسوس ضرور کرے گا۔ لیکن کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں صرف لذت ہی نہیں کہنا چاہیئے بلکہ اس سے بھی زیادہ کچھ کہنا چاہیئے۔ ان میں صرف ہمت و جوانمردی ہی نہیں بلکہ شوق و شغف کی حالت پیدا ہو جاتی ہے وہ مصیبتوں کو مصیبتوں کی طرح نہیں سمجھتے بلکہ عیش و راحت کی طرح ان سے لذت و سرور حاصل کرتے ہیں۔ راہِ محبت کی ہر مصیبت ان کے عیش و راحت کی ایک نئی لذت بن جاتی ہے۔ اگر اس راہ میں کانٹوں پر لوٹنا پڑے تو کانٹوں کی چھین میں انہیں ایسی راحت ملتی ہے جو کسی کو بھولیں کہ سچ پر لوٹ کر نہیں مل سکتی۔ حتیٰ کہ اس راہ کی مصیبتیں جس قدر بڑھتی جاتی ہیں اتنی ہی زیادہ ان کے دل کی خوشحالیوں بھی بڑھتی جاتی ہیں۔ ان کے لئے صرف اس بات کا تصور کہ یہ سب کچھ کسی کی راہ میں پیش آرہا ہے اور اس کی نگاہیں ہمارے حال سے بے خبر نہیں عیش و سرور کا ایک ایسا بے پایاں جذبہ پیدا کر دیتا ہے کہ اس سرشاری میں جسم کی کوئی کلفت اور ذہن کی کوئی اذیت محسوس ہی نہیں ہوتی۔

یہ بات سننے میں عجب معلوم ہوتی ہوگی لیکن فی الحقیقت اتنی عجیب حالت نہیں بلکہ انسانی زندگی کے معمولی واردات میں سے ہے اور شوق و محبت کا مقام تو بہت بلند ہے۔ بوالہوس کا عالم بھی ان واردات سے خالی نہیں۔

حریف کاوش مژدھن خوزیرش نہ نامح
درست آورگ جان و نشر راتش اکن

سابقہ اولوں کی محبت ایمان کا یہی حال تھا۔ ہر شخص جو ان کی زندگی کے داغ کا مطالعہ کرے گا بے اختیار تصدیق کرے گا کہ انہوں نے راہِ حق کی مصیبتیں صرف جھیل ہی نہیں بلکہ دل کی پوری خوشحال اور روح کے کامل سرور کیساتھ اپنی پوری زندگیاں ان میں بسر کر ڈالیں۔ ان میں سے جو لوگ اول دعوت میں ایمان لائے تھے ان پر شب و روز کا جھگڑا اور قربانیوں کے پورے ۲۳ برس گزر گئے لیکن اس تمام مدت میں کہیں سے بھی یہ بات دکھائی نہیں دیتی کہ مصیبتوں کی کرواہٹ ان کے چہروں پر کبھی کھلی ہوں۔ انہوں نے مل و ملائی کی ہر قربانی اس جوش و سرور کے ساتھ کی گویا دنیا جہان کی خوشیاں اور راحتیں ان کے لئے فراہم ہو گئی ہیں اور جان کی قربانیوں کا وقت آیا تو اس طرح خوشی خوشی گردنیں کٹوا دیں گویا زندگی کا سب سے بڑی خوشی زندگی میں نہیں موت میں تھی۔

تعلیم حدیث میں کی طرف ترضی پر کف
علماء حدیث صحابہ کرام کے نام پر دو طرفہ ترضی نہیں کہتے صرف رضی اللہ عنہ

پر کف کرتے ہیں۔ یہ قرآن کریم کے بظاہر خلاف ہے۔ قرآن کریم رضی اللہ عنہم و رضو عنہ کہہ کر دو طرفہ اظہارِ رضا کرتا ہے۔ جو اباحرض ہے کہ روایت حدیث میں صحابہؓ کا نام سند کے طور پر آتا ہے اور ہمارے لئے یہ بات کافی ہے کہ اللہ ان سے راضی ہوا، تبھی تو وہ ہمارے لئے سند بنے کہ انکی پیروی سے ہم سے بھی اللہ راضی ہوگا۔ رہی یہ بات کہ وہ بھی خدا سے راضی ہو گئے، یہ انکے اپنے محبوب خدا ہونے کا تذکرہ ہے۔ جس میں ہم ان کے اور خدا کے درمیان کسی پہلو سے دخل نہیں رکھتے۔ سوسنت اسلاف اسی طرح جاری ہوئی کہ انکے اسما گرامی کے بعد کی طرف ترضی کو کافی سمجھا گیا۔

حدیث رسول کو احادیث صحابہؓ سے علیحدہ نہ کرے
اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیث کے علمی گواہ سمجھتے ہوئے
ان کی روایات کو روایات نبوی کیساتھ ہی بیان کرے جہاں دو

تلف حدیثیں بظاہر مختلف یا متعارض ہیں تو وہاں صحابہ کے عمل سے فیصلہ لازم جانے۔

امام ابو داؤد السجستانی (د ۲۰۵ھ) کہتے ہیں : اذا تنازع الخبران عن النبي صلى الله عليه وسلم نظر الى ما عمل به اصحابه من بعده (بذل الجہود فی حل الی داؤد ص ۳۶۶) ترجمہ : جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو مختلف خبریں ملیں تو رکھا جائیگا کہ آپ کے بعد آپ کے صحابہ نے کس پر عمل کیا یعنی وہ سنت یا قیہ ہوگی اور دوسری جانب مسوخ یا مخصوص بات یا کبھی جائیگی۔ حضرت امام مالک سے بھی سن لیجئے : اذا جاء حدیثان مختلفان عن النبي صلى الله عليه وسلم وبلغنا ان ابا بكر وعمر عملوا باحد هما وتركوا الآخر كان في ذلك دلالة على ان الحق فيما عملوا به۔ لہ

حضرت صالح بن کیسان کہتے ہیں کہ میں اور امام ابن شہاب زہری (د ۱۲۴ھ) سماع حدیث اور طلب علم میں ساتھی تھے ہم دونوں نے حدیث کھننے کا فیصلہ کیا اور حدیث لکھتے رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو حدیث ہم تک پہنچیں ہم نے لکھیں پھر امام زہری نے کہا : نكتب ايضا ما جاء عن اصحابه فقلت لوليس بسنة فقال بل هي سنة (قال) فكتب ولم اكتب فانجح وضيعت۔

ترجمہ : ہم وہ روایات بھی لکھیں جو صحابہ سے آئی ہیں۔ میں (صالح) نے کہا نہیں وہ تو سنت نہیں۔ امام زہری نے کہا وہ نہیں ہیں۔ (صالح نے کہا) سوزہری نے تو (روایات صحابہ بھی) لکھیں اور میں نے نہ لکھیں، زہری کا میاب گئے اور میں ضائع ہوا۔ صالح بن کیسان کا یہ احترام بتلا رہا ہے کہ اب وہ بھی اس عقیدے پر آگئے تھے کہ اعمال صحابہ سنت ہیں اور انہیں بھی اُمت تک پہنچانا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ ان نفوس قدسیہ کے آثار کو بھی حدیث کا ہی سرمایہ سمجھا جائے اور ان کا اس درجہ احترام ہو کہ ان کا عمل تعامل بھی دین کا پورا ماخذ سمجھا جائے، اور ان کا رہی احترام ہو جو صحابہ کرام کا ہو سکتا ہے۔

امام مالک، امام احمد، امام بخاری، امام دارمی، امام مسلم، امام ابو داؤد، امام ابو حوانہ، امام ترمذی، امام نسائی، امام لمحاوی اور امام بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین وغیرہم من الائمة الکرام نے اپنی حدیث کی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و اعمال کیساتھ ساتھ صحابہ کرام کے آثار و سنن کو بھی بڑی وسیع جگہ دی ہے اور بڑی تفصیل سے انہیں ذکر کیا ہے اور جگہ جگہ ان سے روایات کی ہیں، سو جو ان سے بے پرواہ رہا ال نے اپنے علم کو ضائع کیا۔

حضرت امام شعبی (د ۱۰۳ھ) فرماتے ہیں :

ما حد ثواك عن اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فخذوا به و ما قالوا برأيهم قبل عليه ترجمہ : علماء کرام تمہارے سامنے جو بات صحابہ سے روایت کریں تو اسے لے لو اور جو بات وہ اپنی طرف سے ہیں تو اسے جانے دو۔

امام اہل الشام امام اوزاعی (د ۱۵۶ھ) نے لبتیہ بن الولید کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا : يا بقیة العلم! ما جاء عن اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم و ما لم یجئ عن اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم فلیس بعلم۔ مقدمہ اوجز المسالک ص ۱

ترجمہ : اے بقیہ! علم وہی ہے جو اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے آئے اور جو ان سے نہیں آیا وہ علم ہی نہیں۔

سو صحابہ کا ادب وہی ہے جو ایک مسلمان کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرہ فیض کا ہو سکتا ہے یہی وہ دائرہ ہے جس کا ہر نشان مرکز سے برابر نسبت رکھتا ہے حتیٰ کہ یہ ہے کہ صرف انہی حضرات کے ذریعہ مرکز سے تعلق قائم ہو سکتا ہے کیونکہ یہ دائرہ اس مرکزِ نبوت پر ہی تو کھچا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس اُمت میں صحابہ کرام کا درجہ ہے۔ یہ حضرات بھی جیسا کہ گزارش کیا جا چکا ہے حدیث کا موضوع ہیں لہذا ان کی تعظیم و تکریم بھی تبعاً لازم ہے۔ قرآن کریم کی روشنی میں اس کی بھی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

مقام صحابہ قرآن پاک کی رو سے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب بایں جہت کہ آپ اللہ کے رسول ہیں سب پر لازم ہے اس طرح صحابہ کرام کا ادب بھی بایں جہت کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ اور تربیت یافتہ ہیں سب پر لازم ہونا چاہیے۔ صحابہ کرام کی عزت و عظمت اور ان کے تقویٰ قلوب کے بارے میں قرآن کریم میں ہے:

ان الذین یغفرون احسانہم عند رسول اللہ اولئک الذین امتحن اللہ
فلوبہم للتقویٰ لہم مغفرۃ و اجر عظیم ط (پ: انجرات: ع ۱)

ترجمہ: جو لوگ دلی آواز سے بولتے ہیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس رہی ہیں جن کے دلوں کو جانچ لیا ہے اللہ نے ادب کے واسطے سے ان کے لئے معافیت اور بڑا ثواب ہے۔

یہ خدا کی گواہی ہے کہ صحابہ کرام کے دل تقویٰ کی دولت سے مالا مال تھے اللہ نے انہیں پوری طرح جانچ لیا تھا جو باتیں پہلے ان سے ہو چکی تھیں پر مغفرت کا وعدہ ملے دیا اور آئندہ اعمال پر ان کے لئے اجر ہی اجر کی بشارت دی اور فرمایا کہ وہ بڑا اجر پائیں گے۔ تقویٰ کی بات اس طرح ان کے دلوں کے ساتھ لازم کی کہ گویا وہ ان کا ہمہ ذات ہے اور حق یہ ہے کہ وہی حضرات ان کے زیادہ حقدار تھے۔ قرآن کریم میں ہے:

الزمہم کلمۃ التقویٰ وکانوا احق بہا و اہلہا (الفتح: پ: ع ۳)

ترجمہ: ”اور لازم کر دیا ان کے ساتھ کلمہ تقویٰ اور وہی اس کے زیادہ حقدار تھے اور اس کے اہل تھے۔“

کلمہ تقویٰ سے ان کی بصیرت چمک اٹھی تھی اور ادب رسالت سے ان کی بصیرت آسمان عروج پر پہنچی تھی اب ان کا ہر فعل اور ہر قول حقیقتہً علم رسالت کا ہی ترجمان تھا اور جو کچھ ان کا اجتہاد تھا اس کا مدار بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہی رہی تھی۔

قرآن کریم جس احترام سے صحابہ کرام کا ذکر کرتا ہے اس سے لازم ہے کہ ان کی روایات، ان کے ارشادات اور ان کے اعمال کو اسی عقیدت و بصیرت سے قبول کیا جائے جو عقیدت ان کی قرآن کریم مسلمانوں کے دلوں میں بٹھاتا ہے۔ اگر ان حضرات کی زوالت صدق و صفات حدیث کا موضوع نہ ہوتیں تو قرآن کریم اس طرح انہیں آئینہ عظمت میں نہ آتا۔ حق یہ ہے کہ یہی حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ سن و نوا میں کے حافظ و وارث تھے:

۱۔ مات رسول اللہ فیہا و بعدہ بسنتہ اصحابہ فتد قاذ لبوا
 و فترق سبیل العلم فی تابعیہم و کل امرئ منہم لہ فہ مذہب
 حضرتؐ کی وفات کے بعد آپ کے صحابہ آپ کے طریقے پر چلے اور علم کی راہیں ان کے تابعین میں بٹ گئیں اور ان میں
 سے ہر مرد ایک مستقل سکک پر چلنے لگا۔

مقام صحابہؓ تاریخ کے آئینہ میں | مولانا ابوالکلام آزادؒ نے صحابہؓ کی تاریخ کا نقشہ کس ایجاز سے کھینچا ہے۔ اسے دیکھئے:
 ”محبت ایمان کی اس آزمائش میں صحابہ کرام جس طرح پورے اترے اس کی شہادت
 تاریخ نے محفوظ کر لی اور وہ محتاج بیان نہیں۔ بوشائبہ و مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ دنیا میں انسانوں کے کسی گروہ نے کسی انسان
 کے ساتھ اپنے سارے دل اور اپنی ساری رُوح سے ایسا مشق نہیں کیا ہوگا جیسا صحابہؓ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے
 راہِ حق میں کیا۔ انھوں نے اس محبت کی راہ میں وہ سب کچھ قربان کر دیا جو انسان کر سکتا ہے اور پھر اسی کی راہ سے سب کچھ پایا جو
 انسان کی کوئی جماعت پاسکتی ہے۔“

صحابہ کرامؓ کی روایت پر | حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ جب صحابہ کرامؓ کسی مسئلہ میں خود مختلف ہوں تو ان
 میں خود کونسا کس کی بات درست ہے کیا جائز ہے؟
 رائے زنی سے بچئے | تو آپ نے فرمایا: ”نہیں“ تم جس کی چاہو پیروی کرو۔ لیکن ان میں سے کسی کے موقف
 پر رائے زنی نہ کرو۔

اذا اختلفت اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مسألة اهل یجوز فیہ ان ننظر
 فی اقوالہم لنعلم مع من الصواب منہم فننتبعہ؟ فقال لی لا یجوز النظر بین اصحاب
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت کیف الوجه فی ذلک قال تقلد ایہم احببت۔
 ترجمہ: صحابہ کرامؓ کا جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو کیا ہارے کہ ہم ان کے اقوال کا ہارہ لیں کہ راستی کس کے پاس ہے
 کہ ہم اس کی پیروی کریں؟ تو آپ نے فرمایا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جائزہ لینا جائز نہیں۔ میں نے کہا پھر کیا کریں
 آپ نے فرمایا ان میں سے جس کی بات پسند ہو اس کی تقلید کریں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے اسذہبی۔ انہوں نے صحابہ کرامؓ کی روایات سے تمسک کرنے
 میں وہی موقف اختیار کیا ہے جو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا ہے۔ (جامع بیان العلم جلد ۲ ص ۸۳) ہر دو صحابہؓ کے
 فیصلوں کو اپنے لئے محبت اور سند سمجھتے ہیں اور اعتقاد رکھتے تھے کہ ان کی بات پر امت کو رائے زنی کی اجازت نہیں ہے۔
 حدیث اور اصول حدیث کے امام ابن صلاحؒ بھی لکھتے ہیں کہ صحابہؓ کی خصوصیت ہے کہ ان میں سے کسی
 کی مخالفت پر سوال نہیں کیا جاسکتا۔ سب کے سب عادل ہیں اور امت کے لئے سند ہیں۔

لکنہم علی الوطوق معد لہن بنصوص الکتاب و السنة و اجماع من یعد لہ فی الاجماع
 من الامة قال تعالیٰ کنتم خیر امتہ اخرجت للناس۔ (علوم الحدیث للامام ابن صلاح ص ۲۶۳)

یہ ایک طے شدہ مسئلہ ہے کہ قرآن و سنت کی نصوص قطعیہ اور ان لوگوں کے اجماع سے جن کا اجماع امت میں معتبر ہے یہ ثابت ہے کہ صحابہ علی الاطلاق عادل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم بہترین امت ہو جو باقی لوگوں کے لئے سند ہو۔ محدثین کے ہاں راوی کتنا ہی ثقہ کیوں نہ ہو کثرت ثقات سے روایت میں اور قوت آجاتی ہے مگر صحابی چونکہ خود سند ہے اس لئے اس کی کتنی ہی تائید کیوں نہ ہو ان کی ذوات عادلہ تائید سے مستغنی ہیں۔ جب ایک صحابی کوئی حدیث روایت کرے تو اس کی تصدیق کے لئے دوسرے کے پاس جانا بالکل بے ضرورت ہے۔ صحابی کی بات خود اپنی جگہ ایسی قوی ہے کہ اسے مزید تائید کی ضرورت نہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سُن کر مزید تسلی چاہی تھی۔

اذا حدثناك شيئا سعد عن النبي صلى الله عليه وسلم فلا تسأل منه غيره

ترجمہ: جب سعد تیرے سامنے حضورؐ کی حدیث بیان کریں تو اس کے بارے میں کسی اور سے پوچھنے کی کوئی حاجت نہیں۔

حدیث کی سماعت کے وقت مجلس کا احترام | حدیث کی سماعت کے وقت محدث کے سامنے بڑے ادب و احترام سے بیٹھے حضرت امام بخاریؒ نے باب باندھا ہے باب من برك

علی رکبته عند الامام او المحدث یعنی جو شخص امام اور محدث کے سامنے تلمذ کا شرف حاصل کر رہا ہو اُسے دو زانو ہو کر بیٹھنا چاہئے۔ حضرت المنذر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حدیث بیان فرما رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک خاص کیفیت طاری تھی۔ آپؐ نے فرمایا مَسْكُونِي (مجھ سے کچھ پوچھ لو) اس پر حضرت عمرؓ فوراً دو زانو ہو گئے فَبَرَكَ عُمَرُ عَنِ رُكْبَتِهِ (بخاری شریف جلد ۳۴ مصر) امام بخاریؒ نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جب حدیث بیان ہو تو اپنی ہیئت اور انداز نشست میں بھی ادب کا خیال رکھتے اور دو زانو بیٹھتے۔

بلکہ علماء تو یہ کہتے ہیں: جس مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پڑھی یا بیان کی جا رہی ہوں اس میں بھی شور و شغب کرنا اگلا ہے کیونکہ آپؐ کا کلام جس وقت آپؐ کی زبان مبارک سے ادا ہو رہا ہو اس وقت سب کھیلے خاموش ہو کر اس کا سُنا واجب اور ضروری تھا اسی طرح بعد وفات جن مجلسوں میں آپؐ کا کلام سُنا یا جاتا ہو وہاں بھی بدستور شور و شغب کرنا بے ادب ہے۔

روایت حدیث کے وقت | حدیث شریف پڑھتے پڑھاتے سنتے سنتے وقت کسی کی طرف توجہ بھی نہ کرے اور در بیان قرأت حدیث یا سماع حدیث میں کسی کی بات کا جواب نہ دے حضرت امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں باب باندھا ہے: باب من سئل علماء وهو مشغول

ا حدیث فاتم الحدیث ثم اجاب السائل یعنی اگر کوئی تم سے اس حال میں کوئی مسئلہ دریافت کرے کہ تم حدیث پڑھ رہے ہو تو تم پہلازم ہے کہ پہلے حدیث کا اتمام کرو۔ پھر اس سائل کا جواب دو۔ یہی ادب حدیث ہے۔ اس لئے

کہ اگر تم نے حدیث کو درمیان میں چھوڑا اور دوسرے کی بات کا جواب دیا تو تمہارے عمل نے یہ ثابت کیا کہ تم حدیث نبوی پر کسی اور کی بات مقدم کر رہے ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ ایک مجلس میں حدیث بیان کر رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے پوچھا قیامت کب آئے گی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پہلی بات میں ہی مصروف رہے۔ جب آپ اپنی حدیث پوری کر چکے تو دریافت فرمایا سائل کہاں ہے؟ اس اہل بیت نے کہا یا رسول اللہ میں یہاں ہوں فرمایا جب امانتیں منافع ہونے لگیں تو قیامت کا انتظار کرو۔ اس نے پوچھا امانتوں کا منافع ہونا کیسا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: اذا وسد الامر الى غير اهلہ فانظر الساعة

ترجمہ: جب کام ان لوگوں کے سپرد ہونے لگے جو اس کے اہل نہیں تو قیامت کا انتظار کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل مبارک سے ثابت ہوا کہ حدیث کو نامکمل چھوڑ کر دوسرے کی طرف متوجہ ہونا ادب حدیث کے خلاف ہے۔ یہ حدیث اس بحث میں بھی پیش کی جا سکتی ہے کہ حدیث کا ادب خود دربار رسالت میں کتنا تھا۔

حضرت امام مالکؒ کا مل اس بابے میں کیا تھا۔ اسے حضرت ابوقحافہؒ سے سنیے! امام مالکؒ ہمارے سامنے حدیث بیان کر رہے تھے تو ان کو بچھڑنے سولہ مرتبہ ڈنگ مارا اور امام مالکؒ کا منہ متغیر ہو گیا چہرہ زرد پڑ گیا مگر حدیث کو درمیان میں قطع نہیں فرمایا۔ جب بیان حدیث سے فارغ ہو گئے اور جب سب لوگ روانہ ہو گئے تو میں نے ان سے عرض کیا اے ابو عبد اللہ (امام مالکؒ کی کنیت) میں نے آج آپ کا عجیب حال پایا؟ امام مالکؒ نے فرمایا کہ آج حدیث پڑھتے وقت بچھڑنے سولہ جگہ ڈنگ مارا مجھے اس سے تکلیف ہو رہی تھی۔ لیکن میں حدیث کے اجلال و تعظیم کی بناء پر صبر کرتا رہا ۛ

معروف اہل فن سے اخذ روایات | اہل علم میں جن اساتذہ کی کسی خاص فن میں شہرت ہو اس فن میں انہی کی طرف رجوع کرے کا طین فن کیساتھ مختصر سا وقت بھی بسر ہو جائے تو طالب علم صحیح سمت

چل پڑتا ہے۔ حضرت عبدالرحمن بن زید بن جابر (۱۵۳ھ) ارشاد فرماتے ہیں:

لا یؤخذ العلم الا من شہدہ بطلب الحدیث ۛ

علم انہی لوگوں سے حاصل کیا جائے جو علم حدیث میں شہرت پا چکے ہوں۔ یہ طرز ہے کہ ان مشائخ نے یہ علم باقاعدہ اساتذہ سے حاصل کیا جو محض مطالعہ اور تجربہ سے نہ سیکھا ہو۔ دین کی اساس لٹریچر نہیں وارثین انبیاء سے باقاعدہ تعلیم و تعلم ہے۔ خطیب بغدادی کہتے ہیں:

يجب ان يكون حفظه ما أخذ من العلماء لا عن الصحف ۛ

ضروری ہے کہ اس کی یادداشت علماء سے ماخوذ ہو لٹریچر سے نہیں۔

حافظ عبدالرحمن البرزذعی دمشقی (۲۸۱ھ) حضرت سعید بن عبدالعزیز سے روایت کرتے ہیں۔

لا یؤخذ الحدیث من صحفی؛ حدیث لٹریچر والوں سے نہ لی جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ علم دین کی اسس علماء و ائمہ انبیاء ہیں۔ لٹریچر اور رسالوں سے دین حاصل نہیں کیا جاسکتا صحافی قسم کے لوگوں سے علم دین حاصل کرنے کی کوشش بے فائدہ اور بے ثمر ہے گی۔ امیر المومنین فی الحدیث امام شعبہ (۱۹۰ھ) فرماتے ہیں :
خذوا العلم من المشتهرين علم ان لوگوں سے حاصل کرو جو اس علم میں مشہور ہو چکے ہوں۔
حضرت سلمان بن موسیٰ نے نصیحت فرمائی :

لا تاخذوا العلم من المصحفين — لا یؤخذ العلم من صحفی نہ

ترجمہ : علم صحافی قسم کے لوگوں سے جو لٹریچر اٹھائے پھرتے ہوں ہرگز نہ لو علم لٹریچر سے نہیں (علماء سے) لیا جاتا ہے۔
غیر اہل فن نیک لوگوں کی روایات کہیں ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو گو اپنے حلقہ میں نیک اور بزرگ سمجھے جاتے ہوں مگر علم و فن سے نا آشنا ہوں۔ جاہل مونی آپ کو اکثر دینی حلقوں میں ملیں گے یہ لوگ اپنی جگہ کتنے ہی نیک اور کتنے ہی بزرگ کیوں نہ ہوں ان پر روایت کا مدار نہیں ہو سکتا۔ یہ لوگ حدیث میں ہرگز سند اور محبت نہیں ہو سکتے نہ ان لوگوں کی روایت قابل قبول شمار ہوگی۔ علم کا حق اہل علم ہی ادا کر سکتے ہیں۔ امام وکیع (۱۹۷ھ) سے ایک روایت کے بارے میں پوچھا گیا آپ نے دریافت کیا من میں ویہ (ایسے کون روایت کرتا ہے؟) عرض کی گئی وہب بن اسلمعیل اس پر آپ نے فرمایا : **ذلک الرجل صالح وللمحدث رجال یہ شخص نیک ہے اور حدیث کے اہل اور لوگ ہوتے ہیں۔**
امام مالک نے ان لوگوں کی فہرست میں جن سے علم نہ لیا جائے یہ بھی لکھا ہے :

و رجل له فضل و صلاح لا یعرف ما یحدث بہ

روایت کے علاوہ خورے میں بھی اہل کشف کی بات نہ مان جائے گی۔ یہاں فقہاء کا اعتبار ہوگا۔ مونی قسم کے لوگ بعض اوقات کشف سے کوئی بات کہہ دیتے ہیں اور اس کی بات صحابہ تک نہیں پہنچی ہوتی۔ علماء کے نزدیک دین وہی ہے جو صحابہ سے ملے۔ علماء حقیقت میں صحابہ ہی ہیں اور باقی سب ان سے خوشہ چین ہیں۔

مجاہد (۱۰۰ھ) کہتے ہیں : العلماء اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت حذیفہ بن الیمان (۳۶ھ) فرماتے ہیں : کل عبادۃ لم یتعبدھا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا

تعبدوھا۔ ترجمہ : دین کا ہر عمل جسے صحابہ نے دین نہ سمجھا ہو تو اس راہ سے خدا کے آگے نہ جھکا اسے دین نہ کہنا۔

حضرت امام ربانی شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی فرماتے ہیں :

مسئل صوفیہ در حل و حرمت سند نیست ہمیں پس است کہ ما ایشان را معذورہ داریم و علامت نہ کنیم و مرایشان را بجن

سمانہ و تعالیٰ معذور داریم اینجا قول امام ابی حنیفہ و امام ابی یوسف و امام محمد معتبر است نہ عمل ابو بکر شبلی و ابی الحسن ندی : ھ

ترجمہ : مونی قسم کے لوگوں کا عمل حلال و حرام کے امتیاز میں سند نہیں ہے یہی کافی ہے کہ ہم انہیں معذور سمجھیں اور علامت نہ کریں اور ان کا معاملہ خدا کے سپرد کریں۔

سو علم وہی ہے جو انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثین سے تعلیم و تعلم کے ذریعے جاری ہوا۔ اس کے سوا بات جس

راہ سے بھی آئے اس کا نام علم نہیں ہو سکتا۔

ليس العلم المعتبر الا الماخوذ من الانبياء وورثتهم على سبيل التعلم رفيع الباري (۱۱۷)
ترجمہ: علم معتبر وہی ہے جو انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثوں سے تعلیم کے طور پر ملے۔
برکثت وغیرہ سے حاصل شدہ معلومات کا نام علم نہیں اور نہ وہ حجت ہے۔

صغریٰ میں کئی روایات | محدثین نے اس نکتہ پر بھی بحث اٹھائی ہے کہ جہول طبر کے سچے روایت کیا معتبر ہے؟
روایت کرتے وقت وہ بیشک بیدار مغز اور منابطہ ہے لیکن جس دور کی کئی بات وہ ذکر

کر رہا ہے اس وقت وہ بچہ تھا کیا اس وقت کی روایات اس سے لی جاسکتی ہیں؟

اس کا جواب ہاں میں ہے۔ صحابہ کی ترمرسلات بھی حجت ہیں گو وہ جس دور کی روایت کر رہے ہوں اس میں پیدا بھی نہ ہوئے ہوں۔ لیکن دوسرے صغریٰ راویوں کی روایت بھی عند التمتیق لائق قبول ہوگی بشرطیکہ روایت کرنے کے وقت وہ اپنے عادل اور منابطہ ہوں، قواعد پر پوری نظر رکھتے ہوں۔

عہد جدید کے جو لوگ حدیث سے جان چڑانا چاہتے ہیں وہ اس نکتہ کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ ان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ حدیث کا جو ذخیرہ حضرت حسن (۵۰ھ) حضرت عبداللہ بن عباس (۶۸ھ) حضرت نعمان بن بشیر (۴۲ھ) حضرت ابو سعید الخدری (۴۲ھ) اور حضرت انس بن مالک (۹۱ھ) جیسے اکابر سے مروی ہے اسے بیک جنبش قلم ایک طرف رکھ لیں۔ ان حضرات کا عمریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت بالترتیب ۸ سال، ۸ سال، ۱۰ سال، ۹ سال، ۱۹ سال اور ۱۹ سال کے قریب تھیں اور ائمہ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی صغریٰ تو معروف ہی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی وفات سے پانچ چھ سال پہلے سے جو روایات سنی ہوں گی ان کا نقل روایت کس عمر میں کیا ہوگا؟ سو ان حضرات کی روایات کو اگر صغریٰ کی بنا پر قابل قبول نہ سمجھا جائے تو دین کا آخر کو نسا حقہ امت کے پتے میں رہے گا۔

خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) نے الکفایہ میں اس پر سیر حاصل بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ راجح مذہب میں صغریٰ کی کئی روایات حجت اور لائق قبول ہیں۔

محقق ابن ہمام (۸۶۱ھ) بھی فرماتے ہیں: من شرط الراوی کو نہ بالغاً حین الاداء ولا کان غیث بالغ وقت

التعلم لا اتفاق الصحابة وغيرهم على قبول رواية ابن عباس وابن الزبير والنعمان بن بشير والانس بلا استفسار عن الوقت الذي تحملوا فيه ما يروونه عن النبي صلى الله عليه وسلم

ہاں اہل کوفہ روایت حدیث میں بہت زیادہ محتاط واقع ہوئے ہیں۔ وہ اپنے بچوں کو پہلے حفظ قرآن اور زہد و عبادت میں لگاتے اور جب نموس کرتے کہ بچہ اب احترام حدیث کے لائق ہو چکا ہے تو اسے تعلیم حدیث کے لئے بٹھاتے۔

خطیب بغدادی رقمطراز ہیں: ان اهل الكوفة لم يكن الواحد منهم يسمع الحديث الا بعد استكمال العشرين سنة وليشتغل قبل ذلك بحفظ القرآن والتعب

اہل کوفہ میں سے ایک شخص بھی حدیث سننے کے لئے نہ بیٹھا جب تک کہ بیس برس تک نہ پہنچ جاتا اور اس سے پہلے حفظ قرآن اور زہد و عبادت میں وقت لگاتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مفسرین صحابہ نظر رسالت کے اثر اور آپ کی مجلسِ برکت سے ہی تقویٰ و تعبد کی وہ دولت پالیتے تھے جو دوسرے نوجوانوں کو بیس برس کی عمر میں بھی نہ ملتی تھی۔ سو بعد کے زمانوں میں اہل اللہ نے تعلیم حدیث کے لئے اگر سوقت نیچے بٹھائے جب وہ حفظ قرآن اور تعبد اسلامی میں کافی آگے بڑھ چکے ہوں۔ تو یہ اس لئے نہ تھا کہ وہ اس سے کم عمر میں حدیث کا سنا اور تحمل روایت ناجائز سمجھتے تھے بلکہ یہ سب اہتمام بعض احترام حدیث کے لئے تھا۔ ایک شدید احتیاط تھی جو ان کے عمل میں کارفرما تھی۔

اہم علی بن المدینی (۲۳۴ھ) فرماتے ہیں: ہم حضرت جریر کے پاس بیٹھے تھے کہ ہم نے سماع حدیث میں کچھ سخت شرائط لگان شروع کر دیں۔ آپ نے اس پر فرمایا: **وَاسْتَمِ افقہ من ابن المبارک**! کیا تم حضرت عبداللہ بن مبارک سے زیادہ دین کی سمجھ رکھتے ہو؟

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ حضرت عہد اللہ بن مبارک سماع حدیث کے لئے سخت شرائط اور کسی شدت کے قائل نہ تھے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ مفسرین کی روایت کا قبول ہونا یا نہ ہونا اور تحمل روایت کے لئے کچھ شرطیں لگانا یا نہ لگانا یہ سب باتیں فقہ کا موضوع ہیں اور اس میں جو فیصلہ بھی سامنے آئے گا اس میں اجتہاد ضرور کارفرما ہوگا۔ اس پہلو سے دیکھیں تو اہل کوفہ کے عمل اور جمہور محدثین کے عمل میں اصولی طور پر کوئی تعارض نہیں ہے۔ نہ اہل کوفہ کم عمر میں روایت لینے کو ناجائز سمجھتے تھے۔ نہ کامل بعض احتیاط اور مزید احترام کے پہلو سے تھا اور یہ بھی بعض رواج کے طور پر تھا۔ حافظ ابو نعیم فرماتے ہیں:

كان اهل الكوفة لا يخرجون اولادهم في طلب الحديث صغارا حتى يستكملوا عشرين سنة رواج في بات ابن جبر کہ رہی عام فہم بات اس بحث میں یہ سب کہ فہم حدیث کی صلاحیت جس عمر میں پیدا ہو جائے اس میں وہ سننے کے لائق ہو جاتا ہے۔ حافظ ابن جبر مسلمان کہتے ہیں:

لكن المروءة في ذلك الى العلم فيختلف باختلاف الاشخاص

اس باب میں بات فہم پر لوٹائی جائے گی اور وہ مختلف لوگوں میں مختلف درجے میں ہوتا ہے۔

کبیری میں حدیث روایت | عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت زید بن ارقمؓ سے کہا کہ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث سناؤں۔ اس پر آپ نے فرمایا: **كجونا ونسنا والحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم شديد**

ترجمہ: ہم بڑے ہو گئے اور بچوں نے پر آگئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بات نقل کرنا تو بہت اہم بات ہے۔ (یعنی اس میں صحت کی بہت تاکید ہے)

اس سچے پتہ چلا کہ آداب حدیث میں ایک ادب یہ ہے کہ روایت کرنا پوری پختگی اور تہیہ سے روایت کرے بڑھاپے اور نسیان کا غلبہ ہو تو روایت سے احتراز کرے۔ اسی طرح لوگوں کو بھی نہ چاہیے کہ ایسے مصنف کو روایت کرنے

پر مجبور کریں ورنہ کوئی نہ کوئی بات در بیان سے ضرور رہ جائے گی۔ مولانا عبدالقیوم بخنوری لکھتے ہیں کہ: ”جب کبھی کبیرن یا کسی مرض کی وجہ سے نسیان کا غلبہ ہو یا تغیر و تبدل حدیث کا اندیشہ ہو تو اس وقت حدیث کے بیان کرنے سے گریز کرنا چاہیئے“

حدیث بیان کرنے والے سے مزید شہادت لینا | فقہ راوی کی روایت از خود کافی شہادت ہے اس پر مزید شہادت کی ضرورت نہیں نہ اسے قسم کھوانے کی ضرورت ہے تاہم یہ صحیح ہے کہ

اصول حدیث سب اجتہادی ہیں مقصود صحیح بات کو پائینا ہے وہ جس طرح بھی میسر آ سکے اور یقین بڑھا سکے۔ خطیب بغدادی اصول حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں وجب الاجتہاد فی علم اصول لہذا جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس

موضوع کی ہر بات میں اجتہاد سے کام لیا گیا ہے۔ فقہاء حدیث نے اپنے اپنے فقہ کی روشنی میں اس کے اصول طے کئے ہیں سو اگر کسی خاص موضوع پر اس روایت کی مزید شہادت طلب کی جائے یا کوئی شخص کسی راوی حدیث سے قسم بھی کھوائے تو اس میں

مفائقہ نہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ اث جنسین کی روایت میں حضرت مغیرہ بن شعبہ کی روایت پر اکتفا نہ کیا جب تک کہ محمد بن مسلمہ سے اس کی تائید نہ سن لی۔ حضرت حمزہ نے استیذان میں حضرت ابو موسیٰ الاشعری کی روایت پر اکتفا نہ کیا

یہاں تک کہ حضرت ابوسعید نے بھی اس کی شہادت دی۔ حضرت ام المؤمنینؓ نے زندوں کے رونے سے میت کو مذاہب ہونے کی حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت میں تردد کا اظہار فرمایا تو اس کی یہ وجہ نہیں کہ ان اکابر کے ہاں فقہ راوی کی خبر و امد محبت نہ تھی

بلکہ اس مزید توثیق کی تلاش میں کوئی حرج نہیں۔ شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ اس بحث میں لکھتے ہیں کہ: واجب بان ذلک انما وقع منهم اما عند الارتیاب۔۔۔۔۔ و اما عند معارضة الدلیل القطعی کما فی انکار عائشہؓ۔۔۔۔۔

فتک جاء فی بعض طرقہ ان عمر قل لابی موسیٰ اما انی لم اتہمک ولكن اردت ان یتجرأ الناس علی المحدث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۴

اہل بدعت کے لکھی روایات | اہل بدعت سے وہ لوگ مراد ہیں جو بدعت فی العقائد کے مجرم ہوئے جیسے معتزلہ اور قادیانہ شیعہ اور خوارج، کرامیہ اور جمہیہ وغیرہ۔ بدعت فی الاعمال اس سے اخف ہے اور

اہل بدعت دونوں ہیں۔ جن محدثین نے فن حدیث پر بھی ایک فن کے نظر کی ان کا نقطہ نظر صرف یہ رہا کہ جو صورت بھی ہو روایت صحیح ہو انہیں کسی بدعتی میں بھی بیان کی پختگی نظر آئی تو انہوں نے اس سے روایت لے لی۔ جن علماء نے حدیث کو محض ایک فن

کے طور پر نہیں بلکہ دین اور اعتقاد سے دیکھا انہوں نے اہل بدعت سے روایت لیے کھانزادہ سمجھا وہ دین کو بدعتی سے حاصل کرنا جائز نہ سمجھتے تھے۔

حضرت امام ابن سیرینؒ (۱۱۱ھ) اور حضرت امام مالکؒ (۱۷۹ھ) اہل بدعت سے روایت لینے کے حق میں نہیں وہ اس کی اجازت نہیں دیتے۔ امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ) حضرت سفیان ثوریؒ (۱۶۱ھ) اور امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) اس کے جواز کے

قائل ہیں۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ سوائے روافض (اشاعری شیعہ) کے دیگر اہل بدعت سے اگر وہ جوڑ بوسنے والے نہ ہوں اور ان کی یادداشت کمزور نہ ہو، روایت لی جاسکتی ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) اس میں تفصیل کے قائل ہیں جو اہل بدعت

ان بدعات کو فروغ دینے والے ہوں ان کی روایت کسی صورت میں قبول نہ کی جائے گی اور غیر راہی اہل بدعت کی روایت دیگر
الط پوری ہونے پر قبول کی جاسکتی ہے۔

روافض سے روایت نہ لینے کی وجہ یہ ہے کہ تفتیہ ان کے مذہب کا جزو ہے وہ کسی مذہبی مصلحت سے خلاف بات کہنا
جائز سمجھتے ہیں۔ سو نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کہاں کہاں جھوٹ بول رہے ہیں۔

۴۔ تن ہمد داغ داغ شد ہمنہ کجا کجا نہم

خطیب بغدادی کہتے ہیں: وقال کشیر من العلماء یقبل اخبار غیر الدعاء من اهل الاهواء

فاما الدعاء فلا یجتمع باخبارهم لہ

ترجمہ: بہت سے علماء نے کہا ہے کہ ان اہل بدعت کی جو راہی ال البدعت نہ ہوں روایت قبول کی جاسکتی ہے لیکن ان لوگوں
کی جو اپنی بدعات کی طرف دعوت دیتے ہیں روایت سے احتجاج نہیں کیا جاسکتا۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے شرح صحیح مسلم میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

امام مالکؒ تو یہاں تک فرما گئے کہ لا یؤخذ العلم من اربعة من مبتدع ولا من سفیه ولا عمن

یکذب فی احادیث الناس وان کان یصدق فی احادیث النبیؐ ولا عمن لا یعرف ہذا الشان۔

ترجمہ: علم حدیث چار شخصوں سے نہ لیا جائے نہ بدعتی سے نہ بیوقوف سے نہ اس شخص سے جو لوگوں کی باتوں میں
جھوٹ بول لیتا ہو اگر حدیث نبویؐ میں کچھ ہی کہتا ہو اور نہ اس سے جو اس (موضوع) کی شان کو ہی نہ جانتا ہو۔

جہاں تک ہو سکے اہل بدعت سے روایت نہ لے اگر کہیں روایت بائیں نظر لی ہے کہ شاید کسی دوسری روایت

میں متابعت کے کام آئے تو بھی ان لوگوں کی مجلس کو لازم نہ پکڑے تاکہ انہیں باقاعدہ استاد نہ کہنا پڑے اور وہ بھی
پوری احتیاط کے ساتھ۔ سیدنا حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کہتے ہیں:

ولا شاک ان اخذ الحدیث من هذه الفرق یكون بعد التحوی والاستتواب ومع

ذلك الاحتیاط فی عدم الؤخذ لونه قد ثبت ان هؤلاء الفرق كانوا یضعون الاحادیث

لترویج مذاہبهم وكانوا یقرون به بعد التوبة والوجوع والله اعلم (مقدمہ مشکوٰۃ ص ۷)

ترجمہ: اس میں شک نہیں کہ ان فرقوں سے حدیث لینا غور اور پڑمال کے بعد ہی چاہیے اور اس کے باوجود احتیاط

نہ لینے میں ہی ہے کیونکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ یہ لوگ اپنے خیالات باطلہ کو رواج دینے کے لئے حدیثیں

کھڑتے تھے اور جب (ان میں کسی کو) توبہ کی توفیق ہو جاتی تو اقرار کرتے کہ انہوں نے بدعتیہ گ کے دور میں کیا کیا

حدیثیں گھڑی تھیں)

یہ ادب و احترام تو شیخ کے عقائد و اعمال کے متعلق ہے کہ اہل حق میں سے ہو مگر وہ فرقوں میں سے نہ ہوتا ہم اس

ادب و احترام کا بھی اپنا ایک مقام ہے جو اخلاق و عادات کی راہ سے قائم ہوتا ہے۔

احادیث احکام میں مزید احتیاط | ویسے تو کئی روایت بھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو کسی غیر ثقہ راوی سے نہ لین چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کسی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بتلا دی جائے لیکن حرام و حلال کے باب میں اس سے زیادہ کتنی کی گئی ہے۔ یہاں کسی غیر یختہ بات پر ہرگز کوئی اعتماد نہ ہونا چاہیئے حلال و حرام کا غلط فیصلہ پوری شریعت پر ایک بدنام داغ اور صاحب شریعت پر ایک بڑا فترا ہے۔
ہے اور پھر مسئلہ حلال و حرام سے متعلق تو اور بھی احتیاط ضروری ہے۔ عبد الرحمن بن مہدی فرماتے ہیں:

لذا روينا عن النبي صلى الله عليه وسلم في الحلال والحرام والاحكام شد دنا في الاسانيد وانتقدنا في الرجال واذا روينا في الفضائل والثواب والعقاب سهلنا في الاسانيد وتسامحنا في الرجال
ترجمہ: جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں کوئی روایت پہنچے جو حلال و حرام اور احکام کے بارے میں ہو تو ہم سند کی تحقیق اور راویوں کی تنقید میں سختی کرتے ہیں فقط فضائل اور ثواب و عقاب کی بات ہو تو سند میں ہم نرمی سے کام لیتے ہیں اور راویوں سے ہم مدد گزر کر کے چلتے ہیں۔

خطیب بغدادی لکھتے ہیں: قد ورد عن حنبلي واحد من السلف انه لا يجوز حمل الاحاديث المتعلقة بالتحريم والاعمن كان من ثيا من التهمة بعيداً من الظننة
ترجمہ: سلف میں کئی بزرگوں سے منقول ہے کہ وہ احادیث جن میں علت و حرمت کا بیان ہو وہ انہی راویوں سے قبول کی جائیں جو حرمت سے بری اور غلط گمان سے بچے ہوئے ہوں۔

حضرت امام احمد بن حنبل سے بھی منقول ہے کہ حلال و حرام کی بحث میں نہایت مضبوط قسم کے راوی ہونے چاہئیں۔

اساتذہ حدیث کا ادب و احترام | اساتذہ حدیث کا احترام باری جہت کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم و اقوال ہم تک پہنچا ہے ہیں اور یہ ہی وارثین انبیاء ہیں بہت ہونا چاہیئے ان کی عزت و عظمت کا خوب خیال رکھتے اور کوشش کر کے کہ حدیث میں انہی لوگوں کو اساتذہ بنائے جن کے دین پر اعتماد ہو۔

حضرت امام ابن سیرین فرماتے ہیں:

ان هذا العلم دين فانظروا عمن تاخذون دينكم

ترجمہ: بیشک یہ علم دین ہے سو دیکھا کرو کہ کن لوگوں سے تم اپنا دین حاصل کرتے ہو۔

حضرت عقبہ بن نافع نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی تھی۔ یا بنی لا تقبلوا الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا من ثقتہ۔ (التمہید لابن عبد البر جلد ۱ ص ۲۵) ترجمہ: اے میرے بیٹو! نہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کسی معتاد آدمی سے ہی لیا کرو۔

اور حق یہ ہے کہ اس سے بڑی جہالت کی قیاست کیا ہوگی کہ انسان علم کے بغیر مسئلہ بتائے اور غیر معتاد لوگوں کی حدیث لے لے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے حضرت قاسم بن محمد (۱۰۱ھ) جو اپنے دور کے سب سے بڑے عالم تھے

بما فرماتے ہیں: اقبیح من الجمل ان اقول بغیر علم او احدث عن غیر ثقۃ^۱
 ترجمہ: میں اونٹ سے بدتر ہوں گا اگر بغیر علم کے کوئی بات کہوں یا بغیر معتد سے حدیث بیان کروں۔
 خلیفہ راشد سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اذا کتبتُم الحدیث فاکتبوا باسنادہ فان
 یک حقا کنتُم شوا فی الاجر وان یک باطلا کان وزرہ علیہ
 ترجمہ: جب تم کوئی حدیث لکھو تو اسے اس کی سند کے ساتھ لکھا کرو اگر وہ صحیح ہوگی تو تم اس کے اجر و ثواب میں شریک ہو گئے
 اور اگر روایت غلط ہوگی تو اس کا گناہ اس غلط راوی پر ہی ہوگا۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں: لا تأخذوا الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا عن ثقۃ (الکفایۃ ص ۱۰۷)
 ”تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کردہ حدیث اس شخص سے لیا کرو جو ثقہ (قابل اعتماد) ہو۔“

حضرت عقیب بن مانع (م) نے بھی اپنے بیٹوں کو یہی نصیحت فرمائی تھی۔

یا بنی لا تقبلوا الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا من ثقۃ

اے بیٹو! تم ثقہ راوی کے بغیر اور کسی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کردہ حدیث نہ لیا کرو۔

صحابہؓ سے روایت کرنے والا راوی اگر کمزور بھی ہو تو اس سے اتنا اتفاق نہیں پہنچ سکتا جتنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

روایت کرنے والا کمزور راوی دین کے لئے وجہ غلط فہمی ہو سکتا ہے۔ سو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے میں بہت احتیاط کی ضرورت

محدثین سلف کا احترام | مذکورہ سابقہ مثال سے یہ سمجھیں کہ راویوں پر جس طرح جی میں آئے زبان کھولیں۔ ہرگز نہیں جس طرح

اپنے زمانہ کے اساتذہ اور اکابر کا احترام کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے اسی طرح محدثین سلف کا بھی اور

ان تمام رواۃ حدیث کا بھی ادب و احترام لازم ہے۔ محدثین کرام نے احادیث کی تخریج بڑی کاوشوں اور محنتوں سے فرمائی ہے

اس لئے ان احادیث پر مکی بحث کے دوران کوئی ناشائستہ جملہ زبان سے نہ نکلنے پائے۔ ہاں جرح و تعدیل یا راویوں کی تحقیق

اپنی جگہ ستم ہے لیکن ان میں بھی ایک محدث کا دوسرے محدث سے موازنہ کرتے وقت کوئی بے ادبی کا پہلو نہ آجائے

عام طور پر طلباء اس سے غافل رہتے ہیں اس میں احتیاط کی اشد ضرورت ہے۔

مطالعہ حدیث کے وقت کتاب کا احترام | حدیث سننے سننے پڑھنے پڑھنے تک یہ معاملہ نہیں بلکہ آداب

میں سے یہ بھی ہے کہ کتب حدیث کا بھی بڑا احترام کرتے تھے۔

حدیث کی کتابوں پر کسی کی کتب بھی نہ رکھتے تھے کتب احادیث کو اپنے سے نیچے نہ رکھے نہ زمین پر بغیر کوئی کپڑا بچھائے۔

نہ کتب حدیث پر پھلانگ لگا کے جائے، کتب حدیث جس پر رکھی جاتی ہے اس کا ادب بھی ملحوظ رہے یہ نہ ہو کہ اس

کے اوپر پیر رکھ دے یا پھلانگ کر چلا جائے۔ عام کتب کی طرح نیچے لٹکائے ہوئے نہ چلے بلکہ سینے کے ساتھ جکائے

ہوئے چلے۔ مطالعہ حدیث کے وقت بھی اس کا خاص اہتمام کرے کہ کسی طرح بے ادبی نہ ہو جائے۔ محدثین معظم اور

علماء کرام کا معمول تو یہاں تک رہا ہے کہ کتب حدیث کے مطالعہ کے وقت بھی اس کا اتنا ادب کرتے تھے کہ کتاب

کا ماشیہ دیکھنے کے لئے الٹ پلٹ یا آگے پیچھے نہ کرتے تھے بلکہ حدیث اور کتاب کے احترام اور ادب میں خود اٹھ کر جایا کرتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے محدث شہیر حضرت مولانا علامہ النور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا ادب حدیث ملاحظہ کیجئے :

کتاب کو مطالعہ میں کبھی اپنے تابع نہیں کیا جس نشست پر بیٹھ کر کتاب کا مطالعہ کرتا ہوں اگر ماشیہ دوسری جانب ہوتا ہے تو کتاب کو گردش دیکر ماشیہ اپنے سامنے کرنے کی کوشش نہیں کی کتاب کی ہیئت بدلے بغیر خود اپنی نشست بدل کر ماشیہ کی جانب آ بیٹھتا ہوں۔

جونپور کے حضرت مولانا عبد القیوم ایک جگہ لکھتے ہیں :

تحصیل علم کے لئے جس طریقہ سے اُستاد کی تعظیم و تکریم ضروری ہے کتاب کی بھی تعظیم ضروری ہے لہذا کتاب کی طرف پاؤں نہ پھیلائے رات ب کتاب کا لحاظ رکھتے حدیث کی کتابوں پر تفسیر کے علاوہ کسی دوسری کتاب کو نہ رکھے اور کسی کتاب پر کوئی دوسری چیز نہ رکھنا چاہیئے۔

بلکہ حضرت شمس علوان تو یہاں تک فرما گئے کہ جو کچھ مجھ کو علم نصیب ہوا وہ تعظیم کی بدولت یہاں تک کہ میں نے کوئی کاغذ بلا وضو نہیں چھوئے۔

جب تک کتاب و اساتذ کی عزت و عظمت ذہن نشین نہ ہوگی اس وقت تک علم قریب نہیں آتا۔ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے اور ہر آن فیض رسالت سے فیضیاب ہوتے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی مضمون بیان فرماتے ہیں تو صحابہ کرام اور بھی احترام سے بیٹھتے۔ ایسے ہی ایک موقع پر حضرت عمرؓ کے دوزانو ہو کر بیٹھ جانے کی روایت حدیث کی سماعت کے وقت مجلس کا احترام کی بحث میں آپ دیکھ چکے ہیں۔

اسی طرح بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حدیث بیان کر نیوالے کئی حضرات موجود ہوں اس صورت میں امام بات ہو تو جس سے چاہے پوچھ لے لیکن اہل علم (زیادہ علم والا) سامنے ہو تو اسی سے پوچھ لے۔ اس کے سامنے دوسرے سے پوچھنا اس کے ادب کے خلاف ہے۔ ہاں بات اہم اور پیچیدہ ہو اور بڑے شیخ سے سوال لیکن ہو تو پھر دوسروں سے پوچھنا شیخ کے احترام کے خلاف سمجھے۔ سیدنا حضرت امام عبداللہ بن مسعودؓ حدیث کے بڑے امام تھے ان کے اسی شہر میں ہوتے ہوئے ایک مشہور حضرت ابو موسیٰ اشعرؓ (۵۲ھ) سے پوچھا گیا تو آپ نے پوچھا اور اس کی تصدیق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نہ ہو سکی تو حضرت ابو موسیٰ نے صاف فرمایا : لو تسألونی ما دام هذا الحبر فیکم۔

جب تک یہ (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ) بڑے عالم تم میں موجود ہیں مجھ سے کوئی مسئلہ مت پوچھو۔

حضرت ابراہیم نخعیؓ حضرت امام شعبیؓ (۱۰۳ھ) کی موجودگی میں کچھ گفتگو نہیں فرماتے تھے ہاں کبر سن یا کسی مرض غلبہ ہو تو بڑے حضرات خود ہی احتیاط فرماتے تھے روایت کم کرتے تھے۔ بڑے حضرات کا احترام و ادب اپنی جگہ تاہم یہ ضروری نہیں کہ اساتذ لازمی طور پر شاگرد سے زیادہ علم لکھا ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

رب حامل فقه الى من هو افقه منه مکتوبہ شریف

حضرت ابراہیم نخعی بھی تو فقہ میں نادر روزگار تھے اور امام شعبی تو شعبی ہی ہیں۔

استاذہ کے آداب میں سے ہے کہ طلبہ سبق کے وقت استاد کے زیادہ قریب نہ بیٹھیں۔ ادب و احترام کی مدد دہی قائم رہ سکتی ہیں۔ شاگرد اور استاد کے درمیان کم از کم ایک کمان کا فاصلہ ضرور رہنا چاہیے اس لئے کہ یہ اقرب للتعظیم ہے۔ استاد اور شاگرد کے ادب کی ایک مثال لیجئے :

شیخ البند حضرت مولانا محمود حسنؒ اپنے کمرہ میں مسرور مطالعہ تھے ان دنوں زاد المعاد لابن قیمؒ نئی نئی چھپ کر آئی تھی اور حضرت شیخ اسی میں منہمک تھے۔ حضرت مولانا اللہ شاہ کشمیریؒ بھی ان دنوں دارالعلوم دیوبند میں مدرس تھے اور حضرت شیخ کے شاگرد رشید تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ اپنی کسی ضرورت سے حضرت شیخ کو ملنے آئے دروازہ کھلا تھا شاہ صاحبؒ مسلسل کھڑے رہے کہ حضرت شیخ کی نظر پڑے تو اندر آئیں۔ حضرت شیخ البند کتاب میں استقدر اترے پڑے تھے کہ آدھ گھنٹہ سے ناؤ ہو گیا کہ حضرت نے نظر نہ بدل اور حضرت شاہ صاحبؒ مسلسل کھڑے رہے اور محض اس لئے کہ استاذ کے کام میں خلل نہ ہو اور ادب کے خلاف نہ ہو انہیں آواز نہ دی۔ یہ حضرات اپنے وقت کے آفتاب و ماہتاب تھے مگر ادب و احترام میں دیکھیں کہ استقدر کو شاہ صاحبؒ بھی وہ حضرات ہیں جو ادب کی وجہ سے علم کے خزانے جمع کر گئے اور پھر سالہا سال پوری دنیا میں یہ علم کے موتی بکھیرتے رہے۔

استاذہ حدیث کی بے ادبی کا انجام | جس طرح استاذہ کی خدمت اور ان کے ادب و احترام سے علم میں ترقی اور ترقی پیدا ہوتا ہے ظاہر ہے کہ ان کی بے ادبی اور ترک احترام سے علم سے ندرانیت اور برکت اٹھ جائے گی اسی طرح علم سے وہ کتنا ہی ذخیرہ کیوں نہ جمع کر لے اس کا علم نافع نہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ ایسا علم کی طلب نہ ہونی چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اللہم انا نفوذ ہک من علم یوینفع علم تو بہت ہیں لیکن جس کا علم نفع پہنچائے اور وہ نفع دائمی ہو وہی صالح عالم ہے اور جس کا علم خورے نفع نہ دے وہ اوروں کو کیا نفع دے گا۔ وہ مثل حمار کے ہوگا کہ کتابوں کے انبار تو اس پر ہیں مگر بے سود۔ کمثل الحمار یحمل اسفاً اس لئے طلبہ کے ذمہ ضروری ہے کہ استاذہ کے ادب و احترام کا دامن مضبوطی سے تھامے۔ مثل مشہور ہے با ادب بالنصیب بے ادب بے نصیب۔ مولانا روم فرماتے ہیں :

از خدا خواہم ترفیق ادب بے ادب محروم گشت از فضل رب
بے ادب تنہا نہ خورد را داشت بہر بکہ آتش و دھمہ آفاق زور

شیخ پر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں | طالب علم سوال کرے تو شیخ جواب دے یا نہ دے طالب علم اس پر اصرار اور تکرار نہ کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ سفر میں تھے حضرت عمرؓ

اساتذہ تھے۔ حضرت عمرؓ نے ایک بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھی۔ آپ نے جواب نہ دیا، تین بار پوچھا۔ آپ پر دھماکا ہوا تھا۔ حافظ ابن عبد البر مالکیؒ (۸۲۶ھ) اس روایت پر لکھتے ہیں :

وفیہ ان العالم اذا سئل عن شیئی لا یجب الجواب — فیہ ان لیکت ولا یجیب بنعم ولا بلا —
رب کلام جوابہ سکوت — وفیہ من الادب ان سکوت العالم عن الجواب یوجب علی التعلیم ترک

الالاحاح علیہ۔۔۔ فیہ الندم علی الالاحاح علی العالم خوف غضبه وحرمان فائدتہ فیما یستألف و
قلما اغضب العالم الا احترقت فائدتہ (التبید جلد ۳ صفحہ ۲۶۵)

ترجمہ: اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ عالم سے جب کوئی بات پوچھی مانتے تو اس پر جواب دینا لازم نہیں۔۔۔ اس میں یہ بھی ہے کہ وہ چپ رہے اور ہاں یا نہ بالکل نہ کرے۔۔۔ اور کئی ایسے سوال بھی ہوتے ہیں کہ ان کا جواب خاموشی ہی ہوتا ہے۔۔۔ اور اس میں ادب کی تعلیم بھی ہے کہ عالم کا جواب دینے سے خاموشی اختیار کرنا ہی طالب علم پر ترک اصرار لازم کرتا ہے۔۔۔ اس میں بھی ہے کہ عالم سے سوال کرتے اصرار ہو جائے تو اس کی ناراضگی اور اس کے فائدہ سے محرومی کے اندیشہ سے اپنے پھرے پوچھنے پر ناام ہو اور بہت کم ہوتا ہے کہ عالم کو ناراض کر دیا گیا ہو اور اس کے فائدہ سے محرومی نہ ہوئی ہو۔

اس روایت میں گو آپ کے جواب نہ دینے کا سبب نزول وحی ہے مگر محدثین نے اسے عام رکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی عالم پر وحی نازل ہونے کا کوئی احتمال نہیں لیکن اور کئی وجوہ ہو سکتے ہیں جن کے باعث عالم جواب نہ دے رہا ہو۔ سو طالب علموں کو چاہیے کہ ایسے ہر موقع پر ہر شیخ کے احترام کی کوشش کریں اور اس کی ناراضگی کے ہر انداز سے بچنے کی فکر کریں ورنہ عالم کے فیض سے محروم رہنے کا قوی اندیشہ ہے۔

بعض طلبہ بات معلوم کرنے کے لئے امتحاناً بھی سوال کر دیتے ہیں
دانستہ سوال کرنا بھی بے ادبی ہے

بات انہیں معلوم ہوتی ہے مگر وہ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ استاد نے تازہ مطالعہ کیا ہے یا نہیں۔ یہ دانستہ سوال کرنا ہے اور استاد کا جائزہ لینا سخت بے ادبی ہے۔ شیخ روحانی باپ ہے۔ کوئی نیک بیٹا باپ کی پڑتال نہیں کرتا۔

دانستہ سوال کرنے کی ایک اور صورت بھی ہے۔ طالب علم سمجھتا ہے کہ اس کے ساتھ بعض ساتھی ایسے ہیں جو کسی خاص مسئلہ میں اس سے اختلاف رکھتے ہیں۔ وہ مسئلے کو جانتا ہوتا ہے اور دانستہ استاد سے سوال کرتا ہے تاکہ اس ذہن کے طلبہ استاد سے اس مسئلہ کو مدلل سن پائیں۔ اس صورت میں سوال کرنا شیخ کی بے ادبی نہیں کسی مصلحت کیلئے ہے۔ کبھی یہ جاننا بھی پیش نظر ہوتا ہے کہ اس باب میں جو کچھ میں سمجھے ہوئے ہوں، وہ درست ہے یا نہیں مقصود اپنی اصلاح ہوتی ہے استاد کا امتحان نہیں یہ بھی بے ادبی نہیں۔

استاد اگر یہ سمجھے کہ طلبہ جب تک پوری بات سن نہیں
طلبہ سے سوال نہ کرنے کا عہد لینا کیسا ہے

وہ طلبہ سے سوال نہ کرنے کا عہد لے تو اسے اس کا حق ہے۔ حضرت خضر نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عہد لیا تھا:
فان اتبعتنی فلا تسألن عن شئی حتی احدث لك منه ذکرا۔ (پ ۱۵، الکہف ع ۹)
(ترجمہ) سو اگر تو نے میرے ساتھ رہنا ہے تو مت سوال کرنا مجھ سے کسی چیز کا یہاں تک کہ میں خود اسے بیان

استاذ حدیث کی امتیازی نشست | تاہم کبیر حضرت نصر بن عمران البرحمزہ (۱۲۸ھ) حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد ہیں۔ آپ فارسی زبان جانتے تھے اور حضرت ابن عباسؓ کے مترجم کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ آپ حدیث پڑھتے وقت حضرت البرحمزہ کو اپنے ساتھ بیٹھاتے۔ امام بخاریؒ حضرت البرحمزہ سے روایت کرتے ہیں: کنت اقعّد مع ابن عباسؓ یجلسنی علی سریرہ (ترجمہ) میں حضرت ابن عباسؓ کے پاس بیٹھا تھا آپ مجھے اپنے تخت پر اساتھ بیٹھاتے تھے۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس روایت پر فرماتے ہیں: اس سے معلوم ہوا کہ ابن عباسؓ سریرہ (تخت) پر بیٹھتے تھے۔۔۔۔۔ اس سے معلوم کے لئے امتیازی نشست کا ثبوت ملتا ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کہتے ہیں کہ حضرت امام مالکؒ حدیث کے اعزاز میں خود ایک تخت پر بیٹھ کر اسے روایت کرتے۔ اس سے طالبین اور سامعین پر حدیث اور شیخ دونوں کا ادب و احترام اور ہیبت و جلال طاری رہتا۔ آپ عمار سرپر رکھتے اور ایک تخت بکھایا جاتا۔ پھر آپ اہل تشریف لاتے۔ تخت پر شروع و ختم سے بیٹھتے۔ بخور جلایا جاتا پھر جب تک حدیث کے بیان سے فارغ نہ ہو جاتے اسی ہیئت کے ساتھ بیٹھے رہتے تھے۔

عالم کے لئے خود بھی اپنے علم کی عزت کرنا ضروری ہے یہ اس لئے نہیں کہ وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھے بلکہ اس لئے کہ جو علم اس کے پاس ہے اس کی نسبت خدا اور اس کے رسول پاک ﷺ کے ساتھ ہے۔ اب اس نسبت کے احترام میں وہ کبھی اپنے آپ کو اہل دنیا کے سامنے متواضع نہ کرے عالم میں خود ایک اپنا وقار ہونا چاہیے اور اپنے علم کا وقار قائم رکھتے ہوئے کبھی اہل دنیا کے دروازوں پر دستک نہ دے۔ حضرت علامہ صنیؒ کہتے ہیں: لا ینبغی للعالم ان یأتی بعلمہ اهل الدنیا ولا یتواضع لہم اجلا لا للعالم (ترجمہ) عالم کے لئے مناسب نہیں کہ اپنا علم کے کراہل دنیا کے دروازوں پر جائے اور نہ ان کے سامنے اپنے آپ کو عاجز ظاہر کرے تاکہ علم کا جلال و رعب و احترام قائم رکھ سکے۔

شاگردوں میں تیقظ و بیداری پیدا کریں | آنحضرت ﷺ کی عادت تھی کہ حدیث بیان کرتے کرتے کبھی اختصاراً سوال بھی کرتے تاکہ صحابہ کی توجہ کو پوری طرح حدیث میں جذب

کر دیں۔ توجہ کامل اور بیداری ایسے اوصاف ہیں جو بات کو کہنے میں مدد دیتے ہیں اس سے علم میں ہنگامی بیداری ہوتی ہے اور آگے چلنے کی کئی راہیں کھلتی ہیں۔ نفسیات کا یہ ایک اہم موضوع ہے۔ حضرت امام بخاریؒ نے اس پر ایک مستقل باب لکھا ہے۔

طرح الامام المسئلة علی اصحابہ لیختبر ما عندهم من العلم لے (ترجمہ) استاد اپنے شاگردوں کو کبھی سوال بھی کرے تاکہ ان کے علم (اور کج) کا ساتھ ساتھ امتحان بھی ہوتا ہے۔ صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۱۱

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی فرماتے ہیں: تیقظ و بیداری ایک ایسا وصف ہے جو حصول علم میں کامیابی کا مسبب بنتے ہیں اور غفلت سے ناکامی و محرومی ہوتی ہے اس لئے معلم کو چاہیے کہ کبھی کبھی تلامذہ سے سوال بھی کرنا ہے۔ یہ استنباب کے درجہ میں ہے وجوب کے درجہ میں نہیں۔ فضل الباری جلد ۱ ص ۵۳

اسناد شاگردوں کو بھی سوال کا موقع دے | آنحضرت ﷺ جب کوئی حدیث بیان کرتے تو صحابہ کرام بھی اوقات درمیان میں سوال کرتے اور حضور انہیں جواب بھی دیتے اس میں حضور ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے اپنی بات کو مکمل فرما لیتے اور پھر سوال کا جواب دیتے۔ سوال اس حدیث کے متعلق نہ بھی ہو تو بھی آپ اس کا جواب دیتے۔ امام بخاریؒ نے اس پر ایک مستقل باب باندھا ہے۔

شیخ کا سلام فرماتے ہیں: ”اگر کوئی شخص سوال کر بیٹھے تو دیکھا جائے گا کہ اہل مجلس کا نقصان تو نہیں۔ اگر اہل مجلس کا کوئی نقصان نہ ہو تو جواب فوراً بھی دیا جاسکتا ہے اور اگر حارج ہو تو جواب مؤخر کیا جاسکتا ہے۔“ پھر سوال کی نوعیت

بھی دیکھی جاتی ہے کہ وہ ضروری ہے یا غیر ضروری۔ اور اگر کوئی اہم معاملہ ہو یا کسی بنیادی عقیدہ سے متعلق سوال ہو تو اس میں تاخیر کے قطعاً گنجائش نہیں ہوتی بلکہ

صحابہ کا آنحضرت ﷺ سے دورانِ حدیث اور بعد اتمام حدیث موضوع سے متعلق اور اس سے مختلف سوالات کرنا اور آنحضرت ﷺ کا جواب دینا متعدد احادیث سے ثابت ہے۔

تلاذہ کی طرف سے بعض اوقات ایسے سوالات بھی آجاتے ہیں جو طبعاً ناگوار ہوں۔ کبھی بے وقت اور ناموزوں قسم کے استفسارات کی نوبت بھی آجاتی ہے ایسی صورت میں انہیں چپ کرانا اور بعض اوقات زجر و تشدد سے کام لینا بھی ضروری ہوتا ہے۔ استاد کو ایسے موقعوں پر حالات کی مناسبت سے صورت عمل اختیار کرنے کی پوری گنجائش ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ طلبہ کا فائدہ اور حدیث کا احترام اپنی جگہ پورا قائم رہے اور علم و تحقیق کا حق بھی اپنی جگہ ادا ہو سکے۔ اگر کوئی استاد طلبہ کو اس لئے سوال سے روکے کہ اس کی اپنی تیاری مکمل نہ تھی تو وہ اس مسئلہ کے لائق نہیں ہے۔

یہ بات تو اساتذہ کے لئے تھی۔ جہاں تک طلبہ کا تعلق ہے انہیں بھی پوری توجہ سے اساتذہ کی طرف متوجہ رہنا چاہیئے
 ضروری سوالات سے ہرگز نہ رکتا چاہیئے طلبہ کے لئے سوال کرنے سے حجاب کرتا ان کی تعلیم میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے
 اور اگر اس لئے سوال نہ کرے کہ اساتذہ کو شاگرد کی جہالت معلوم نہ ہو جائے اور وہ یہ نہ کہے کہ یہ اتنی بات بھی نہیں جانتا
 تو یہ ایک طرح کا تکبر اور اپنے کر بے وجہ بڑا بنانے کی ایک تمنا ہے۔ سوال کرنے سے حجاب کرنا بالکل اور اپنے آپ کو
 (اپنے اصل پیمانے سے) بڑا دکھانا ہرگز نہ کرنا چاہیئے علم حاصل نہیں کر سکتا۔ تاہم یہی کہ حضرت مجاہد (رحمہ اللہ) فرماتے ہیں:

لا يتعلم العلم مستحي ولا مستكبر لہ (ترجمہ) حیا کرنا اور سوال کرنے سے شرمناک ہونا آپ کو بڑا ظاہر کرنا کہ جس علم حاصل نہیں کر سکتا۔

مرد تو مرد ہے دین کے بارے میں تو عورتوں کو بھی سوال کرنا پورا حق حاصل ہے۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عورتوں کی اس بڑی تعریف کیا کرتی تھیں کہ انہیں سوال کرنے میں کوئی حجاب مانع نہ ہوتا تھا وہ بر ملا مسائل پوچھتی تھیں۔ آپ فرماتے ہیں: نعم النساء لاء انصار لیم یکن۔ بمنعہن الحیا وان یسألن من الدین ویفقهن فیہ لہ حافظ بدر الدین العینی کہتے ہیں: لا ینبغی لاحد ان یستحی من السؤال مبالہ فیہ حاجۃ من اعمما لان العلم مخصوص بقوم دون قوم بل علیہ ان یسأل من کل مال الی علمہ من امور دینہ ودنیاء لہ ترجمہ: کسی کو نہ چاہیئے کہ اس سوال سے جس کی اسے ضرورت ہو رکا رہے اور سمجھے کہ علم کس ایک قوم کی میراث ہے دوسرے کا اس میں حق نہیں بلکہ اسے چاہیئے کہ جو چیز جسے وہ اپنے دین یا دنیا کی نہ ماننا ہو اس کے بارے میں سوال کرے۔

طلب حدیث میں نامور اساتذہ کی تلاش | اساتذہ کی تلاش کبھی ان کی جامعیت اور عالمی شہرت کے سبب ہوتی ہے اور کبھی سند حال کی تلاش میں۔ حدیث جتنے کم واسطوں سے ملے اسے بہتر سمجھا جاتا ہے۔ محدثین ہر دو اعتبار سے نامور اساتذہ کی تلاش میں رہتے تھے۔ امام بخاری کی نکاحیات اسی وجہ سے ممتاز ہیں کہ ان میں امام بخاری اور آنحضرت ﷺ کے درمیان صرف تین واسطے ہیں۔ سند حال محدثین کے لئے ایک بڑا تحفہ اور ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ محدثین عظام اور تابعین کرام تو ایک طرف خود صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تلاش علم میں ایک عجیب علمی ذوق محسوس کرتے تھے۔ اور طلب حدیث میں ایک والہانہ قلبی شوق رکھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود (۳۷ھ) کی جلالت علمی سے کون واقف نہیں۔ آپ بھی فرماتے ہیں: لو اعلم احد اھو اعلم بکتاب اللہ منی تبلفہ الا انی لو کنت للیہ۔ کتاب اللہ کے بارے میں علم کی طلب یہ نہیں کہ وہ آیات کی تلاش میں دور دراز جانا چاہتے تھے قرآن کے بارے میں طلب علم سے مراد تلاش حدیث ہی ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۴، ۵۰ھ) نے حضرت عبداللہ بن انیس سے ایک حدیث سنانے کے لئے مہینے بھر کا طویل سفر کیا تھا اس سے آپ ان حضرات کے شوق حدیث کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ حضرت امام بخاری کہتے ہیں: رجل جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسروق شہس الی عبد اللہ بن انیس فی حدیث واحد لہ ترجمہ: جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک حدیث کی خاطر عبداللہ بن انیس صحابی (۵۲، ۵۴ھ) کی طرف ایک مہینہ بھر چلتے رہے تابعین کو پتہ چلتا کہ فلاں دور دراز علاقے میں کئی صحابی موجود ہے جو اس موضوع پر حضور ﷺ سے ایک حدیث سنانے ہوئے ہے تو وہ اسے ملنے اور اس سے حدیث لینے کی خاطر دور دراز کے سفر اختیار کرتے گو وہ حدیث انہوں نے اور تابعین سے اسی صحابی کی روایت سے سُن بھی رکھی ہو لیکن سند حال اور حضور ﷺ سے قریب کی نسبت ان حضرات کے لئے ایک گہر کیاب تھی وہ اس کی گریہ پائی کہ ایک بڑی سعادت کہتے تھے۔ پھر تابعین اور محدثین نامور اساتذہ کی تلاش میں پوری اسلامی دنیا میں چلتے پھرتے رہتے۔ محدثین کے عرض و سماع اور تحدیث و تدیس کے بڑے بڑے حلقے

مجھے اور لوگ اطراف عالم سے پروانہ وار شمع حدیث کے گرد چلے آتے۔ حج کے موقع پر بھی بڑی بڑی ملاقاتیں ہوتیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مشہور تابعی مکحول (۱۱۸ھ) سے سوئم حج میں ہی سند حدیث لی تھی۔

معدہ ہندوستان میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی سلطنت علمی پاک و ہند، مصر و شام اور طغ و بھار ایک پھیلی ہوئی تھی اور علماء اور طلبہ چہار دہاک عالم سے اس حلقہ حدیث میں کھچے چلے آتے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمود حسنؒ اور حضرت مولانا محمد انور شاہ کھنیر پٹی کی علمی شہرت نے تمام ہندوستان کے طالبین حدیث کو ایک مرکز میں جمع کر لیا تھا اور پھر کتنے ہی تیر تارہاں ہیں جو ان سے ستیر ہو کر آفاق عالم پر پوری تابانی سے چمکے اور حق یہ ہے کہ اپنے عہد میں دنیائے من کا مثل نہ دیکھا۔

تعلیم حدیث کیلئے اہل لوگوں کی تلاش | جس طرح طلبہ کے لئے نامور اساتذہ کی تلاش وقت کا ایک اہم موضوع رہا ہے اساتذہ کے لئے بھی اہل اور لائق طلبہ کا طلب ایک فطری اور استادانہ

ذوق رہا ہے۔ اساتذہ پر پابندی تھی کہ حدیث اس درجہ تک بیان کریں جتنی لوگوں میں سمجھنے کی استعداد ہو۔ ظاہر ہے کہ ہر طبقہ علم کے نگار کے لئے انہیں ایک ایسے سہول کی ضرورت ہوتی تھی جہاں وہ حجم و خواص حدیث و کائنات روایات اور نقد مطالب پر بات کر سکیں جب آنحضرت ﷺ کی نظر کامل حضرت عمرؓ جیسے انسان کے انتظار میں رہی اور امام ابوحنیفہؒ جیسے بزرگ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کو عمر سحر کے ساتھی بنا گئے تو محدثین کی نظر انتظار میں لائق تلامذہ کی راہیں دکھیتی رہیں اور یہ اسی لئے تھا کہ تعلیم حدیث کے لئے زیادہ سے زیادہ اہل لوگوں کے حلقے قائم ہو سکیں تاہل لوگوں کے سامنے حدیث بیان کرنے میں خطرہ یہ ہے کہ وہ ناکہی میں کہیں خدا اور اس کے رسول کی ہی تکذیب نہ کر بیٹھیں۔ سیدنا حضرت علیؓ نے فرمایا:

حدّثوا الناس بما یعرفون اُتخبون ان یکذب اللہ ورسولہ لہ صحیح بخاری جلد اول ص ۴۴

ترجمہ: لوگوں کے سامنے اسی حد تک حدیث بیان کرو کہ وہ سمجھ سکیں۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی تمام باتیں جھٹلائی جائیں؟

امام بخاریؒ نے اس حدیث سے استنباط کرتے ہوئے ترجمہ الباب میں لکھا ہے:

من خص بالعلم قوماً وین قوم کو اہلیۃ ان لا یفہموا

ترجمہ: یہ باب اس سلسلہ میں ہے کہ کوئی شخص کچھ لوگوں کو علم کے لئے خاص کر لے اور دوسروں کو اس میں نہ آنے دے کہ اسے ان کے ان احادیث کو نہ سمجھنے کا اندیشہ ہو اور وہ اسے ناپسند کرتا ہو۔

سوا اساتذہ کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اہل طلبہ کے لئے کوشاں رہیں اور استاد کو یہ حق بھی ہے کہ اگر کسی طالب علم کے بارے میں اسے پتہ چل جائے کہ وہ بد عمل ہے اور طحس طرح کسے اسے اندیشہ ہو کہ وہ علم کا غلط استعمال کرے گا تو اسے وہ اپنے حلقہ درس سے اٹھائے کہ گروہ سبق کو تو سمجھ رہا ہے لیکن تعانائے سبق کو وہ بالکل نہیں سمجھ رہا ایسا طالب علم فتنے کا ایک باب ہے اگر یہ کھل گیا تو معلوم نہیں کون کون آمیں داخل ہو۔

سعد یا شیراز یا پسندے مدہ کم زاد را کم زاد گر عالم شود۔ گردن زند استاد را

اہل طلبہ کی تلاش میں اہلیت صرف فہم و ذہانت میں نہ دیکھی جائے ضبط و حفظ کے پہلو سے بھی اہلیت کا جائزہ لیا جائے کئی دفعہ مضابطہ و مافظہ قسم کے لوگ آگے کسی فہیم و ذکا شخص سے روایت کرتے ہیں اور اس تک اپنا علمی سرمایہ پہنچا دیتے ہیں اور وہ اس کی گہرائیوں میں اتر کر اس سے بہت سے موتی نکال لاتے ہیں تو یہ ضبط و حفظ آگے جا کر کام آگیا

اور جن حضرات میں یہ دونوں صفتیں ہوں تو وہ پہلے ہی ایک بڑی سعادت پاگئے تاہم یہ ضروری ہے کہ خواہمیں حدیث ان لوگوں کے سامنے نہ کھولے جائیں جو انہیں نہ سمجھ کر کسی اور فتنے میں مبتلا ہو جائیں۔ علم ہمیشہ اپنے مناسب معلقوں میں پھیلتا ہے مناسب معلقوں سے اس میں ظہور آتی ہے۔ حضرت علامہ عینی لکھتے ہیں:

الاسرار الالہیة لا یجوز کشفها الا للخاص خرفا من یسمع ذلك من لا علم له فی شکل علیہ
— یحب ان یخص بالعلم قوم فیہم الضبط وصحة الفہم ولا یبذل المعنی اللطیف لمن لا یتأ من الطلبة ومن یخاف علیہ الترخص والاتکان لتقصیر فہمہ لہ

ترجمہ: اسرار الہیہ کو خواہمیں کے سوا اور کسی کے سامنے نہ کھولنا چاہیئے اندیشہ ہے کہ انہیں وہ لوگ سُن جائیں جو ان باتوں کو نہیں جانتے اور ان پر کوئی اور مشکل آن پڑے۔ سو چاہیئے کہ تعلیم کے لئے اسے لوگوں کو نہ جانا جائے جن میں ایسے علم کو ضبط کرنے کی اہلیت اور صحیح سمجھنے کی قابلیت ہو اور عالم باریک بات کو ان طلبہ کے سامنے عام نہ کرے جو اس کے اہل نہیں اور خدشہ ہو کہ وہ آسانی اور سستی کی راہ لیں گے کہ ان کا فہم ان تک پہنچنے سے قاصر ہے۔
یہ بات حقائق و خواص اور مسائل ذات و صفات کی مدد سے جہاں تک مطلق تعلیم دین کا تعلق ہے حدیث ہر ایک تک پہنچانا اپنی جگہ ضروری ہے۔

ہر ایک تک حدیث پہنچانا | آنحضرت ﷺ کے پاس مختلف مقامات سے لوگ آتے آپ انہیں علم و ایمان کی باتیں سمجھاتے اور ارشاد فرماتے کہ وہ اپنے علاقے میں جا کر یہ باتیں دوسروں تک بھی پہنچائیں۔ آپ کے پاس وفد عبدالقیس آیا اور انہوں نے حضور ﷺ سے دین کی بہت سی باتیں دریافت کیں اور جب جانے لگے تو آپ نے فرمایا: احفظہ و اخبروہ من و سواکم۔
ترجمہ: انہیں یاد رکھو اور جو لوگ تمہارے پیچھے ہیں انہیں ان کی خبر کرو۔

حافظ بدر الدین العینی رقمطراز ہیں: من علم علماً انہ یلزمہ تبلیغہ لمن لا یعلمہ و ہوالیوم من فروض الکفایۃ لظہور الاسلام و انتشارہ و امانی اول الاسلام فانہ کان فرض معیناً ان یبلغہ حتی یکمل الاسلام و یبلغ مشارق الارض و مغاربہا۔
ترجمہ: جو کوئی (دین کی) بات جانے اس کا ان لوگوں تک پہنچانا لازم ہے جو نہیں جانتے آج یہ چیز فرض کفایہ کی نیکو اسلام ظاہر ہو چکا اور پھیل چکا لیکن پہلے دور میں یہ بات فرض عین تھی کہ ہر جاننے والا اس بات کو دوسروں تک پہنچائے یہاں تک کہ دین کامل ہو جائے اور مشرق و مغرب تک پھیل جائے۔

حضرت البرشریحہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دوسرے دن قدسیت مکہ پر ایک نہایت وسیع ترتر امان اور آخر میں کہا: لیسبلغ الشاہد الغائب۔ صحیح بخاری جلد ۳۲ سنن ابن ماجہ ص ۲۱
ترجمہ: چاہیئے کہ تم میرے پاس حاضر رہو وہ اسے پہنچائے جو مجھ سے غائب ہے۔
اور سنن ابی داؤد میں ہے: لیسبلغ الشاہد کم غائبکم

ترجمہ: تم میں سے جو حاضر ہے اپنی اپنی قوم کے ان لوگوں تک جو مجھ سے غائبین ہیں اس پیغام کو پہنچا دے۔
یہ بات صرف مردوں تک محدود نہیں۔ عورتوں میں بھی دین کی یہ تعلیم جاری کی جاسکتی ہے۔ حضرت امام بخاریؒ نے اس کے لئے مستقل باب باندھے ہیں:

باب عظة الامام النساء وتعليمهن لئلا يجهل النساء دينهم على حد من العلم
اس دین ضرورت کے لئے ان کا مردوں سے ہمکلام ہونا اور سوال و جواب کرنا ممنوع نہیں۔ حافظ عینی رحمہ اللہ نے:

فيه سوال النساء عن امر دينهن وجوابهن كلامهن مع الرجال في ذلك وحيثما لهن الحاجة اليه
ترجمہ: اس میں عورتوں کو اپنے دین کے بارے میں سوال کرنا اور ان کا دوسرے مردوں سے کلام کرنا مذکور ہے اور یہ کہ جب انہیں اسکی حاجت ہو یہ ان کے لئے جائز ہے۔

حدیث پڑھنے کے لئے بڑے احترام سے بیٹھے | آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ تعلیم کے وقت بیٹھ کر

بھی سنا تے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ حضور ﷺ کے ایک حلقہ درس کے جلسے میں فرماتے ہیں:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتيقنا هو جالس في المسجد والناس معه اذا قبل ثلثه لفرس
اما احدهما فرأى فرجة في الحلقة فجلس فيها واما الآخر فجلس خلفهم واما الثالث فادبر ركه
ترجمہ: آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اور لوگ آپ کے پاس بیٹھے تھے کہ تین آدمی آئے ایک

نے حلقے میں ایک خال جگہ دیکھی تو وہ وہاں بیٹھ گیا دوسرا دائرے کے پیچھے بیٹھ گیا اور تیسرا واپس چلا گیا۔
اس سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ حضور ﷺ کے پاس بیٹھ کر حدیث کی تعلیم حاصل کیا کرتے تھے اگر کسی کو بیٹھنے کی جگہ نہ ملے وہ واپس ہو جاتا لیکن کھڑے کھڑے حدیث سنا اس کے نزدیک احترام حدیث کے خلاف تھا حضرت ابن عباسؓ حدیث پڑھتے تو ایک تخت پر بیٹھتے تھے امام مالکؒ بھی ایک امتیازی شان سے بیٹھتے اور حدیث روایت کرتے کھڑے ہو کر حدیث سنانا ان کے ہاں بہت ناپسندیدہ سمجھا جاتا تھا۔ ایک دفعہ آپ حضرت ابوہریرہؓ کی مجلس حدیث سے اس لئے واپس آگئے کہ وہاں بیٹھنے کی جگہ نہ تھی۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

حضرت مالک بن انسؒ ایک روز ابوہریرہؓ کے پاس گئے اسوقت وہ حدیث بیان کر رہے تھے حضرت امام مالکؒ
ادھر سے گزر گئے اور فرمایا میں نے وہاں بیٹھنے کی جگہ نہ پائی اور میں اسے کمرہ بکھتا ہوں کہ کھڑے کھڑے حدیث رسول ﷺ
کو حاصل کروں حالانکہ میں کھڑا ہو سکتا تھا۔ حافظ بدرالدین العینی رحمہ اللہ نے:

ان من حسن الادب ان يجلس المرء حيث انتهى مجلسه ولا يقيم احداً استحب ان يجلس حيث انتهى
ترجمہ: حسن ادب یہ ہے کہ انسان وہیں بیٹھ جائے جہاں تک کہ مجلس پہنچ چکی ہے اور کسی کو نہ اٹھائے۔ یہ ستم ہے۔

یہ حدیث کو قبول کرنے، پڑھنے پڑھانے اس کی طلب و دریافت اور طلبہ و مساند کے حقوق و آداب کا بیان تھا۔ اب یہ بھی پیش لاء رکھئے کہ جو روایت نقل کی جا رہی ہے اسکے پہلے ذمے کتنے حقوق ہیں روایت نقل کرنے میں کیا کیا باتیں ملحوظ نظر رہنی چاہئیں۔

۱۔ ایضاً ص ۲۵ ۲۔ ایضاً ص ۳۰ ۳۔ عمدۃ القاری ص ۱۳۲ ۴۔ صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۰۰ ۵۔ ایضاً ص ۱۰۰

۶۔ مدارج النبوة جلد ۱ ص ۵۴۲ ۷۔ مدارج النبوة جلد ۱ ص ۵۴۲ ۸۔ عمدۃ القاری جلد ۱ ص ۱۰۰

آداب روایت کا بیان

حدیث کا تکرار کرنا زیادہ ہو جائے | بتا کرئی کلام زیادہ بہتم بالشان ہو تا ہے اتنا ہی اسے یاد رکھنے کی زیادہ فکر ہوتی ہے اتنا ہی اسے یاد رکھنے کی زیادہ فکر ہوتی ہے حضرت انس بن مالک (ؓ) کہتے ہیں: عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه کان اذا تکلم بکلمۃ اعادھا ثلاثاً حتی تفہم عنہ لہ ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کئی بات کہتے تو اسے تین دفعہ دہراتے تاکہ اس کا آپ کی طرف سے ہونا انہی طرح بھی ہو سکے۔ امام بخاری نے اس حدیث پر یہ باب باندھا ہے: من اعاد الحدیث ثلاثاً لیفہم۔ فقال الا وقل الزود فما زال یکررها۔ وقال ابن عمر قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہل بلغت ثلاثاً ترجمہ: جس نے حدیث کو تین دفعہ دہرایا کہ پوری طرح سمجھ آجائے۔ آپ نے ایک دفعہ قول زور سے نہیئے کی تاکید فرمائی اور بار بار اسے دہراتے رہے۔ حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ آپ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں: ہل بلغت کے الفاظ تین دفعہ ارشاد فرمائے تھے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حدیث کو اس دور میں بھی ابدی سچائی کی حیثیت حاصل تھی۔ آپ کی ہدایات اگر صرف اس وقت کے لئے ہوتیں تو ان کے فہم و حفظ میں اس قدر اہتمام کر لیا گیا ہوتا۔ موجودہ دور میں طلبہ کو چاہئے کہ حدیث بیان کرتے وقت اس ترتیب کو ضرور ملحوظ رکھیں جس ترتیب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرامؓ نے بیان کیا ہے۔ اور اسے اس طرح یاد رکھنے کے لئے آپس میں اس کا تکرار بھی کر لیا کریں تاکہ جب وعظ و درس کی ذمہ داریاں ان پر آئیں تو ذمہ دارانہ بیان کی عادت پڑ چکی ہو۔

حدیث کا طالب علم قلم و دوات ساتھ رکھے | پہلے دور میں تو کچھ اختلاف رہا کہ حدیث لکھی جائے یا نہ۔ گو اس میں بھی تحقیق یہ ہے کہ لکھنے کی ممانعت مطلق نہ تھی تاہم اس میں کہیں اختلاف نہیں ہوا کہ آئندہ ادوار میں محدثین لکھنے کی ضرور پابندی کریں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ (۱۱۰ھ) نے امام زہریؓ (۱۲۴ھ) کو حدیث لکھنے کے لئے حکم دیا تو اعلان امت ہو اس وقت کثیر تعداد میں موجود تھے ان میں سے کسی نے اس سے اختلاف نہ کیا اور سنت اسلاف اسی طرح جاری ہوئی کہ حدیث کے طالب علم لکھنے کا پورا اہتمام کریں۔ حضرت یحییٰ بن معینؓ (۲۴۳ھ) فرماتے ہیں۔

” حکم من یطلب الحدیث الا یفارق محبرته و مقلنته وان لا یحضر شیئاً یسمعه فیکتبہ “ ترجمہ: حدیث کے طالب علم کے لئے حکم ہے کہ اپنے قلمدان اور دوات کو ہمیشہ ساتھ رکھے اور حدیث سننے کی کسی مجلس میں حاضری نہ دے مگر یہ کہ جو کچھ سنے اسے لکھ لے۔

موجودہ دور میں دورہ میں انہی طلبہ کو داخلہ دینا چاہئے جو لکھنے کی مشق رکھتے ہوں۔ علماء کے لئے لکھنا سیکھنا امت ضروری ہے۔ طلبہ میں شروع سے ہی تقریر و تحریر کے لئے محنت ہونی چاہئے۔ حضورؐ کو بھی حدیث یاد کرانے کی بہت فکر ہوتی تھی۔ خاص مواقع پر تشریق مزید یہ توجہ دلانا مقصود تھا۔

لکھتے ہوئے سنی گئی روایات | شیخ حدیث شاربہا ہو اور طلبہ لکھ رہے ہوں تو کیا لکھتے ہوئے سنی گئی روایات صیغہ سماع سے بیان ہو سکتی ہیں؟

اس میں علماء حدیث کا اختلاف رہا ہے۔ ابراہیم الحارثی اور ابو بکر بن اسحق البیہقی وقت کے بہت سماع کو صحیح نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ اس خیال میں توجہ بڑی ہوتی ہے اور سننے کا حق ادا نہیں ہوتا سو اس طرح سنی روایت کو سماع سے ذکر کرنا درست نہیں۔ امام عبد اللہ بن مبارک اس طرح سنی گئی روایات کا سماع درست تسلیم کرتے ہیں اور اسے سماع سے روایت کرنا جائز سمجھتے ہیں جو اسے جائز نہیں سمجھتے وہ اسے تحریر سے روایت کرنے کے ضمن میں لے آتے ہیں۔

یادداشت کی بجائے تحریر سے روایت کرنا | اگر کسی صحابی، تابعی، امام یا راوی حدیث کے پاس کوئی باوثوق تحریر یا داشت کی بجائے تحریر سے روایت کرنا ہو۔ اس نے وہ تحریر خود اپنی یادداشت سے لکھی ہو اس کے

پاس محفوظ ہو اور اسے پوری طرح یاد ہو کہ یہ تحریر اسی کی ہے اور وہ اسے پہچانتا ہو یا اس نے وہ تحریر اپنے شیخ یا اپنے باپ یا دادا سے لی ہو اور اس تحریر پر اس اوپر کے راوی کے دستخط یا اس کی توثیق کسی پیرائے میں درج ہو۔ اور پھر راوی اب حدیث کو اپنی یادداشت سے نہیں بلکہ اس تحریری دستاویز سے روایت کرے تو جائز ہے؟

ہاں جائز ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص (۶۷ھ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو مجموعہ احادیث لکھا تھا اور وہ صحیفہ جس کا نام ”الصادقہ“ تھا۔ پھر آپ کی اولاد میں منتقل ہوتا رہا۔ آپ کے پوتے اور پڑپوتے اس دستاویز سے ہی ان احادیث کو آگے روایت کرتے رہے۔

یحییٰ بن سعید القطان، عمرو بن شعیب کی روایت کو اسی لئے کمزور سمجھتے رہے کہ وہ اپنے دادا عبد اللہ بن عمرو کے تحریر کردہ مجموعے سے احادیث کو روایت کرتے ہیں (یادداشت سے نہیں) لیکن اکثر اہل علم اس طرح روایت کرنے کو ناجائز نہیں سمجھتے۔ امام ترمذی لکھتے ہیں:

قد تکلم یحییٰ بن سعید فی حدیث عمرو بن شعیب وقال هو عندنا وادواہ من ضعفہ فانما ضعفہ من قبل ان یحدث من صحیفۃ جدہ عبد اللہ بن عمرو ولما اکثر اهل العلم فی تحقیقہ بحديث عمرو بن شعیب و یثبتونہ (جامع ترمذی جلد ۲ ص ۴۳۲) ترجمہ: یحییٰ بن سعید نے عمرو بن شعیب کی حدیث میں کلام کیا ہے اور کہتا ہے کہ اس کی روایت ہمارے ہاں کمزور ہے اور جس نے بھی اسے ضعیف کہا اس نے کہا ہے کہ وہ اپنے دادا عبد اللہ بن عمرو کے صحیفہ (الصادقہ) سے حدیث روایت کرتے تھے لیکن اکثر اہل علم عمرو بن شعیب کی حدیث سے محبت پکڑتے ہیں اور اسے ثابت مانتے ہیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اکثر اہل علم کے ہاں باوثوق تحریر سے حدیث روایت کرنا ناجائز نہ سمجھا جاتا تھا جتنی حدیث بن عمرو بن العاص اس کتاب ”الصادقہ“ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ”الصادقہ“ وہ کتاب ہے جو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لکھی تھی۔

یہ بیان کرتے وقت قبلہ رخ ہونا | محدث جب اپنی سند سے روایت کر رہا ہو تو وہ ایک بہت بڑی ذمہ داری ادا کر رہا ہوتا ہے اسے چاہیے کہ مجلس اور آداب کا پورا لحاظ رکھے۔ حضرت سفیان بن عیینہ روایت کرتے تو قبلہ رخ ہو کر حدیث پڑھتے۔ یحییٰ بن معین لکھتے ہیں:

کان سفیان اذا حدث استقبل القبلة

یہ روایت با وضو پڑھنا مستحب ہے | قرآن مجید ترویجی طور پر ہے بغیر وضو پڑھنا منع ہے لایسہ الا الطہرون۔ حدیث شریف غیر مستحب ہے، سو مستحب ہے کہ اسے بھی بغیر وضو نہ چھوٹے جگہ وضو سے ہن پڑے اور پڑھائے۔ اکابر علماء اہل سنت حدیث با وضو ہی پڑھاتے رہے ہیں۔

تابعی کبیر حضرت قتادہؒ (۱۱۸ھ) کے ہاتھ میں مروی ہے: لقد کان یستحب ان لا یقرأ الا وحیداً | التی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا علی وضو ۶۷۲ | آپ سکتب سمجھتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث با وضو ہی پڑھیں۔

حضرت امام مالکؒ (۱۷۹ھ) کا مل بھی ملاحظہ کیجئے: کان مالک بن انس لا یحدث بحديث رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الا وهو علی وضوء اجلاؤ لحديث رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم۔ ترجمہ: امام مالک اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث جب بھی بیان کرتے تو وضو سے ہوتے۔ آپ کا یہ عمل حدیث رسول کی اجلال شان کے لئے تھا۔

حضرت امام لیث مصری (۱۷۵ھ) بھی حدیث کی کتابت طہارت وضو کے ساتھ کرتے تھے۔ سن صاحبین بے وضو حدیث بیان کرنے کو ناپسند کرتے تھے۔ حضرت اُمّ ش (۱۲۷ھ) سے جب وضو نہ ہو سکتا تو نیم گرم ہی کر لیتے تھے (مدارج النبوة ص ۵۴۲) حضرت امام بخاری کے ہاتھ میں تو مشہور ہے کہ ہر حدیث کی تخریج سے پہلے غسل کرتے اور دو رکعت صلوٰۃ الاستسماہ پڑھتے تھے ۵۔

اس سے آپ اندازہ کریں کہ اس دور میں حدیث کا کس قدر احترام ہوتا تھا اور مومنین کس طرح شریعت کے اس چشمہ زلال پر دل و جان سے قربان ہوتے تھے۔

حدیث کو محترم کرنے سے احتراز | علماء حدیث کا اس باب میں اختلاف رہا ہے۔ غیل بن احمد کہتے ہیں کہ حدیث اس طرح روایت کرنی چاہیے جیسے کہ سنی گئی تھیں اسے اپنی طرف سے مختصر کرنا جائز نہیں۔

لا یحل اختصار الحدیث لقولہ رحمہ اللہ امرأ سمع منا حدیثاً فبلغہ کما سمعہ۔

یحییٰ بن معین کی رائے اس مسئلہ میں یہ ہے: کان یکوہ الانتخاب ویدمہ ویقول صاحب الانتخاب

یدم ولذلک کان یکتب علی الوجه لیسقط علیہ حدیث۔

ترجمہ: آپ حدیث کے انتخاب کرنے کو مکروہ جانتے تھے اور اسے برا کہتے تھے آپ کا منظور تاکہ انتخاب کرنا اور آخر کار شرمندہ ہوتا ہے۔

سفیان الثوری (۱۶۱ھ) اس شخص کے سلسلے میں جس کے پاس حدیث پروری روایت کی جا چکی ہو اس کا اختصار سے پیش کرنا جائز سمجھتے تھے۔ یروى الاحادیث على الاختصار لمن قدس واهاله على التمام۔

ابو محمد حسین بن سعید الغزالی البغوی (۵۱۶ھ) ایک بحث میں لکھتے ہیں: وفيه دليل على كراهية اختصار الحديث لمن ليس بالمستألف في الفقه لأنه إذا فعل ذلك فقد قطع طريق الاستنباط على من بعده ممن هو افقه وفي ضمنه وجوب التفقه والبحث على استنباط معنى الحديث واستخراج المسكون من سورة (شرح السنہ ۲۴۶) ترجمہ: اور اس میں اس شخص کے لئے جو فقہ میں ماہر نہیں حدیث کو منقطع کرنا مکروہ قرار دیا گیا ہے وہ اگر ایسا کرے گا تو اس نے اپنے بعد کے کسی زیادہ فقہ جاننے والے پر طریق استنباط روک دیا اور اس حدیث کے ضمن میں حدیث پر فقہ کرنا اور حدیث سے معائنہ کو مستنبط کرنا اور اس کے چسپے اسرار کو کھولنا واجب بتلایا گیا ہے۔

تقطیع حدیث | حدیث کو جزو جزو کر کے مختلف ابواب میں لانا تقطیع حدیث کہلاتا ہے۔ صحیح بخاری میں امام بخاریؒ نے بڑی محنت اور گہری فکر سے صحیح کے مختلف باب قائم کئے ہیں سو ہر باب میں آپ اتنی ہی روایت لاتے ہیں جتنی اس سے متعلق ہو اور آپ اس کے مطابق حدیث کی تقطیع (ٹکڑے ٹکڑے کر کے بیان کرنا) کرتے چلے گئے ہیں۔ امام مسلمؒ نے صحیح مسلم میں خود باب نہیں باندھے اس لئے وہ حدیث مسلسل بیان کرتے ہیں تقطیع حدیث نہیں کرتے تاہم صحیح یہ ہے کہ تقطیع حدیث اس شخص کے لئے جو فقہ میں ماہر ہو اور تقطیع سے مضمون میں فرق نہ آنے دے جائز ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی صحیح بخاری کی ایک حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ان البخاری يذهب الى جواز تقطيع الحديث اذا ما كان يفصله منه لا يتعلق بما قبله ولا بما بعده تعلقا يفضي الى سناد المعنى فصنعه كذلك يروى من لا يحفظ الحديث لان المختص غير التام لا سيما اذا كان ابتدأ او المختص من اثنا التمام۔

پھر تقطیع اور اختصار میں بھی فرق ہے تقطیع کی اجازت سے مراد یہ نہیں کہ ہر شخص اور ہر عالم جس حدیث کو چاہے اس کی تقطیع کر لے۔ ہرگز نہیں۔ یہ کسی صورت میں جائز نہیں تقطیع حدیث کی اجازت سے مراد صرف ان محدثین کیلئے ہے جو ماذق فن ہوں یا راجع فی الاثر والنظر ہوں اور اختصار کرنے سے حدیث کے مضمون میں کوئی فرق نہ آجائے دیں۔ سو اصولاً یہ صحیح ہے کہ تقطیع ان شرائط سے جائز ہے۔ وکان غير واحد من الأئمة يفعل ذلك۔

روایت بالمعنی سے حتی الوسع احتراز | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انصر الله امرأ سمع منا حديثاً فبلغه كما سمعه (سنن درامی ص ۷۷) اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز فرمائے جس نے میری کوئی بات سنی اسے یاد رکھا اور اسے آگے اسی طرح نقل کیا جیسا کہ اس نے سنا تھا۔۔۔ سو چاہیے کہ

حدیث کو اسی طرح روایت کرے جیسا کہ اس نے سنا۔ اس میں کوئی تبدیلی نہ کرے۔
 صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اتباع لفظی کے قائل تھے لیکن حضرت واثلہ بن الاسقعؓ روایت بالمعنی کو جائز سمجھتے تھے۔ فرماتے ہیں: اذا حدثناکم بالحديث علی معناه فحسبکم

امام ابوحنیفہؒ کو روایت باللفظ پر زور دیتے ہیں لیکن مفہوم کی روایت میں نفس جواز کے قائل تھے۔
 ائمہ اربعہ اور اکثر محدثین اور علماء اصول روایت بالمعنی کو جائز سمجھتے ہیں۔ امام سفیان ثوری (۱۹۱ھ) کہتے ہیں ان قلت انی حدیثکم کما سمعت فلا تصدقونی فانما هو المعنی۔ اگر میں کہوں کہ میں نے حدیث تمہارے سامنے اسی طرح روایت کی ہے جیسے میں نے سنی تھی تو میری تصدیق نہ کرنا جو میں روایت کر رہا ہوں وہ تو اس کا معنی ہے۔ اور امام وکیع (۱۹۷ھ) کہتے ہیں: ان لم یکن المعنی واسعا فقد هلك الناس

اگر روایت بالمعنی کی گنجائش نہ ہو تو لوگ بے شک ہلاک ہو جائیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: والاکثر من علی الجواز ومن اقوی حججہم الاجماع علی جواز شرح الشریعة للعجم بلسانہم للمعارف الی نحو اص ترکیب و مفہومات الخطاب و عالم بالعربیة و ما هو فی اسالیب الکلام۔ اکثر علماء اس کے جواز کے قائل ہیں اور ان کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ عربی ممالک کے لوگوں کے لئے ان کی زبانوں میں شریعت بیان کرنا بالکل جائز ہے۔ ہاں یہ اس کے لئے ہے جو خواص ترکیب کلام اور مفہومات خطاب کو پہچانتا ہو۔ عربیت کا عالم ہو اور اسالیب کلام میں بہارت رکھتا ہو۔

صدر الشریعہ ترمذی میں لکھتے ہیں: مگر حدیث حکامات میں سے ہے کہ نہ محتمل تاویل ہے اور نہ محتمل نسخ تو ایسی حدیث کو بالمعنی روایت کرنا صرف ان حضرات کو درست ہے۔ جو علم لغت سے کما حقہ واقف ہیں اور جس حدیث میں احتمال تاویل ہو تو ایسی حدیثوں کو بالمعنی روایت کرنا صرف فقہاء و مجتہدین کے لئے جائز ہے اور اگر حدیث جوامع کلم میں سے ہے یا اس میں کوئی لفظ مشترک یا مائل یا متشابہ ہے تو اس کی بالمعنی روایت کرنا کسی کے لئے جائز نہیں۔

حضرت قاسم بن محمد (۱۰۷ھ) امام ابن سیرین (۱۱۱ھ) ربیع بن حیوہ (۱۱۷ھ) امام مالک (۱۷۹ھ) ابن حلیہ عبد الوارث ایزید بن زریع (۱۸۲ھ) و سیب (۱۸۳ھ) امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) اور یحییٰ بن معین (۲۳۳ھ) لفظی پابندی کے قائل تھے لیکن امام حسن بصری علامہ شعبی (۱۰۳ھ) اور ابراہیم نخعی جیسے بزرگ اس کے جواز کے قائل تھے۔
 دونوں میں رائج بات جواز کا ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ روایت حدیث میں الفاظ کی پابندی کرنا افضل ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے لیکن یہ بات بھی لائق غور ہے کہ یہ جواز اور عدم جواز کی بحث صرف قرون اولیٰ تک کے لئے تھی۔ اب جبکہ تالیفات حدیث مکمل ہو چکی ہیں اور مجموعہ ہائے حدیث چھاپے ہوئے ہیں اور عالم میں پھیل چکے ہیں احادیث کا ترجمہ تو دوسری زبانوں میں کیا جاسکتا ہے لیکن ان روایات کو اب اور روایت بالمعنی سے گزرا درست نہیں۔ حدیث کسی بھی زبان میں بیان کی جا رہی ہے اس کا مفہوم اور ترتیب وہی رہنی چاہیے جو موجودہ تالیفات حدیث میں پائی جاتی ہے نہ انہیں اپنی طرف سے مختصر کرے نہ کسی روایت کو اپنے مفہوم میں نقل کرے اور روایت بالمعنی کے جواز کو اس

پندرہویں صدی تک وسیع نہ کرے جہاں تک ہو سکے روایت بالمعنی سے احتراز کرے اور اسی میں احتیاط ہے۔
کثرت روایت سے حتی الوسع احتراز | حدیث بیان کرنے میں پوری احتیاط کرنی چاہیے۔ صحابہ کبر سن (بڑھاپے) میں جب ذرا محسوس کرتے کہ اب روایت صحیح نہ ہو سکے گی تو صاف

کہہ دیتے کہ ہمیں اب حدیث پر ضبط نہیں رہا۔ حضرت زید بن ارقمؓ نے ایک موقع پر صاف فرما دیا تھا:

كَبْنَا وَنَسِينَا وَاحْدَيْتَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا

ترجمہ: ”اب ہم بڑھے ہو گئے اور بھولنے لگے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کرنا تو ایک بڑا اہم معاملہ ہے۔“ حافظ ابن عبد البر مالکی، امام شافعیؒ سے نقل کرتے ہیں: ”كان مألوفاً اذا شك في الحديث طرحة كلنا (التبہید ص ۳۷)“ امام مالکؒ کو جب کسی حدیث کی روایت میں کوئی شک ہو جاتا تو وہ اس پوری کی پوری روایت کو چھوڑ جاتے۔ اسی سے آپ محدثین کی احتیاط فی الحدیث کا اندازہ لگائیں۔ کثرت روایت سے احتراز اسی احتیاط کے لئے تھا

بعض محدثین اسی وجہ سے اکثر احادیث (حدیث کثرت سے روایت کرنا) کے خلاف تھے کہ اس میں احتیاط نہیں رہ سکتی۔ امام بخاریؒ (۵۱۶ھ) لکھتے ہیں وَلِذَلِكَ كَرِهَ قَوْمٌ مِنَ الْمُتَابِعِينَ أَكْثَرَ الْحَدِيثِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَوْفًا مِنَ الزِّيَادَةِ وَالنَّقْصَانِ وَالْغُلْطِ فِيهِ حَتَّىٰ أَنْ مِنَ الْمُتَابِعِينَ كَانُوا يَهَابُ رَفْعَ الْمَرْفُوعِ فِيهِ قِفَةً عَلَى الصَّحَابِيِّ وَيَقُولُ الْكَذِبَ عَلَيْهِ أَهْوَنُ مِنَ الْكَذِبِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَيْسَ بِأَكْثَرَ الْحَدِيثِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ بِهِ السَّنَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ”قَالَ“ وَلَمْ يَقُلْ رَسُولُ اللَّهِ وَكُلُّ ذَلِكَ هَيْبَةٌ لِلْحَدِيثِ عَنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَوْفًا مِنَ الْوَعِيدِ لَهُ

صحابہ اور تابعین میں سے کچھ حضرات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث کثرت سے روایت کرنا مکروہ سمجھتے تھے یہ اس اندیشے سے تھا کہ آپ سے روایت کرنے میں زیادتی کی اور کہیں غلطی نہ ہو جائے۔ یہاں تک کہ بعض ایسے تابعین بھی تھے جو حدیث کو مرفوع (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی ہوئی) بیان کرنے سے ڈرتے تھے اور اے صحابی پر ہی (جو اسے روایت کر رہا ہو) موقوف کر دیتے تھے (گویا کہ یہ صحابہ کا ہی ارشاد ہے) اور کہتے تھے کہ کوئی بات صحابی کے بائے میں غلط ہو جائے یہ اس سے آسان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے کوئی بات زبان سے غلط نکل جائے اور ان میں ایسے بھی تھے جو حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتے تو صرف ”قال“ (انہوں نے کہا) کہہ کر بیان کر دیتے۔ ”قال رسول اللہ“ نہ کہتے۔ اور یہ سب کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کرنے میں آپ کی ہیبت اور جلال سے ہوتا اور اس وعید سے (جس میں آپ نے فرمایا کہ جو شخص میرے نام سے کوئی ایسی بات کہے جو میں نے نہ کہی ہو تو اسے چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے) سے ڈرنے کی وجہ سے ہوتا تھا۔

ثقة راویوں کے زیادہ الفاظ کی قبولیت | حافظ ابن سراج کہتے ہیں کہ ثقہ راوی اگر باقی ثقہ راویوں کی روایت پر کچھ زیادہ الفاظ روایت کرے تو وہ زیادہ الفاظ اگر دوسروں کی روایت کردہ حدیث سے

ٹکراتے ہیں تو انہیں قبول نہ کیا جائے اگر وہ زیادت ان کے معارض نہیں تو وہ لائق قبول ہے۔ ثقہ راوی کی روایت رد نہیں نہیں کی جاسکتی۔ محدثین کا تقریباً اس پر اتفاق ہے کہ ثقہ کی زیادتی قابل قبول ہے۔ حافظ جمال الدین الزلیعی (۷۶۲ھ) نے نصب الراية میں بسم اللہ بالجہر پڑھنے کی بحث میں اس موضوع پر بڑی مفید بحث کی ہے۔ (دیکھئے جلد اول ص ۳۶۰) ابو عوانہ نے حضرت قتادہ سے انہوں نے یونس بن جبیر سے انہوں نے حطان بن عبد اللہ سے انہوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِذَا صَلَّيْتُمْ فَاَقِيْمُوا صُفُوْفَكُمْ ثُمَّ لِيُوْمِكُمْ اَحَدَكُمْ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَاِذَا قَالِ غَيْرَ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِيْنَ

لیکن حضرت سلیمان التیمی نے قتادہ عن یونس بن جبیر عن حطان بن عبد اللہ الرقاشی سے اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے یہ الفاظ بھی روایت کئے: وَاِذَا قَرَأْتَ فَانصَتُوا (ترجمہ: جب امام قرآن پڑھے تو تم چپ رہو) یہ الفاظ سلیمان کے سوا قتادہ کے دوسرے شاگردوں نے روایت نہیں کئے لیکن ان کی روایت سے ٹکراتے بھی نہیں تو ثقہ راوی کی یہ زیادتی لائق قبول ہوگی۔ امام مسلم سے ان کے شاگرد ابواسحق ابراہیم بن سفیان کہتے ہیں کہ ابو بکر بن اخت ابو النصر نے امام مسلم سے اس زیادتی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: "ترید احفظ من سلیمان" تم سلیمان سے زیادہ حافظہ میں کس کو کہتے ہو؟ پھر ابو بکر بن اخت ابی النصر نے پوچھا کہ اس موضوع میں حدیث ابی ہریرہ کے بارے میں آپ کا کیا رائے ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ بھی صحیح ہے

وَاِذَا قَرَأْتَ فَانصَتُوا فَقَالَ لَمْ يَنْصَعِدْ هَاهُنَا قَالَ لَيْسَ كُلُّ شَيْءٍ هُنْدِي صَحِيحٌ وَضَعَهَا هُنَا

استاذ شاگرد کے اختلاف میں مسئلے کا حل | شیخ اور اس سے سننے والے دونوں ہی علم پیغمبر کے واسطہ و امین ہیں اس لئے ایسے موقع پر کہ کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بات کی نسبت

غلط نہ ہو جائے استاذ یا اوپر کے کسی راوی سے اختلاف کرنا یا کسی راوی اور استاذ کی جانچ پڑتال کرنا یہ کوئی امر ناجائز نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کا ادب و احترام استاذ کے ادب و احترام سے کہیں زیادہ ہے۔

حضرت عمرو بن دینار نے حضرت ابو معبد سے بھی روایات لیں۔ ایک روایت میں استاذ شاگرد کا اختلاف ہو گیا حضرت ابو معبد نے فرمایا کہ میں نے اس طرح یہ حدیث تمہارے پاس روایت نہیں کی۔ (مسلم شریف جلد ۱ ص ۱۱) روایت یہ تھی کہ صحابہؓ اختتام نماز پر بلند آواز سے تکبیر کہا کرتے تھے اس کے راوی سنیان عمرو بن دینار۔ ابو معبد اور حضرت ابن عباسؓ تھے صحیح مسلم کی اسناد یہی ہے اس میں استاذ شاگرد کا اختلاف ہو گیا۔ قال عمرو فذکرت ذالک لابی معبد فانکروہ وقال لَمْ اَحَدٌ ثَلَاثٌ لِهَذَا اَقَالَ عَمْرُو وَقَدْ اَخْبَوْنِيهِ قَبْلَ ذَالکِ

ترجمہ: عمرو کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کو ابو معبد کے پاس ذکر کیا تو انہوں نے اس روایت کا انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں نے تو یہ حدیث تمہارے پاس بیان نہیں کی تھی۔ عمرو کہتے ہیں کہ انہوں نے بیشک یہ حدیث میرے پاس بیان کی تھی۔

ترجمہ امام ابو حنیفہ اور امام یوسف امام احمد اس طرف گئے ہیں کہ اس روایت پر عمل ساقط ٹھہرتا ہے جیسا کہ پہلی صورت میں تھا اور یہی امام کرخی اور فخر الاسلام اور قاضی ابوزید کا مختار ہے۔

روایت حدیث پر اجرت لینا | جو محدث حدیث روایت کر رہا ہو وہ دراصل ادائے امانت کر رہا ہے۔ علم دین کی جو امانت اس کے پاس تھی اُسے آگے پہنچا رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم کہ میری جو بات تمہیں ملے اسے آگے پہنچا دو "بلغوا عني ولو آية" اور "فليبلغ الشاهد الغائب" اس پر شاہد نامق ہے۔

ادائے امانت پر اجرت لینا یہ کاروبار کج نہیں آتا۔ امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا "أليكتب عن يبيع الحديث" کیا اس شخص سے روایت لکھی جائے جو حدیث کو بیچتا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ لا۔ ولا كرامة۔

روایت حدیث اور تعلیم حدیث میں فرق ہے۔ راوی کی حیثیت سے روایت کرنے پر اجرت نہیں لی جاسکتی بلکہ معلم تعلیم حدیث پر اجرت لے سکتا ہے جیسا کہ تعلیم قرآن پر بھی اجرت لی جاسکتی ہے۔

اب لائل یہ رہتا ہے کہ اس صورت حال میں حدیث لائق استدلال رہتی ہے یا نہیں؟ سو اس سلسلہ میں حنفیہ کا مذہب یہ ہے خالفهم انكروني من اصحاب ابی حنیفہ رضی اللہ عنہما فقال لا يعجز به۔ ترجمہ: امام ابو حنیفہ کے اصحاب سے کرخی نے اس قسم کی حدیث قبول کر لیں ان کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ اس صورت حال میں متعلقہ حدیث سے استدلال نہ کیا جائے گا۔

بلکہ علامہ مینی نے خود حضرت امام ابو حنیفہ سے یہی نقل کیا ہے:

فذهب ابو حنیفہ و ابو یوسف و احمد فی رواية الى انه يسقط العمل به كالوجه الاول وهو مختار الكرخي والقاضي ابی زید و فخر او سلوم۔

امام مالک کھڑے کھڑے حدیث پڑھنے والے پر پاس کوڑوں کا حکم لگاتے تھے لہذا ضعیف حدیث بیان کرے اس کا ضعف بیان کر دینا چاہیے عائد میں اس سے استدلال جائز نہیں اور موضوع حدیث تو بالکل بیان نہ کرے اسے موضوع جانتے ہوئے بیان کرنا حرام ہے۔

آداب محدثین کی پوری معرفت | طلبہ حدیث کو چاہئے کہ آداب محدثین سے پوری طرح واقف ہوں ان کے تعبیری فروق سمجھتے ہوں جو روایت ضعیفہ حدیث سے آرہی ہے (پھلا راوی اور پر والے راوی کا نام لیکر کہے کہ اس نے میرے پاس یا ہمارے پاس یہ روایت بیان کی ہے) اور جو ضعیفہ عن (پھلا راوی اور پر کے راوی سے من کہہ کر بیان کرے) سے آرہی ہے ان میں فرق جانتے ہوں۔ عن وال روایت میں پھلے راوی نے اور پر والے راوی سے نہ بھی سنا ہو بلکہ اسے دیکھا بھی نہ ہو تو اس سے عن سے روایت کرنا جھوٹ نہیں ہوگا۔ درمیانے راوی کو مذنب بھی سمجھا جاسکتا ہے لیکن اگر وہ عن کی بجائے حدیثی کہہ کر اس سے روایت کرتا ہے تو ضعیفہ حدیث یقیناً سماع پر معمول ہوگا جو ثقہ راوی استاد کا نام نہ ظاہر کرنا چاہتے تھے وہ تدلیس سے کام لیتے ہوئے اس سے ادھر کے راوی سے من کہہ کر روایت کر رہے تھے اور وہ غلط نہیں کہ وہ کہتے تھے پھر اگر کہیں ان سے ضعیفہ حدیث یا سماعت کی صراحت بھی مل جائے تو یہ گمان تدلیس بالکل اٹھ جاتا تھا۔

قواعد الحدیث

الحمد لله وسلاماً على عباده الذين اصطفى. اما بعد :-

آج موضوع یہ ہے کہ حدیث قبول کیسے کی گئی؟ وہ کون سے اصول تھے جن پر حدیث قبول کی جاتی رہی؟ جو کچھ کسی نے کہہ دیا بس لے لیا جاتا رہا۔ یا روایت قبول کرنے کے لئے واقعی کچھ اصول کار فرما رہے؟ وہ اصول تھے تو کیا تھے کون سے قواعد تھے جن پر حدیث قبول کی جاتی رہی؟ ان میں احتیاط سے کون کون سے اصول کار فرما رہے اور کہاں کہاں ان قواعد میں نرمی اختیار کرنے کی گنجائش رہی؟ اس نرمی کا تدارک پھر کس طرح قرآن سے کیا جاتا رہا؟

پھر ایسے بھی کئی مواقع تھے کہ روایت اپنی تمام کمزوریوں کے باوجود لکھ لی گئی۔ کیونکہ ہو سکتا تھا کہ آئندہ اس کے بارے میں کوئی اور بات کھلے اور یہ کمزور روایت اس بات کے قرآن میں شمار ہو جائے یا کہیں اس سے اعتبار کا کام لیا جائے۔ گو احتجاج نہ کیا جائے۔ بہر حال یہ ایک نہایت عمیق موضوع ہے جس کی گہرائی میں وہی لوگ جاسکتے ہیں جنہوں نے حدیث پڑھنے پڑھانے میں زندگیاں صرف کی ہوں۔ ان حاذقین کا ذوق بولتا ہے کہ بات کہاں قابل اعتماد ہے۔ اور کہاں اس کے اعتماد میں تھول ہے اور ہے تو وہ کتنا ہے۔ قواعد کا سرسری مطالعہ یا اصول حدیث کی چند کتابوں کا پیش نظر ہونا اس فن کی پیرا کی کے لئے کافی نہیں۔

اس وقت ہمیں اس فن کی گہرائی میں اترنا نہیں۔ صرف اس موضوع کا کچھ تعارف کرانا ہے۔ اس میں اس فن کا کچھ تاریخی تجزیہ بھی ہو جائے گا اور یہ بات کھل کر سامنے آئے گی۔ کہ فن روایت

Science of transmission وہ نیا باب علم ہے جس سے دنیا قبل از اسلام نا آشنا تھی۔ فن تاریخ اور فن روایت کو مسلمانوں نے جو تازگی اور پختگی بخشی۔ اس کی مثال اقوام عالم اور ملل سابقہ

محدثین نے حدیث کو یوں ہی جمع نہیں کر لیا کہ جو کچھ کسی نے کہا دیا انہوں نے سن لیا قبول
کر لیا اور لکھ لیا۔۔۔
ان کے سامنے روایت قبول کرنے اور اسے آگے نقل کرنے
کے کچھ قواعد تھے اور ان قواعد کے ساتھ روایات پر رد یا قبولاً بحث ہوتی تھی جتنا کوئی باب
نکھرنا جاتا اس کے بارے میں پختگی اور وثوق بڑھتا جاتا اور سند کے مراتب بدلتے جاتے یہاں
تک کہ بعض روایات متواتر ہو جاتی ہیں، قوتِ سند کے انہی مراتب سے احادیث کی مختلف قسمیں
ہو تی گئیں اور اس دور میں جو کمزور روایتیں قبول کی گئیں وہ بدستور ان کمزوریوں کی حامل
رہیں، انہیں انہی اسانید کے ساتھ پیش کیا جاتا رہا اور انہیں بالکل نظر انداز اس لیے نہ کیا گیا کہ
ہو سکتا ہے کوئی آنے والا محقق اس باب میں کوئی اور انکشاف کرے اور یہ روایت کسی دوری
روایت یا تعامل کی تائید بن جائے۔ ایک رائے یا چند آثار کے ساتھ علم کے کسی گوشے کو کلیۃً دفن
کہ دنیا قرین مصلحت نہ تھا۔

اسلام دینِ فطرت ہے۔ اس کے اصول فطرت کے پیمانوں میں ڈھلتے اور ابھرتے ہیں۔ حدیث قبول کرنے میں بنیادی اصول تقریباً وہی ہیں۔ جو فطری تقاضوں کے مطابق کسی بات کو قبول کرنے یا نہ کرنے کے ہو سکتے ہیں۔ لیکن ان کا تعین ہر شخص کی اپنی فطرت پر موقوف نہیں۔ اہل فن کے تجربات اور فیصلوں سے ہی ہوتا آیا ہے۔

بات کے لائق قبول ہونے کے عقلی تقاضے

کسی بات کے لائق قبول ہونے کے لیے بہت سی باتوں کو پیش نظر رکھا جاتا ہے لیکن ان سب وجوہ کا اجمال دو باتوں میں لپٹا ہوا ہے۔ اول یہ کہ بیان کرنے والے کی یادداشت اچھی ہو وہ قوی حفظ رکھتا ہو۔ دوم یہ کہ دیانت دار ہو۔ مخلصانہ سچائی پر رہتا ہو۔

یہ قوی حفظ Strong memory اور مخلصانہ سچائی Sincere
righteousness

بنیادی اصول ہیں جن پر فن حدیث میں تعدیل کی چکی گھومتی ہے۔ آگے جو کچھ ہے وہ انہی اصولوں کی تفصیل ہے۔ مثلاً یہ کہ ① راوی کمزور نہ ہو ② جانا پہچانا اور معروف ہو۔ مجہول نہ ہو۔

۳) اس کی روایت کا کہیں انکار نہ کیا گیا ہو منکر نہ ہو۔ ۴) دیانت اور نیکی سے آراستہ ہو جھوٹ بولنے والا نہ ہو۔ ۵) ہر کس و تا کس کو اعتماد میں نہ لے۔ علم ذمہ دار لوگوں کے سپرد کرے اور انہی میں رہے وغیرہ ذلک اب ہم انہیں یہاں ذرا تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔

۱) راوی کمزور نہ ہو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس میں بات سُننے کی یاد رکھنے کی اور آگے نقل کرنے کی قوت موجود ہو۔ اتنا قوی نہ ہو گا تو کمزور شمار ہوگا، سمجھنے میں پوری گہرائی مطلوب نہیں۔ اصولی درجے میں سمجھنے کی اہلیت کافی ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ کئی روایت کرنے والے ایسے ہوتے ہیں جو خود بات کی تہہ تک نہیں پہنچتے۔ لیکن جن کے پاس روایت کرتے ہیں وہ ان سے زیادہ اس بات کو پالیتے ہیں۔ سو راوی کمزور نہ ہونے سے مراد سننے، یاد رکھنے اور روایت کرنے میں کمزور نہ ہونا ہے سمجھنے میں فقیہ ہونا ضروری نہیں۔

۲) راوی جانا پہچانا ہو۔ جن سے روایت لے رہا ہے اور جن کو روایت دے رہا ہے ان میں جانا پہچانا ہو اور راویوں میں قابل اعتماد سمجھا جائے۔ اس کی روایت اس شخص کی روایت سے کہیں زیادہ لائق اعتماد ہوگی۔ جس نے ان سے روایت سُنی اور اسے اپنے شیخ روایت کے ہاں کبھی اُٹھنے بیٹھنے کا اور موقع نہ ملا۔ گو یہ راوی اپنی جگہ سچا ہو۔ مگر اس سے وہ راوی جو سچا بھی ہو اور اپنے شیخ کی مجلس اچھی جگہ پائے ہوئے ہو زیادہ قابل اعتماد سمجھا جائے گا۔

۳) اس کی روایت کا کہیں انکار نہ کیا گیا ہو۔ اور لوگ جنہوں نے وہ بات سُنی تھی۔ ان کا اس سے اتفاق رہا ہو۔ کسی نے اس کی بات سے انکار نہ کیا ہو۔ ایک شخص سے چار آدمی ایک بات سُن کر گئے۔ ان میں سے ایک اس بات کو اسی طرح روایت کرتا ہے کہ باقی تین اس سے اتفاق نہیں کرتے۔ تو وہ شخص شاذ کا راوی یا منکر الروایۃ سمجھا جائے گا۔ کہ اس کی روایت کا انکار ثابت ہو چکا۔ قبولیت کے لئے ضروری ہے کہ اس کی بات پر کہیں انکار نہ کیا گیا ہو۔ وہ ہمیشہ کے لئے اپنی بات میں مطاع to be obeyed اور قابل قبول رہے۔

۴) راوی دیانت دار honest اور راست باز righteous ہو فاسق نہ ہو۔

غلط کار wicked نہ ہو۔ امین ہو۔ منق سے مراد منق فی العمل ہے۔ فاسق کی روایت

کمزور ہوگی اور مزید تبہیں کی محتاج ہوگی۔ رہا فسق فی القول تو ایسا کذاب راوی لائق تذکرہ ہی نہیں نہ اس کی روایت کسی درجہ میں لائق قبول ہوگی۔

⑤ عام مجلسی نہ ہو۔ ہر کس و نا کس سے بات کہنے والا نہ ہو۔ ایسا کرنے والا بے اوقات خود بھی اس زمرے میں آجاتا ہے۔ صحیح سچتہ راوی وہ ہے جو انہی سے روایت کرے جو حفظ و ضبط میں سچتہ ہوں اور امانت و دیانت کے اہل ہوں اور انہی کو روایت کرے جو اس کی بات میں کمی بیشی کرنے والے نہ ہوں۔ ایسا شخص اگر کبھی غیر معروف کسی شخص سے بھی روایت لے لے تو اس کی اس عام عادت کے سبب اس غیر معروف راوی کی بھی جہالۃ العین اٹھ جائے گی۔

نقل و روایت ان فطری اصولوں سے آگے چلے تو بات نہایت سچتہ اور لائق قبول ہو جاتی ہے اور جہاں یہ سب باتیں جمع ہو جائیں تو دل اس روایت کی صداقت کی گواہی دینے لگتا ہے اور اس میں کوئی تردد باقی نہیں رہتا۔ قبول روایت کے یہی فطری اصول ہیں اور دین فطرۃ بے شک انہی اصولوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

بات کے لائق اعتماد ہونے کا قرآنی نظریہ

قرآن کریم میں براہ راست تو اس پر بحث نہیں ملتی کہ نقل و روایت کن اصولوں سے لائق اعتماد بنتی ہے۔ لیکن حضرت جبریل علیہ السلام نے الشرب العزت کی باتیں آگے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک نقل کیں۔ تو قرآن کریم نے اس باب میں حضرت جبریل کی چند صفات کا خصوصی ذکر فرمایا۔ یہ صفات ایک راوی کی حیثیت سے ہمارے لیے رہنمائے اصول ہیں جبریل امین بے شک معصوم ہیں۔ ان سے نقل روایت میں کسی غلطی کا احتمال نہیں۔ لیکن امت کو نقل روایت کے رہنمائے اصول دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی ان صفات کا بھی ذکر فرمادیا۔

عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۝ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ ۝ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ۝ ثُمَّ انْجَمَعُ

ترجمہ۔ سکھایا اسے سخت قوتوں والے نے۔ زور آور طاقت ور نے پھر

سامنے سیدھا بیٹھا اور وہ آسمان کے اونچے کنارے پر تھا۔

پھر سورہ تکویر میں الشرب العزت نے جبریل امین کی صفات کے ساتھ اگلے راوی

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی آپ سے اتصال بیان فرمایا۔ آپ کی قوی ذہنی قوت بیان کی اور دونوں کے مابین اتصال اور ملاقات کا اثبات فرمایا۔ یوں کہیے قرآن کریم نے ان صفات میں روایت کے تقریباً تمام رہنمائے اصول بیان کر دیئے۔

انہ لقول رسول کریمہ ذی قوۃ عند ذی العرش مکینہ مطاع ثم امینہ وما صاحبکم بمجنونہ ولقد راہ بالافق المبین۔ پتہ التکوین، ترجمہ بے شک یہ بات ہے ایک معزز بھیجے ہوئے کی (یعنی جبریل امین کی)، جو قوت والا ہے۔ عرش کے مالک کے پاس مجلس پانے والا ہے۔ سب کا مانا ہوا ہے اور پھر وہاں اعتماد یافتہ ہے۔ اور یہ تمہارا رفیق (حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کوئی دیوانہ نہیں۔ اور اس نے دیکھا ہے۔ اسے (اس فرشتہ کو) آسمان کے کھلے کنارے کے پاس۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:-

قرآن کریم جو اللہ کے پاس سے ہم تک پہنچا ہے۔ اس میں دو واسطے ہیں۔ ایک وحی لانے والا فرشتہ (جبریل علیہ السلام)، اور دوسرا واسطہ جناب پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم۔ دونوں کی صفات وہ ہیں جن کے معلوم ہونے کے بعد کسی قسم کا شک و شبہ قرآن کے صادق اور منزل من اللہ ہونے میں نہیں رہتا کسی روایت کے صحیح تسلیم کرنے کے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ راوی وہ ہوتا ہے جو اعلیٰ درجے کا ثقہ، عادل، ضابط، حافظ اور امانت دار ہو جس سے روایت کرے اس کے پاس عزت و حرمت سے رہتا ہو۔ بڑے بڑے معتبر ثقات اس کی امانت وغیرہ پر کلی اعتماد رکھتے ہوں اور اسی لئے اس کی بات بچوں و چرامانتے ہوں۔ یہ تمام صفات جبریل میں موجود ہیں۔ (تفسیر عثمانی ص ۶۲)

رسولِ ملکی کا اعتبار و ثقاہت

وہ کریم ہیں جن کے لئے اعلیٰ، نہایت متقی اور پاکباز ہونا لازم ہے۔ بڑی قوت

والے ہیں جس میں اشارہ ہے کہ حفظ و ضبط اور بیان کی قوت بھی کامل ہے۔۔۔ اللہ کے ہاں اُن کا بڑا درجہ ہے۔۔۔ سب فرشتوں سے زیادہ بارگاہ ربوبیت میں قرب اور رسائی حاصل ہے۔۔۔ آسمانوں کے فرشتے ان کی بات مانتے اور ان کا حکم تسلیم کرتے ہیں۔ کیوں کہ ان کے امین اور معتبر ہونے میں کسی کو شک نہیں۔

رسولِ ملکی کے بعد رسولِ بشری کی ثقاہت

یہ تو رسولِ ملکی کا حال تھا۔ اب رسولِ بشری کا حال سن لیجئے۔ بعثت سے پہلے چالیس سال تک وہ تمہارے اور تم ان کے ساتھ رہے، اتنی طویل مدت تک تم نے اس کے تمام کھلے چھپے احوال کا تجزیہ کیا، کبھی ایک مرتبہ اس میں جھوٹ، فریب یا دیوانہ پن کی بات نہ دیکھی ہمیشہ اس کے صدق و امانت اور عقل و دانائی کے معترف رہے۔ اب بلاوجہ اُسے جھوٹا یا دیوانہ کیوں کہہ سکتے ہو؟ کیا یہ وہی تمہارا رفیق نہیں ہے جس کی رتی رتی احوال کا تم پہلے سے تجربہ رکھتے ہو؟ اب اس کو دیوانہ کہنا بجز دیوانگی کے کچھ نہیں۔۔۔

مشرقی کنارہ کے پاس آپ نے **جبریل** کو، اس کی اصل صورت میں صاف صاف دیکھا۔ اس لئے یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ شاید دیکھنے یا پہچاننے میں کچھ اشتباہ رہا۔ **العباس** ہو گیا ہو گا۔۔۔ جب جھوٹا دیوانگی، تخیل و توہم اور کہانت وغیرہ کے سب احتمالات مرفوع ہوئے تو بجز صدق و حق کے اور کیا باقی رہا۔ پھر اب اس روشن اور صاف راستہ کو چھوڑ کر کہہ رہے ہیں کہ۔۔۔

قرآن کریم کی ان آیات میں نقل و روایت اور اس کے اعتماد و ثقاہت کے جملہ اصول ملتے ہیں۔ قرآن کریم نے جس انداز میں انہیں بیان کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سب اصول فطرت ہیں جن سے کسی بات کی نقل و روایت میں اعتماد پیدا ہوتا ہے۔ بات کے لائق اعتماد ہونے کے تمام عقلی تقاضے ان قرآنی آیات میں پلنے ہوئے ہیں۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ اصولی درجے

میں عدالت اور ضبط ہی وہ صفات ہیں جن کی تفصیلات آگے اصول روایت بن کر پھیلیں اور مختلف پیرایوں میں راویوں اور ان کے باہمی تعلق سے آگے چلتی رہیں۔

راوی کے بنیادی اوصاف

راوی کے بنیادی اوصاف یہی ہیں کہ اس کی ذات کے بارے میں اعتماد ہو کہ وہ یاد رکھنے میں لائق و ثوق ہے۔ اس کا ضبط قابل اعتماد ہے اور اس کی دیانت داری دامت پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم و آلہم دارالعلوم دیوبند نے راوی کے اوصاف پر ایک نہایت جامع اور وجیز بحث تحریر فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں:-

راوی کے وہ تمام اوصاف جو لحاظ روایت اس کی قبولیت کا معیار بن سکتے ہیں دو اصولی صفات کی طرف راجع ہوتے ہیں۔ عدالت اور ضبط۔ اگر روایت کے راوی عادل ہوں جن میں عدالت کا فقدان یا نقصان نہ ہو اور ادھر وہ ضابط ہوں جن میں حفظ و ضبط اور تیقظ و بیداری کا نقصان و فقدان نہ ہو اور قلت عدالت و ضبط سے جو کمزوریاں راوی کو لاحق ہوتی ہیں جن کی تفصیل آگے آتی ہے ان سے راوی پاک ہوں اور ساتھ ہی سند مسلسل اور متصل ہو تو وہ روایت صحیح لذاتہ کہلائے گی۔ جو اوصاف راوی کے لحاظ سے روایت کا اعلیٰ مرتبہ ہے۔ کیوں کہ اس میں عدالت و ضبط مکمل طریق پر موجود ہے۔ جو راویوں کو ثقہ اور معتبر ثابت کرتا ہے۔ اس لیے اس دائرہ میں حدیث کی یہ قسم بنیادی اور اساسی کہلائے گی۔ اس کے بعد جو قسم بھی پیدا ہوگی۔ وہ ان اوصاف کی کمی بیشی اور نقصان یا فقدان سے پیدا ہوگی۔ اس لیے وہ اسی خبر کی فرع کہلائے گی۔ مثلاً اگر راوی ساقط العدالت ہو تو اس نقصان عدالت یا فقدان عدالت سے پانچ اصولی کمزوریاں پیدا ہوتی ہیں جنہیں مطاعن حدیث کہا جاتا ہے۔ ① کذب ② تہمت کذب ③ فسق ④ جہالت ⑤ بدعت۔ یعنی راوی کا کذب ہو یا کذب کی تہمت لیئے ہوئے ہو یا فاسق ہو یا

جابل و نادان ہو یا بدعتی ہو تو کہا جائے گا کہ وہ عادل نہیں۔ اس لیے اس کی روایت کا کوئی اعتبار نہیں۔ اسی طرح اگر راوی ضابطہ نہ ہو تو اس نقصان حفظ یا فقدان حافظہ سے بھی پانچ ہی کمزوریاں پیدا ہوتی ہیں جو روایت کو بے اعتبار بنادیتی ہیں۔ ① فرط غفلت ② کثرت غلط ③ مخالفت ثقاة ④ وہم ⑤ سو حفظ۔ یعنی راوی غفلت شعار اور لالچالی ہو جس میں تیقظ اور احتیاط اور بیدار مغزی نہ ہو یا کثیر الاغلاط ہو یا ثقہ لوگوں سے الگ نئی اور مخالف بات کہتا ہو یا وہی ہو اسے خود ہی اپنی روایت میں شبہ پڑ جاتا ہو یا حافظہ خراب ہو۔ بات بھول بھول جاتا ہو تو کہا جائے گا کہ یہ راوی ضبط و حفظ کا مضبوط نہیں۔ اس لیے اس کی روایت کا کچھ اعتبار نہیں۔ لیکن اس نقصان عدالت و ضبط یا ان دس مطاعن کے درجات و مراتب ہیں۔ اگر ان صفات عدل و ضبط میں کوئی معمولی سی کمی ہو مگر روایت کے اور طریقوں اور سندوں کی کثرت سے ان کی کمزوریوں کی تلافی ہو جائے۔ تو اس حدیث کو صحیح لغیرہ کہیں گے۔ اگر یہ تلافی اور حیر نقصان نہ ہو اور وہ معمولی کمزوریاں بدستور قائم رہ جائیں۔ تو حدیث حسن لذاتہ کہلائے گی۔ اگر اس حالت میں بھی کثرت طرق سے تلافی نقصان ہو جائے تو حدیث حسن لغیرہ کہلائے گی اور اسی نسبت سے ان کے اعتبار اور حیثیت کا درجہ قائم ہوگا۔

پس اوصاف روادۃ کے لحاظ سے حدیث کی چار اساسی قسمیں نکل آئیں صحیح لذاتہ، صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ، حسن لغیرہ۔ اور ان میں بھی بنیادی قسم صرف صحیح لذاتہ ہے جو اپنے دائرہ میں سب سے اونچی قسم ہے۔ ان قسموں کا بیان اقسام حدیث کی بحث میں آگے آئے گا۔ اس وقت صرف یہ بتانا ہے کہ وہ قواعد جن پر حدیث قبول کی گئی ہے کچھ یونہی مرتب نہیں ہو گئے۔ بلکہ ان میں قرآن کریم اور اصول فطرت پوری ثقاہت سے کار فرما رہے ہیں۔ یہی قواعد محدثین کی اساس تھے اور انہی پر

۱۔ فضل الباری للشیخ شبیر احمد عثمانی جلد ۱ ص ۹۸ مقدمہ از مولانا قاری محمد طیب صاحب۔

علم حدیث کا ذخیرہ ترتیب پاتا رہا اور اہل فن میں قبول بھی ہوتا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے بھی اس پر زور دیا کہ راوی کے بارے میں دیکھا جائے کہ اس کا ضبط اپنے اوپر کتنا ہے اور اس کی دیانت و امانت کیسی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو (۶۷ھ) بیان کر رہے تھے کہ آخری زمانہ میں شر پھیل جائے گا۔ آپ سے پوچھا گیا کہ اس دور میں ہم حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کریں؟ آپ نے فرمایا:-

مَا اخذتموه عن تأمنونه على نفسه ودينه فاعقلوه وعليكم بالقرآن
فتعلموه وعلومه ابناءكم فانكم تسئلون و به تجزون و كفى به
واعظا لمن عقل به

ترجمہ: جو حدیث تم اس راوی سے لو جسے تم اپنے میں سنبھلے پاؤ اور اسے دیانتدار سمجھو تو اس کا اعتبار کر لو اور قرآن کو لازم پکڑو، اسے سیکھو اور اپنے بچوں کو سکھاؤ اور اس کے بارے میں تم قیامت کے دن پوچھے جاؤ گے اور اسی پر تمہیں جزا ملے گی اور سمجھ دار کہنے اسی میں کافی مصلحت ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ قبول روایت میں اصل الاصول یہی ہے کہ راوی کی ذات اور دیانت دونوں قابل بھروسہ ہوں۔ نہ اتنا کمزور ہو کہ یاد نہ رکھ سکے نہ اتنا عام کہ اس کی دیانت مشتبہ ہو۔ روایت کے لائق اعتماد نہ ہونے پر بحث کرتے ہوئے علامہ محمد بن جریر طبری (۳۱۰ھ) نے بھی صفات جبریلی کا ذکر کیا ہے:-

ترجمہ: جبریل اللہ تعالیٰ کے ہاں، اس کے پیغام میں اس سے روایت کرنے میں اور ان تمام کاموں میں جو ان کے سپرد کیے گئے لائق اعتماد ہیں۔

چھٹی صدی کے مشہور شیعہ مفسر الطبرسی (۵۲۸ھ) نے بھی حضرت جبریل علیہ السلام کے حساب قوت ہونے پر بحث کرتے ہوئے اصول روایت میں جبریلی صفات سے استدلال کیا ہے۔

یہ صفات راوی کا اصولی بیان ہے۔ چونکہ ان تمام مواقع میں حضرت جبریل امین اور حضور بنی کریم کے ہی روایت لینے اور دینے کا تذکرہ ہے۔ اس لیے ان تمام مواقع پر خدائی حفاظت اور شان عصمت بھی کار فرما ہے اور ان کی روایت اپنی ہر ادا میں غلطی اور بھول سے پاک ہے۔ لیکن جہاں تک دوسرے ثقہ راویوں کا تعلق ہے ان سے بعض اوقات غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں جن کا جبر دوسرے راویوں کی روایت سے کر لیا جاتا ہے اور یہ بات اہل فن کے نزدیک ان کی ثقایت کو کمزور نہیں کرتی۔ حضرت مولانا سید انور شاہ محدث کشمیری فرماتے ہیں:-

ومن ظن ان الثقات براء من الاغلاط فلم يملك سبيل السداد وانما
المعصوم من عصمه الله والجاهل لا يفرق بين اغلاط الرداءة وبين اخبار
الانبياء عليهم السلام فيحمل خطيئهم واغلاطهم على رقاب الرسل عليهم
الصلوة والسلام ما اضله وما اجهله له

ترجمہ۔ اور جس نے یہ گمان کیا کہ ثقہ راوی غلطیوں سے کلیتہً مبرا ہیں۔ وہ صحیح رہتے
پر نہیں چلا۔ معصوم وہی ہے جسے الہی عصمت حاصل ہو۔ جاہل لوگ راویوں کی
غلطیوں اور انبیاء کرام کی خبروں میں فرق نہیں کرتے۔ راویوں کے دہم اور
اغلاط پیغمبروں کے ذمہ لگا دیتے ہیں۔ کتنی بڑی گمراہی اور کتنی بڑی جہالت ہے۔
صفات جبریلی کے ذکر میں صرف اصول اعتماد مذکور ہیں۔ اللہ رب العزت سے ایک
ہی خبر لانے والا اور اس سے ایک ہی خبر لینے والا تھا۔ سو یہاں خبر واحد کی بحث نہ تھی جبریل
امین اور حضور سید المرسلین دونوں معصوم تھے جہاں تثبت اور عصمت پوری قوت اور
تحتی سے کار فرما ہوں۔ وہاں خبر واحد اور خبر متواتر دونوں برابر ہیں۔ ایک معصوم کی بات
بھی یقین کا فائدہ دیتی ہے۔ دو معصوموں کی بات بھی اسی یقین کو قائم کرتی ہے اور دو سے

زیادہ معصوموں کی بات بھی اسی یقین تک پہنچاتی ہے۔ سو غذائی حفاظت کے ساتھ خبر واحد اور خبر متواتر دونوں میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ ہاں جہاں غذائی حفاظت کا وعدہ نہ ہو۔ وہاں کثرۃ روادۃ سے روایت بے شک پختہ ہو جاتی ہے۔

قرآن کریم نے خبر واحد کی قبولیت کا ایک دوسری جگہ ذکر فرمایا ہے اور شرط لگائی ہے کہ راوی فسق سے مجروح نہ ہو اور اگر ایسی جرح موجود ہو پھر بھی روایت کلیۃً رد کرنے کے لائق نہیں۔ بلکہ اور ذرائع اور قرائن سے اس کا تبیین کر لیا جائے۔

فسق راوی اور مظنہ جہالت

قرآن کریم میں ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِمَهَالَةٍ فَتُصْحَرُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ لَتَدْمِينَ۔ (پہلی الحجرات)

ترجمہ۔ اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ کسی قوم پر نادانی سے جا پڑے اور کل اپنے کیے پر پھپھانے لگے۔

قرآن کریم کی اس آیت سے تین اہم باتیں معلوم ہوئیں۔ ① ایک یہ کہ فاسق کی روایت از خود حجت نہیں۔ ② دوسرے یہ کہ فاسق کی روایت کلیۃً واجب الرد بھی نہیں بلکہ مزید لائق تحقیق ہے۔ ③ تیسرے یہ کہ خبر واحد قابل قبول ہے۔ بشرطیکہ اسے نقل کرنے والا فاسق نہ ہو۔ یہ تب اگر مفہوم مخالف کا اعتبار کیا جائے۔ اگر خبر واحد معتبر نہ ہوتی تو وجہ تبیین صرف فسق نہ ہوتا۔ راوی کا ایک ہونا بھی مزید تائید کا محتاج ہوتا۔

اس آیت کی رو سے کسی خبر کے بارے میں دو باتیں موجب جرح ہیں۔ ① راوی کا فسق اور ② صورت واقعہ سے بے خبری۔ جہاں راوی کی دیانت اور اصل بات کی یاد و حفظ و ثبت قائم ہو وہاں خبر جرح سے محفوظ اور قابل قبول سمجھی جائے گی۔ محدثین کرام کے نزدیک روایت کی تحقیق اور پڑتال کے انداز بہت ہیں۔ لیکن ان سب کا اجمال یہ ہے کہ حدیث روایت

کرنے والا راوی مخلصانہ دیانت sincere righteoussness اور اچھی یادداشت strong memory

رکھتا ہو۔ جہاں حافظہ کمزور ہو گا یا دیانت مشتبہ ہو گی۔ روایت کمزور پڑتی جائے گی۔
آیت مذکورہ بالا اگرچہ ایک خاص واقعہ سے متعلق ہے۔ لیکن اس کا حکم عام ہے اور
حدیث قبول کرنے کے بارے میں محدثین نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ فاسق کی روایت
قابل قبول نہیں۔ مزید تحقیق سے اسے قبول کر لیا جائے تو یہ امر دیگر ہے۔ حضرت امام مسلم اپنے
مقدمہ صحیح میں لکھتے ہیں :-

ان الواجب علی کل احد عرف التمزیز بین صحیح الروایات وسقیمہا
..... وان یتقی منها ما کان عن اهل التهم والمعاندین من اهل
البدع والدلیل علی ان الذی قلنا من هذا هو اللازم دون ما خالفه
قول الله تبارک وتعالی ذکرہ یا ایہا الذین امنوا ان جاءکم فاسق بنبأ
فتبینوا..... ان خبر الفاسق ساقط غیر مقبول ہے

ترجمہ۔ ہر ایک کے ذمہ واجب ہے جو صحیح اور کمزور روایات میں فرق جان سکے کہ
..... اور جو بات اہل تہمت اور معاند اہل بدعت سے مروی ہو اس
سے بچے اور جس چیز کو ہم نے اوروں کے موقف کے خلاف لازم ٹھہرایا ہے اس پر دلیل
اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی
فاسق ایک روایت لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو..... بے شک
فاسق کی خبر از خود ساقط اور غیر مقبول ہے۔

امام بخاریؒ باب ما جاء فی اجازۃ الخبر الواحد المصدق میں لکھتے ہیں :-
وقوله تعالیٰ ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا کیف بعث النبی امرأۃ
واحداً بعد واحد۔

ترجمہ۔ اور قول خداوندی ہے ”اگر تمہارے پاس کوئی فاسق ایک خبر لے کر

لے صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۷۱ صحیح بخاری جلد ۹ ص ۱۷۱ پورا ترجمہ الباب آگے آ رہا ہے دیکھئے ص ۱۷۱ کتاب ہذا۔
اس میں دیکھئے حضورؐ نے کس طرح عبادات اور جملہ فرائض و احکام میں ایک پسے راوی کو قابل قبول
قرار دیا ہے۔ کیا یہ خبر واحد کی قبولیت نہیں؟

آئے تو اسے تحقیق کر لیا کہ وہ۔۔۔ اور حضورؐ نے اپنے امیر کس طرح ایک ایک بھیجے۔
(نوٹ) ایک شخص کی روایت اگر لائق قبول نہ ہوتی تو حضورؐ کبھی ایک ایک شخص کو اپنے احکام دے کر کہیں نہ بھیجتے اور نہ ایک فاسق کی خبر پر مزید تحقیق کی ضرورت سمجھی جاتی۔
 شیعہ محدثین نے بھی حدیث کے بارے میں اس آیت سے استدلال کیا ہے، ملا تقی مجلسی (۱۰۷۰ھ) من لایخفہ الفقیہ کی شرح لوامع صاحبقرانی المسمیٰ بہ شرح الفقیہ میں لکھتے ہیں:-

ترجمہ: یہ آیت بتلاتی ہے کہ دیانتدار اور سچے راوی کی روایت قابل قبول ہے۔
 علامہ مامقانی (سیرہم ۵) لکھتے ہیں:-

ترجمہ: یہ آیت فاسق کی روایت کو بغیر مزید پڑتال اور تحقیق کے قبول کرنے سے روکتی ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ تحقیق و تبیین کے بعد فاسق (اور وہ بھی گو شخص واحد ہی ہو اس کی) روایت قابل قبول ہو سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کا فاضلانہ بیان سنئے: موصوف مقدمہ فضل الباری میں لکھتے ہیں:-
 اس سے واضح ہے کہ شخص واحد کی خبر اس کے فاسق ہونے کے باوجود بھی معتبر اور حجت ہونے کی شان رکھتی ہے بشرطیکہ تحقیق میں آجائے اور محبت بھی ایسے اہم معاملات میں جن کے بگڑ جانے کی صورت میں ندامت اٹھانی پڑے جو کسی اہم اور بڑے ہی معاملہ کی شان ہوتی ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ شخص واحد کی خبر بھی قرآنی اصول پر قابل رد یا غیر معتبر نہیں۔ بلکہ تبیین و تحقیق کے بعد معتبر اور بڑے بڑے معاملات میں حجت ہوتی ہے، جس پر دیانتاً معاملہ کا فیصلہ ہو جاتا ہے روکا اگر گلیا ہے تو قبل از تحقیق اس پر عمل کرنے سے نہ کہ مطلقاً۔ ورنہ یوں کہا جاتا کہ فاسق اگر کوئی خبر لائے تو ہرگز اس کی بات کا

اعتبار مستمکرو۔ نہ یہ کہ تحقیق کے بعد اسے مان لو اور معتبر سمجھو پس تحقیق کی شرط اس لیے لگائی کہ خبر دہندہ اور روایت کنندہ کے فسق و فجور سے اس کی خبر میں جو بے اعتباری کی گنجائش پیدا ہو گئی تھی وہ ختم ہو جائے اور خبر قابل اعتبار ہو جائے۔ مگر خبر بہر حال وہ ایک ہی کی رہے گی۔ اس لیے صاف ثابت ہوا کہ ایک کی روایت معتبر اور معاملات میں حجت ہے۔ اب اگر خبر دینے والا فرد فاسق بھی نہ ہو بلکہ غیر مجروح ہو جیسے جل یسعی کی خبر تو وہ بلا تبین بھی اس اصول سے قابل قبول بن سکتی ہے اور اگر راوی غیر مجروح ہونے کے ساتھ عادل و متقی متدین اور امین ہو۔ جیسے ملائکہ، انبیاء اور صلحاء۔ تو اس اصول پر اس کی بلا واسطہ خبر کو معتبر ماننے کے لیے قطعاً تبین و تحقیق کی ضرورت نہیں رہتی چاہیے لیکن اگر دلائل کی وجہ سے اس پر بھی تحقیق و تبین کر لیا جائے تو پھر تو یہ خبر بطریق اولیٰ واجب الاعتبار بن جائے گی۔ مگر بہر صورت رہے گی خبر فرد ہی۔ اس لیے خبر فرد جسے خبر غریب بھی کہتے ہیں قرآن کی رو سے معتبر اور حجت ثابت ہو گئی۔ گو اس کی حیثیت درجہ ظن ہی کی حد تک ہو کہ ظنیات بھی شرعاً حجت اور معاملات میں قانوناً مؤثر ہوتے ہیں۔ کیونکہ ظنیات کے معنی و ہمیات کے نہیں بلکہ صرف اس کے ہیں کہ خبر پر وثوق و اعتماد کے ساتھ جانب مخالف کا احتمال بھی باقی رہے نہ یہ کہ اصل خبر بے اعتبار اور قابل رد ہو جائے۔ البتہ اس کے ساتھ اس راوی واحد کی جو ثقہ اور عادل ہے تحقیق بھی کر لی جائے۔ یعنی اس خبر کے متابعات، مریدات اور شواہد و قرآن بھی فراہم ہو جائیں تو پھر اس خبر فرد سے ظن اس حد تک بھی ہو سکتا ہے کہ وہ یقین کی سرحد سے جا ملے اور ایسی خبر اگر قطعیت کے ساتھ درجہ یقین تک نہ پہنچے گی تو شبہ یقین تک ضرور پہنچ جائے گی جس کا نام اصطلاح میں غلبہ ظن ہے۔ سو ایسی خبر اصول و آئین کی رو سے نہ رد کی جاسکتی ہے نہ غیر معتبر ٹھہرائی جاسکتی ہے۔ جب کہ قرآن خود خبر فرد کے سلسلہ میں ایک فاسق کی خبر کو بھی کلیۃً غیر معتبر نہیں ٹھہراتا۔ بلکہ بعد تبین اُسے

معتبر قرار دیتا ہے تو ایک ثقہ اور عادل کی خبر کو اس قرآنی اصول کی روشنی میں کیسے رد کیا جاسکتا ہے؟ اس لیے خبر فرد اور اس کی حجیت کا ثبوت آیات بالا سے بہت کافی وضاحت کے ساتھ ہو جاتا ہے۔

خبر واحد کے لائق قبول ہونے میں قرآنی موقف

قرآن کریم کی یہ آیت کہ فاسق کی روایت بغیر مزید تحقیق کے قابل قبول نہیں۔ بتلاقی ہے کہ اگر وہ راوی فاسق نہ ہوتا تو اس کی روایت لائق قبول تھتی۔ اسلام میں اگر خبر واحد کا اعتبار نہ ہوتا تو قرآن کریم فاسق کی روایت کو صرف فسق کی بناء پر رد نہ کرتا۔ خبر واحد کی بناء پر بھی رد کرتا۔ خبر واحد کے لائق قبول ہونے پر امام بخاری (۲۵۶ھ) نے قرآنی آیات سے استدلال کرتے ہوئے اس آیت کو بھی پیش کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:-

امام بخاری کی شہادت

باب ما جاء في اجازة خبر الواحد الصداق في الاذان والصلاة والصوم
والفرائض والاحكام قول الله تعالى فلو لا نفر من كل فرقة منهم طائفة
ليتفقوا في الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون.
وسمي الرجل طائفة لقوله تعالى وان طائفتان من المؤمنين اقتتلا
فلواقتتل رجلا ن دخل في معنى الآية وقوله تعالى ان جاءك فاسق بنبأ
فتبينوا وكيف بعث النبي صلى الله عليه وسلم امره واحدا بعد واحد فان
سما احد منهم رد الى السنة۔

ترجمہ: ایک سچے راوی کی خبر اذان، نماز، روزہ اور فرائض و احکام کے بارے میں جائز ہونے کے باب میں جو کچھ آیا ہے خدا کا فرمان کہ ہر فرقہ سے کیوں نہ ایک طائفہ نکلا کہ وہ دین میں تفقہ حاصل کرتے اور واپس لوٹ کر اپنی قوم

کو ڈراتے۔ تاکہ وہ بچ جاتے۔ ایک آدمی کو بھی طائفہ کہہ دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا فرمان ہے اگر مومنوں کے دو طائفے آپس میں لڑیں تو اگر دو شخص بھی آپس میں لڑیں گے تو وہ اس آیت کے تحت آئیں گے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ اور حضورؐ نے کیسے اپنے امراء ایک ایک کر کے بھیجے۔ ان میں سے اگر کوئی بھول جائے تو بات سنت کی طرف لوٹائی جائے گی۔

خبر واحد کے لائق قبول ہونے پر نبوی موقف

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اسلامی معاشرہ ترتیب دیا اس میں خبر واحد کی بنا پر بہت احکام چلتے تھے۔ دینی اطلاعات میں فرائض تک کا اعلان خبر واحد سے کافی سمجھا جاتا اور اس پر اس پہلو سے کہیں نکیر نہ سنی گئی۔

① عن عبد الله بن دينار قال بينا الناس بقباء في صلاة الصبح اذ جاءهم
أت فقال ان رسول الله صلى الله عليه وآله قد انزل عليه الليلة قرآن وقد امر ان
يستقبل الكعبة فاستقبلوها وكانت وجوههم الى الشام فاستداروا
الى الكعبة به

عبد اللہ بن دینار سے روایت ہے کہ لوگ صبح کی نماز کے لیے مسجد قباء میں تھے کہ ان کے پاس ایک آنے والا آیا۔ اس نے کہا کہ آج رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حکم قرآنی اُترا ہے کہ آپ نماز میں کعبہ کی طرف رخ کیا کریں۔ سو تم کعبہ کو ہی قبلہ بناؤ۔ ان لوگوں کے رخ شام کی طرف تھے۔ سو سب کعبہ کی طرف گھوم گئے۔

نماز دین کا ستون ہے۔ صحابہ کرام اگر اس میں ایک خبر لانے والے پر اعتماد کر کے اپنا قبلہ بدل سکتے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ اس معاشرہ میں خبر واحد بشرطیکہ خبر لانے والا ثقہ عادل اور قابل

اعتماد ہو گا کتنا قانونی اور اخلاقی وزن ہو گا۔ اس پر آپ خود ہی غور فرمائیں۔

عن حذیفة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا ھل ینجران لا بعثن الیکم رجلا امینا حق امینا فاستشرف لھا اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فبعث ابا عبیدةؓ

② حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران کو فرمایا میں تمہاری طرف ایک پورا امین شخص کو بھیجوں گا سب صحابہ سر اٹھا کر دیکھنے لگے کہ آپ کس کو بھیجتے ہیں اور کون ایسا امین ہے جو حق امانت کا پورا حامل ہو، سو آپ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔

اہل نجران کے سامنے اگر ایک شخص اسلام کی آواز لگا سکتا تھا اور وہ ساری قوم اس کی مکلف ہو سکتی ہے کہ اس ایک کی بتائی ہوئی دینی راہنمائی کو اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سمجھے تو خبر واحد کے لائق قبول ہونے میں کسی کو کیا شک ہو سکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران کو اس راوی کی صفات بیان کرتے ہوئے جو ان کے ہاں دین کو روایت کرے گا۔ خبر دی کہ وہ راوی امین ہو گا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ امین راوی کی بنیادی صفت ہے۔ غلطے کے پہلو سے بھی وہ امین ہو اس سے کوئی بات رہ نہ جائے اور دیانت کے پہلو سے بھی وہ امین ہو کوئی غلط بات نہ کہہ سکے۔

③ عن عمرؓ قال دکان رجل من انصار اذا غاب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وشہداتہ اتیتہ بما یکون من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واذا غبت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وشہداتہ اتانی بما یکون من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلمؓ

ترجمہ: حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری جب کبھی حضورؐ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکتا تو اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں میں بتا دیا کرتا تھا اور جب کبھی میں حضورؐ سے غائب ہوتا اور وہ انصاری حاضر ہوتے تو وہ مجھے

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں بتا دیا کرتے تھے۔

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابی جب ایک دوسرے کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ تعلیمات نقل کرتے جو اس ایک نے حضور سے سنی ہوتیں تو اسے سن کر اسے پوری طرح قبول کر لیتے۔ کیا یہ اس امر کی کھلی شہادت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اسلامی معاشرہ قائم کیا تھا اس میں خبر واحد بلا تردّد لائق قبول سمجھی جاتی تھی۔ صرف یہی دیکھا جاتا تھا کہ خبر واحد لانے والا وہ شخص کس درجہ کا ثقہ اور امین ہے۔

قواعد حدیث کے اصول اعتماد جس طرح قرآنی آیات میں دلالت اور اشارت سے لپٹے ہوئے ملے تھے۔ انہیں ہم نے نبوی موقف میں بھی نہایت واضح طور پر موجود پایا۔ خبرینے والا ثقہ اور امین ہو تو خبر واحد بلا تردّد قبول کی جائے گی۔ اب صرف ایک بات لائق غور رہ جاتی ہے کہ نقل روایت میں الفاظ کی پابندی ضروری ہے یا روایت بالمعنی بھی کفایت کر سکتی ہے۔

روایت بالمعنی کے لائق قبول ہونے میں قرآنی موقف

تاریخ مذاہب کا مشہور واقعہ ہے کہ جب حضرت آدم و حوا علیہما السلام نے شجر ممنوعہ کا پھل چکھا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تھا کہ دونوں نیچے اتر جاؤ۔ یہ واقعہ قرآن کریم میں کئی طرح سے منقول ہے۔

① قال اهبطا منها جميعا بعضكم لبعض عدو فاما يأتينكم مني هدى فمن تبع هداي فلا يضل ولا يشقى۔^۱

ترجمہ۔ خدا نے کہا تم دونوں اکٹھے اس سے نیچے اترو کہ ایک کا دشمن ایک ہوگا پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو جو اس کا اتباع کرے گا تو وہ نہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ آخرت میں شقی ہوگا۔

② قال اهبطوا بعضكم لبعض عدو ولكم في الارض مستقر ومتاع الى حين۔^۲

ترجمہ۔ خدا نے کہا تم سب نیچے اترو ایک دوسرے کے تم دشمن ہو گئے اور

مہتارے لیے زمین میں ٹھکانہ اور رہنا ہے ایک وقت تک۔

③ قلنا اهبطا منها جميعاً فاما يا ثينكم منى هداى فمن تبع هداى فلا خوف عليهم ولا هم يحزنون ۱۰

ترجمہ: ہم نے کہا اتر جاؤ جنت سے سب کے سب سو پھر اگر آئے مہتارے پاس میری طرف سے پیغام ہدایت تو جس نے میری پیروی کی اُن پر کوئی خوف نہ ہو گا نہ وہ غمگین ہوں گے۔

یہ ایک ہی واقعہ کی تین مختلف تعبیریں ہیں۔ رب العزت نے جب یہ بات کہی ہوگی تو ظاہر ہے کہ ایک بات کہی ہوگی اور باقی تعبیرات اس بات کی روایت بالمعنی ہوں گی روایت بالمعنی اگر جائز نہ ہوتی تو قرآن کریم ایک بات کو مختلف تعبیرات میں پیش نہ کرتا۔ رب العزت نے جب فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو تو یا تو کہا ہوگا: اسجدوا لآدم۔ (پ البقرہ ع ۴) یا کہا ہوگا: فقعوا له سجدین۔ (پ ص ع ۵) ظاہر ہے کہ ان دو میں ایک تعبیر ضرور روایت بالمعنی بنے گی۔ علامہ محمود آلوسیؒ نے بھی ان آیات سے روایت بالمعنی کا اشارہ کیا ہے۔

قبولیتِ روایت میں اصل الاصول اعتماد ہے۔

قرآن کریم کی رو سے فاسق کی خبر بھی مطلقاً لائقِ رد نہیں۔ بلکہ اس کی مزید تحقیق کی جائے گی۔ دوسرے ذرائع اور قرائن سے اس کا تہن ہو جائے تو اسے بھی قبول کیا جائے گا۔ بات کے لائقِ اعتماد میں نبوی موقف بھی آپ کے سامنے آچکا۔ اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ قبولیتِ روایت میں اصل الاصول اعتماد اور وثوق ہے۔ جب یہ حاصل ہو جائے تو یہی مدارِ عمل ہے نہ خبر کا ایک راوی سے ہونا اس میں رکاوٹ بن سکتا ہے نہ روایت کا بالمعنی مروی ہونا اس میں سببِ قرح ہو سکتا ہے۔ یہاں تک بعض صورتوں میں سند کا متصل ہونا بھی ضروری نہیں۔ پچھلا راوی اگر کوئی مسلم علمی شخصیت ہو اور روایت استدلال میں پیش کی جا رہی ہو تو یہ مرسل روایت بھی interrupted report پر قبول کی جاسکتی ہے۔

صحابہ کرامؓ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات پہنچتی تو گو اس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست نقل کرنے والا نہ بھی ملتا وہ اس کی تحقیق میں برابر لگ جاتے۔ اگر اتصالِ روایت نہ ملتا۔ ایسے قرائن میں آجاتے جن سے پتہ چل جاتا کہ یہ روایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے تو وہ اس کو قابلِ قبول سمجھتے اور اس پر عمل پیرا ہوتے اور روایت کا متصل نہ ہونا اس کی راہ میں رکاوٹ نہ بنتا تھا۔ حضرت عمرؓ کو بتا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حجاز میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے۔ بیان کرنے والا صحابی تھا یا تابعی۔ بصورتِ اولیٰ صحابی نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی تھی یا کسی اور نے اس کے سامنے یہ روایت نقل کی تھی۔ ان تمام امور میں یہ خبر مجہول unknown تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس پر مزید تحقیق اور تفحص فرمایا۔ یہاں تک کہ آپ کو اس پر وثوق و اعتماد حاصل ہو گیا اور آپ نے اس پر عمل فرمایا۔ محدث شہیر عبدالرزاق الصنعانی (۲۱۱ھ) کہتے ہیں :-

۱۔ مثلاً مختلف تابعین کرام جو مختلف شہروں میں رہتے ہوں اور آپس میں ملاقات نہ ہوئی ہو دین کے کسی موضوع میں ایک ہی بات کہیں تو ظاہر ہے کہ وہ بات انہوں نے مختلف صحابہ کرامؓ سے لی ہوگی اور اگر اس میں اجتہاد کا پہلو نہ ہو تو اسے بحالات حضورؐ کی بات ہی سمجھا جائے گا۔

اخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فی وجعہ الذی مات فیہ لا
 یجتمع بأرض الحجاز دینان ففحص عن ذلك حتی وجد علیہ التثبت^۱
 حضرت عمرؓ کو بتایا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس مرض میں جس میں
 وفات پائی تھی کہا تھا کہ اس زمین حجاز میں دو دین جمع نہ ہونے پائیں (یہ مرکز
 اسلام ہے جہاں صرف اسلام ہی رہے گا) آپ نے اس کی تحقیق فرمائی اور اس
 پر تثبت پالیا۔ (کہ یہ واقعی صحیح خبر تھی)۔

وہ صحابی کون تھے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی تھی ان کا نام نہیں
 ملا۔ امام مالکؒ نے موطا میں اسے امام زہری (۱۲۴ھ) سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ
 علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا۔ صحابی کا نام درمیان میں نہیں ملا۔ مگر چونکہ ذرائع سے اس کی تحقیق
 ہو گئی اور وہ تحقیق بھی خود حضرت عمرؓ نے ہی فرمائی تھی۔ اس لیے اس روایت کو محض اس لیے
 قبول کر لیا گیا کہ اس پر دوسرے ذرائع سے تثبت و وثوق حاصل ہو چکا ہے۔ معلوم ہوا کہ ان
 دنوں اصل سند کا اتصال، نہیں تھا۔ قبولیت روایت میں اصل الاصول اعتماد تھا۔ جب یہ
 حاصل ہو جائے تو روایت قابل عمل ہو جاتی تھی اور اسی پر حضرت عمرؓ نے یہودیوں کا خیر سے
 اخراج کیا تھا۔ امام محمدؒ (۱۸۹ھ) اس حدیث کو اس طرح نقل کرتے ہیں :-

بلغنا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه لا یبقی دینان فی جزیرۃ العرب
 فاخرج عمر من لعل ین مسلماً من جزیرۃ العرب لهذا الحدیث^۲
 ترجمہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات پہنچی ہے آپ نے فرمایا کہ جزیرہ
 عرب میں دو دین باقی نہ رہ سکیں گے حضرت عمرؓ نے اس حدیث کی وجہ سے
 ہر اس شخص کو جو مسلمان نہ تھا جزیرہ عرب میں نہ رہنے دیا۔

یہاں پر حضرت عمرؓ نے سند کا اتصال نہیں دیکھا۔ بلکہ قرآن و ذرائع سے اس کی تحقیق
 فرمائی۔ جب ثابت ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ ہے تو آپ نے اس پر عملی قدم
 اٹھایا اور یہودیوں کا اخراج فرمایا۔ پتہ چلا کہ کبھی قرآن بھی ایسے باوثوق ہوتے تھے کہ انکار کی

گنجائش نہیں ہوتی، حضرت عمرؓ کے اس طریق کار پر کسی صحابی نے جرح نہیں کی۔ نہ آپ پر کسی نے کوئی انگلی اٹھائی۔ بلکہ آپ کی اس تحقیق کے بعد سارے صحابہؓ اس پر متفق ہو گئے کہ حضورؐ کی تعلیم یہی ہے۔

کُل صحابہ عادل اور لائق اعتماد

قبولیتِ روایت میں اعتماد یہاں تک دخیل رہا کہ نقل و روایت میں ”کُل صحابہ عادل اور لائق اعتماد“ مانے گئے۔ الصحابة كلهم عدول آپ نے سنا ہو گا۔ سب صحابہ ایک دوسرے کے نزدیک ثقہ اور دیانت دار تھے کوئی کسی کے ہاں بھڑکانہ تھا۔ صحابہ کرام سب کے سب عادل تھے۔ آپس میں ان کے کتنے ہی اختلافات کیوں نہ ہوں، مسائل میں بھی کتنے ہی اختلاف واقع ہو چکے ہوں، فقہی موقف بھی جدا جدا ہو چکے ہوں، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نقل کرنے میں سب کے سب ثقہ اور قابل اعتماد سمجھے جاتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی صحابی جھوٹ کہے اس کا ان کے ہاں تصور بھی نہ ہو سکتا تھا۔ حافظ ابن عبد البر مالکی (۴۶۳ھ) حضرت امام مزنی (۴۷۷ھ) سے حدیث صحابی کا لُجُوم نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

وهذا بين لك ان قول النبي صلى الله عليه وسلم اصحابي كاللجور هو على ما فسح المذني وغيره من اهل النظر ان ذلك في النقل لان جميعهم ثقات ما مؤمن عدل رضى فوجب قبول ما نقل كل واحد منهم وشهادته على نبيه صلى الله عليه وسلم.

ترجمہ۔ یہ بات تمہیں بتلاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جیسا کہ اہل نظر میں سے امام مزنی نے اس کی تشریح کی ہے یہ ہے کہ یہ بات حضورؐ سے نقل کرنے میں ہے کیونکہ سب کے سب صحابہ ثقہ امین اور عادل ہیں۔ سو ہر ایک سے جو نقل پہنچی اور جس نے جو شہادت بھی اپنے بنی کے بارے میں دی۔ اس کا قبول کرنا واجب ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ بھی ایک دوسرے پر جھوٹ کی چوٹ کر جاتے تھے۔ یہ صحیح نہیں۔ عربی میں لفظ کذب صرف جھوٹ کے معنی میں نہیں بعض دفعہ خلاف واقع بات کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ مگر اردو میں یہ لفظ صرف جھوٹ کے معنوں میں آتا ہے صحابہ کرامؓ ایک دوسرے کی بات کو اگر کبھی خلاف واقع کہتے تھے بھی تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ فلاں صحابی کی بات صحیح نہیں (انہیں غلطی واقع ہو رہی ہے) یہ نہیں کہ وہ صحابی (معاذ اللہ) جھوٹ بول رہے ہیں۔ صحابہ کرامؓ سے اس قسم کی بات عادتاً ہرگز ممکن نہ تھی۔ مشہور محدث علامہ خطابی (۳۸۸ھ) ایک جگہ لکھتے ہیں:-

قوله كذب ابو محمد يويد اخطا ولم يرد به تعد الكذب الذي هو صند الصدق^۱۔
ترجمہ۔ اس کا کہنا کہ ابو محمد نے کذب (غلط) کہا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس نے غلطی کی کہنے والے کی مراد یہ نہیں کہ اس نے جھوٹ بولا جو سچ کی ضد ہوتی ہے۔
پھر ایک صحابی کے بارے میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

هو رجل من الانصار له صحبة والكذب عليه في الاخبار غير جائز والعرب
تضع الكذب موضع الخطأ في كلامها فتقول كذب سمعي وكذب بصری
ای ذل ولعیدرك ما رأی وما سمع^۲۔

ترجمہ۔ وہ انصاری صحابی ہیں ان پر خبر میں جھوٹ بولنے کا الزام جائز نہیں
عرب بات میں غلطی کرنے پر بھی کذب کا لفظ بولتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں میرے
کان نے (کذب) غلطی کی۔ میری آنکھ نے (کذب) غلطی کی یعنی وہ پھسل گیا۔
اور جو دیکھا اور سنا اسے نہ سمجھ سکا۔

اس محاورے کی تائید ایک واقعہ سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ اور حضرت
کعب احبارؓ کے باہین اختلاف ہوا کہ وہ گھڑی جس میں دُعا لازماً قبول ہوتی ہے سال میں ایک

دفعہ آتی ہے یا ہفتہ وار؟ حضرت عبداللہ بن سلامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کر رہے تھے کہ وہ گھڑی جمعہ آتی ہے۔ حضرت کعبؓ کہہ رہے تھے کہ نہیں سال میں ایک دفعہ آتی ہے۔ امام نسائی (۳۰۳ھ) روایت کرتے ہیں کہ :-

قال کعب ذلک یوم فی کل سنة فقال عبد اللہ بن سلام کذب کعب قلت
ثم قرأ کعب فقال صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لہ
ترجمہ: کعب نے کہا وہ گھڑی سال میں ایک دفعہ آتی ہے۔ عبداللہ بن سلام کہنے
لگے کعب کی زبان سے جھوٹ نکل گیا۔ پھر کعب نے تورات پڑھی اور کہا کہ
حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ کا کذب کعبؓ کہنا ان پر جھوٹ کی چوٹ
کرنا نہیں تھا۔ نہ یہ مطلب تھا کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ ان کی مراد صرف یہ تھی کہ کعبؓ غلط
کہہ رہے ہیں۔ چنانچہ کعبؓ نے جب تورات مطالعہ کی تو اپنی غلطی تسلیم کر لی اور کہا۔ صدق
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ کہا۔

عدالت صحابہؓ کی نرالی شان

صحابہ عام ثقہ روات کی طرح نہیں۔ دیگر راوی گو کہ کتنے ہی ثقہ ہوں کثرت روات سے
ان کی روایت میں قوت ضرور آتی ہے۔ لیکن صحابی ایک بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کر
وے تو اب مناسب نہیں کہ اس کی تائید میں اور صحابہ سے بھی مزید تحقیق کی جائے۔ اس کا
مطلب تو یہ ہو گا کہ اس تحقیق کرنے والے نے صحابی کو ناقل ہی سمجھا خود سند نہ سمجھا۔ ورنہ اس
کے بعد وہ ایک صحابی سے سن کر دوسرے کسی اور راوی کی تلاش نہ کرتا۔ صحابہؓ سے اس کی تائید لینا
اگر روایت میں قوت پیدا کرتا۔ تو امیر المؤمنین حضرت عمرؓ حضرت سعدؓ سے مروی روایت کے
بعد اس کی مزید تحقیق سے نہ روکتے۔ علم جس قدر پختہ ہو اس میں کیا حرج تھا۔ معلوم ہوا صحابیؓ کا
حضور سے کسی بات کو نقل کر دینا علم کا وہ نقطہ عروج ہے کہ اب اس کے بعد کوئی غلبان باقی

نہ رہنا چاہیے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

اذا حدثك سعد عن النبي صلى الله عليه وسلم فلا تسئل عنه غيره.

ترجمہ جب سعد تمہارے پاس حضورؐ کی کوئی بات نقل کریں تو اسکے بارے میں کسی اور سے نہ پوچھنا۔

مُرسَلات صحابہؓ پر اعتماد

ائمہ اربعہ میں گو اختلاف ہے کہ روایت مرسل جس میں تابعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست روایت کرے قبول کی جائے یا نہ؟ امام اعظم ابو حنیفہ النعمانؒ اور امام مالکؒ ثقہ تابعی کی مرسل کو قبول کرتے ہیں اور امام شافعیؒ و امام بخاریؒ قبول نہیں کرتے۔ لیکن اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ صحابہ کی مرسلات سب کی سب قبول ہیں۔

صحابہ کی مرسلات سے وہ روایات مراد ہیں جن میں صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دور کی روایت نقل کرے۔ جب وہ اس دور میں مسلمان نہ ہوا تھا یا حضورؐ کے ہاں موجود نہ تھا۔ ظاہر ہے کہ اس نے وہ بات کسی اور صحابی سے جو وہاں موقع پر موجود ہو گا سنی ہوگی اور اب وہ اس کا نام ذکر نہیں کر رہا ہے یا اس نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوگا اور اب وہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے روایت نہیں کر رہا۔ اس دور کی بات کو اپنی طرف سے روایت کر رہا ہے۔ صحابہؓ کی یہ مرسلات بالاتفاق مقبول ہیں۔ درمیانے راوی کی تلاش اس وقت ہوتی ہے جب اس کی ثقاہت معلوم کرنی ضروری ہو۔ صحابہؓ چونکہ کلہم ثقہ اور عادل ہیں اس لیے ان میں کسی کا معلوم نہ ہونا قبولیتِ روایت میں قاذح نہیں ہو سکتا۔

مثلاً صحیح بخاری کی دوسری روایت اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے آپ اس میں یہ بیان کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز کیسے ہوا؟ ظاہر ہے کہ اس وقت تک حضرت عائشہ کی پیدائش بھی نہ ہوئی تھی اور وہ دور آپؐ کا دیکھا ہوا نہ تھا۔ آپؐ نے یہ حالات و واقعات کسی اور صحابی سے یا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے ہوں گے۔ مگر آپ اس واسطے روایت کو ذکر نہیں کر رہیں۔ یہ مرسل روایت حضرت عائشہ صدیقہؓ کی

ثقافت اور جلالت شان کے پیش نظر کسی طرح بھی رد نہ کی جائے گی صحابہ کی مُرسلات تو ان ائمہ کے نزدیک بھی معتبر اور لائق اعتماد ہیں۔ جو اوروں کی مرسل روایات کو قبول نہیں کرتے۔ امام نوویؒ مقدمہ شرح مسلم میں لکھتے ہیں :-

وَأَمَّا مَرْسِلُ الصَّحَابِيِّ وَهُوَ رَوَايَةُ مَا لَمْ يَدْرِكْهُ أَوْ يَحْضُرْهُ كَقَوْلِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أُولَ مَا بَدَأَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرَّؤْيَا الصَّالِحَةِ فَمَذْهَبُ الشَّافِعِيِّ وَالْجَمَاعَةِ هِيَ أَنَّهُ يَحْتَجُّ بِهِ وَقَالَ الْأَسَازُ الْأَمَامُ أَبُو اسْمَعِيلَ الْأَسْفَرَايْنِيُّ الشَّافِعِيُّ أَنَّهُ لَا يَحْتَجُّ بِهِ إِلَّا أَنْ يَقُولَ أَنَّهُ لَا يَرَوِي إِلَّا عَنْ صَحَابِيٍّ وَالصَّوَابُ الْأَوَّلُ ۝

ترجمہ۔ اور رہا معاملہ مرسلات صحابہ کا اور وہ ایسی روایات ہیں جن کا زمانہ اس راوی نے نہ پایا ہو یا زمانہ پایا ہو مگر اس مجلس میں اس نے حاضری نہ پائی ہو تو امام شافعی اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ صحابہ کی مرسل روایات سے حجت پکڑی جاسکتی ہے۔ البتہ امام ابو اسحاق اسفرائینی کہتے ہیں اس قسم کی روایات سے استناد صحیح نہیں۔ ہاں اگر وہ کہے کہ وہ صحابی، صحابی کے علاوہ کسی اور سے روایت نہیں لیتا تو پھر اسے اُن کے ہاں بھی قبول کیا جاسکے گا اور صحیح بات پہلی ہے (کہ مرسلات صحابہ مطلقاً لائق قبول ہیں)۔

آپ ایک دوسرے مقام پر ایک حدیث کی بحث میں لکھتے ہیں :-
هَذَا الْحَدِيثُ مِنْ مَرَاسِيلِ الصَّحَابَةِ وَهُوَ حُجَّةٌ عِنْدَ الْجَمَاعَةِ ۝

ترجمہ۔ یہ حدیث صحابہ کی مرسل روایات میں سے ہے اور وہ جمہور علماء اسلام کے نزدیک حجت ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ایک بحث میں لکھتے ہیں :-

وَيَسْتَفَادُ مِنَ الْحُكْمِ بِصَحَّةِ مَا كَانَ ذَلِكَ سَبِيلَهُ صَحَّةُ الْاِحْتِجَاجِ بِمَرَاسِيلِ الصَّحَابَةِ ۝

ترجمہ۔ اس طرح کی باتوں پر صحیح کا حکم لگانے سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ صحابہ کی مرسل روایات سے حجت پکڑنا قانونی طور پر صحیح ہے۔ اس تفصیل سے یہ بات اور واضح ہو جاتی ہے کہ پہلے دور میں قبولیت روایت کا مدار اعتماد اور وثوق پر ہی رہا ہے۔ روایت کا متصل ہونا ضروری نہ تھا۔ صحابہ کرام کا عادل اور ثقہ ہونا یقینی اور قطعی دلائل سے معلوم تھا تو اب ان کی مرسلات بھی حجت سمجھی گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب اُن کی عدالت پر مہر کر دی۔ تو اب اس کی کیا ضرورت ہے کہ ائمہ حدیث میں سے کوئی ان کی تعدیل کرے۔ خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) ایک جگہ لکھتے ہیں :-

ان عدالة الصحابة ثابتة معلومة بتعديل الله لهم... فلا يحتاج احد منهم مع تعديل الله لهم المطلاع على بواطنهم الى تعديل احد من الخلق له.

ترجمہ۔ صحابہ کی عدالت اللہ تعالیٰ کی تعدیل سے معلوم اور ثابت ہے۔ سو صحابہ میں سے کوئی بھی کیوں نہ ہو وہ کسی کی تعدیل کا محتاج نہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی تعدیل حاصل ہے جو ان کے بواطن امور پر پوری طرح مطلع ہے اور انہیں عادل قرار دے رہا ہے۔

صحابہ کے اسی عمومی اعتماد کا اثر دوسرے صحابہ میں بھی تھا۔ علمی حلقوں میں اعتماد عام تھا۔ علمی حلقے سب اعتماد پر چلتے تھے۔ اس دور میں اسناد پر زیادہ زور نہ تھا۔ خیر اور صداقت عام تھی۔ اسنادی مباحث، ہر دور ادویوں کے مابین فاصلے اور رابطے اور روایات میں اتصال و ارسال کی بحثیں اس وقت چلیں جب امت میں فتنے پیدا ہوئے۔ جھوٹ عام ہونے لگا۔ سو ضروری ہوا کہ اس وقت کے ائمہ حدیث اس سلسلہ میں کوئی قدم اٹھائیں اور حق یہ ہے کہ اس وقت دینی سرمائے کے تحفظ کے لیے ایسے اقدامات ضروری تھے۔ امام ابن سیرین (۱۱۰ھ) ایک جگہ فرماتے ہیں :-

عن ابن سيرين قال لم يكونوا يسلون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة قالوا سلونا رجلا لكم فينظر الى اهل السنة ويؤخذ حديثهم وينظر الى اهل البدع فلا يؤخذ حديثهم.

۱۰ الکفایہ فی علوم الروایۃ ص ۴۴، ص ۴۵ صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۱۰

ترجمہ۔ امام سیرین سے روایت ہے کہ پہلے دور میں لوگ سند کے بارے میں اتنے فکر مند نہ ہوتے تھے لیکن جب فتنے اُٹھے تو علماء کہنے لگے اپنی روایت کے راوی سامنے لاؤ تاکہ اہل سنت اور اہل بدعت کی پرکھ ہو۔ اہل سنت کی حدیثیں لے لی جائیں اور اہل بدعت کی روایات سے پرہیز کی جائے۔

حضرت امام شافعیؒ اس نئے دور کے مجدد سمجھے جاتے ہیں جنہوں نے وقت کی نبض پر ہاتھ رکھا اور آئندہ کے لیے تحقیق حدیث کی اساس صحت سند کو قرار دیا اور راویوں کی جرح و تعدیل اور اتصال رواتہ اس نئے دور کا بڑا موضوع قرار پایا۔ اس وجہ کی پڑتال کی ضرورت دورِ اول میں کبھی محسوس نہ ہوئی تھی۔

قبول مرسل میں ائمہ اربعہ کا اختلاف

اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ قبول مرسل میں امام شافعیؒ اور امام بخاریؒ کا امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ سے اختلاف دراصل اصول کا اختلاف نہ تھا، حالات کا اختلاف تھا۔ قبول روایت میں اعتماد کو سب ائمہ کے ہاں اصولی درجہ حاصل رہا ہے جب تک امت میں صداقت اور انصاف غالب تھے گو فتنے پیدا ہو چکے تھے روایات اعتماد پر بھی قبول کی جاتی تھیں۔ جب وہ حالات نہ رہے، فتنوں کا تخم خنظل درخت بن گیا۔ تو بعد کے ائمہؒ نے صحت اسناد اور اتصال رواتہ پر توجہ تیز کر دی۔ اس حد فاصل پر امام شافعیؒ نے مجددانہ کردار ادا کیا۔ فخر اہل الشریعہ حضرت ابن حنبلؒ اس سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ پہلے دور کی کتب حدیث جیسے مؤطا امام مالکؒ، مؤطا امام محمد مصنف عبدالرزاق وغیرہ میں اسانید اس پیرایہ بیان اور اہمیت شان سے نہیں ملتیں۔ جس انداز میں ہم انہیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں پاتے ہیں۔ اسکی وجہ کیا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے دور میں اعتماد غالب تھا۔ صحابہ کی مرسلات جس اصول پر قبول ہوتی تھیں وہ اصول اعتماد اگر کہیں بعد میں بھی کسی بزرگ پر راہ پا گیا تو اس کی مرسلات بھی قابل قبول سمجھی گئیں۔ مرسلات حسن، مرسلات ابراہیم، مرسلات زہری وغیرہ پر محدثین نے مستقل آراء قائم کی ہیں۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ جو نہی اعتماد میں کمی آنے لگی۔ محدثین کرام صحت سند

اور اتصال رِوَاۃ پر زیادہ زور دینے لگے۔ حضرت امام شافعی ان دونوں طریقوں کی حد فاصل سمجھے جاتے ہیں اور بعد کے دور کے محدثین پھر تقریباً سب اسی راہ پر چلے۔ فخر اہم اللہ احسن الجزاء۔ آپ نے قبولیت روایت میں اس وقت کے حالات کے مناسب صحت اسناد اور اتصال رِوَاۃ پر بہت زور دیا۔ اختلاف الحدیث کے نام سے آپ نے اس موضوع پر ایک کتاب قلمبند فرمائی اور حق یہ ہے کہ آپ نے فن حدیث کا رُخ اسناد کی طرف موڑ دیا۔ یہ اسلام کا اعجاز ہے کہ اس میں ہر وقت کی ضرورت کے مطابق اصحاب کردار پیدا ہوئے جنہوں نے وقت کی ضرورتوں کے تحت تحقیقات کے دہانے کا رُخ صحیح سمت کی طرف کر دیا۔

نوٹ

اس سے یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ پہلے دور میں اسانید قائم نہ تھیں اور حدیث پوری سند سے روایت نہ ہوتی تھی۔ احادیث کا سلسلہ پوری اسنادی شان سے قائم تھا اور محدثین صحیح و ضعیف میں برابر فرق کرتے تھے۔ احادیث کو اسانید بعد میں فراہم نہیں کی گئیں۔ جب سے احادیث چلی آرہی ہیں اسی وقت سے سلسلہ اسانید بھی چلا آرہا ہے۔ ہمارے کہنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ پہلے دور میں روایت کی قبولیت میں سند کا اتصال زیادہ ضروری نہیں سمجھا گیا عمومی اعتماد بہت حد تک کارفرما رہا ہے تاہم یہ صحیح ہے کہ سند کی ضرورت اور اہمیت اپنی جگہ موجود تھی۔

عمل راوی کے اختلاف سے اعتماد روایت میں کمی

قبولیت روایت میں اعتماد کو اتنی اصولی حیثیت حاصل رہی ہے کہ اگر کوئی حدیث ثقہ راویوں سے بھی منقول ہو تمام راویوں میں اتصال بھی پایا جاتا ہو، صیغہ تحدیث بھی ہر جگہ موجود ہو، عن کا مظنہ کہیں نہ ہو، روایت اصولی طور پر بالکل صحیح ہو مگر اس صحابی کا اپنا عمل اس روایت کے خلاف ہو تو فوراً شبہ اُٹھے گا کہ شاید یہ حدیث منسوخ العمل ہو یا اس زمانے سے تعلق رکھتی ہو جب شریعت تکمیل کے تدریجی مراحل طے کر رہی تھی بعض احکام منسوخ ہو جاتے تھے اور ان کی جگہ نئے آجاتے تھے۔

پہلے دور کی کوئی بات ثقہ راویوں سے منقول ہو وہ صحیح تو ہوگی۔ لیکن بعد کے احکام

کی روشنی میں محبت اور لائق عمل نہ سمجھی جائے گی۔ اسی طرح اگر کسی صحابی کا اپنا عمل اس کی اپنی روایت کے خلاف ہو تو ظاہر ہے کہ صحت اسناد کے باوجود اعتماد روایت میں کچھ کمی ضرور آئے گی۔ اس وقت اس اصول پر بحث کرنا مقصود نہیں، موضوع حدیث کے عنوان میں اس پر ہم کچھ بحث کر آئے ہیں۔ یہاں بتلانا صرف یہ ہے کہ قبولیت روایات میں اصل الاصول ہمیشہ اعتماد رہا ہے اور اسے کسی قیمت پر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی ایک جگہ لکھتے ہیں:-

راوی الحدیث اعرف بالمراد بہ من غیرہ دلائیم الصحابی المجتہد بالہ
ترجمہ حدیث کا راوی اس کی مراد کو دوسروں سے بہتر جانتا ہے۔ خصوصاً
جب کہ وہ صحابی مجتہد ہو۔

کوئی بات نقل میں رہ جائے تو موجب قدح نہیں

صحابہ کرامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کوئی حدیث نقل کرتے تو بعض اوقات یوں بھی ہوتا کہ بعض مضامین حدیث روایت کر دیتے اور کچھ باتیں رہ بھی جاتیں، جو دوسرے صحابہؓ کے ہاں یا انہی صحابہ کی کسی دوسری روایت میں مل جاتیں۔ یہ بعض مضامین کا رہ جانا اس پہلو سے کبھی نہ ہوا تھا کہ وہ بعض اجزاء باقی حدیث کے معنی پر اثر انداز ہوں۔ بلکہ ہر حصہ مضمون اپنی جگہ مستقل حیثیت سے روایت ہوتا تھا۔

سوائے حدیث اس پر متفق رہے ہیں کہ روایت حدیث میں کسی بات کا نقل سے رہ جانا باقی روایت میں موجب قدح نہیں ہے۔ امام زہریؒ (۱۲۴ھ) حدیث افک کے واحد راوی ہیں، جو مختلف تابعین کرامؓ سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:-

کلہم حدثنی طائفة من حدیثہا۔

”کہ ان راویوں نے حدیث افک کے کسی حصہ کو میرے سامنے بیان کیا ہے۔“
امام زہری تصریح نہیں کرتے کہ کون سا حصہ کن راویوں نے بیان کیا ہے۔ لیکن یہ راوی چونکہ سب کے سب ثقہ ہیں، اس لیے یہ جانے بغیر کہ کس کس راوی نے کیا کیا کہا ہے، پوری

حدیث بالاتفاق قبول کر لی گئی ہے اور ساری حدیث صحیح تسلیم کر لی گئی ہے۔ امام نوویؒ (۶۷۶ھ) اس کی شرح میں لکھتے ہیں :-

هذا الذي فعله الزهري من جمعه الحديث عنهم جاز لا يمنع منه ولا كراهة فيه لانه قد بين ان بعض الحديث عن بعضهم وبعضه عن بعضهم وهؤلاء الاربعة ائمة حفاظ ثقات من اجل التابعين فاذا ترددت اللفظة من هذا الحديث بين كونها عن هذا او ذاك لم يضر جازا لا احتجاج بها لانها ثقتان وقد اتفق العلماء على انه لو قال حدثني زيد او عمرو وهما ثقتان معروفتان بالثقة عند المخاطب جازا لا احتجاج به. ترجمہ: یہ طریقہ جو زہری نے جمع حدیث میں اختیار کیا ہے جائز ہے ممنوع نہیں اور اس میں کوئی ناپسندیدگی نہیں۔ یہ بیان ہو چکا ہے کہ حدیث کا کچھ حصہ ان میں سے کسی سے ہے اور کچھ حصہ دوسروں سے ہے اور یہ چاروں تابعین حفاظ حدیث اور اپنے فن کے امام ہیں۔ اگر اس میں کچھ تردد رہا ہے کہ یہ لفظ اس راوی کی روایت سے ہے یا اس راوی کی روایت سے۔ تو اس میں کوئی حرج نہیں اس سے احتجاج جائز ہے۔ کیوں کہ وہ دونوں ثقہ ہیں اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر ایک شخص کہے مجھے یہ حدیث زید نے بتائی یا عمر نے اور وہ دونوں ثقہ ہیں۔ مخاطب کے ہاں معروف ہیں تو اس سے حجت پکڑنا اور احتجاج کرنا جائز ہے۔

افقہ راویوں کی روایت کو ترجیح

محدثین میں اس پر بھی کلام رہا ہے کہ روایت کی ترجیح راویوں کی قوتِ خط پر ہونی چاہیے یا اس میں ان کی نقابہت بھی سبب ترجیح ہو سکتی ہے۔ ایک شخص حفظ و یادداشت میں زیادہ معروف ہے اور دوسرا علم و دانش میں گہرائی رکھتا ہے تو کس کی روایت اُن میں سے زیادہ

لائق ترجیح ہوگی؟

محدثین میں روایت بالمعنی کا رواج نہ ہوتا تو ظاہر ہے کہ ترجیح قوت حفظ کی بنا پر ہوتی لیکن روایت بالمعنی کا شیوع اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ راوی جتنا گہرا عالم اور فقیہ ہوگا۔ اتنا ہی بات کے مغز کو زیادہ پائے گا اور یہ نہ ہوگا کہ وہ روایت بالمعنی کی صورت میں بات اور کچھ کہہ جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

نضر الله امرأ سمع منا شيئاً فبلغه كما سمعه فرب مبلغ أوعى له من سامع^۱۔
ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز کرے جس نے ہماری کوئی حدیث سنی۔ اور اسے اسی طرح آگے پہنچا دیا جیسا کہ اس نے سنا تھا۔ کیونکہ آگے سننے والے کئی ایسے بھی ہوتے ہیں جو اسے اسی سننے والے سے زیادہ محفوظ رکھ سکیں۔

اوعی (زیادہ حفاظت کرنے والا) سے مراد اسے زیادہ سمجھنے والا ہے۔ جتنا راوی فقیہ ہوگا اتنا ہی وہ اس مضمون کو زیادہ سنبھالنے والا ہوگا۔ اور اس کی تائید حضرت عبداللہ بن مسعود (۳۲ء) کی ہی ایک دوسری روایت سے ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-
فرب حامل فقه الى من هو افقه منه^۲۔

ترجمہ۔ ایسے کئی حامل فقہ ہیں جو اس بات کو اس شخص تک لے جائیں جو ان سے زیادہ اس بات کو سمجھتے ہوں۔

معلوم ہوا کہ جتنا کوئی راوی زیادہ فقیہ ہوگا اتنا ہی مقصد حدیث کو زیادہ پانے والا ہوگا۔ امام احمد بن حنبل (۲۴۱ء) حدیث کی فقہ کو اس کے حفظ سے زیادہ اہم سمجھتے تھے۔ امام علی بن المدینی (۲۴۳ء) بھی فقہ حدیث کو ہی سب سے اشرف علم شمار کرتے تھے۔ حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں :-

قال احمد بن حنبل معرفة الحديث والفقه فيه احب الى من حفظه وقال

علي بن المديني اشرف العلم الفقه في متون الاحاديث ومعرفة احوال الرواة^۳۔

۱۔ رواہ الترمذی عن ابن مسعود (مشکوٰۃ ص ۲۵) ۲۔ رواہ الشافعی و الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ و الدارمی و البیہقی فی البذل

۳۔ منہاج السنۃ جلد ۲ ص ۱۵

ترجمہ۔ امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں حدیث اور فقہ کی معرفت مجھے اس کے حفظ سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ امام علی بن المدینی کہتے ہیں میں سب سے اشرف علم متون حدیث اور احوال رواقہ کی معرفت میں فقہ کو کارفرما کرنا ہے۔

غور کیجئے ان ائمہ فن نے فقہ اور حدیث کے معنی و مضمون کو کس قدر اہمیت دی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اس بات کے پر جوش حامی تھے کہ مدار ترجیح راویوں کی تقابست ہونی چاہیے۔ جتنا کوئی راوی زیادہ افقہ ہوگا اتنی ہی اس کی روایت کو ترجیح ہوگی۔ امام اہل شام امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) سے امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) کی رفع الیدین عند الركوع کے مسئلہ پر گفتگو ہوئی۔ تو امام اوزاعیؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ حدیث پڑھی۔

حدثني الزهري عن سالم عن ابيه عبد الله بن عمر بن الخطاب ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يرفع يديه حذاء منكبيه اذا افتتح الصلوة وعند الركوع وعند الرفع منه

ترجمہ۔ زہری نے مجھے سالم سے انہوں نے اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مجھے حدیث سنائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے وقت اپنے کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے اور رکوع کے وقت بھی اور رکوع سے اٹھتے بھی۔

اس پر حضرت امام ابو حنیفہؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ حدیث پڑھ دی۔
حدثنا حماد عن ابراهيم النخعي عن علقمة والاسود كلاهما عن ابن مسعود ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان لا يرفع يديه الا عند افتتاح الصلوة ولا يعود لشيء من ذلك۔

ترجمہ۔ حماد نے ابراہیم نخعی سے انہوں نے حضرت علقمہ اور اسودؓ اور ابن مسعودؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے یہ حدیث سنائی کہ نبی کریمؐ صرف نماز کے شروع میں رفع یدین کرتے تھے کسی دوسرے مقام پر رفع یدین نہ کرتے تھے۔
اس پر امام اوزاعیؒ نے کہا۔

احدثك عن الزهري عن سالم عن عبد الله و تقول حدثني حماد عن ابراهيم۔
ترجمہ میں تمہیں زہری سے وہ سالم سے وہ عبد اللہ بن عمر سے حدیث سنار ملے ہوں اور
تم مجھے حماد سے لو۔ وہ ابراہیم سے حدیث سنار ہے ہو؟
اس کے جواب میں امام ابو حنیفہؒ نے کہا:-

كان حماد افقه من الزهري وكان ابراهيم افقه من سالم وعلقته ليس
بداون ابن عمر في الفقه وان كانت لابن عمر صحبة وعبد الله هو عبد الله
ترجمہ: حضرت حماد امام زہری سے زیادہ فقیہ تھے حضرت ابراہیم نخعی حضرت سالم
سے زیادہ فقیہ تھے اور علقمہ فقہ میں حضرت ابن عمر سے کم نہیں۔ اگرچہ حضرت ابن
عمر کو صحابیت کا جو شرف حاصل ہے وہ علقمہ کو نہیں۔ باقی رہے حضرت عبد اللہ
بن مسعود تو وہ عبد اللہ بن مسعود ہیں۔

ثقة راوی ضعف عمر کے باعث اگر یاد نہ رکھ سکے۔

قبول روایت میں جب اصل الاصول اعتماد ہے تو پیرانہ سالی میں جب حافظہ قوی نہ
رہے تو ثقہ راویوں کی اس دور کی روایت پھر سے زیر بحث آجائے گی۔ محدثین فن حدیث میں
اس درجہ محتاط رہے ہیں کہ انہوں نے ثقہ راویوں کی روایات میں بھی اول دور اور آخری
دور کو ملحوظ رکھا ہے۔ اور تو اور صحابہ کرامؓ بھی اس عمر میں روایت نقل کرنے سے جہاں تک
ہو سکے احتراز کرتے تھے۔ حضرت زید بن ارقمؓ (۶۶ھ) اپنے اس دور کا یوں ذکر کرتے ہیں۔
والله لقد كبرت سني وقدم عهدي ونسيت بعض الذي كنت اعي من
رسول الله صلى الله عليه وسلم فانا حدثكم فاقبلوه وما لا فلا تكلفوني۔
(ترجمہ) اے بھتیجے میں اب بوڑھا ہو چکا ہوں اور میرا وقت آپہنچا ہے اور میں بعض باتیں جو
حنوزہ کی مجھے یاد تھیں بھول چکا ہوں سو میں جو خود بیان کروں وہ تو لے لیا کرو اور ان خود
مجھ سے نہ پوچھا کرو مجھے روایت کرنے کی تکلیف نہ دور۔

تصحیح روایت میں محدثین پر اعتماد

محدثین میں حدیث کی تصحیح کے دونوں طریقے رائج رہے ہیں۔ ① راویوں کی ثقاہت ان کے باہمی اتصال اور شند و ذمہ کاری سے سلامتی معلوم کر کے بھی کسی حدیث کو صحیح کہہ سکتے ہیں۔ ② کبھی ان تفصیلات میں جائے بغیر اکابر علمائے فن کی تصحیح پر اعتماد کر کے بھی کسی حدیث کو صحیح کہا جاسکتا ہے۔ قبولیت روایت میں اصل الاصول اعتماد ٹھہرا تو جس طرح سے بھی یہ اعتماد حاصل ہو سکے روایت قابل قبول ہو جاتی ہے۔

ہر فن میں اکابر فن کی تقلید کی جاتی ہے۔ اس سے انسان اسی وقت مکمل ہے جب خود براہ راست راویوں کی جانچ پڑتال کر سکے اور اس کی جملہ طرق پر نظر ہو سکے۔ اس کے بغیر اعتماد سے چارہ نہیں۔ اس اعتماد کو بھی علم کی ہی ایک شان سمجھنا چاہیے۔ تقلید سے مراد دوسرے کے علم پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی دلیل مانگے بغیر اس کی بات کو قبول کرنا ہے۔ جس بات میں خود مضبوط علم حاصل نہ ہو تقلید سے چارہ نہیں۔ ہاں جب کسی بات کی براہ راست تحقیق ہو جائے اور اس میں کوئی شک اور دغدغہ نہ رہے۔ تو پھر تقلید درست نہیں۔ لیکن جب تک راویوں کا پورا علم خود حاصل نہ ہو۔ محدثین کرام جو ائمہ فن ہیں ان کی تصحیح اور ان کی تضعیف سے بھی علماء حدیث کسی روایت کو صحیح یا ضعیف کہہ سکتے ہیں۔

حضرت عبدالرحمن بن مہدیؒ (۱۹۸ھ) جرح و تعدیل کے جلیل القدر امام ہیں۔ آپ اس اعتماد کے یہاں تک قائل تھے کہ اسے الہام کا درجہ دیتے تھے۔ جس طرح الہام کی خارج میں کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ ایک وجدان ہے جو اندر ہی اندر بولتا رہتا ہے۔ اسی طرح محدثین کرام کو فن کے کمال سے جو ذوق و وجدان ملتا ہے اس پر وہ بعض حدیثوں کو راویوں کی ثقاہت اور سند کے اتصال کے باوجود قبول نہیں کرتے۔ حضرت عبدالرحمن بن مہدیؒ (۱۹۸ھ) کہتے ہیں:

ومعرفة الحديث الهام فلو قلت للعالم لعل الحديث من اين قلت

هذا؟ لم يكن له حجة له

ترجمہ۔ حدیث کی معرفت ایک الہامی چیز ہے جو دل میں اُترتی ہے۔ اگر میں
علل حدیث کے کسی عالم سے کہوں کہ تم یہ بات کہاں سے کہہ رہے ہو تو اس
کے پاس اس کا جواب نہ ہوگا۔

حافظ شمس الدین الذہبی لکھتے ہیں :-

إذا العمدۃ فی زماننا لیس علی الرواۃ بل علی المحدثین والمعنیۃ الذین
عرفت عدالتہم وصدقہم فی ضبط اسماء السامعین۔

ترجمہ۔ ہمارے پاس اس دور میں تحقیق حدیث میں، اعتماد راویوں پر نہیں کیا جاسکتا
بلکہ محدثین اور اساتذہ پر ہے اور ان لوگوں پر جن کی عدالت اور سچائی راویان
حدیث کے ناموں کو یاد رکھنے میں جانی پہچانی جا چکی ہے۔

جب تک راویان حدیث اپنی سند سے حدیثیں روایت کرتے رہے تحقیق حدیث کا طریق
راویوں کی جانچ پڑتال ہی رہا۔ لیکن جب سند والی کتابیں مدتوں ہو چکیں اور اس جمع شدہ ذخیرے
سے ہی حدیث آگے چلی تو اس دور میں علیحدہ علیحدہ راویوں کی جانچ پڑتال کے ساتھ حاذق
محدثین کی تحقیق اور اکابر اساتذہ فن کا ذوق بھی ساتھ instinct چلنے لگے تو اب راویوں
کی بجائے اساتذہ فن کے فیصلوں پر اعتماد حقیقت کے زیادہ قریب دکھائی دیتا ہے۔
معلوم ہوا کہ علل حدیث میں اکابر فن پر اعتماد کے بغیر طلبہ حدیث آگے نہیں چل سکتے۔
یہاں اہل فن کی تقلید سے چارہ نہیں۔ ہر شخص کا ذوق اس درجے میں پختہ نہیں ہوتا، کہ محض
راویوں کے حالات جان کر پوری سند اور پوری حدیث پر وہ کوئی حکم لگا سکے۔ حافظ جلال الدین
السیوطی لکھتے ہیں :-

ان الجرح انما جرز فی الصدراۃ اول حیث کان الحدیث یوخذ من صدر
الاحبار کما من بطون الاسفار فاحتیم الیہ ضرورۃ للذنب من الاثار و
معرفۃ القبول والمردود من الحدیث والاحبار واما الان فالعمدۃ
علی الکتب المدونۃ۔

۱۔ میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۱۷۷ ۲۔ الکاوی فی تاریخ السخاوی کما فی الرفع والتکلیل ص ۵

ترجمہ۔ راویوں پر جرح کرنا پہلے دور میں اس لئے جائز رہا کہ حدیث
علماء کے سینوں سے لی جاتی تھی نہ کہ کتابوں کے اوراق سے۔ سو اس کی
ضرورت رہی تاکہ آثار کی حفاظت کی جاسکے اور احادیث و اخبار میں
مقبول و مردود کو پہچانا جاسکے۔ لیکن اب اعتماد کتب مدونہ پر ہونا چاہیے

امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) کی کتاب کتاب العلل و معرفة الأحادیث، امام ترمذیؒ (۲۶۹ھ)
کی کتاب العلل اور ابن ابی حاتم کی کتاب الجرح والتعديل اس سلسلہ کی بہت مفید کتابیں ہیں۔
امام احمدؒ کی یہ کتاب انقرہ سے اور ابن ابی حاتم کی یہ کتاب حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی ہے
ایک موضوع پر دو حدیثیں مروی ہوں۔ راوی ہر دو کے ثقہ ہوں اور اتصال رواۃ
مجھے اپنی جگہ قائم ہو اور سند صحیح ہے تو ایسے موقعوں پر محدثین علل روایت میں چلے جاتے ہیں
علت کا پالینا ایک بڑی علمی مرتبہ ہے۔ عبدالرحمن بن مہدی اس کو الہام الہی سے تعبیر کرتے
تھے، پھر بھی کوئی حل نہ ملے تو ترجیح و تطبیق کی راہ لینے سے چارہ نہیں۔

ترجیح و تطبیق میں ائمہ کے مختلف اسلوب

شریعت تدریجاً تکمیل کو پہنچی ہے کئی امور جو پہلے جائز یا ناجائز تھے بعد میں ناجائز اور جائز قرار پائے سو اگر
کسی موضوع پر متضاد روایات ملیں تو پہلے جوابات ذہن میں آتی ہے یہ کہ دونوں میں سے ایک حکم پہلے دور کا
ہوگا جواب منسوخ ہو چکا یہ اس صورت میں ہے کہ دونوں کی تاریخ معلوم ہو سکے اور اگر عقلاً دونوں میں سے کسی
کو آگے پیچھے کیا جائے تو یہ نسخ اجتہادی ترجیح کے بعد لائق غور ہوگا
نسخ کی بات نہ کھلے تو پھر راجح کو دیکھا جائے وجہ ترجیح سامنے آنے سے ایک بات خود بخود کمزور دکھائی
دینے لگے گی ترجیح نہ دے سکیں تو نسخ اجتہادی سے کام لیں اسکے بعد تطبیق کی راہ ہے کہ ہر ایک کو جدا محل پر محمول کیا
جائے پھر بھی بات نہ بنے تو دونوں کو رہنے دیا جائے اور تساقل پر فیصلہ کر لیا جائے حنفیہ کے ہاں پہلے نسخ پھر ترجیح پھر
تطبیق اور پھر تساقل کی ترتیب ہے شافعیہ کے ہاں پہلے تطبیق پھر ترجیح اور پھر تساقل کا عمل ہوگا

واذا تعارض الحديثان ففي كتب الشافعية يعمل بالتطبيق ثم بالترجيح ثم بالنسخ ثم بالتساقل وفي
كتبنا يؤخذ أولاً بالنسخ ثم بالترجيح ثم بالتطبيق ثم بالتساقل العرف الشذی ص ۳۳

متون و اسانید

حدیث کی سب بڑی بڑی کتابیں صحاح ستہ ہوں یا مسند احمد، المصنف لعبد الرزاق، المصنف لابن ابی شیبہ، شرح معانی آثار و مشکل الآثار للطحاوی، مستدرک حاکم، سنن کبریٰ بیہقی وغیرہ اور دیگر کئی سنن و مسانید اور معاجم وغیرہ صرف احادیث text پر مشتمل نہیں۔ ان کی اسانید chain of transmitters کو بھی ساتھ لیئے ہوئے ہیں۔ صاحب کتاب اپنے سے لے کر اُوپر تک راویوں کا ایک سلسلہ بیان کرتا ہے اور کہتا ہے ان رواۃ کے ذریعہ یہ حدیث مجھ تک پہنچی ہے۔ حدیث کے طلبہ اس سند سے گزرنے کے بعد ہی اصل حدیث تک رسائی پاتے ہیں۔ اگر یہ نقل کرنے والے ثقہ اور معتمد علیہ ہوں تو حدیث لائق اعتماد ہو جاتی ہے اور یہ کمزور ہوں تو روایت کمزور ٹھہرتی ہے۔

راویوں کا نام دینے میں ایک یہ حکمت بھی تھی کہ جن لوگوں پر ان راویوں کے حالات زیادہ کھلے ہوں اُن کے لیئے ان راویوں کی مزید جانچ پڑتال کا دروازہ کھلا رہے ہو سکتا ہے کہ کسی راوی حدیث کے حالات خود صاحب کتاب پر نہ کھلے ہوں یا کھلے ہوں مگر کچھ پہلو مخفی رہ گئے ہوں اور وہ کسی اور شخص پر کھل جائیں جسے اس سے کسی اور جہت سے بھی واسطہ پڑا ہو۔

جرح و تعدیل

رواۃ حدیث کے حالات کو جاننا اور انہیں جان کر ان کی روایات کو قبول کرنا یا نہ کرنا ضروری ہے چونکہ ان کی روایت سے دین میں ایک چیز ثابت ہوگی۔ اس لیئے ضروری ہے کہ وہ خود قابل اعتماد ہوں۔ ورنہ شریعت میں اپنی طرف سے اضافہ کرنا ایک بڑا خطرناک اقدام ہوگا۔ اس اہم شرعی ضرورت کے لیئے راوی کے عیب معلوم کرنا اور انہیں آگے بیان کرنا اس غیبت میں شمار نہ ہوگا جسے شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔ راویوں کے نقائص بیان کرنا جرح کہلاتا ہے اور ان کی صفائی پیش کرنے کو تعدیل کہتے ہیں۔ کسی راوی پر جرح کرنے والے کون کون ہیں اور ان کے پاس وجوہ جرح کیا کیا ہیں اور تعدیل کرنے والے کون کون سے ہیں۔ وہ کس

مرتبے کے لوگ ہیں۔ یہ وہ امور ہیں جن سے جرح و تعدیل میں بحث ہوتی ہے۔
معلوم رہے کہ جس طرح پہلے دور میں ایک ایک راوی کی پڑتال کی جاتی تھی۔ اس دور
میں اب اس درجے کی محنت ضروری نہیں رہی۔ اب ہم ائمہ فن پر اعتماد کرتے ہوئے بھی کسی
حدیث کا صحیح حکم معلوم کر سکتے ہیں۔

ائمہ جرح و تعدیل

وہ محدثین کرام جنہوں نے راویوں کے حالات جانتے اور ان کے مراتب پہچانتے
میں وقت لگایا اور تحقیق حدیث میں تحقیق رواۃ ان کا خاص فن ٹھہرا نہیں ائمہ جرح و تعدیل کہا
جاتا ہے۔ ان کا صحیح تعارف ائمہ حدیث کے عنوان کے تحت آئے گا۔ اس وقت صرف یہ کہنا
کافی ہوگا کہ راویوں کے حالات میں زیادہ تر جن اماموں کے نام آتے ہیں۔ ان میں یہ حضرات
زیادہ معروف ہیں۔ امام شعبہ (۱۶۰ھ) امام وکیع (۱۷۰ھ) عبدالرحمن بن مہدی (۱۹۸ھ) سفیان (۱۹۸ھ)
یحییٰ بن سعید القطان (۱۹۸ھ) یحییٰ بن معین (۲۳۳ھ) علی بن المدینی (۲۳۴ھ) امام نسائی (۳۰۳ھ)۔

الفاظ الجرح والتعدیل

محدثین میں راویوں کی جرح و تعدیل کے لیے مختلف الفاظ رائج تھے اور ان الفاظ سے
ہی ہر ایک ہی جرح کا وزن معلوم ہوتا تھا۔ جس درجے میں کوئی راوی کمزور ہو اس کے مطابق
ہی اس کے لیے جرح کے الفاظ آتے ہیں۔ پہلے ہم الفاظ تعدیل ایک تدریج سے نقل کرتے ہیں۔
پھر الفاظ جرح ایک تدریج سے پیش کریں گے۔ جرح و تعدیل میں ائمہ کے اختلافات بھی ہیں۔
سوال ہے استفادہ اس فن کو جاننے سے ہی ہو سکتا ہے۔

تعدیل کے مختلف درجات

- ① — ثبتٌ حمیٌّ ، ثبتٌ حافظٌ ، ثبتٌ متقنٌ ، ثقةٌ ثقہ
- ② — ثقةٌ ، ثبتٌ ③ — صدوقٌ ، لا بأس بہ

④ — محلہ الصدق، جیدہ الحدیث، صالح الحدیث.

جرح کے مختلف درجات

- ① دجال، کذاب، وضاع، یضع الحدیث.
- ② متهم بالکذب.
- ③ متروک، یس بالثقة، سکتوا عنه، ذاهب الحدیث، فیہ نظر.
- ④ ضعیف جداً، ضغفہ، واد.
- ⑤ یس بالقوی، ضعیف، یس بحجة، یس بذاک، لین، سئ الحفظ، لایحتج بہ.

ان درجات میں پہلے اعلیٰ درجے کی تعدیل اور سخت درجے کی جرح ہے۔ پھر آہستہ آہستہ ان میں تدریجی کمزوری آتی گئی ہے۔ جس راوی کے بارے میں دونوں طرف سے تعدیل اور جرح دونوں کے الفاظ وارد ہوں۔ تو جرح و تعدیل دونوں کو سامنے لانا چاہیے۔ حافظ ابن کثیرؒ (۴، ۵، ۶) فرماتے ہیں:-

ظلم لا ینک ان تذکر اسوا ما تعلم وتکتم خیرہ۔^۱

ترجمہ: تیرے بھائی پر یہ تیرا ظلم ہوگا کہ اس کی کوئی بُری بات جسے تو جانتا ہو اُسے تو ذکر کرے اور اس کی اچھی بات جو تجھے معلوم ہو اسے تو چھپالے۔

لم یصح میں وضع نہیں

اگر کسی حدیث کے بارے میں لم یصح کے الفاظ وارد ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حدیث ضعیف یا موضوع ہے ہو سکتا ہے حسن ہو یا ضعیف ہو۔ من گھڑت (موضوع) نہ ہو۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۵۸۵۲) لکھتے ہیں:-

لا یلزم من کون الحدیث لم یصح ان یکون موضوعاً۔^۲

ترجمہ: کسی حدیث کے بارے میں لم یصح دیکھ کر حدیث ثابت نہیں ہوتی، کہنے سے لازم

نہیں آتا کہ وہ حدیث موضوع ہو۔

ان قول البخاری لا یصح لاینا فی الضعف والحسن۔

ترجمہ بخاری کا یہ کہنا کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔ اس حدیث کے ضعیف یا حسن ہونے کے منافی نہیں۔
ہاں ایسی کتاب جس میں موضوع روایات کا بیان ہو اس میں لم یصح کے الفاظ واقعی اس
کے حسن اور ضعیف ہونے کی بھی نفی کر دیتے ہیں لم یصح کے بعد اگر اس کا کسی درجے میں اثبات نہ ہو
تو اس کا مطلب واقعی ہوتا ہے کہ وہ روایت موضوع ہو۔

جرح وہی لائق قبول ہے جس کا سبب معلوم ہو۔

کسی کے بارے میں نیک گمان کرنے کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں لیکن بدگمانی کے
لیے دلیل ہونا لازمی ہے۔ بغیر دلیل کے کسی مسلمان کو برا سمجھنا یا ناقابل شہادت سمجھنا گناہ ہے۔ جس
راوی پر جرح کی گئی ہو اور اس جرح کا سبب بھی معلوم ہو اور وہ راوی واقعی اس سبب کا مورد
ہو تو وہ جرح معتبر ہوگی اور کسی ایسے راوی کی روایت مسترد کی جاسکے گی۔ ملا علی قاری علیہ رحمۃ ربہ
الباری لکھتے ہیں:-

التجريم لا يقتل ما لم يثبت وجهه بخلاف التعديل فانه يكفي فيه ان يقول
عدل او ثقة مثلاً۔

ترجمہ۔ وہ جرح جس کی وجہ واضح نہ ہو لائق قبول نہیں بخلاف تعدیل کے کہ اس
میں راوی کو عادل یا ثقہ جیسے الفاظ سے ذکر دینا ہی کافی ہے۔
صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے کتنے راوی ہیں جن پر جرح کی گئی ہے۔ جیسے عکرمہ مولیٰ ابن
عباس، اسماعیل بن ابی اوس، عاصم بن علی، عمرو بن مرزوق، سید بن سعید وغیرہم۔ مگر چونکہ وہ
جرح مفتر اور مبین السبب نہ تھی۔ اس لیے شیخین نے اسے قبول نہیں کیا۔ حافظ ابن صلاح
(۷۴۳ھ) لکھتے ہیں:-

وهكذا فعل ابوداود السجستاني وذلك دال على انه قد ذهبوا الى ان المجرم

لا یثبت الا اذا فرسببه ۛ

ترجمہ۔ ابرو او دال سجتانی نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ محدثین اسی طرف گئے ہیں کہ جب تک سبب جرح کی تفصیل نہ کی جائے۔ جرح ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔۔۔۔۔ امام نووی (۷۶۷ھ) لکھتے ہیں :-

لا یقبل الجرح الا مفسراً مبین السبب ۛ

ترجمہ جرح لائق قبول نہیں جب تک کہ اس کی تشریح واضح نہ ہو اور سبب جرح واضح نہ ہو۔ عاقل ابن ہمام الاسکندری (۸۶۱ھ) جن کے بارے میں فقہاء لکھتے ہیں کہ اجتہاد کے درجہ پر پہنچے ہوئے تھے۔ لکھتے ہیں :-

اکثر الفقہاء..... ومنہم الحنفیۃ..... والمحدثین علی انہ لا یقبل

الجرح الا مبتناً لا التعدیل ۛ

ترجمہ۔ اکثر فقہاء اور ان میں حنفیہ بھی ہیں اور محدثین سب اسی کے قائل ہیں کہ جرح جب تک واضح نہ ہو لائق قبول نہیں۔ تعدیل کے بارے میں یہ قید نہیں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ تعدیل کے لئے سبب کی ضرورت نہیں۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ تعدیل کرنے والا کوئی عامی آدمی نہ ہو۔ اس باب میں عالم معرفت رکھنے والا منصف اور ناصح قسم کا آدمی ہونا چاہیے۔ بحر العلوم (۱۲۲۵ھ) مسلم الثبوت کی شرح میں رقمطراز ہیں :-

لا بد للہذی ان یکون عدلاً عارفاً بأسباب الجرح والتعدیل وان یکون منصفاً ناصحاً ۛ

ترجمہ۔ تزکیہ اور تعدیل کے مدعی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ عادل ہو اسباب

جرح و تعدیل کو جاننے والا ہو اور انصاف پسند اور خیر خواہ قسم کا آدمی ہو

عاقل بدرالدین العینی (۸۵۵ھ) شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں :-

الجرح المہم غیر مقبول عند الحذاق من الاصولیین ۛ

ترجمہ جرح مبہم سمجھ دار علمائے اصول کے ہاں مقبول نہیں۔

یاد رہے کہ جرح کی وجہ وہیں تلاش کی جائیں گی جہاں اس کے مقابلے میں کوئی تعدیل موجود ہو لیکن جس راوی کے بارے میں کوئی تعدیل نہ ملے تو اس کے بارے میں جرح مبہم بھی قبول کر لی جائے گی اور جرح سے سبب کا مطالبہ نہ کیا جائے گا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:-

إذا اختلف العلماء في جرح رجل وتعديله فالصواب التفصيل فان كان المجرم والحالة هذه مفسراً قبل ولا عمل بالتعديل فاما من جهل ولم يعلم فيه سوى قول امام من ائمة الحديث انه ضعيف او متروك او نحو ذلك فان القول قوله ولا نطالب بتفسير ذلك^{۱۵}

ترجمہ: علماء جب کسی شخص کی جرح و تعدیل کے بارے میں مختلف رائے رکھتے ہوں تو صحیح راہ یہ ہوگی کہ اس کی تفصیل کی جائے۔ اگر جرح کی وجہ معلوم ہو تو اسے قبول کیا جائے گا۔ بصورت دیگر تعدیل پر عمل ہوگا۔ ہاں جو راوی مجہول ہو اور اس کے بارے میں کسی امام حدیث کے اس قول کے سوا کہ وہ ضعیف ہے یا متروک ہے یا اسی قسم کا اور کوئی لفظ ہو کوئی اور بات معلوم نہ ہو تو اس امام حدیث کی بات لائق تسلیم ہوگی اور ہم اس سے وجہ جرح کا مطالبہ کریں گے۔ حافظ ابن عبد البر مالکی ابو عبد اللہ المروزی سے نقل کرتے ہیں:-

كل رجل ثبت عدالته برواية اهل العلم عنه وحملهم حديثه فلن يقبل فيه تجريم احد جرحه حتى يثبت ذلك عليه بامرهم يحمل ان يكون جرحه فاما قولهم فلان كذاب فليس مما يثبت به جرح حتى يتبين ما قاله^{۱۶}

ترجمہ: ہر شخص جس کی عدالت اہل علم اس سے روایت لینے سے ثابت ہو اور وہ اس سے حدیث روایت کرتے ہوں تو اس کے بارے میں کسی کی جرح قبول نہ کی جائے گی جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اس کی وجہ جرح مخفی رہی تھی۔ صرف یہ کہنا کہ فلاں شخص کذاب ہے تو اس سے جرح ثابت

نہیں ہوتی جب تک کہ دعویٰ جرح واضح نہ ہو۔

جرح تعدیل پر مقدم ہے

تعدیل کے لئے بے شک نیک گمان کافی ہے لیکن جرح کے لئے سبب اور دلیل کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں جارج (جرح کرنے والے) کے پاس معلومات زیادہ ہوں گے۔ اگر وہ معلومات صحیح ہیں تو جرح تعدیل پر مقدم ہوگی۔ جرح کے وجوہ اگر معقول ہیں تو اسے ہر صورت میں تعدیل پر مقدم کیا جائے گا۔ گو معدلین کی تعداد زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔ اکثریت کی تعدیل سے وجوہ جرح غلط نہیں ہو جاتے۔ گو ان کا مدعی ایک ہی ہو بشرطیکہ اس کے پاس اس کی دلیل یا سبب موجود ہو۔

امام فخرالدین رازی (۵۶۰ھ) حافظ ابن صلاح (۶۴۳ھ) علامہ آمدی (۷۰۰ھ) اور علامہ ابن حاجب کی یہی رائے ہے کہ جرح تعدیل پر مقدم ہے۔ لیکن اگر جرح اس امام یا محدث سے منقول ہو۔ جو علماء فن کے ہاں جرح کرنے میں متشدد اور متعنت سمجھے جاتے ہوں تو فقط ان کی جرح سے ہم کسی راوی کو مجروح نہ کر سکیں گے ضروری ہوگا کہ کوئی اور جارج بھی اس کا ہمنوا ہو اور ان جارجین کے پاس اس کا کوئی واقعی سبب موجود ہو۔ وہ کون کون سے امام ہیں جن کے ہاں جرح میں شدت ہے۔ اس کا بیان آگے آئے گا۔

نوٹ

کبھی جرح مفسر پر بھی تعدیل مقدم ہو جاتی ہے۔ مثلاً یہ کہ جارج خود اس باب میں مجروح ہو یا اس وجہ سے کہ وہ جرح دوسرے وجوہ سے رد ہو چکی ہے۔ اس صورت میں تعدیل مقدم سمجھی جائے گی۔

متشدد کی جرح اکیلے کافی نہیں۔

جن ائمہ کا جرح کرنے میں تشدد و تعنت ہو ان کی تعدیل و توثیق بہت وزن رکھتی ہے۔

لیکن ان کی جرح زیادہ وزن نہیں رکھتی ہے۔ سو کسی راوی پر محض ان کی جرح سے فیصلہ ضعیف نہ کر لیا جائے۔ متشدد کی جرح اکیلے کافی نہیں ہوتی۔ جس راوی پر کسی متشدد کی جرح ہو۔ اس کی جرح کا حال دوسرے ائمہ سے معلوم کرنا چاہیے۔

ناقدین کے پہلے طبقے میں شعبہ (۱۶۰ھ) اور سفیان الثوری (۱۶۱ھ) کو لیجئے۔ شعبہ کو امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔ مگر جرح میں ذرا سخت ہیں۔ پھر یحییٰ بن سعید القطان (۱۹۸ھ) اور عبد الرحمن بن مہدی (۱۹۸ھ) کو لیجئے۔ یحییٰ میں سختی اور تشدد ملے گا۔ پھر یحییٰ بن معین (۲۳۳ھ) اور امام احمد (۲۴۱ھ) کو لیجئے۔ جو سختی یحییٰ بن معین کرتے ہیں امام احمد نہیں کرتے۔ پھر امام نسائی (۲۴۰ھ) اور ابن حبان (۳۵۴ھ) کو دیکھئے۔ امام نسائی ذرا سخت معلوم ہوں گے۔ ابو حاتم رازی (۲۴۵ھ) اور امام بخاری (۲۵۶ھ) میں ابو حاتم متشدد دکھائی دیں گے۔ ائمہ فن اسماء الرجال کی بحث میں راویوں کا حال لکھتے ہیں تو کہیں کہیں متشددین کی سختی کا ذکر بھی کر جاتے ہیں۔ طلبہ حدیث کو چاہیے کہ صرف کسی راوی پر جرح کا نام سن کر اسے ناقابل اعتماد نہ سمجھنے لگ جائیں جب تک تحقیق نہ کر لیں کہ جارحین کون کون ہیں اور کہتے ہیں۔ اسباب جرح واضح ہیں یا نہیں۔ اور یہ کہ کہیں کوئی متشدد جارح تو نہیں۔ ائمہ رجال کتب رجال میں کئی جگہ اس تشدد کا ذکر کر جاتے ہیں۔

امام نسائی (۲۴۰ھ) نے حادث اعمور سے استناد کیا۔ جسے بعض ائمہ ضعیف کہہ چکے تھے تو امام نسائی کے اس احتجاج کو محض اس لیے اہمیت دی گئی۔ کہ آپ جرح میں سخت واقع ہوئے تھے۔ سو اس روش کے محدثین جس سے روایت لیں اس کا کسی درجے میں اعتبار ضرور ہرنا چاہیے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی حادث اعمور کے بارے میں لکھتے ہیں :-

والنسائی مع تعنته في الرجال فقد احتج به

امام نسائی نے رجال میں اپنی سختی کے باوجود اس راوی سے احتجاج کیا ہے۔ اس کی روایت قبول کی ہے۔

حافظ عسقلانی اپنے رسالہ بذل الماعون فی فضل الطاعون میں بھی ایک راوی کے بارے میں جیسے امام نسائی اور ابو حاتم نے ثقہ کہا تھا اور کئی دوسروں نے ضعیف کہا۔ لکھتے ہیں :-

توثیق النساء دابی حاتم مع تشدد ہما۔۔۔۔۔ ابو حاتم کے متشدد ہونے کا آپ نے مقدمہ فتح الباری میں بھی ذکر کیا ہے۔ ابو حاتم نے تو امام بخاری پر بھی جرح کر دی ہے۔

ابن حبان کے تشدد فی الرجال کا ذکر بھی سنئے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ راویوں پر بھی جرح کر جاتے ہیں اور انہیں دیکھتے کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ سو اگر جرح کا لفظ دیکھتے ہی راوی سے جان چھڑالی جائے تو پھر آخر کون بچے گا؟ حافظ عسقلانی لکھتے ہیں۔

ابن حبان رہما جرح الثقة حتی کا نہ لا یداری ما یخرج من رأسہ۔

ترجمہ۔ ابن حبان کئی دفعہ ثقہ راویوں پر بھی جرح کر جاتے ہیں اور انہیں جانتے کہ ان کا ذہن کہ ہر جا رہا ہے۔

حافظ ذہبی بھی ابن حبان کے بارے میں کہتے ہیں ما اسرف واجترأ۔ ابن حبان نے بہت زیادتی کی ہے اور بڑی جسارت کی ہے کہ ثقہ راویوں کو بھی ضعیف کہہ دیا۔ ایک اور جگہ پر کہتے ہیں تقعق کعادۃ۔

شعبہ امیر المؤمنین فی الحدیث مانے جاتے ہیں۔ لیکن قبول روایت میں ان کی سختی دیکھئے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ تم فلاں راوی کی روایت کیوں نہیں لیتے؟ آپ نے کہا۔ رأیتہ یرکض علی بردون۔ (میں نے اسے ٹر کی گھوڑے دوڑاتے ہوئے دیکھا تھا)۔

آپ منہال بن عمرو کے ہاں گئے۔ وہاں سے کوئی ساز کی آواز سُنی۔ وہیں سے واپس آگئے اور صورت واقعہ کی کوئی تفصیل نہ پوچھی۔

حکم بن عتیبہ (ؓ) سے پوچھا گیا کہ تم زاذان سے روایت کیوں نہیں لیتے۔ تو انہوں نے کہا۔ کان کثیر الکلام۔ وہ باتیں بہت کرتے تھے۔

حافظ جریر بن عبد الحمید الضبی الکوفی نے سہاک بن حرب کو کھڑے ہو کر پیشاب کرتے

دیکھا تو اس سے روایت تھوڑی ہے۔

۱۔ مقدمہ فتح الباری جلد ۲ ص ۱۶۲ ۲۔ القول المرد فی الذب عن مسند احمد ص ۳، افراط ابن حبان (مقدمہ

فتح الباری جلد ۲ ص ۱۶۹) ۳۔ میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۴۳۲ ۴۔ میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۱۸۵ ۵۔ دیکھئے

الکفایہ فی علوم الروایہ للخطیب البغدادی ص ۱۱۱ لغایت ص ۱۱۲

اب سوچئے اور غور کیجئے کیا یہ وجہ جرح ہیں؟ جن کے باعث اتنے بڑے بڑے اماموں نے ان راویوں کو چھوڑ دیا۔ اگر اس قسم کی جرح سے راوی چھوڑے جاسکتے ہیں تو پھر آخر بچے گا کون؟ یہ سختی سب کے ہاں نہ تھی، سو طلبہ حدیث کو چاہیئے کہ محض جرح دیکھ کر ہی نہ اٹھیل پڑیں۔ سمجھنے کی کوشش کریں کہ جرح کی وجہ کوئی شرعی پہلو ہے یا صرف شدت احتیاط ہے اور پھر یاد رکھیں کہ متشدد کی جرح اکیلے کافی نہیں ہے۔

یہ مختصر قواعد حدیث ہر وقت ذہن میں رہنے چاہئیں۔ انسانی بساط اور عام بشری سوچ کے تحت جو احتیاطی تدابیر ہو سکتی تھیں وہ محدثین کرام نے طے کیں اور یہ اصول بھی تقریباً استقرائی ہیں جو ائمہ فن نے قواعد شریعت کی روشنی میں طے کیئے ہیں۔ ان میں کئی پہلو اختلافی بھی ہیں جن میں ائمہ کی رائے مختلف رہی ہے۔ لیکن یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ تنقید کے بنیادی اصولوں میں سب ائمہ فن متفق رہے ہیں۔ بلکہ بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں نے تحقیق روایات اور تنقیح اسناد میں دنیا کو ایک نئے علم سے آشنا کیا اور وہ اصول بتائے جن کی روشنی میں پچھلے پہلوں کی باتوں کے جائزہ طور پر وارث ہو سکیں اور ان کی صحت پر پوری طرح سے اعتماد کیا جاسکے۔

قواعد حدیث کی مستند کتابیں

ان دنوں اس موضوع پر زیادہ متداول کتابیں مقدمہ ابن صلاح اور شرح نخبۃ الفکر سمجھی جاتی ہیں۔ اصول حدیث کے یہ وہ متون ہیں جن پر آئندہ شرعیں لکھی گئیں۔ ابن صلاح نے ۷۲۳ھ میں وفات پائی۔ مؤخر الذکر کتاب نخبۃ الفکر اور اس کی شرح حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) کی تالیف ہیں۔ شرح نخبۃ الفکر کی ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) نے بھی شرح لکھی ہے۔ شرح الشرح کے نام سے معروف و مشہور ہے۔

قدما میں علی بن المدینی (۲۳۴ھ) امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) اور امام مسلم (۲۶۲ھ) نے اس طرف توجہ فرمائی۔ امام احمد نے اس پر کتاب العلل و معرقۃ احمدیث جس کا ابھی ذکر گزرا تالیف فرمائی۔ امام مسلم نے صحیح مسلم میں فن حدیث پر ایک عظیم مقدمہ تحریر فرمایا۔ پھر امام ترمذی (۲۷۹ھ)

نے کتاب العلل لکھ کر اس موضوع میں گرانقدر اضافہ کیا۔ حافظ ابن رجب حنبلیؒ (۷۹۵ھ) نے کتاب العلل کی عظیم شرح تحریر کی۔ ابو محمد عبدالرحمن بن ابی حاتم الرازیؒ (۲۲۷ھ) نے کتاب البحر والتعذیل لکھی جو حیدرآباد سے نو صدوں میں شائع ہوئی ہے۔ دارقطنیؒ (۲۸۵ھ) نے بھی کتاب العلل لکھی۔ آپ خود اسے مکمل نہ کر سکے۔ آپ کے شاگرد ابو بکر البرقانیؒ نے اُسے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ حافظ شمس الدین سخاویؒ (۹۰۲ھ) نے اس کی ایک تلخیص لکھی جس کا نام ”بلوغ الامل تلخیص کتاب الدارقطنی فی العلل“ پھر خطابیؒ (۲۸۸ھ) ابن حزم (۴۵۷ھ) خطیب بغدادیؒ (۴۶۳ھ) حافظ ابن عبدالبرؒ (۴۶۳ھ) اور امام بغویؒ (۵۱۶ھ) عبدالرحمن بن الجوزیؒ (۵۹۷ھ) نے اپنی تصنیفات میں اصول حدیث پر گرانقدر تنقیحات کیں۔ یہاں تک کہ چھٹی صدی ہجری میں یہ فن ایک جامع شکل میں مرتب ہو گیا اور حافظ ابن صلاح (۶۴۲ھ) نے اس فن میں مقدمہ ابن صلاح لکھ کر اہل علم سے اپنا لوہا منوایا۔ اس کتاب کی مرکزی حیثیت آج تک مسلم علیٰ آرہی ہے۔ پھر آٹھویں صدی ہجری میں حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) ابن قیم جوزیؒ (۷۵۱ھ) خطیب تبریزی صاحب مشکوٰۃ (۷۴۳ھ) حافظ جمال الدین زمیعیؒ (۷۶۲ھ) اور حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) نے اس موضوع پر بیش بہا کام کیا۔ علامہ جرجانیؒ (۸۱۶ھ) نے مختصر البحر جانی میں اور ابو زرؒ (۸۲۶ھ) نے لکھ کر اس باب میں حجت پوری کر دی۔

پھر حافظ ذہبیؒ (۸۴۸ھ) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۶ھ) حافظ بدر الدین عینیؒ (۸۵۵ھ) حافظ ابن ہمام اسکندریؒ (۸۶۱ھ) اپنے دور میں اس فن کے امام تھے۔ لیکن جو مقبولیت اور شہرت حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی شرح نہجۃ الفکر کو ہوئی وہ ایک الہی مقبولیت کا نشان ہے۔ دنیا کے تمام مدارس حدیث میں یہ کتاب داخل نصاب ہے اور متعدد علمائے کرام نے اس کی شرح لکھی ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں بھی اس موضوع پر شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) کا رسالہ جو لمعات التبیح کے شروع میں ہے مولانا عبدالحی لکھنویؒ (۱۳۰۴ھ) کی کتاب البحر والتکمیل اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ (۱۳۰۴ھ) کی قواعد علم الحدیث اس فن کی مستقل کتابیں ہیں۔

اس فن کے مختصر سے تعارف کے بعد اب ہم مختلف اقسام حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

اقسام حدیث

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى. اما بعد :-

حدیث وہ آسمانی روشنی ^{Divine guidance} ہے۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے ودیعت کی گئی۔ اس کا مصدر رب العالیٰ ہے۔ قرآن کریم بھی اللہ رب العزت نے اتارا اور یہ روحانی روشنی بھی اللہ تعالیٰ نے ہی حضور کے دل میں اتاری۔ آنحضرتؐ نے اسے اپنے الفاظ ^{Words} اپنے عمل ^{Actions} یا اپنی تائید ^{Confirmation} سے آگے پھیلا یا۔

حدیث میں کوئی تقسیم قرن اول میں نہ تھی۔

آنحضرتؐ نے اپنی زبان مبارک سے حدیث کی کسی طرح تقسیم نہیں کی۔ نہ آپ کے صحابہ نے آپ کی تعلیم کو کسی تقسیم میں اتارا۔ تاہم اس پہلے دور میں یہ بات مسلمانوں میں مسلم تھی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ تعلیمات خواہ وہ کسی قسم کے تحت آتی ہوں سب الہی ہدایت ہیں اور سب حنیاف رسالت سے مستنیر اور جملہ عالم کے لیے جلوہ فگن اور فیض رساں ہیں۔ تعلیمات محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بجز خار میں جس سے کوئی پایا آج تک واپس نہیں لوٹا۔ علماء اصول اترے اور سہولت فہم کے لیے انہوں نے ان کے انواع و اقسام پر غور کیا۔ پھر اسناد ^{Chain of transmitters} کے کچھ حالات بھی ان کے سامنے آئے۔ تو انہوں نے مختلف جہات سے اس الہی ہدایت اور رشد ہدایت کا استقرار فرمایا اور علماء

کے لیے مختلف اقسام حدیث تعیین کر دیں۔ یہ اقسام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی تقسیم سے نہیں۔ ائمہ فن کی تقسیم اور تفصیل سے طے ہوئیں ہیں۔ آج کی مجلس میں انشاء اللہ اسی موضوع پر گفتگو ہوگی۔

ہر فن میں اُس کے ماہرین پر اعتماد

کوئی شخص کسی فن میں جب تک مجتہد نہ ہو۔ اسے اس فن کے ماہرین کی پیروی کرنی پڑتی ہے۔ شرائط اجتہاد پورا کیے بغیر خود مجتہد بن جانا چہشمہ تحقیق کو گدلا کرنا ہے۔ حدیث کے متن Text اور اسناد chain کے مختلف پہلوؤں پر علماء حدیث جب گفتگو کرتے ہیں۔ تو ائمہ فن کی پیروی کرتے ہوئے بات کرتے ہیں۔ اس فن میں ائمہ اور مجتہدین وہی حضرات ہیں۔ جنہوں نے اس فن پر اصولی گفتگو کی۔ ان اصولوں کو قرآن و حدیث سے استنباط کیا۔ ان پر علمی بحثیں کیں۔ اختلافات پیدا کیے اور حل کیے اور علماء امت نے اس باب میں انہیں امام اور مقتدار تسلیم کیا۔

ہر اصطلاح، قسم حدیث اور اس کے حکم کے بارے میں ہر شخص درست اور نادرست کی بحث شروع کر دے تو ہر عنوان اور پھر ہر قسم خود مستقل موضوع بن جائیں گے اور اصل بات ان ضمنی مباحث میں کھو جائے گی۔ سو ضروری ہے کہ قواعد حدیث بطور اصول مسلمہ قبول کر لیں جائیں۔ زندگی کے ہر باب میں اہل فن کی تقلید ہوتی چلی آئی ہے۔ کسی امام فن کی بات کو اس اعتماد پر قبول کر لینا کہ وہ اصول کے مطابق بتلا رہا ہے اور اس کی دلیل کی بحث میں نہ پڑنا غیر مجتہد کی اساس عمل ہے۔ جس پر وہ ہر دائرہ زندگی میں عمل کرتا ہے علماء حدیث جب کسی حدیث پر گفتگو کرتے ہیں۔ تو ان قواعد پر اعتماد کر کے چلتے ہیں جو محدثین نے فن حدیث میں مجتہدانہ کاوشوں سے قائم کیے ہوئے ہیں اور ان پر فنی بحث اپنے وقت میں کافی درانی ہو چکی ہے۔ اس تجربہ اور معرفت کے نتیجے میں احادیث مختلف قسموں میں تقسیم ہوئی ہیں۔ حدیث کا تعلق چونکہ زیادہ تر اعمال ان کے مسائل اور پھر فضائل سے ہے۔ اس لیے حدیثیں ہر باب کی مناسبت اور ضرورت کے مطابق مختلف پیانوں میں قبول ہوتی

رہی ہیں۔ صرف عقائد ایسا موضوع تھا جس میں قطعی دلائل کی ضرورت تھی۔ سو یہ مختلف وجوہ اقسام حدیث کے زیادہ پھیلاؤ کا موجب ہوئے۔ اور مختلف جہات سے حدیث کی مختلف قسمیں سامنے آئیں۔

تقسیم حدیث کے مختلف اعتبارات

متن کے لحاظ سے علماء اسے باعتبار متکلم، باعتبار علم، باعتبار نوع، باعتبار مضمون مختلف قسموں میں تقسیم کرتے ہیں اور سند و رواۃ کے لحاظ سے وہ حدیث کی اور قسمیں بتلاتے ہیں۔ پھر حدیث کے لائق قبول نہ ہونے کے اعتبار سے بھی اس کی کچھ اقسام ہیں اور اس سلسلے میں ہر باب کی کچھ تفصیل ہے۔ ابتدائی تعارف کے لئے ہم ان مختلف اقسام کو ان عنوانوں کے ذیل میں بیان کرتے ہیں۔ مضمون خشک صحیح لیکن توجہ کا مستحق ضرور ہے اور غور کیا جائے تو اس کے تحت بھی علوم کی بہت نہریں بہتی ملیں گی۔

تقسیم حدیث

①	باعتبار علم	حدیث متواتر، خبر مشہور، خبر عزیز، خبر واحد،
②	باعتبار رواۃ	صحیح، حسن، ضعیف،
③	باعتبار نوع	قولی، فعلی، تقریری،
④	باعتبار متن	حدیث قدسی، حدیث مرفوع، حدیث موقوف،
⑤	باعتبار سند	متصل، مرسل، منقطع، معلق،
⑥	باعتبار علت	منکر شاذ اور معلول،
⑦	باعتبار موضوع	حدیث شرعی اور حدیث دنیوی،

پیشتر اس کے کہ ہم ان مختلف اقسام پر بحث کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ایک اصولی مسئلے پر گفتگو ہو جائے۔ یہ ایک نہایت اہم بحث ہے۔

تقسیم حدیث باعتبار علم کا عنوان آپ کے سامنے آچکا ہے۔ کسی خبر سے آپ کو

کس درجے کا علم حاصل ہو رہا ہے یہ اس کا موضوع ہے۔ اگر آپ کو اس خبر سے علم یقین حاصل ہو رہا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ اس کا خلاف ظاہر ہو تو یہ درجہ علم اور ہو گا اور اگر اس خبر کے باوجود کسی درجے میں ظنیت رہی تو ظاہر ہے کہ اس سے علم یقین حاصل نہ ہوا اور یہ خبر مفید علم یقین نہ رہی۔ پھر اس میں بھی تفصیل ہو گی کہ ظنیت کس درجے میں ہے؟ پھر اس میں سے بھی ہر ایک کے احکام مختلف ہوں گے۔

عقائد کے باب میں حدیث سے متشک

اسلام میں سب سے زیادہ اہم بات عقائد کی ہے۔ عقائد کے گرد ہی شریعت کا پورا دائرہ کھچتا ہے۔ عقائد صحیح ہوں تو اعمال صالحہ بھی قبولیت پائیں گے۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ کسی عمل کا کوئی وزن نہ ٹھہرے۔

جس قدر موضوع اہم ہو اس کے مناسب اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ عقائد اسلام کے اہم ترین ابواب ہیں۔ سو ان کے لئے مضبوط ترین دلائل کی ضرورت ہو گی۔ عقائد کے باب میں حدیث سے متشک صرف اسی صورت میں ہو سکے گا کہ وہ کم از کم خبر عزیز کے درجہ میں ہو۔ خبر واحد سے اگر کوئی عقیدہ بنے گا تو اسی درجہ کا کہ اس کا منکر کافر نہ ٹھہرے۔ عقائد قطعیہ کے لئے دلائل بھی قطعی درکار ہوتے ہیں۔ اسلام کے بنیادی عقائد وہی ہو سکتے ہیں جو یا قرآن کریم سے قطعی الدلالت طریق سے ثابت ہوں یا کوئی حدیث متواتر انہیں ایسی دلالت اور وضاحت سے پیش کرے۔ جس میں کسی دوسرے معنی کو دخل نہ ہو۔ گویا تو اتر لفظی نہ ہو معنوی ہو۔ اس تو اتر کے انکار کی بھی اسلام میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ محدث کبیر ملا علی القاری لکھتے ہیں:-

ولا يخفى ان المعتبر في العقائد هو الالة اليقينية والاحاديث

الاحاد لو ثبتت اما تكون ظنية اللهم الا اذا تعدت طريقة

بحيث صار متواتراً معنوياً فحينئذ قد يكون قطعياً^۱

ترجمہ۔ اور مخفی نہ رہے کہ عقائد کے لئے اعتبار دلائل یقینیہ کا ہی ہوتا ہے اور احادیث احاد اگر صحیح ثابت بھی ہو جائیں تو ظنی ہی رہیں گی۔ ہاں اگر ایک مضمون متعدد احادیث (یا کثرت طرق) سے ثابت ہو کہ متواتر معنوی ہو جائے تو اس صورت میں یہ دلیل بھی قطعی ٹھہرے گی۔

اب حدیث کی مختلف قسموں کا بیان لیجئے۔

یہ بات پہلے آپ کی ہے کہ علم دلائل یقینیہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کے لئے ظنی امور کافی نہیں ہو سکتے۔ اس بات کے لئے کہ کوئی خبر علم و یقین تک پہنچے اور اس کا انکار ممکن نہ رہے دلیل متواتر کی ضرورت ہوتی ہے۔ سو سب سے پہلے حدیث متواتر کا درجہ ہے اور یہاں پہلے اسی کی تعریف کی جاتی ہے۔

حدیث متواتر

متواتر وہ حدیث ہے جس کو ابتداء سند سے لے کر آخر شد تک ہر زمانہ میں اتنے لوگوں نے بیان کیا ہو کہ انکا جنوٹ پر متفق ہونا عادتہ محال نظر آئے اور سند کی انتہا ایسی چیز پر ہو جس کا تعلق محسوسات سے ہو۔ نظروں کے علم یقینی حاصل نہیں ہوتا ہے یہ حدیث متواتر سے حاصل ہوتا ہے۔ قرآن پاک بھی تواتر سے امت تک پہنچا ہے اور علم یقین کا درجہ رکھتا ہے۔

قرآن پاک کی ایک ایک آیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ یہ بات کہ موجودہ قرآن وہی کتاب ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سامنے پیش کی تھی قطع و یقین سے ثابت ہے۔ جو موجودہ قرآن کا منکر ہے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ہی منکر ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص موجودہ قرآن میں تو شک کرے کسی اور قرآن کا منتظر رہے اور پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سچا پیغمبر ماننا ہو۔ جو یہ کہے کہ قرآن کریم میں معاذ اللہ عام انسانی ہاتھوں نے کمی کر ڈالی ہے اور قرآن کریم میں کمی بیشی کر دی گئی ہے۔ وہ کیسے مسلمان ہو سکتا ہے؟

قرآن کریم متواتر طبقاتی ہے۔ ہر طبقہ امت نے اسے اپنے سے پہلے طبقے سے اسی طرح قبول کیا ہے۔ اب اس میں کسی شک و تردید کی گنجائش نہیں ہے۔ جو اس میں شک کرتا ہے وہ اسلام میں ہی شک کرتا ہے۔ اس کتاب کے ”وہ کتاب“ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ جو آخری زمانہ کے لئے دسادیز ہدایت تھی۔ خود قرآن پاک میں ہی ہے۔

ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ۔ وہ کتاب نہیں کوئی شک اس میں۔

امہ شہرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو حدیثیں تواتر کے ساتھ منقول ہیں۔ ان کی تکذیب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہے۔ سو حدیث متواتر سے ثابت ہونے والے جملہ امور پر ایمان لانا ضروری ہے اور ان میں سے کسی کا انکار کفر ہے۔ اُن میں سے کسی ایک کا انکار بھی کر دیا جائے تو انسان مسلمان نہیں رہتا۔ ایمان حضور کو آپ کی جملہ تعلیمات میں سچا ماننے کا نام ہے۔ ایمان کے لئے آپ کی سب تعلیمات کو ماننے کی قید ہے۔ کفر کے لئے کسی ایک کا انکار بھی کافی ہے۔

تواتر کی مختلف قسمیں

تواتر کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ تواتر لفظی۔ ۲۔ تواتر معنوی۔

تواتر لفظی بہت کم احادیث میں ہے۔ ہاں اگر حدیثوں کے الفاظ مختلف ہوں لیکن ان سب میں بات ایک ہی کہی گئی ہو تو اس قدر مشترک کا تواتر بھی بہر حال قائم اور ثابت ہوگا یہ تواتر معنوی ہے۔ کافی حدیثی مواد تواتر معنوی کے درجے کو پہنچتا ہے۔

”حدیث متواتر کے بکثرت موجود ہونے کی روشنی دلیل یہ ہے کہ کتب احادیث جو علماء مصر میں متداول ہیں ان کا انتساب جن مصنفین کی طرف کیا جاتا ہے۔ یہ نسبت ایک یقینی امر ہے۔ پس اگر یہ مصنفین انہی کتابوں میں متفق ہو کر ایک حدیث کو اتنے رواۃ سے روایت کریں، جن کا جھوٹ پر اتفاق عاۃً ناممکن ہو تو بلا شک یہ حدیث متواتر ہوگی اور قائل کی طرف اس کا انتساب مفید علم یقینی ہوگا اور یہ بات ظاہر ہے کہ اس قسم کی حدیثیں کتب مشاہیر میں بکثرت موجود ہیں“ ۱

حدیث لائبنی بعدی

حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قصر نبوت کے ذکر میں بھی، انبیاء بنی اسرائیل کے ذکر میں بھی، تیس و جانوں کی پیشگوئی میں بھی، دیگر انبیاء کرام پر اپنے خصائص بیان کرتے ہوئے بھی، مبشرات خواب کے جاری رہنے کے ذکر میں بھی، حضرت علیؓ کو ہارون اُمت کہتے ہوئے بھی عیسیٰ بن مریم کی دوبارہ تشریف آوری کی خبر دیتے ہوئے بھی اور دیگر کئی مواقع پر بھی یہ بات کہی کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہو گا۔ لائبنی بعدی۔ اب اس حدیث کا انکار کفر نہیں تو اور کیا ہو گا۔ یہ حدیث ان پہلوؤں سے یقیناً درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ لائبنی بعدی کے کلمات لفظاً بھی متواتر ہیں۔

حدیث نزول عیسیٰ بن مریم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر حضرت عیسیٰ بن مریم کے نزول کی خبر دی تھی۔ یہ صرف کسی ایک موقع پر کہی گئی بات کا حاصل نہیں، بلکہ متعدد روایات کی قدر مشترک ہے۔ سو یہ حدیث بھی متواتر معنوی ہے۔ علامہ عاقل ابن کثیر (۴، ۵) لکھتے ہیں:-
وقد تواترت الاحادیث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه اخبر
بنزول عيسى عليه السلام قبل يوم القيمة اماما عادلا وحكما مقسطا.
ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث تواتر کے ساتھ منقول ہیں۔
آپ نے خبر دی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت سے پہلے نازل ہوں گے
امام عادل کی حیثیت سے اور انصاف کرنیوالے حکم کے طور پر۔

والاجماع على انه حي في السماء وينزل يقتل الدجال ويؤيد الدين (الوجيز)

۱۔ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۴۸ صحیح بخاری جلد ۵ ص ۵۵۵ مسند احمد جلد ۲ ص ۲۹۸ جامع ترمذی جلد ۲ ص ۵۵۵ صحیح بخاری جلد ۴ ص ۴۹
۲۔ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۹۸ مسند احمد جلد ۲ ص ۲۹۸ جامع ترمذی جلد ۲ ص ۵۵۵ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۹۸ صحیح بخاری جلد ۴ ص ۴۹
۳۔ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۲۳۲ فتح الباری جلد ۲ ص ۲۳۲ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۹۸ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۲۳۲

علامہ عبدالعزیز فرہاروی شرح عقائد کی شرح میں لکھتے ہیں :-
 والاحادیث فی ذلک کثیرۃ متواترۃ المعنیۃ۔ اور ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :-
 ان حیاۃ عینی ثابت بالاحادیث المتواترۃ۔ بیشک حیات مسیح احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔
 حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اس ائمہ حدیث و تفسیر کا اتفاق نقل کیا ہے :-
 واما رفع عینی فاتفق اصحاب الاخبار والتفسیر علی انه رفع بید نہ حیا۔
 ترجمہ۔ اصحاب حدیث و تفسیر کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عیسیٰ اپنے
 جسم سمیت زندہ اٹھائے گئے تھے۔

صحیح مسلم کی شرح اکمال اکمال المعجم میں بھی حدیث نزول کو متواتر مانا گیا ہے۔
 اذ لا بدّ من نزوله لتواتر الاحادیث بذلك۔ جلد ۲۵ ص ۲۵
 محدث جلیل علامہ طاہر فتنی لفظ حکم کے تحت لکھتے ہیں :-
 ویجئ اخر الزمان لتواتر خبر النزول۔ مجمع البحار جلد ۲ ص ۲۸۶

قطع الثبوت کی دلالت

جو امور شریعت میں قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہیں۔ اگر ان کی اپنے مدعا پر دلالت
 بھی قطعی ہے تو وہ امور قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہوں گے اور ان کا منکر یقیناً کافر
 ہو گا۔ لیکن قطعی الثبوت امور کی اپنے مدعا پر دلالت اگر قطعی ہو اور اس میں کسی اور معنی کی
 بھی گنجائش ہو تو اس صورت میں یہ دلیل قطعی بھی مفید ظن رہے گی۔ یہ معاملہ صرف حدیث متواتر
 تک محدود نہیں۔ قرآن کریم کے احکام میں بھی باعتبار معنی اگر کہیں اختلاف کی گنجائش ہو تو اس
 میں بھی صحیح بات کا منکر صرف گمراہ کہا جائے گا اسے کافر نہ کہہ سکیں گے۔ کیونکہ اس قطعی الثبوت
 بات کی دلالت میں طعنیت آگئی ہے۔ جس سے حکم بدل گیا ہے۔

دلالت میں قطعیت تواتر معنی سے بھی آجاتی ہے اور کبھی امت کا اجماع بھی اس
 کے معنی کو قطعی کر دیتا ہے۔ علامہ شاطبیؒ نے اس موضوع پر ایک نہایت نفیس بحث کی ہے لکھتے ہیں :-

لہٰذا من اس ص ۲۵ مطبوعہ ملتان ۲۸۵ ص ۲۸۵ تلخیص البحر جلد ۲ ص ۲۱۴ اس سے پہلے یہ الفاظ بھی لکھے ہیں :-

ورفع عینی علیہ السلام الی السماء۔ سو رفع بید نہ حیا سے رفع الی السماء ہی مراد ہے۔ جو بدن سے ہوا۔

وامنا الادلة المعتبرة ههنا المستقرة من جملة ادلة ظنية
تضافت على معنى واحد حتى افادت فيه القطع فان
للاجتماع من القوة ما ليس للانفراد ولا جله افاد التواتر القطع
وهذا نوع منه. فاذا حصل من استقراء ادلة المسألة مجموع
يفيد العلم فهو الدليل المطلوب وهو شبهه بالتواتر المعنوي
ترجمہ۔ جن دلائل کا یہاں اعتبار ہے وہ اس طرح کے ہیں کچھ ادلہ ظنیہ کے
استقراء سے ایک معنی واحد پر آجمع ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی قطعیت
آگئی ہے۔ دلائل کے ایک موضوع پر مل جلنے سے ان میں وہ قوت آ
جاتی ہے جو ان کے علیحدہ علیحدہ ہونے میں نہ تھی اور اسی لئے تو اتر بھی
قطعیت کا فائدہ بخشا ہے اور یہ بھی اسی کی ایک قسم ہے۔ جب کسی مسئلہ
کے دلائل کا استقراء کرتے ہوئے ایسا مجموع حاصل ہو جائے۔ جو یقین کا
فائدہ دے تو وہ دلیل اس باب میں مطلوب ہے۔ اور یہ تو اتر معنوی
کی ہی طرح ہے۔

دلائل اپنے اپنے مقام پر گواہاں اعداد ہوں۔ لیکن ان کا مجموعی مفاد ضرور یقین
کا فائدہ بخشا ہے۔ مثلاً :-

① آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ بن مریم
دوبارہ تشریف لائیں گے۔ یہ بات اپنی جگہ واضح تھی۔ عیسیٰ بن مریم کے شخص میں امت
میں کبھی کوئی اختلاف پیدا نہ ہوا تھا۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وضاحت بھی فرمادی تھی
کہ وہی عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے جو مجھ سے پہلے آئے تھے اور میرے اور ان کے مابین
کوئی نبی نہیں گزرا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا :-
ليس بيني وبينه يعني عيسى عليه السلام نبى وانه نازل به

واجعت الامة على ما تضمنه الحدیث المتواتر ان عيسى في السماء حي وانه ينزل في اخر الزمان

اس سے پتہ چلا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم کے آنے کی خبر جس طرح تو اتر معنی سے یقینی درجہ رکھتی ہے۔ اس کی دلالت بھی اپنے مدعا پر اسی طرح واضح اور قطعی ہے جہاں تک حدیث لابی بعدی کی دلالت کا تعلق ہے۔ قاضی عیاضؒ (۵۴۲ھ) کا بیان اس باب میں بہت واضح ہے۔

لأنه أخبرناہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ولا نبی بعده و
انجز عن اللہ تعالیٰ انه خاتم النبیین واجعت الامة علی حمل هذا
الکلام علی ظاہره وان مفہومہ المراد به دون تاویل ولا تخصیص
فلا شک فی کفره هؤلاء الطوائف کلہا قطعاً اجماعاً سمعاً ۱۰

ترجمہ یہ اس واسطے کہ حضورؐ نے خود فرمایا ہے کہ آپؐ خاتم النبیین ہیں اور یہ کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا اور خدا کی طرف سے بھی حضورؐ نے یہی بتلایا کہ آپؐ خاتم النبیین ہیں اور امت کا اتفاق ہے کہ یہ آیت اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے اور جو اس کا مفہوم ظاہری لفظوں سے سمجھ میں آ رہا ہے وہی اس میں بغیر کسی تاویل و تخصیص کے مراد ہے۔ پس ان لوگوں کے کفر میں قطعاً کوئی شک نہیں جو اس معنی کا انکار کریں۔

حضرت امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) کی تصریح بھی سن لیجئے :

ان الامة فحقت بالاجماع من هذا اللفظ ومن قرائن احواله انه
افلہم عدم بنی بعده ابداً او عدم رسول بعده ابداً وانہ لیس
فیه تاویل ولا تخصیص ۱۱

ترجمہ۔ امت نے اس لفظ خاتم النبیین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و قرائن سے یہی سمجھا یا ہے کہ آپؐ کے بعد نہ کوئی نبی ہوگا اور نہ کوئی رسول۔ اس مسئلہ ختم نبوت میں نہ کسی تاویل کی گنجائش ہے اور نہ کسی قسم کی تخصیص ہے۔

یہ گمان نہ کیا جائے کہ اس طرح کا تواتر اور یقین تو چند امور کو ہی حاصل ہو گا۔ ان کے ماسوا جو امور ہیں وہ تو سب ظنی ہوں گے۔ پھر ان کا اعتبار کیسے کیا جائے۔
 جو اباً عرض ہے کہ اصول دین تو واقعی سب قطعی ہونے چاہئیں اور یہ صحیح ہے کہ اسلام سب اصول دلائل قطعیہ یقینہ سے ثابت ہیں۔ لیکن فروع میں اگر کہیں باعتبار ثبوت یا باعتبار دلالت ظنیت آجائے تو اس کا کوئی نقصان نہیں ہے۔

فروع میں ظنیت آجائے تو حرج نہیں

حدیث کبیر حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-
 فروع میں اگر ظنیت ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس کی مثال بالکل قانونی دفعات کی سمجھئے۔ قانون کے الفاظ اپنے اجمال کے ساتھ قطعی ہوتے ہیں اور اس کی ضمنی دفعات و تشریحات بسا اوقات ظنی ہوتے ہیں۔ اس لئے ان میں ہر عدالت کو اختلاف کرنے کی گنجائش مل جاتی ہے۔ امام شاطبی نے مقدمات کتاب کے پہلے مقدمہ میں اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے پس فروعی مسائل کے ظنی ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔ نہ ان مسائل کے تسلیم کرنے سے دین کی بنیاد کا ظنی ہونا ثابت ہوتا ہے بلکہ

حدیث کے ظنی الثبوت ہونے پر تشویش کرنے والوں کو سوچنا چاہیئے کہ قرآن کا ایک ایک حرف اگرچہ متواتر ہے۔ لیکن اس کے باوجود جو مسائل اس سے مستنبط ہوتے ہیں ان میں سے ایک ایک کے قطعی اور یقینی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا بہت سے مسائل ایسے ہوں گے جو گو قرآن سے مستنبط ہوں۔ لیکن ان کی دلالت اپنے مدلول پر ظنی ہو تو اگر احتمال ظن سے حدیث چھوڑی جاسکے گی۔ تو کیا اسی راہ سے قرآن کے بہت سے مسائل بھی پادر ہوا نہ ہو جائیں گے۔ فرق رہ جائے گا تو صرف یہی کہ حدیث میں ظن ثبوت سے آرہا ہے اور ان قرآنی احکام میں دلالت کی راہ سے باقی رہا نتیجہ سو وہ صاف ہے۔

علامہ شامیؒ (۹۰، ص) فرماتے ہیں :-

کسی متواتر کا قطعیت کو مفید ہونا اس پر موقوف ہے کہ اس کے جمیع مقدمات بھی متواتر ہوں۔ لیکن اگر اس کے مقدمات قطعی ہیں تو وہ پھر ظن ہی کو مفید ہوگا۔ مثلاً ہر کلام کا سمجھنا لغت اور نحو یوں کی رائے پر بھی موقوف ہے۔ پس اگر کسی مسئلہ نحوی میں نحو یوں کی رائے مختلف ہے یا کسی لغت میں اہل لغت کا اختلاف ہے تو اس اختلاف کا اثر اس متواتر کلام کے مفہوم پر بھی ضرور پڑتا ہے۔ کیوں کہ جن امور پر اس کلام کے مفہوم کا سمجھنا موقوف ہے۔ جب وہی قطعی ہیں تو پھر اس کلام کو مفید قطع کیے سمجھا جاسکتا ہے۔

ہاں جہاں ثبوت اور دلالت دونوں قطعی ہو جائیں تو ان متواترات دین کا انکار کہیں نہیں کیا جاسکتا۔ نہ تواتر اسناد کا نہ تواتر معنی کا، نہ تواتر طبقہ کا، نہ تواتر تعامل کا، نہ تواتر قدر مشترک کا۔ کسی تواتر سے ثابت ہونے والے کسی دینی مسئلے کا انکار جائز نہیں۔ ہاں تواتر قدر مشترک سے ثابت ہونے والے مسئلے میں ضرور کچھ تفصیل کی گنجائش ہے کہ اگر مسئلہ نظری ہو تو ہو سکتا ہے کہ اس کا انکار کفر نہ ہو۔ لیکن اگر مسئلہ بدیہی ہے تو وہ اپنے مفہوم میں عام فہم ہے سوا اس کا منکر کافر ٹھہرے گا۔ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری فرماتے ہیں :-

والتواتر عندی ایضاً علی اربعہ اقسام احدھا تواتر الاسناد... وھذا التواتر تواتر الحدیث والثانی تواتر الطبقة... وھذا تواتر فقہاء وتواتر التعامل... وھذا التواتر قریب من التواتر الثانی ومثالی ھذا تواتر العمل برفع الیدین عند الركوع وتركه فانه عمل به غیر واحد فی القرآن ثلاثۃ والرابع تواتر القدر المشترك... وحکم الثلاثۃ الاول تکفیر جاحدہ ولما الرابع فان کان ضروریاً فکذلک وان کان نظریاً فلا ۛ

(ترجمہ) اور میرے نزدیک تواتر کا چار قسم ہیں ۱۔ تواتر اسناد سے تواتر محدثین بھی کہتے ہیں تواتر طبقہ سے تواتر فقہاء کہتے ہیں ۲۔ تواتر تعامل اور ہم تواتر قدر مشترک پہلے تواتر یہ ہے کہ انکار منکر کافر ٹھہرے ہے چوتھے تواتر کا موضوع اگر ضروریات کے درجے میں ہے تو وہ بھی اسی حکم میں ہے اور اگر نظری درجے کا ہے تو اسے منکر کو کافر نہ کہا جائیگا۔

تواتر کی ایک قسم تواتر سکوتی

مقدمہ منطابہر حق میں تواتر کی بحث میں ایک قسم تواتر سکوتی بھی بتلائی گئی ہے کہ ایک شخص نے ایک بات نقل کی اور دیگر حضرات نے اس پر سکوت کیا اور پھر وہ بات اتنی مشہور ہوئی کہ تواتر کے درجے میں آگئی۔ احقر کے نزدیک اس میں یہ احتمال باقی رہے گا کہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اس پر اس لئے سکوت کیا ہو کہ وہ خبر واحد کو لائق قبول سمجھتے تھے اور خبر واحد کے طور پر ہی اسے آگے مشہور کر دیا ہو پہلے مرحلے میں وہ خبر واحد ہی رہے گی اس صورت میں اس میں تواتر کا دعویٰ نہ کیا جاسکے گا۔

الحاصل حدیث باعتبار علم دو قسموں پر منقسم ہے۔

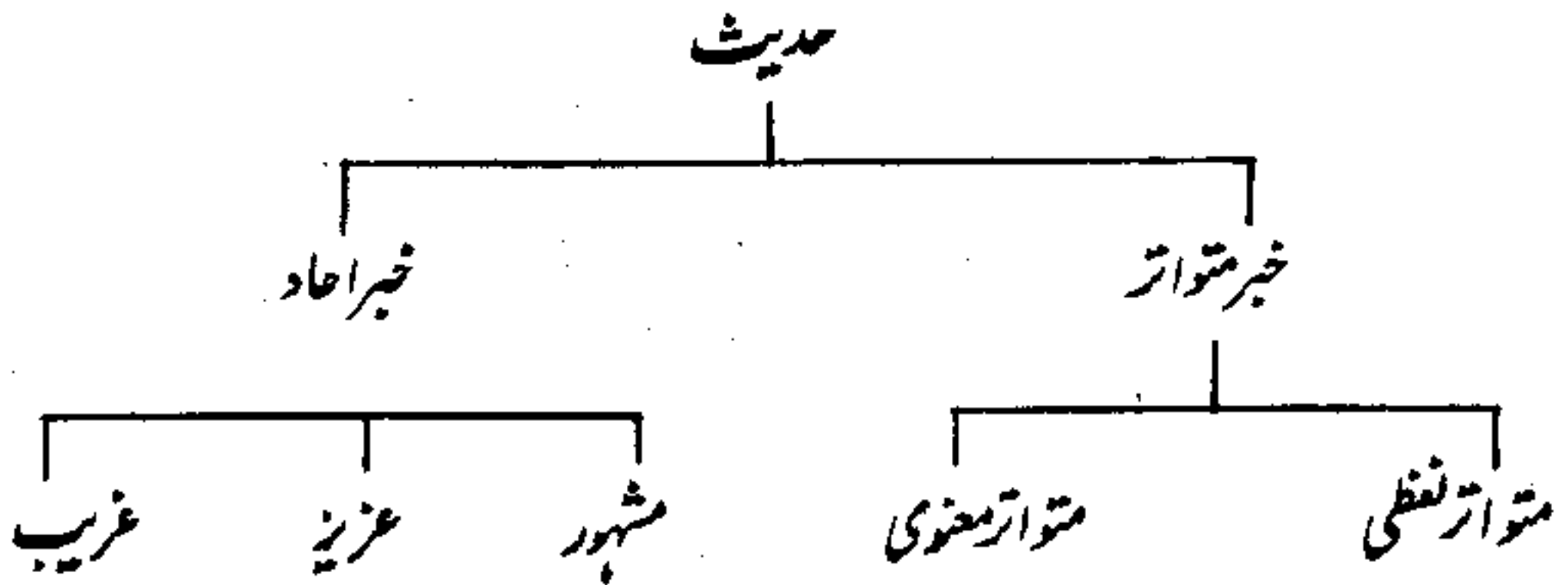
اول حدیث متواتر۔ دوم اخبار احاد۔

اور اخبار احاد پھر آگے ان تین قسموں میں منقسم ہو جائیں گی۔

۱. حدیث مشہور۔ ۲. حدیث عزیز۔ ۳. حدیث غریب۔

حدیث متواتر کے مقابل حدیث احاد ہے۔ اسے خبر واحد بھی کہتے ہیں جس کی اعلیٰ

ترین قسم حدیث مشہور ہے۔ حدیث متواتر پر گفتگو گزر چکی ہے۔ اب حدیث مشہور، حدیث عزیز اور حدیث غریب کی کچھ تفصیل لیجئے۔



حدیث مشہور

حدیث مشہور وہ حدیث ہے جس کے راوی ابتداء سند سے لے کر آخر سند تک

دو سے زیادہ ہوں۔ لیکن تو اتر کو نہ پہنچتے ہوں اور اس حدیث کی محدثین میں شہرت ہوئی ہو۔ اس سے ایسا علم پیدا ہوتا ہے جس سے حدیث کی سچائی پر اطمینان قلبی حاصل ہو جاتا ہے لیکن اسے قطع و یقین کا وہ درجہ حاصل نہیں ہوتا کہ اس کے منکر کو کافر کہا جاسکے۔ قطع و یقین صرف حدیث متواتر میں ہوتا ہے۔ محدثین بعض اوقات اس حدیث کو بھی مشہور کہہ دیتے ہیں جو صرف آخر سند کے لحاظ سے متواتر ہو تاہم وہ بھی خبر واحد ہی ہوتی ہے۔ جیسے حدیث انما الاعمال بالنیات۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف حضرت عمرؓ نے اور ان سے حضرت علقمہؓ نے اور ان سے صرف حضرت محمد بن ابراہیم تمیمیؒ نے اور صرف یحییٰ بن سعیدؒ نے روایت کی ہے۔ لیکن اس کے بعد اسے راویوں کی کثیر تعداد نے ہر دور میں متواتر بنا دیا۔ سو یہ ایک ایسی حدیث ہے جو آخر سند کے لحاظ سے مشہور کہی گئی ہے۔ علماء اصول کے ہاں حدیث مشہور خبر واحد نہیں۔ وہ اسے متواتر اور خبر واحد کے درمیان کی ایک منزل قرار دیتے ہیں۔ اور یہ ان کی اپنی اصطلاح ہے۔ ولا مشاحة فی الاصطلاح۔

حدیث عزیز

حدیث عزیز وہ حدیث جس کے راوی ابتداء سند سے لے کر آخر تک دو سے کم نہ ہوں۔

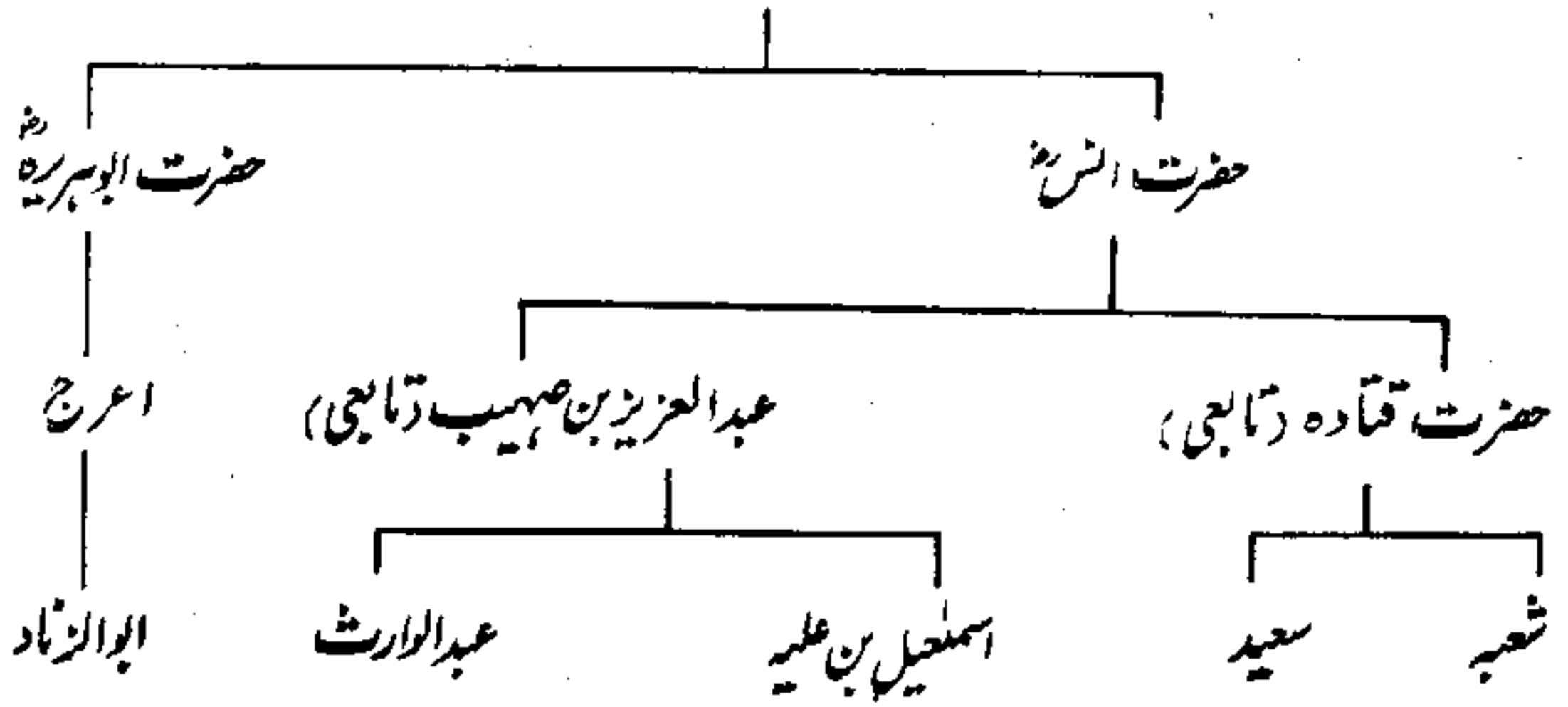
۱۔ علماء کے نزدیک حدیث مشہور وہ ہے جس کے راوی پہلے طبقہ (یعنی طبقہ صحابہؓ) میں حدیث اتر کو نہ پہنچے ہوں۔ لیکن دوسرے اور تیسرے طبقے (تابعین اور تبع تابعین) میں اسے اتنے راویوں نے روایت کیا ہو کہ ان کا بھوٹ پر اکٹھا ہونا عادتہ محال ہو۔ یہ تین طبقے (قرون ثلاثہ) مشہور لہا بالخیر ہیں۔ جن کے خبر ہونے کی حدیث میں شہادت دی گئی ہے۔ ان طبقوں میں سے دو کے ہاں اسے تو اتر کی سی شہرت حاصل ہو گئی۔ سو حدیث مشہور ان حضرات کے ہاں خبر واحد سے کچھ اوپر ہے اسے یہ خبر واحد نہیں کہتے۔ علماء اصول خبر واحد سے قرآن کریم کے کسی عام حکم کو خاص نہیں کرتے۔ لیکن حدیث مشہور سے ان کے ہاں عام کی تفصیص جائز ہے۔ محدثین کے ہاں حدیث مشہور بھی خبر واحد کی ہی ایک قسم ہے۔ ۲۔ کسی جگہ دو سے زائد ہو جائیں تو بھی حدیث عزیز ہی رہے گی۔

یہی حدیث لایو من احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ ووالدہ والناس اجمعین^۱۔
 اس حدیث کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو صحابیوں نے ان میں سے ہر ایک سے دو
 تابعیوں نے اور پھر ان سے دو تبع تابعیوں نے روایت کیا ہے۔ اس تعدد روایۃ سے روایت
 بڑی قوی ہو جاتی ہے۔ لیکن اس سند سے بھی ایسا قطع و یقین حاصل نہیں ہوتا کہ اس کے
 منکر کو کافر کہا جاسکے۔ خفیہ کے ہاں حدیث وتر اسی درجہ میں ہے کہ اس پر عمل تر فرض
 کے درجہ میں ہے۔ لیکن اس کا منکر کافر نہیں حضرت علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:-

اعلم ان الفرض نوعان فرض عملاً وعلماً وفرض عملاً فقط فالاول
 كالصلاة الخمس فانها فرض من جهة العمل لا يحل تركها.
 وفرض من جهة العلم والاعتقاد بمعنى انه يفترض
 عليه اعتقاده حتى يكفراً بنكارها والثاني كالوتر فانه فرض
 عملاً كما ذكرنا. وليس بفرض علمي لا يفترض اعتقاده حتى
 انه لا يكفر منكره لظنية دليله وشبهة الاختلاف فيه و
 لذا لم يبي واجباً^۲۔

ترجمہ۔ یہ جانو کہ فرض کی دو قسمیں ہیں۔ ایک جو علماً اور عملاً ہر دو پہلوؤں
 سے فرض ٹھہرے اور دوسرا وہ جو صرف عملاً فرض ہو اعتقاداً فرض نہ
 ہو۔ پہلے فرض کی مثال نماز پنجگانہ ہے وہ عمل کی طرف سے بھی
 فرض ہے کہ اسے چھوڑنا حلال نہیں اور علم کی رو سے بھی فرض ہے کہ اس
 کی فرضیت کا اعتقاد رکھنا بھی فرض ہے۔ یہاں تک کہ اس کا انکار
 کفر ہے اور دوسری قسم کی مثال میں وتر کو لیجئے۔ وہ عملاً فرض ہے علماً
 فرض نہیں۔ اس کا اعتقاد فرض نہیں ٹھہرتا۔ یہاں تک کہ اس کے منکر کی
 تکفیر نہ کی جاسکے گی۔ کیوں کہ اس کا ثبوت دلیل ظنی سے ہے اور اس میں
 شبہ اختلاف بھی ہے اور اس لیے اسے فرض نہیں کہتے واجب کہتے ہیں۔

حدیث عزیز لا یؤمن احدکم حتی اكون احب الیه ————— الحدیث اس طرح مروی ہے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم



حدیث غریب

وہ خبر واحد ہے جس کی سند کسی تمام پر صرف ایک ہی راوی سے چلی ہو مثلاً کسی صحابی سے ایک ہی تابعی نے روایت کیا ہو۔ گو اس کے بعد پھر تفرد نہ رہا ہو۔ جیسے بخاری کی یہ روایت ہے۔

الایمان بضع وسبعون افضلها لاله الا الله وادناها اماطة
الاذی عن الطريق۔

اسے حضرت ابوہریرہؓ سے صرف ابو صالح تابعی نے روایت کیا ہے اور ابو صالح سے حضرت عبداللہ بن دینار نے۔ اس طرح کی حدیث غریب کو فرد بھی کہتے ہیں یہ صفت کی کوئی قسم نہیں ہے۔

حدیث غریب کی قسمیں

حدیث غریب کو فرد بھی کہتے ہیں۔ پھر فرد کی دو قسمیں ہیں۔ فرد مطلق۔ فرد نسبی۔ مذکورہ بالا مثال فرد مطلق کی ہے۔ فرد نسبی یہ ہے کہ صحابی سے تو متعدد تابعی روایت کریں۔ لیکن اس کے بعد راوی کہیں ایک ہی رہ جائے۔ پھر فرد نسبی کی آخر بہت سی قسمیں ہیں کبھی تفرد کسی ایک علاقے کے محدثین کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ جیسے اہل مدینہ، اہل مکہ، اہل بصرہ، اہل کوفہ وغیرہ کے رواۃ کرام کہ ایک علاقے کا ایک ہی راوی اسے روایت کرے۔

فرد اور غریب دونوں ہم معنی لفظ ہیں۔ مگر محدثین عام طور پر فرد مطلق کو فرد اور فردی کو غریب کہتے ہیں۔ ان کے ہاں یہ بات عجیب ہے کہ زمانہ تابعین میں تو اس حدیث کو زیادہ راوی روایت کریں اور آگے کسی دور میں اس کا راوی ایک رہ جائے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسی حدیث غریب ہونے کے باوجود صحیح ہی رہتی ہے۔ بشرطیکہ سند کا اتصال قائم ہو اور رواۃ کمزور نہ ہوں۔ سو کسی حدیث کا غریب ہونا اس کی صحت کے منافی ہے۔

حدیث کا غریب ہونا اس کی صحت کے منافی نہیں

یاد رکھیے حدیث کا غریب ہونا اس کی صحت کے منافی نہیں۔ حدیث غریب حدیث صحیح کی ہی ایک قسم ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی مقدمہ مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:-

الحديث الصحيح ان كان راويه واحداً يسمي غريباً وان كان اثنين يسمي غريباً وان كانوا اكثر يسمي مشهوراً ومستفيضاً وان بلغت روايته في الكثرة الى ان يستحيل العادة تواطئهم على الكذب يسمي متواتراً وسمي الغريب فرداً ايضاً..... وعلم مما ذكر ان الغرابة لا تنافي للصحة ويجوز ان يكون الحديث صحيحاً غريباً بان يكون كل واحد من رجاله ثقة به

ترجمہ۔ حدیث صحیح کا راوی اگر ایک ہی ہو تو اسے غریب کہیں گے۔ دو ہوں تو بھی اسے غریب کہیں گے اور اگر راوی دوسے زیادہ ہوں تو اسے مشہور اور مستفیض کہیں گے اور اگر اس کے راوی کثرت میں اس درجے تک پہنچیں کہ عادتاً ان کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا محال ٹھہرے تو اسے متواتر کہیں گے، حدیث غریب کو فرد بھی کہتے ہیں (اکیلی) اور اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی حدیث کا غریب ہونا اس کے صحیح ہونے کے منافی نہیں اور ہو سکتا ہے کہ ایک حدیث صحیح بھی ہو اور غریب بھی کہ راوی تو اس

کے ایک ایک ہی ہوں لیکن سب ثقہ ہوں۔

امام ترمذیؒ نے کتاب العلل میں حدیث غریب پر بحث کی ہے جن وجوہ غرابت کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ وہ حدیث صحیح میں بھی ہو سکتے ہیں۔ حدیث کی یہ مختلف قسمیں مختلف درجوں کا علم بخشتی ہیں۔ حدیث متواتر سے اس یقینی درجے کا علم حاصل ہوتا ہے کہ اس کا منکر بے شک کافر ٹھہرتا ہے۔ حدیث احاد مشہور کے درجہ تک پہنچے تو اس کا منکر سخت گمراہ قرار پائے گا۔ سند کی قلت و کثرت کے باعث ان روایات سے جس درجے کا ثبوت ملے گا اس سے علم کے مختلف درجات قائم ہوں گے۔ اخبار احاد کتنی ہی کیوں نہ ہوں ان سے حاصل شدہ علم علم ظنی ہی شمار ہو گا۔ لیکن یہ ظن اس درجے میں نہیں کہ اسے یونہی ٹھکرا دیا جائے۔ اس سے جو علم حاصل ہوتا ہے اپنی جگہ عمل کے لیے کافی ہے۔ خبر واحد کے حجت ہونے کی بحث ہم قواعد الحدیث میں کر آئے ہیں۔ سو خبر واحد اگر صحیح ہو تو سوائے گمراہ کے اس کا کوئی منکر نہ ہو گا۔

خبر واحد کے مختلف مراتب

یہاں یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ وہ حدیث جس پر سب کا اتفاق ہو اور وہ جو کسی خاص مسئلہ کے متعلق صرف ایک راوی سے روایت کی گئی ہو اور اس میں مختلف تاویلوں کی گنجائش بھی ہو۔ دونوں برابر نہیں ہو سکتیں۔ پہلی حدیث کا تسلیم کرنا بلاشبہ قطعی ہے۔ اگر کوئی اس کا منکر ہو تو اس سے توبہ کرائی جائے۔ لیکن دوسری قسم کی حدیث اس درجہ میں قوی نہیں کہ اگر اس حدیث میں کوئی شک کرے تو اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے۔ تاہم عمل کرنا اس پر بھی لازم ہو گا۔ گو اس میں کسی وجہ ترجیح کو اختیار کیا جائے۔ جب تک کہ اسباب ترک میں سے کوئی سبب پایا نہ جائے اسے چھوڑنا درست نہ ہو گا۔ جیسا کہ شاہدوں کے بیان پر فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہاں بھی غلطی اور شکوک کا احتمال رہتا ہے۔ لیکن پھر بھی جب تک کہ تحقیق نہ ہو ان کے ظاہر حال پر ہی عمل کیا جاتا ہے۔

خبر واحد پر عمل نہ کرنے کی چند صورتیں

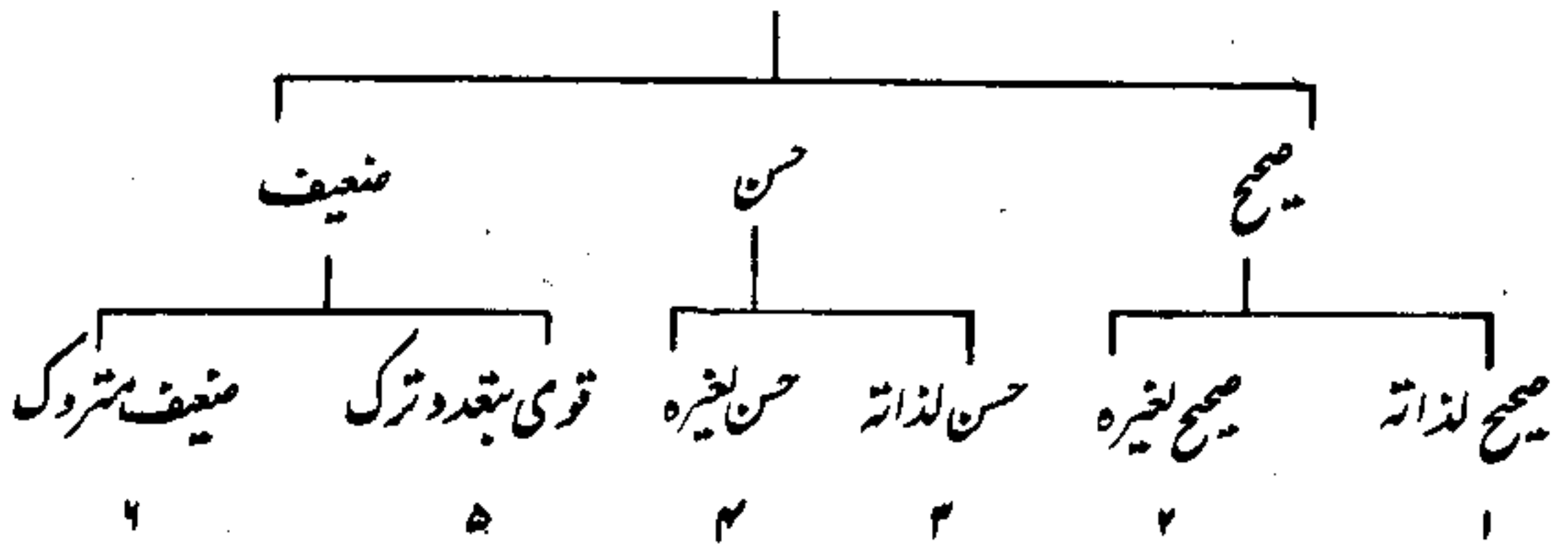
ہاں یہ ممکن ہے کہ اگر کسی کے پاس خبر واحد پہنچی ہو تو اس نے اس پر اس لیے عمل نہ کیا ہو کہ اس کے نزدیک وہ خبر حدیث کو نہ پہنچی ہو یا وہ حدیث دو معنوں کو محتمل ہو۔ اور اس نے دوسرے معنی پر عمل کر لیا ہو یا اس کے معارض اس سے زیادہ صحیح حدیث اس کے پاس موجود ہو۔ غرض جب تک وجوہ ترجیح یا اسباب ترک میں سے کوئی سبب اس کے پاس موجود نہ ہو۔ ہرگز کسی کے لیے خبر واحد کا ترک کرنا جائز نہیں ہے۔

خبر واحد کے حجت ہونے پر حضرت امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں بہت مٹھوس دلائل دیئے ہیں۔ حضرت مولانا بدر عالم مدنیؒ نے ترجمان السنۃ جلد اول میں اس پر گراں قدر بحث کی ہے۔ اس میں سے کچھ محبت حدیث کے عنوان میں ہم ذکر کر چکے ہیں۔ خبر متواتر اور خبر واحد کی یہ بحث یا حدیث مشہور، حدیث عزیزہ اور حدیث غریب کا تقابل یہ سب ثبوت روایت کی مختلف شدون ہیں۔ حدیث کی یہ اقسام باعتبار علم ہیں کہ راویوں کی تعداد کے لحاظ سے کس طرح علم کے مختلف درجے قائم ہوئے۔ اس میں راویوں کی ذات سے بحث نہ تھی صرف ان کی تعداد پیش نظر تھی۔ اگر ان راویوں کی ذات سے بحث کی جائے اور ان کی صفات صدق و ضبط وغیرہ کو دیکھا جائے تو حدیث کی اور اقسام پیدا ہوں گی۔ ہم انہیں ایک دوسرے عنوان سے ذکر کرتے ہیں۔

② حدیث کی تقسیم باعتبار رواۃ

حدیث صحیح، حدیث حسن اور حدیث ضعیف میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں۔ پہلے ان کے نام سمجھ لیجئے۔ پھر ہر ایک کی تعریف عرض خدمت ہوگی۔

حدیث

حدیث صحیح

ان میں سے پہلی پانچ قسم کی حدیثیں مقبول ہیں۔ ان میں سب سے اعلیٰ حدیث صحیح لذاتہ ہے۔ یہ وہ حدیث ہے جس کے تمام راوی عادل و جھوٹ اور منہیات شرعیہ سے بچے ہوئے اور تمام الضبط ذقوی یادداشت والے ہوں اور سند میں اتصال ہو کر ہر راوی دوسرے راوی سے ملا ہو اور اس حدیث کے خلاف کسی لفظ میں کوئی اور راوی مخالفت کر نیوالا نہ ہو۔

حدیث صحیح لغیرہ

یہ وہ حدیث ہے جس میں سب شرطیں صحیح لذاتہ کی پائی جاتی ہوں۔ علاوہ اس کے کہ کسی راوی کا حافظہ اتنا پختہ نہ ہو جتنا کہ صحیح لذاتہ کے راوی کا ہونا چاہیے۔ مگر اس کمی کو تعدد طرق نے پورا کر دیا ہو۔ دوسرے نکتوں میں اس کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے کہ صحیح لغیرہ وہ حدیث ہے جس کو راوی عادل خفیف الضبط جس کے ضبط اور یادداشت میں کچھ کمزوری ہو، نے بسند متصل روایت کیا ہو اور وہ حدیث نہ معلل ہو نہ شاذ اور اس کی سندیں بھی متعدد ہوں۔ راوی کے تمام الضبط نہ ہونے کی وجہ سے یہ صحیح لذاتہ نہیں بلکہ اس کمی کو چونکہ تعدد طرق نے پورا کر دیا ہے۔ اس لیے وہ حدیث صحیح لغیرہ ٹھہرے گی۔

۱۔ یہ ضبط صرف زبانی یادداشت سے بھی ہوتا ہے اور کبھی کتاب کی مدد سے بھی ہوتا ہے۔ پہلے ضبط کو ضبط صدر اور دوسرے کو ضبط کتاب کہتے ہیں۔

حسن لذاتہ

یہ وہ حدیث ہے جس کے تمام راوی عادل و ضابط تو ہوں۔ لیکن کوئی راوی خفیف الضبط ہو اور سند میں کسی جگہ سے کوئی راوی چھوٹا نہ ہو اور حدیث محلل اور شاذ نہ ہو۔۔۔ حدیث صحیح لغیرہ اور حسن لذاتہ کی تعریفوں سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ اگر حدیث حسن لذاتہ میں ضبط کی کمی دیگر سندوں کی تائید سے پوری کر دی جائے۔ تو وہی حدیث جو حسن لذاتہ تھی صحیح لغیرہ ہو جائے گی۔ بعض حدیثوں کی کتابوں میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ ایک ہی حدیث کو حسن صحیح و لکھا ہے۔ تو اس کا یہی مطلب ہے کہ یہ حدیث اگرچہ حسن لذاتہ ہے۔ لیکن دوسری سندوں کی تائید سے یہ صحیح لغیرہ کے درجہ کو پہنچ گئی ہے۔ حدیث حسن کی اصطلاح امام ترمذی کے ہاں بہت ملتی ہے۔ سوائے مستقل طور پر جاننا چاہیے کہ ان کے ہاں اس کا کیا مطلب ہے آپ دیکھتے ہیں۔

ما ذکرنا فی هذا الكتاب حدیث حسن فاما اردنا حسن اسنادھا
عندنا وکل حدیث یروی دلائلین فاسنادھا من یتهم بالکذب و
لا یكون الحدیث شاذاً ویروی من غیر وجه نحو ذلك فهو عندنا
حدیث حسن۔۔۔

ترجمہ۔ ہم نے اس کتاب میں جہاں کسی حدیث کو حسن کہا ہے تو اس سے ہماری مراد اس کا سند کے اعتبار سے حسن ہونا ہے۔۔۔ اور ہر حدیث جو مروی ہو اور اس کی سند میں کوئی راوی ایسا نہ ہو جو متهم بالکذب ہے (جس پر تھوٹ کا الزام نہ ہو) اور نہ وہ حدیث شاذ ہو کہ (دوسرے راوی اس شخص سے اسے روایت نہ کہتے ہوں) اور وہ صرف ایک طریق سے مروی نہ ہو (کئی طریقوں سے اس کی روایت ہوئی ہو) تو ہمارے ہاں اسے حسن کہیں گے۔

حسن غریب

دیکھئے اس کے تمام راوی عادل اور ضابط ہیں لیکن تعدد طرق سے مروی ہو۔ یہ اس میں شرط نہیں ہے۔ پس اس اعتبار سے حسن اور غریب کہ جس میں راوی کا تفرّد بھی ہو کوئی منافات نہیں ہے۔ اس لئے امام ترمذی نے روایت کے حسن ہونے اور غریب ہونے کو کئی سندوں میں جمع بھی کر دیا ہے۔ جن کے تمام راوی عادل و ضابط تو ہیں لیکن کسی مقام پر ان کے نزدیک تفرّد آگیا ہے۔ سو اسی حدیث ان کے ہاں حدیث صحیح غریب یا حسن غریب ہوگی۔

حسن لغیرہ

یہ وہ حدیث ہے جس کی قبولیت میں تردد ہو۔ جیسے کوئی راوی مستور اور مجہول الحال ہو۔ لیکن دوسری سندوں سے اس کو تقویت حاصل ہو گئی۔ یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہوتی ہے۔ لیکن دوسری سندوں کی تائید سے قابل عمل اور لائق استدلال ہو جاتی ہے۔ امام نووی (۷۶۷ھ) نے شرح مہذب میں اور سیدنا ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) نے اس سے استدلال کرنے کی تائید فرمائی ہے۔ جیسے حدیث طلب العلم فریضة علی کل مسلمہ کی بعض روایتوں میں دوسلمة کا اضافہ ہے۔ اس حدیث کے بیان کرنے والے امام ابن ماجہ (۲۴۵ھ) امام بیہقی (۴۵۸ھ) اور امام طبرانی (۳۶۰ھ) وغیرہ ہیں اور حضرات صحابہ میں اس کے روایت کرنے والے حضرت ابوالیوب انصاری (۵۱ھ) ابنی بن کعب (۱۹ھ) حذیفہ (۲۵ھ) سلمان فارسی (۳۵ھ) ابوہریرہ (۵۷ھ) حضرت عائشہ صدیقہ (۵۷ھ) حضرت انس (۹۳ھ) وغیرہم ہیں اور پھر حضرت انس سے روایت کرنے والے میں تابعی ہیں۔ لیکن نہایت تعجب کی بات ہے کہ محدثین اس پر متفق ہیں کہ اس کی تمام سندیں ضعیف ہیں۔ باین ہمہ دیکھئے کہ اس حدیث کے تعدد طرق کو دیکھ کر حافظ سیوطی (۹۱۱ھ) نے اس کو احادیث متواترہ میں شمار کیا ہے۔ یوں سمجھئے کہ یہ تواتر کی ایک اور قسم سامنے آگئی۔ گویا اعتبار علم ہم اسے متواتر نہیں کہہ سکتے۔ لیکن یہ بھی نہیں کہ عمل کے لیے یہ محض ضعیف ہی ہے۔

حدیث ضعیف (قوی بعد طرق)

وہ حدیث ضعیف ہے جس کی سند موجود ہو (یعنی موضوع اور من گھڑت نہ ہو) لیکن اس کے راوی باعتبار یادداشت یا عدالت کے کمزور ہوں۔ لیکن اگر اسے دوسری سندوں سے تائید حاصل ہو تو یہ قبول کی جاسکتی ہے یہی نہیں کہ صرف فضائل اعمال میں انہیں لے لیا جائے گا بلکہ ان سے بعض حالات میں استخراج مسائل بھی کیا جاسکتا ہے۔ قیاس استنباط مسائل کے لئے ہی ہوتا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ ضعیف حدیث کو قیاس پر ترجیح دیتے تھے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات احکام میں ہی چل سکتی ہے فضائل میں نہیں۔ سو اس بات سے چارہ نہیں کہ حدیث ضعیف کا بھی اپنا ایک وزن ہے من گھڑت نہیں ہوتی۔

حدیث ضعیف کی ترجیح محض قیاس پر

ما فظ ابن حزم (۴۵۷) لکھتے ہیں :-

جمیع اصحاب ابی حنیفہ معمرن علی ان مذهب ابی حنیفہ ان

ضعیف الحدیث اولی عندنا من القیاس والرایؒ

ترجمہ۔ امام ابو حنیفہ کے تمام شاگرد اس پر متفق ہیں کہ امام ابو حنیفہ کا طریقہ

یہی تھا کہ آپ ضعیف حدیث کو قیاس پر ترجیح دیتے تھے۔

ما فظ ابن قیم حنبلی (۵۱۷) لکھتے ہیں :-

واصحاب ابی حنیفہ معمرن علی ان مذهب ابی حنیفہ ان ضعیف

الحدیث عندہ اولی من القیاس والرای وعلی ذلک بنی مذهبہ ...

... تقديم الحديث الضعیف واثار الصحابة علی القیاس و

الرای قوله وقول الامام احمدؒ

ترجمہ۔ امام ابو حنیفہ کے سب شاگرد اس پر اتفاق کرتے ہیں کہ آپ کے

ہاں حدیث ضعیف قیاس اور رأی پر مقدم تھی اور آپ نے اسی پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھی ہے۔۔۔ سو حدیث ضعیف اور آثار صحابہ کو قیاس پر مقدم کرنا امام ابو حنیفہ اور امام احمد دونوں کا فیصلہ ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ (۱۵۰ھ) کے بارے میں یہ غلط فہمی پھیلانی جاتی ہے کہ وہ حدیث کے بجائے قیاس سے زیادہ کام لیتے تھے یہ درست نہیں جب وہ حدیث ضعیف کو بھی قیاس پر مقدم کرتے ہیں تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ صحیح حدیث کو چھوڑ کر قیاس کو مقدم کرتے ہوں۔
ضعیف حدیث حسن لغیرہ تک

ضعیف حدیث کی سندیں گو وہ اپنی جگہ ضعیف ہوں۔ لیکن اس کے راویوں کا اگر ان پہلے راویوں سے مل کر روایت کرنے کا مظنہ نہ ہو تو اس تعدد طرق سے حدیث ضعیف قوی ہو کر حسن لغیرہ تک پہنچ جائے گی۔ لیکن اس کا فیصلہ حافظ محدثین ہی کر سکتے ہیں۔ نہ کہ ہر ایک کو اس کا حق دیا جائے نہ ہر ایک اس کا اہل ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ان اللہ یا مریکھ ان قودوا الامانات الی اہلہا۔ اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ امانتوں کو ان کے اہل لوگوں کے سپرد کر دو۔ حدیث اصحابی کا لجنوم محدثین کے ہاں اسی طریق سے لائق قبول سمجھی گئی ہے۔ وہب بن جریر اپنے والد سے وہ حضرت اعمش سے وہ حضرت ابو صالح سے وہ حضرت ابو ہریرہ سے اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح روایت کرتے ہیں۔۔۔

اصحابی کالجنوم من اقتدی بثنی و منہما اھتدی

ترجمہ۔ میرے صحابہ تباروں کی مانند ہیں جو ان میں سے کسی کی پیروی کر گیا ہدایت پالی۔

علم کی آفتوں میں سب سے بڑی آفت

ضعیف حدیث سے عقائد کا ثابت کرنا علم کے لئے ایک بہت بڑی آفت ہے۔ علم سے نا آشنا لوگ ضعیف روایات سے عقائد کا اثبات کرتے ہیں چند مثالیں لیجئے۔

① بعض لوگ اس حدیث سے آپ کا علم محیط یا آپ کا ہر چیز کو ناظر ہونا اس سے ثابت

۱۵ مشکوٰۃ ص ۵۵۴ پر بھی یہ مختلف الفاظ سے موجود ہے محدث گنگوہی فرماتے ہیں کہ یہ حسن لغیرہ تک پہنچ جاتی ہے۔

کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کانی انظر الی کفی ہذہ۔ میں پوری دنیا کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔۔۔۔۔ اس قسم کی ضعیف احادیث پر عقائد کی بنیاد رکھنا قابلِ رحم علمی بے بسی ہے۔

حدیث ضعیف (متروک)

ضروری نہیں کہ ضعیف حدیث کثرت طرق سے ہمیشہ قوی ہو جائے بعض اوقات روایت کثرت طرق سے اور زیادہ ضعیف ہوتی جاتی ہے۔ طالب علم سوچتا ہے کہ اسے باوجود اپنے مضمون کے اہم ہونے اور کثرت طرق سے مروی ہونے کے صحیح سند آخر کیوں میسر نہ آئی؟ اتنے طرق سے منقول ہوئی۔ مگر ہر طریق سند کمزور ہی رہا۔ سو یہ روایت محض اتفاقی ضعیف نہیں ہوگی۔ بلکہ حقیقت ہی کمزور ہوگی۔ اس صورت میں جوں جوں طرق بڑھتے جائیں گے ضعف اور نمایاں ہوتا جائے گا اور یہ بات ماہر محدثین اور عاقل اساتذہ ہی جان سکتے ہیں۔ حافظ زیلعیؒ (۷۶۲ھ) ایک مقام پر لکھتے ہیں:-

کم من حدیث کثرت رواۃ و تعددت طرقہ موجدیت ضعیف
کحدیث الطیر و حدیث الحاج و المحجوم و حدیث من کنت مولاه فعلی
مولاه بل قد لا یزید کثرة الطرق الا ضعفاً

ترجمہ کہتنی ہی حدیثیں ہیں جن کے راوی بہت ہیں اور ان کے طریق سند بھی متعدد ہیں پھر بھی وہ حدیث ضعیف رہی ہے جسے حدیث طیر، حدیث حاج، حدیث محجوم (کہ پھوپے لگانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے) اور حدیث من کنت مولاه فعلی مولاه۔۔۔۔۔ بلکہ بعض اوقات کثرت طرق سے ضعف اور بڑھتا جاتا ہے۔

ابن صلاحؒ (۷۴۲ھ) اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی ضعیف حدیث کو بیان کرنے کا ارادہ کرے تو اس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب الفاظ جاؤمہ و قطع و یقین کے سے الفاظ سے نہ کرے یوں نہ کہے۔ قال رسول اللہ کذا وما أشبہ ذلك

بلکہ یوں کہے دوی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا او کذا۔ یا یوں کہے۔ بلغنا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا او کذا او امثال ذلك۔ اور یہی حکم ان حدیثوں کے بارے میں ہے جن کی صحت و ضعف میں شک ہو۔

علمائے صرف پند و نصیحت، بیان قصص اور فضائل اعمال کے مواقع پر احادیث ضعیف کے بیان کرنے کو بلا اس کے ضعف بیان کیے جائز رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتب سیر میں آپ کو احادیث ضعیفہ بغیر تصریح کے بہت ملیں گی بخلاف احادیث موضوعہ کے کہ ان کا بیان کرنا حرام ہے۔ انہیں بیان کرنا کسی موقع پر درست نہیں۔ سوا اس کے کہ ان کے موضوع ہونے کو بیان کرے۔ سو موضوع حدیث کا بیان کرنا اور اسے لوگوں میں رائج کرنا بالکل حرام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اقرار اور بہتان ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعده فی النار بشکوۃ مدۃ عن البخاری

ترجمہ جس نے جان بوجہ کر مجھ پر بہتان باندھا اسے چاہیئے کہ اپنا ٹھکانا جہنم بنالے۔

موضوع حدیث

وہ روایت جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر خود وضع کی گئی ہو یا صحابہ کرام کے نام پر گھڑی گئی ہو موضوع روایت کہلاتی ہے۔ اس کی بالکل سند نہیں ہوتی۔ اگر اس کی کوئی سند بھی وضع کر لے تو بھی اس کا موضوع ہونا کسی دوسرے پہلو سے کھل جائے گا۔ سند ہو بھی تو اس میں وضاع اور کذاب قسم کے راویوں سے اس کا من گھڑت ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔

موضوع احادیث کے بارے میں اہم کتابیں

علماء اسلام نے جہاں حدیث کی مختلف پہلوؤں سے خدمت کی ہے۔ وہاں انہوں نے موضوع روایات کی نشاندہی بھی پوری محنت سے کی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ تمام بڑے بڑے محدثین نے علم پیغمبر کے گرد حفاظت کے پہرے دیئے ہیں اور ایسے حضرات بھی سامنے آئے ہیں۔ جنہوں نے موضوع روایات کی نشاندہی میں مستقل کتب تصنیف فرمائی ہیں۔

تذکرۃ الموضوعات

لابی الفضل محمد بن طاہر بن علی بن احمد المقدسی المعروف بابن القیسروانی (۵۰۷ھ) ان کے بعد اس باب میں ادویت کا شرف علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن جوزی (۵۹۷ھ) کو حاصل ہے۔ آپ سے اگر کہیں تشدد اور سختی بھی ہو گئی ہے کہ بعض حدیثوں کو بھی موضوعات میں رکھ دیا تو اس کی اصلاح کے لیے امام سیوطی (۹۱۱ھ) نے تعقیبات علی الموضوعات تحریر فرمائی ہے۔ جو لائق مطالعہ ہے۔

① موضوعات ابن جوزی (۵۹۷ھ)

بے شک اس کتاب کو ادویت کا شرف حاصل ہے۔ مگر چونکہ یہ اس فن کی پہلی محنت ہے اس لیے آپ سے اس میں کئی فروگزاشتیں ہوئی ہیں۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ آپ نے اس باب میں ایک بڑا علمی مواد فراہم کیا ہے۔

حافظ ابن صلاحؒ لکھتے ہیں کہ ابن جوزیؒ حدیث کو موضوع قرار دینے میں بہت جلد باز ثابت ہوئے ہیں۔ آپ نے اس میں بہت سی ضعیف حدیثوں کو بھی موضوع کہہ دیا ہے۔ حالانکہ ایسا نہ ہونا چاہیے تھا۔ یہیں تک نہیں بلکہ کچھ حسن اور صحیح حدیثیں بھی آپ نے موضوعات میں شمار کر ڈالیں اور محدثین نے ان پر پھر تعقیبات لکھے ہیں۔

② موضوعات حضرت شیخ حسن الصغانی (۶۵۰ھ)

حضرت علامہ حسن صغانی (دلاہوری) صاحب مشارق الانوار نقد حدیث میں بہت سخت تھے۔ ان کے سامنے ابن جوزی کی موضوعات نشان راہ تھی۔ آپ نے اپنی طرف سے بھی اس باب میں گرائقد معلومات مہیا کیے ہیں۔ بعد کے آنے والے مؤلفین نے اس باب میں آپ کی کتاب سے بہت استفادہ کیا ہے۔

② موضوعات المصباح

حضرت شیخ سراج الدین عمر بن علی القرویہی (۸۰۴ھ) کی تصنیف ہے اور بہت نایاب ہے

③ اللالی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة

یہ حضرت علامہ جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ) کی تصنیف ہے۔ آپ نے اس کے علاوہ کتاب الذیل اور کتاب الوجیز بھی اس باب میں تحریر فرمائی ہیں جو قابل مطالعہ ہیں۔

④ تذکرۃ الموضوعات اور قانون الموضوعات

تذکرۃ الموضوعات اور قانون الموضوعات کے مصنف حضرت علامہ محمد طہر قسطنطینی صاحب مجمع البحار (۹۸۲ھ) لغت حدیث کے جلیل القدر امام تھے۔ آپ کی کتابیں تذکرۃ الموضوعات اور قانون الموضوعات جو ۲۲۹ صفحات اور ۸۰ صفحات پر مشتمل ہیں۔ اس باب کی بہت مفید کتابیں ہیں۔

⑤ موضوعات کبیر اور اللالی المصنوع فی الحدیث الموضوع

موضوعات کبیر محدث جلیل حضرت ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) کی تالیف ہے۔ یہ اس باب میں بہت جامع اور مرکزی کتاب ہے۔ اللالی المصنوع اس کے بعد کے درجے میں ہے۔

⑥ الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ

یہ علامہ شوکانی (۱۲۵۰ھ) کی تالیف ہے۔ اس میں آپ ابن جوزی کی راہ پر چلے ہیں۔ اور بہت سختی کی ہے۔ کئی ضعیف اور حسن حدیثیں بھی موضوع ٹھہرا دی ہیں۔

⑦ الآثار المرفوعہ فی الاحادیث الموضوعہ

یہ حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی (۱۳۰۶ھ) کی تالیف ہے۔

ان تمام کوششوں کے باوجود اہل باطل موضوع حدیثوں کی روایت سے رُکے نہیں وہ اس کی برابر اشاعت کرتے رہتے ہیں۔ اپنے عقائدِ فاسدہ کو استناد مہیا کرنے کے لئے وہ اپنے حلقوں میں ان کا برابر چرچا کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں اہل باطل کا یہ عمل بھی مذکور ہے۔

والذین فی قلوبہم زیغ فیتبعون ما تشاہ منہ ابتغاء الفتنة
و ابتغاء تاويله۔ پ آ ل عمران ع ۱

متشابہات کے الفاظ تو پھر بھی صحیح ہوتے ہیں۔ صرف مرادات میں تشابہ ہوتا ہے۔ اور موضوع روایات کا تو وجود ہی باطل ہے۔ جب متشابہات سے استدلال جائز نہیں ہے تو موضوع روایات سے اپنے مسک کی گاڑی چلانا یہ کون سا جائز فعل ہوگا۔ ہم یہاں طلبہ کے فائدہ عام کے لئے چند روایات بھی ذکر کرتے ہیں جن کی کوئی سند نہیں، نہ صحیح، نہ حسن، نہ ضعیف ان سے آپ اندازہ کر سکیں گے۔ کہ حدیث کے باب میں کس قدر بے احتیاطی ہماری صفوں میں گھس آئی ہے۔

۱۔ اذا جاءكم الحديث فاحذروہ علی کتاب اللہ جب تمہارے پاس کوئی حدیث لائے تو اسے قرآن کریم پر پیش کرو اس کے موافق ہو تو لے لو ورنہ رد کر دو۔

علامہ خطابی (۵۳۸۸) فرماتے ہیں لا اصل لہ اس کی کوئی اصل نہیں امام محی بن معین کہتے ہیں وضعۃ الزنادقة اسے زندیقوں نے وضع کیا ہے حضورؐ سے جب کوئی بات ثابت ہو جائے وہ خود سند ہے اور حجت ہے اسے قرآن کریم پر پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے حضورؐ سے قرآن کریم کے خلاف کوئی بات صادر ہو یہ ناممکن ہے

۲۔ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل بنو اسرائیل میں جو بنی بھی آئے وہ سب غیر شرعی بنی تھے اور ان کی شریعت ثورات تھی (پ المائدہ ع ۷) اس روایت میں علماء امت کو ان سے تشبیہ دی گئی ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت کے علماء میں کوئی غیر شرعی بنی بھی نہ ہو کیونکہ مشبہ اور مشبہ بہ میں تفائر ضروری ہے۔ اس حدیث کے مضمون میں کلام نہیں لیکن من حیث الثبوت یہ

لہ معالم السنن للخطابی جلد ۴ ص ۲۹۹ لاجابة بالحديث ان يرض على كتاب فانه مهمثبت
عن رسول الله كان حجة بنفسه

بے اصل ہے دسویں صدی کے مجدد ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں۔

اما حدیث علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل فقد صرح الحفاظ کالزکشی
والعقلانی والدمیری والسیوطی اند لا اصل له^۱

ملا علی قاری نے پہلے اس پر امام سیوطیؒ کا سکوت نقل کیا تھا^۲ اس پر بہت سے صوفی مزاج علماء
اسے نقل کرتے رہے پھر ملا علی قاریؒ کو اس پر امام سیوطیؒ کا بھی انکار مل گیا سواب اسے کسی
عقیدہ کے ثبوت میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔

۳۔ من تکلم بکلام الدنیا فی المسجد اجبط اللہ اعبالہ اربعین سنة

جس نے مسجد میں دنیا کی کوئی بات کی اللہ اس کے چالیس سال کے اعمال ضائع کر دیتا ہے۔
علامہ صفائی (۵۶۵۰) فرماتے ہیں یہ موضوع ہے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں وہو کذلک لاند
باطل منبئ و منی^۳

۴۔ حدیث لا نبی بعدی۔ کتنی مشہور متواتر اور واضح المعنی ہے مگر محمد بن سعید شامی نے اسے
حضرت انس بن مالک کی روایت بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر یہ حدیث وضع کر دی۔
انا خاتم النبیین لا نبی بعدی الا ان یشاء اللہ میں آخری نبی ہوں میرے بعد
کوئی نبی نہیں مگر یہ کہ جو اللہ چاہے۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں

فوضع هذا الاستثناء لما كان يدعوا اليه من الاتحاد والزندقة ويدعى النبوة^۴

۵۔ لو کان موسیٰ وعیسیٰ حیّین ما وسعها الا اتباعی حدیث میں صرف موسیٰ کا

نام تھا (اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری پیروی سے چارہ نہ ہوتا) حضرت عیسیٰ کو فوت شدہ
ثابت کرنے کے لیے یہ نام بھی ساتھ بڑھا دیا گیا شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ لکھتے ہیں
اس کی اسناد کا کتب حدیث میں کہیں پتہ نہیں ہے

۶۔ سبانی کہتے ہیں حضور نے صحابہ کی موجودگی میں حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا تھا۔

۱۔ مرقات شرح مشکوٰۃ طبع قدیم جلد ۵ ص ۵۶۲ مصر۔ ۲۔ موضوعات کبیرہ ص ۴۸ مطبوعہ دہلی

۳۔ ایضاً ص ۶۹ فتح الملہم جلد ۱ ص ۶۵ ۴۔ فوائد القرآن پ ۱ سورہ مریم ص ۳۹۸

هَذَا وَصِيٌّ وَاشِيٍّ وَالْخَلِيفَةُ مِنْ بَدَنِ فَاسْمَعُوا لَهُ وَاطِيعُوا

ملا علی قاریؒ اس کے بارے میں صرف اس پر اکتفا کرتے ہیں فلعلہ اللہ علی الکاذبینؑ
حافظ ابن کثیرؒ (۷/۴۷۳) وانذر عشتک الاقربین کے تحت لکھتے ہیںؒ۔

یہ روایت کہ اس آیت کے نازل ہونے پر حضورؐ نے حضرت علیؑ کی گردن پر ہاتھ رکھا اور فرمایا
یہ میرا بھائی ہے اسکی سنو اور اسکی اطاعت کرو اس میں عبد الغفار بن قاسم کذاب تنہا ہے علی بن المدینی نے اسے وضع
حدیث سے مہتمم قرار دیا ہے۔ متروک کذاب شیعی التہمد علی بن المدینی وغیرہ بوضع الحدیث سے
۷۔ موتوا قبل ان تموتوا۔ کتنی مشہور روایت ہے ملا علی قاری حافظ ابن حجر عسقلانی سے
نقل کرتے ہیں کہ یہ حدیث کہیں ثابت نہیں ہے۔

۸۔ حُسن پرستوں نے اپنے ذوق کو تسکین دینے کے لیے یہ حدیث گھڑ لی ہے۔

النظر الى الوجه الجميل عبادة خوبصورت چہروں کو دیکھنا عبادت ہے۔

حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں هذا كذب باطل على رسول الله عليه الصلوة والسلام
لو يروه احد باسناد صحيح بل هو من الموضوعات

۹۔ فرض نمازوں کے بعد جو دعائیں کہتے ہیں ان میں یہ الفاظ والیت يرجع السلام حیثا دینا بالسلام
حدیث میں اضافہ کئے گئے ہیں معلوم نہیں کس نے یہ جملے حدیث میں ڈال دیئے ہیں ملا علی قاری لکھتے
ہیں فلا اصل له ۱۰ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں۔ حدیث اپنی جگہ موجود ہو اور کچھ الفاظ
زیادہ کر دیئے جائیں یہ روایت ان کی مثال ہے بعض علماء نے الفاظ تبدیل کر رکھے ہیں حدیث میں
تھا اتقوا هداية المومن فانه ينظر سنور الله ۱۱ انہوں نے بدل کر من نور الله بنا دیا
حضورؐ کی خدمت میں ایک شخص پتل کی انگوٹھی پہنے حاضر ہوا آپ نے اسے کہا:

صلى اجد منك رايح الاصنام ۱۲ میں تجھ میں بتوں کی ہوا کیا محسوس کر رہا ہوں اسے یوں بدلا۔

۱۳ موضوعات کبیرہ ص ۹۲۔ ۱۴ تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص ۲۵۰ وکذلک صرح المدراسی فی کشف

الاحوال میزان الاقل جلد ۳ ص ۳۵۱ ۱۵ موضوعات ص ۵، ۱۶ ایضاً ص ۸۹

۱۷ جامع صغیر جلد ۱ ص ۹۱ ۱۸ ملفوظات ص ۱۰۱ ۱۹ سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۴

مالی اَرَفِیْدَکِ حَلِیةُ الْاَصْنَامِ ۱۰ تیرے ہاتھ میں بتوں کا زیور کیوں دیکھ رہا ہوں
اگر کوئی شخص کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو کھانے کے دوران بسم اللہ
فی اولہ و آخرہ پڑھ لے ان صاحب نے یہاں بھی لفظ فی کو علی سے بدل دیا۔ حالانکہ حدیث میں
یہ الفاظ نہ تھے۔ انہوں نے اُسے یوں بنا دیا۔ بسم اللہ علی اولہ و آخرہ ۱۱ (استغفر اللہ)

وضع حدیث کا کام صدیوں سے لگا ہوا تھا مرزا غلام احمد نے پھر سے اسے زندہ کیا اور لکھا :-
احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ مسیح موعود صدی کے سر پر آئے گا اور وہ چودھویں صدی کا مجدد ہوگا ۱۲
اس شخص سے منحرف مت جاؤ جس کا آنا اس صدی پر صدی کے مناسب حال ضروری تھا اور
جسکی ابتدا سے بنی کریم م نے خبر دی تھی ۱۳

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بھر چودھویں صدی کا لفظ اپنی زبان پر نہیں لائے نہ کبھی کہا کہ
قیامت چودھویں صدی کے ختم پر آئے گی مرزا غلام احمد نے خود ہی یہ بات تجویز کی اور خود ہی
اس کی علامات پورا کرنے کے لیے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کر دیا اور چودھویں صدی کی روایات گھڑی
اور اسے حضور اکرم کے ذمہ لگا دیا اور پھر یہ روایات بھی گھڑی کہ مسیح موعود تمہارا امام تمہی میں سے ہوگا۔
بل هو امامکم منکم ازالہ اوہام حصہ ۲۳ -

بل هو کے الفاظ کتب حدیث میں کہیں نہیں ہیں مرزا غلام نے یہ خود گھڑے ہیں معلوم ہوا اہل
باطل وضع احادیث کا سلسلہ اب تک جاری ہے حدیث کے اصل الفاظ یہ تھے

کیف انتم اذا نزل - ابن مریم فیکم وامامکم منکم ۱۴
(ترجمہ) تمہارا کیا حال ہوگا جب ابن مریم تم میں اتریں گے اور اس وقت تمہارا امام تم میں سے ہوگا

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حدیثیں وضع کرنے والے اعتراض کے تحت حدیثیں گھڑتے تھے۔ اور
باطل فرقوں کا یہ عام طریقہ رہا ہے۔

۱۵ ملفوظات ۳ ص ۲ ۱۶ ملفوظات ۲ ص ۹۵۔

۱۷ ضمیمہ برائین احمد حصہ پنجم ص ۱۸۸ ۱۸ دفع الوساد ص ۲۵۲ ۱۹ صحیح مسلم جلد ۱ ص ۸۷

متون حدیث

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد :-

متن عربی میں پشت ^{Bone of contention} کو کہتے ہیں متون اس کی جمع ہے۔ پشت پر بدن کا جملہ وزن آتا ہے اور یہی حصہ اس کا پوری طرح متحمل ہوتا ہے۔ حدیث کے جملہ اصول و فروع اور قواعد و کلیات بھی متن حدیث کے گرد ہی گھومتے ہیں۔ راویوں کی سند متن تک پہنچتی ہے۔ شروع اسی متن کو کھولتی ہیں اور ترجمے اسی کو دوسری زبان کا لباس پہناتے ہیں جو کتابیں متون حدیث کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہیں۔ آج کا موضوع ان کا تعارف ہے۔ ان میں وہ کتابیں بھی ہوں گی جو متن کو سند کے ساتھ پیش کرتی ہیں۔ جیسے صحیح البخاری اور صحیح مسلم اور وہ بھی ہوں گی جو متن لاکر اس کی تخریج کر دیتی ہیں۔ جیسے مشکوٰۃ وغیرہ۔ ضرورت کے پیش نظر چند ان کتابوں کا ذکر بھی ہو گا۔ جو راویوں کے حالات بتائیں اور آخر میں چند ان کتابوں کا ذکر بھی کیا جائے گا۔ جو مستقلاً بے سند اور موضوع روایات پر لکھی گئیں۔ جہاں تک اصل کتابوں کا تعلق ہے ان میں بھی اس سے بحث نہیں ہو گی۔ کہ یہ کب لکھی گئیں اور اس فن کی تدوین کیسے ہوئی؟ یہ مباحث کچھ تاریخ حدیث میں اور کچھ تدوین حدیث میں آپ سن چکے ہیں۔ اس وقت صرف یہ بتانا ہے کہ ان دنوں متون حدیث کی کون کون سی کتابیں علماء اور طلبہ میں متداول ہیں، چھپی ہیں اور مل سکتی ہیں۔ اس فن کی جملہ مطبوعہ کتابوں کا احاطہ کرنا مقصود نہیں اس بات کے متلاشی حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی کتاب 'تبان المحدثین' یا جرد من مستشرق بروکلین کی کتاب کی مراجعت فرمائیں۔

صحیفہ حضرت ہمام بن منتبہ (۱۱۰ھ)

حدیث کی قدیم ترین کتاب جو اس وقت ہماری رسائی میں ہے صحیفہ ہمام بن منبہ ہے۔ ہمام بن منبہ حافظ الاقت سیدنا حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد تھے۔ صحیفہ ہمام بن منبہ ۱۱۰۶ھ میں ۱۳۸ حدیثیں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے لکھی ہیں۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ حضرت ہمامؓ کو کل ۱۳۸ احادیث ہی یاد تھیں۔۔۔۔۔ نہیں آپ نے اور اساتذہ سے بھی بہت روایات سُنیں۔ ان دوسرے اساتذہ سے سُنی روایات اس میں شامل نہیں نہ حضرت ابو ہریرہؓ سے سُنی کل روایات کا اس میں احاطہ ہے۔ حضرت ہمامؓ نے جب یہ صحیفہ مرتب کیا۔ ان دنوں فنِ تدوین اپنی بالکل ابتدائی منزل میں تھا۔ یہ مجموعے محض یادداشت کے طور پر لکھے گئے تھے۔۔۔۔۔ صحیفہ ابن ہمام ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے تحقیقی کام کے ساتھ حیدر آباد دکن سے ۱۹۵۵ء میں شائع ہوا ہے۔ مولانا عبید اللہ صاحب حیدر آباد می لے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے جو شائع ہو چکا ہے۔ تیرہ صدیوں تک یہ کتاب غفلت میں ہی رہی۔ اس سے بہت پہلے مسند امام احمد مصر میں چھپ چکی تھی۔ اس میں مرویات ابی ہریرہؓ ایک مستقل سند ہے۔ مسند امام احمد کی جلد دوم میں صحیفہ ہمام بن منبہ کی کل احادیث مرویات ابی ہریرہؓ میں موجود ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ قدامت نے حدیث کس احتیاط سے جمع کی کہ تیرہ صدیوں بعد آنے والا مجموعہ صدیوں بعد شائع ہونے والی کتابوں سے ہو نہ ہو اور حرف بحرف مطابق نکلا۔ اس وقت متن حدیث کی قدیم ترین کتاب جسے ہم دیکھ سکتے ہیں یہی ہے۔

حدیث کی دس پہلی کتابیں

پہلے ان دس کتابوں سے تعارف کیجئے جو صحاح ستہ کے وجود میں آنے سے پہلے لکھی جاپچکی تھیں اور علماء متقدمین و متأخرین ان کے حوالوں سے ردایا قبولاً بحث کرتے آئے ہیں اور ان کی اصیلت authenticity کسی دور میں مخدوش نہیں سمجھی گئی۔

① مسند امام ابی حنیفہؒ (۱۵۰ء)

امام اعظم ابو حنیفہؒ کا موضوع زیادہ ترقہ تھا حدیث نہیں تاہم آپ فہمنا احادیث بھی روایت کرتے جاتے تھے جنہیں آپ کے شاگرد آپ سے روایت کر دیتے تھے مختلف علمائے آپ سے روایت شدہ احادیث کو جمع کیا ہے۔ علامہ خوارزمی (۵۶۶ھ) نے انکے پندرہ جمع شدہ مجموعے مسند ابی حنیفہ کے نام سے مرتب کیے ہیں۔ ان مجموعوں کو امام صاحب سے براہ راست نقل کرنے والے امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ امام صاحبؒ کے صاحبزادے حمادؒ اور امام حسن بن زیادؒ ہیں۔ ان میں سب سے بہتر مجموعہ محدث حلیل موسیٰ بن زکریا حنفی کا ہے۔ اسے ہی مسند ابی حنیفہ کہا جاتا ہے۔ یہ کتاب مصر، ہندوستان اور پاکستان میں بار بار چھپ چکی ہے۔

محدث کبیر ملا علی قاریؒ نے مسند الانام فی شرح الامام کے نام سے اس کی شرح لکھی جو ۸۸۹ھ میں مطبع محمدی لاہور نے شائع کی تھی۔ یہ کتاب مولانا محمد حسن سمبھلی کے حاشیہ کے ساتھ اصح المطابع لکھنؤ سے ۱۳۰۹ھ میں شائع ہوئی۔

② موطا امام مالکؒ (۱۷۹ء)

موطا لفظ توطیہ سے ہے۔ توطیہ کے معنی روندنے، تیار کرنے اور آسان کرنے کے ہیں۔ امام مالکؒ نے اسے مرتب کر کے شرفقہاء کے سامنے پیش کیا۔ سب نے اس سے اتفاق کیا۔ اسی وجہ سے اس اتفاق شدہ مجموعہ کو موطا کہا گیا۔ امام مالکؒ نے اسے فقہاء کے سامنے کیوں پیش کیا؟ محدثین کے سامنے کیوں نہیں؟ ملحوظ رہے کہ ان دنوں فقہاء ہی حدیث کے اصل امین سمجھے جاتے تھے اور یہی لوگ مرادات حدیث کو زیادہ جاننے والے مانے جاتے تھے۔

امام مالکؒ کا موضوع چونکہ زیادہ ترقہ تھا۔ اس لیے آپ نے اس میں سند کے اتھال کی بجائے تعامل اہمیت کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ آپ اس میں اقوال صحابہؓ اور تابعینؒ بھی لے آئے ہیں۔ آپ کے ہاں سنت وہی ہے جس پر اہمیت میں تسلسل سے عمل ہوتا آیا ہو۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں :-

منجہ بأقوال الصحابة وفتاوی التابعین ومن بعدهم۔^۱

ترجمہ: آپ نے صحابہ کے اقوال اور تابعین اور ان کے بعد کے لوگوں کے فتاویٰ اس میں شامل کیے ہیں۔
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اسے فقہ کی کتاب شمار کرتے ہیں۔ جہاں تک اس کی اساتید کا تعلق ہے۔ اس کے بارے میں لکھتے ہیں :-

لیس فیہ مرسل ولا منقطع الا وقد اتصل السند بہ من طرق اخری۔^۲
ترجمہ: اس میں کوئی مرسل اور منقطع روایت ایسی نہیں جو دوسرے طرق سے متصل نہ ہو چکی ہو۔

موطا امام مالک میں ۸۲۲ روایات مرفوع ہیں۔ جو حضور تک پہنچتی ہیں۔ ان میں سے بھی ۶۴۴ مرسل ہیں۔ جو تابعین کی روایت سے حضور تک پہنچی ہیں۔ انہیں محدثین کی اصطلاح میں مرسل کہتے ہیں۔ اس دور میں مرسل احادیث لائق قبول سمجھی جاتی تھیں۔ جب تک جھوٹ اور فتنوں کا دور شروع نہیں ہوا۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک جیسے اکابر مرسل روایات کو بلا تردد قبول کرتے رہے۔

امام مالک سے موطا کے سولہ نسخے آگے چلے۔ جن میں صحیح ترین نسخہ امام یحییٰ بن یحییٰ مصموری الاندلسی کا ہے۔ موطا مالک ان دنوں اسے ہی کہتے ہیں۔ بڑے بڑے متبحر علماء نے اس کی شروح اور حواشی لکھے ہیں۔ ان کا کچھ ذکر آپ کو شروح حدیث کے ذیل میں ملے گا۔ حضرت امام شافعیؒ نے لکھا ہے :-

ما علی ظہر الارض کتاب بعد کتاب اللہ اصح من کتاب مالک۔^۳

ترجمہ: تختہ زمین پر کوئی کتاب قرآن کریم کے بعد موطا سے زیادہ صحیح نہیں۔

یہ اس وقت کی بات ہے۔ جب صحیح بخاری اور صحیح مسلم وجود میں نہ آئی تھیں اور صحت سند کے لحاظ سے موطا مالک اپنی مثال آپ تھی۔ اس کی کوئی روایت جرح راوی کی وجہ سے ضعیف نہیں۔ امام مالک سے ایک ہزار کے قریب علماء نے موطا لکھی ہے۔

۱۔ مقدمہ فتح الباری ص ۱۵ مسوی عربی شرح موطا ص ۲۵ حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۳۳ جلد اول

۲۔ تزئین الممالک ص ۵۷ بیتان المحدثین اردو ترجمہ ص ۲۲ طبع کراچی۔

③ کتاب الآثار امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ)

گر آپ حدیث کے امام تھے، مگر آپ کا موضوع بھی فقہ تھا۔ آپ نے احادیث بھی بہت روایت کی ہیں۔ زیادہ روایات امام ابو حنیفہؒ سے لیتے ہیں۔ کتاب الآثار فقہی طرز میں آپ کی روایات کا ایک مجموعہ ہے۔ امام سیحی بن معینؒ (۲۳۳ھ) لکھتے ہیں:۔

کان ابو یوسف القاضی بمیل الی اصحاب الحدیث وکتبت عنہ۔
ترجمہ۔ امام ابو یوسف محدثین کی طرف زیادہ مائل تھے اور آپ کی روایات لکھی جاتی تھیں۔
امام ابو یوسفؒ کی اس کتاب کو مطبع احیاء المعارف الشعمانیہ نے ۱۳۵۵ھ میں شائع کیا ہے۔

④ کتاب الآثار امام محمدؒ (۱۸۹ھ)

مصر اور ہندوستان میں بار بار چھپ چکی ہے۔ اس کی متعدد شرحیں بھی لکھی گئیں جن میں سے بہترین شرح مفتی دارالعلوم دیوبند مفتی مہدی حسن صاحب کی ہے جو تین جلدوں میں ہے۔
کتاب الآثار امام محمدؒ کا عربی متن پہلے مطبع اسلامیہ نے ۱۳۲۹ھ میں شائع کیا تھا۔

⑤ موطا امام محمدؒ (۱۸۹ھ)

امام محمدؒ نے امام ابو حنیفہؒ کی وفات کے بعد حضرت امام مالکؒ سے موطا سنی۔ اور پھر آپ نے خود ایک موطا ترتیب دی جس میں زیادہ روایات امام مالکؒ سے لی ہیں۔ موطا امام محمدؒ بھی درسی کتاب ہے۔ ہندوستان، پاکستان، ترکی اور افغانستان کے مدارس حدیث میں پڑھائی جاتی ہے اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ اس میں مرویات آپ کی ہیں۔ مگر تبویب آپ کے شاگردوں میں سے کسی نے کی ہے۔ ہکذا سمعت من بعض الثقات۔

④ مسند امام شافعیؒ (۲۰۴ھ)

آپ کا زیادہ تر موضوع فقہ تھا۔ مگر آپ اس کے ضمن میں احادیث بھی روایت کرتے تھے۔ آپ کے دور میں فقہ بہت اُبھر آئے تھے اور جھوٹ عام ہو چکا تھا۔ اس لیے آپ نے راویوں کی جانچ پڑتال پر بہت زور دیا اور تعامل امت کی نسبت صحت سند کو اپنا مآخذ بنایا۔ آپ نے یہ مسند خود ترتیب نہیں دی۔ اس کے مرتب ابوالعباس محمد بن یعقوب الاصم (۲۴۶ھ) ہیں۔ یہ مسند امام شافعیؒ سے امام مزنیؒ نے اور امام مزنیؒ سے امام طحاویؒ (۳۲۱ھ) نے بھی روایت کی ہے۔ اس کی بھی کئی شروح لکھی گئیں جن میں محمد الدین ابن اثیرؒ (۶۰۶ھ) اور امام سیوطیؒ کی شرحیں زیادہ معروف ہیں۔

⑤ المصنف لعبد الرزاق بن ہمام (۲۱۱ھ)

عبد الرزاقؒ امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد تھے۔ المصنف گیارہ جلدوں میں بیروت سے شائع ہوئی ہے۔ ماشیہ پر تحقیقی کام دیوبند کے مشہور محدث مولانا حبیب الرحمن اعظمی نے کیا ہے۔ پہلے دور کی کتابوں کی طرح اس میں صحابہؓ اور تابعینؒ کے فتاویٰ بھی بہت ہیں اور مؤلف متصل و مرسل ہر طرح کی روایات لے آئے ہیں۔ ان دنوں محدثین تعامل امت پر فکری نظر رکھتے تھے۔

⑥ مسند ابی داؤد الطیالسی (۲۲۴ھ)

دائرہ المعارف حیدرآباد دکن نے ۱۳۳۶ھ میں اسے شائع کیا ہے۔ مسند کی ترتیب پر ہے۔ صحابہؓ کی مرویات علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اب ابواب فقہ کی ترتیب سے بھی چھپ گئی ہے۔ اس میں بعض ایسی احادیث ہیں جو اور کتابوں میں نہیں ملتیں۔ اس پہلو سے یہ کتاب بہت اہمیت کی حامل ہے۔

⑦ المصنف لابن ابی شیبہ (۲۳۵ھ)

پورا نام الکتاب المصنف فی الامادیث والآثار ہے مؤلف امام حافظ ابوبکر عبداللہ بن

محمد بن ابراہیم بن عثمان ابو شیبہ ہیں۔ مولانا عبد الخالق افغانی رئیس مجلس علمی بدائرة المعارف العثمانیہ کے تحقیقی کام کے ساتھ تیسری جلد تک چھپ چکی ہے۔ تیسری جلد کتاب الجنائز پر مکمل ہوئی۔ اور ۳۳۸ء میں چھپی۔ پھر یہ سلسلہ رک گیا۔ اب نئے سرے سے حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی کے تحقیقی حاشیہ کے ساتھ کلا چھپ رہی ہے۔ اس کا اہتمام فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب خلیفہ مجاز حضرت الشیخ مولانا محمد زکیا محدث سہارنپوری کر رہے ہیں۔

⑩ مسند امام احمد بن حنبل الشیبانی (۲۴۱ھ)

مسند احمد کی موجودہ ترتیب آپ کے صاحبزادے عبد اللہ کی ہے۔ قاضی شوکانی لکھتے ہیں۔ امام احمد نے جس روایت پر سکوت اختیار کیا ہے اور اس پر جرح نہیں کی وہ لائق احتجاج ہے۔ اس سے اس مسند کی عظمت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ مسند احمد کی شرط روایت ابو داؤد کی ان شرائط سے قوی ہے۔ جو انہوں نے اپنی سنن اختیار کی ہیں۔ امام ابو داؤد رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

وما لعاذ کر فیہ شیاء فہو صالح وبعضہا اصح من بعض

ترجمہ اور جس راوی کے بارے میں میں نے کچھ نہیں لکھا۔ وہ اس لائق ہے کہ اس سے حجت پکڑی جائے۔ علامہ ابن الجوزی اور حافظ عراقی نے مسند احمد کی ۳۸ روایات کو موضوع قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان میں ۹ روایات کا پورا دفاع کیا ہے اور اس پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ جو حیدرآباد دکن سے شائع ہو چکی ہے۔ چودہ روایات کا جواب حافظ جلال الدین سیوطی نے الذیل المکھد میں دیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے مسند امام احمد کو طبقہ ثانیہ کی کتابوں میں جگہ دی ہے۔ حافظ سراج الدین عمر بن علی ابن الملقن (۸۰۴ھ) نے مسند احمد کا ایک اختصار بھی کیا ہے اور علامہ ابوالحسن سندھی (۱۲۳۹ھ) نے مسند احمد کی ایک شرح بھی لکھی ہے۔ شیخ احمد بن عبد الرحمن البتاء نے اسے فقہی ابواب پر مرتب کیا اور شیخ احمد شاہ نے اس پر تحقیقی کام کیا ہے۔ اس کا نام الفتح الربانی من مسند احمد بن حنبل شیبانی ہے۔ یہ ۲۲ جلدوں میں ہے۔ ۳۵۳ء میں پہلی جلد شائع

۱۔ نیل الاوطار جلد ۱ ص ۱۳۱ مقدمہ سنن ابی داؤد ص ۱۳۱ القول المسد فی الذب عن مسند احمد اس کا نام ہے۔

ہوئی بسکۃ میں آخری جلد مبطع غوریہ مصر سے شائع ہوئی۔

پہلے دور کے یہ دس نمونے مختلف قسموں پر جمع ہوئے ہیں۔ اس دور کی اور بھی بہت کتابیں تھیں جو اس وقت ہماری رسائی میں نہیں۔ لیکن ان کے حوالے شروح حدیث میں عام ملتے ہیں۔ اور ان کے مخطوطات بھی کہیں کہیں موجود ہیں۔ ان کے تعارف کا عملاً کوئی فائدہ نہیں۔ صرف چند نام سن لیجئے۔

سنن کبیر الدمشقی (۱۱۶ھ) سنن ابن جریر الکلی (۱۵۰ھ) جامع معمر بن راشد (۱۵۳ھ) جامع سفیان الثوری (۱۶۱ھ) مسند احمد بن عمر البزار (۱۶۴ھ) مسند دیکع بن الجراح (۱۹۷ھ) مسند ابن الجارود الطیالسی (۲۰۴ھ) مسند الفریابی (۲۱۲ھ) مسند ابی عبید قاسم بن سلام (۲۲۴ھ) مسند ابن المدینی (۲۳۴ھ) مسند اسحق بن راہویہ (۲۳۸ھ)۔ خدا کرے یہ مجموعے بھی شائع ہو جائیں ان سے باب حدیث میں نئی تحقیقات کا اضافہ ہوگا۔

یہ صحیح ہے کہ اس دور کے آخر میں تالیف حدیث اپنے فنی کمال کو پہنچ گئی اور محدثین نے وہ گراں قدر مجموعے مرتب کیے کہ خود فن ان پر ناز کرنے لگا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم اسی دور آخر کی تالیفات ہیں۔

صحاح ستہ کا دور تدوین و تالیف

مسلمانوں میں حدیث کی چھ کتابیں انتہائی معتد سمجھی گئی ہیں۔ انہیں صحاح ستہ کہتے ہیں۔ ان میں پہلی دو کتابیں تو کل کی کل صحیحین ہیں۔ اور دوسری چار کتابیں سنن کہلاتی ہیں۔ یہ سنن اربعہ بشیر صحیح روایات پر مشتمل ہیں۔ فن حدیث میں یہ چھ کتابیں انتہائی لائق اعتماد سمجھی جاتی ہیں بشہرہ مستشرقین مخلصین انہیں اسلام کی canonical books لکھتا ہے۔ مسلم طلبہ کے لیے ان چھ کتابوں کا تفصیلی تعارف ضروری ہے۔ یہ کتابیں تدوین حدیث کے دوسرے دور سے تعلق رکھتی ہیں۔

① صحیح البخاری

امام محمد بن اسماعیلؒ (۲۵۶ھ) کی اس کتاب کا پورا نام الجامع لصحیح المسند من حدیث رسول اللہ

دستہ دایامہ ہے۔ اس نام میں سند اپنے اصطلاحی معنوں میں نہیں۔ اسے الجامع صحیح بھی کہتے ہیں۔ کیوں کہ فن حدیث کے آٹھوں ابواب (کتاب) اس میں جمع ہیں۔ امام بخاری نے صحت سند، فقہ حدیث اور تحریر تراجم میں حدیث کا وہ عظیم الشان مجموعہ تیار کیا ہے کہ اسے بجا طور پر اسلام کا اعجاز سمجھنا چاہیے۔ اہل فن اسے اصح الکتاب بعد کتاب اللہ قرار دیتے ہیں۔

امام بخاریؒ "تقیع حدیث" حدیث کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے اس کے اجزاء کو علیحدہ علیحدہ روایت کرنا، کے قائل تھے۔ وہ حدیث کے مختلف اجزاء کو مختلف ابواب میں لاتے ہیں۔ امام صاحب کا ترجمہ الباب Chapter heading امام صاحب کا فقہی نظریہ ہوتا ہے۔ جو ان کے خیال میں اس حدیث میں لپٹا ہوتا ہے۔ جملہ فقہ البخاری فی تراجمہ علمائے حدیث میں بہت معروف ہے۔ ان فقہی تراجم کے باعث امام صاحب کو بعض روایات بار بار بھی روایت کرنی پڑی ہیں۔ صحیح بخاری کی کل مرویات ۴۵، ۴۶ ہیں۔ مکررات کو حذف کر کے چار ہزار کے قریب رہ جاتی ہیں۔ پھر ساری روایات مرفوع (جو حضورؐ تک پہنچتی ہوں) نہیں ہیں۔ موقوف روایات (صحابہ کی روایات) اور تابعین کبار کے بہت سے اقوال بھی اس میں ملتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام بخاریؒ حدیث رسول کے بعد اپنے آپ کو آزاد نہیں سمجھتے۔ بلکہ ان کی فکر انہیں سلف کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ وہ صحابہؓ اور تابعینؓ سے مستغنی رہ کر نہ چلتے تھے۔ صحابہؓ اور دیگر ائمہؒ کی طرف بھی رجوع کرتے ہیں علامہ سید محمد رفیع الحسینی زبیدی (۱۲۰۵ھ) نے صحیح بخاری کی اسانید اور مکررات حذف کر کے تجرید بخاری مرتب کی۔ یہ تجرید بھی اپنی جگہ بہت متداول ہے۔

② صحیح مسلم

امام مسلم (۲۶۱ھ) نے فن حدیث میں صحت سند، حسن صناعت اور مسلک محدثین کے التزام سے ایسی کتاب ترتیب دی ہے کہ کتب حدیث میں اس کی نظیر نہیں۔ اس پہلو سے یہ صحیح بخاری سے بھی فائق ہے۔ ابواب امام مسلم کے لکھے ہوئے نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ حدیث پوری روایت کرتے ہیں۔ جس میں کئی کئی مضامین منظوم ہوتے ہیں۔ آپ امام بخاریؒ کی طرح تقیع حدیث (حدیث کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے متعلقہ موضوعات میں لانا) نہیں کرتے۔ صحیح مسلم

کی احادیث مکررات حذف کرنے کے بعد چار ہزار رہ جاتی ہیں۔ حافظ ابو عوانہ الاسفرائینی (۳۱۶ھ) نے صحیح مسلم پر استخراج کر کے مسند ابی عوانہ مرتب کی ہے۔ جو صحیح مسلم کی شرطوں پر مزید احادیث ہیں حافظ منذری (۶۵۶ھ) نے تجرید الصحیح کے نام سے اس کی تجرید کی ہے۔ محمد بن احمد بن محمد الغزالی (۴۱۸ھ) نے تہذیب الصحیح کے نام سے اس کا ایک اختصار کیا ہے۔ علمائے حدیث نے صحیح مسلم کی کئی شرحیں لکھی ہیں۔

اس دور میں جس کے پیشرو حضرت امام بخاری اور امام مسلم ہوئے اور بھی کئی بلند پایہ اہل فن اٹھے جنہوں نے اپنے گراں قدر مجموعہ ہائے حدیث سے اس فن کو تکمیل بخشنی۔ ان میں یہ تین کتابیں چوٹی کی کتابیں ہیں اور بعض فنی اعتبارات سے ان کی بھی نظیر نہیں ملتی۔

① سنن ابی داؤد (۲۴۵ھ) ② جامع ترمذی (۲۷۹ھ) ③ سنن نسائی (۳۰۳ھ)

① سنن ابی داؤد (۲۴۵ھ)

فقہی اعتبار سے بہت بلند پایہ کتاب ہے۔ ایک مجتہد تہذیب شریعت اور تدوین فقہ میں جن احادیث کا محتاج ہو سکتا ہے وہ سب اس سنن میں موجود ہیں اسے اوق الکتب بعد کتاب اللہ کہا جاتا ہے۔ صحیح بخاری اصح ہونے میں اس سے اول ہے۔ مگر اوق ہونے میں اس کا نام آگے ہے۔ حافظ منذری نے اس کی بھی تلخیص کی ہے۔ کتب حدیث میں یہ سب سے پہلی کتاب ہے جس کی شرح سب سے پہلے لکھی گئی۔ حافظ احمد بن محمد امام ابوسلیمان الخطابی (۳۸۸ھ) نے معالم السنن کے نام سے اس کی شرح لکھی جو بارہا چھپ چکی ہے۔

امام ابوداؤد کی کتاب مراسیل ابی داؤد مراسلات پر پہلا مرتب مجموعہ ہے بعض اہل مطابع نے اسے سنن کے آخر میں شامل کر دیا ہے۔ امام ابوداؤد حنبلی المسک تھے۔ امام احمد کی طرح احادیث صحابہ کو بہت اہمیت دیتے تھے اور مرفوع احادیث کے اختلاف میں عمل صحابہ کو حجت سمجھتے تھے۔ امام ابو حنیفہ کو بھی امام تسلیم کرتے تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:-

قال ابوداؤد رحمہ اللہ ان ابا حنیفۃ کان اماماً۔ ابوداؤد نے کہا۔ بے شک ابو حنیفہ امام تھے۔

سنن ابی داؤد کی مرویات ساڑے چار ہزار کے قریب ہیں۔

② جامع ترمذی (۲۷۹ھ)

اس کتاب کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ امام ترمذی ہر حدیث کے آخر میں اس کی سند کے بارے میں صحیح، حسن یا ضعیف ہونے کا حکم لگاتے ہیں اور طلبہ حدیث کو مدارج حدیث معلوم کرنے میں اس سے بہت مدد ملتی ہے۔ پھر آپ آخر ابواب میں مذاہب فقہاء بھی بیان کرتے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان نول فہم حدیث میں مذاہب فقہاء کو کس درجہ اہمیت حاصل تھی اور محدثین بیان حدیث میں فقہاء کی آراء بیان کرنے میں کوئی عار نہ سمجھتے تھے۔

آپ اس کتاب میں ہر مسلک کی روایات کو لاتے ہیں۔ اس سے شریعت کی وسعت نظر اور سنن کی وسعت عمل کا پورا نقشہ پوری حکمت سے کھچا نظر آتا ہے۔ آپ نے اس میں امام بخاری کی طرح جمیع ابواب حدیث کو روایت کیا ہے۔ اس لیے سنن ترمذی کو جامع ترمذی کہا جاتا ہے ورنہ اپنی نوع میں یہ سنن کی طرز پر مرتب ہے۔ امام نجم الدین سلیمان بن عبد القوی الطوفی (د ۱۱۷۵ھ) نے مختصر جامع ترمذی کے نام سے اس کا ایک اختصار کیا ہے۔ جامع ترمذی کی کئی شرح لکھی گئی ہیں۔ جو علماء میں مشہور ہیں۔

③ سنن نسائی (۳۰۳ھ)

صحت سند میں صحیحین کے بعد اسی کا درجہ ہے۔ سند حدیث کی علل پر امام نسائی کی نظر امام ابو داؤد اور امام ترمذی سے بھی گہری ہے۔ آپ اس باب میں امام ابو زرعہ اور امام بخاری کے طبقہ کے معلوم ہوتے ہیں۔ سنن نسائی جو دروسوں میں پڑھائی جاتی ہیں اس کا اصل نام المجتبیٰ من سنن النسائی ہے۔ امام نسائی نے سنن نسائی کا یہ خود اختصار کیا ہے۔ امام نسائی کی سنن کبریٰ مخطوطات کی شکل میں کئی کتب خانوں میں موجود ہے۔ بعض علماء دیوبند اس پر تحقیقی کام کر رہے ہیں اس کی اشاعت سے علم حدیث میں ایک نئے باب کا اعناذ ہو گا۔ امام نسائی نے المجتبیٰ میں احادیث کی ترویج امام بخاری کی طرز پر کی ہے اور کوشش کی ہے کہ تراجم ابواب میں مضمون حدیث کی

طرف پورا اشارہ ہو جائے۔

نواب صدیق حسن خاں صاحب نے آپ کو شافعی المسک لکھا ہے۔ مگر مولانا نور شاہ صاحب محدث کشمیری آپ کو حنبلی المسک بتاتے ہیں۔ سنن نسائی پر بھی شروح و حواشی کا بہت کام ہوا ہے اور متون حدیث میں اسے بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے ساتھ مل کر یہ تین کتابیں صحاح ستہ کی اصل ہیں۔ موطا امام مالک یا سنن دارمی یا سنن ابن ماجہ کو ساتھ ملا کر انہیں صحاح ستہ کہتے ہیں۔

موطا امام مالک کا ذکر دورِ اول کی دس کتابوں میں ہو چکا ہے۔ سنن دارمی ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن الدارمی سمرقندی (۲۵۵ھ) کی تالیف ہے۔ امام بخاری کے ہم عصر ہیں۔ آپ سے امام مسلم ابو داؤد اور ترمذی نے بھی روایات لی ہیں۔ سنن دارمی پہلے ہندوستان میں مطبع نظامی کان پور میں ۱۲۹۳ھ میں چھپی۔ اب مصر میں بھی بارہا چھپ چکی ہے۔ دو جلدوں میں ہے اور اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ سنن ابن ماجہ (۲۴۳ھ) ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ القزوينی کی تالیف ہے۔ آپ نے امام مالک کے کئی شاگردوں سے حدیث سنی۔ سنن ابن ماجہ اپنی وسعت اور جامعیت سے اس لائق ہے کہ اسے صحاح ستہ کی چھٹی کتاب سمجھا جائے۔ علمائے حدیث نے اس پر بھی بہت کام کیا ہے اور اس کے بسیط حواشی لکھے ہیں۔ مولانا عبد الرشید نعمانی کی کتاب ما تدریج الحاجہ لمن یطالع سنن ابن ماجہ اس باب میں ایک نہایت مفید مقدمہ علم حدیث ہے۔

صحاح ستہ کے بعد کے متداول مجموعے

صحاح ستہ کے بعد جن کتابوں کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی اور وہ علماء کو دستیاب ہیں

یہ ہیں :-

① شرح معانی الآثار امام طحاوی (۳۲۱ھ)

اپنے طرز کی نہایت عجیب کتاب ہے۔ کتب حدیث میں اس کی مثل نہیں دیکھی کتاب ہے

دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث میں پڑھائی جاتی ہے۔ افسوس کہ اس کی طباعت میں بہت کم محنت کی گئی ہے۔ موجودہ مطبوعہ نسخوں میں تقریباً ہر صفحے میں کوئی نہ کوئی غلطی موجود ملتی ہے۔ منظرِ اہل العلوم سہارنپور کے مولانا محمد ایوب صاحب نے اس سلسلہ میں بہت محنت کی ہے اور تصحیح الاغلاط الکتابیہ الواقعہ فی النسخ الطحاویہ دو ضخیم جلدوں میں شائع کی ہے۔ یہ کتاب مکتبہ اشاعت العلوم سہارنپور سے ملتی ہے۔ علامہ عینی جیسے بلند پایہ محدثین نے شرح معانی الآثار کی شرح کئی ضخیم جلدوں میں لکھی ہیں۔

② مشکل الآثار امام طحاوی (۳۲۱ھ)

امام طحاوی نے اس میں مشکل اور ظاہراً متعارض احادیث پر بہت فاضلانہ بحث کی ہے۔ افسوس کہ یہ پوری شائع نہیں ہوئی۔ حیدرآباد دکن سے اس کی چار جلدیں شائع ہوئی ہیں۔ اور یہ پوری کتاب کا تقریباً نصف ہیں۔ امام طحاوی نے اس کا ایک اختصار بھی کیا ہے۔ جسے قاضی جمال الدین یوسف بن موسیٰ نے المعقصر من المختصر من مشکل الآثار کے نام سے مرتب کیا ہے۔ یہ المعقصر ۱۳۱۲ھ میں حیدرآباد دکن سے پہلی مرتبہ شائع ہوئی ہے۔ پھر یہ مہر سے بھی شائع ہو چکی ہے۔

③ المعجم الکبیر للطبرانی (۳۶۰ھ)

حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی (۳۶۰ھ) نے حدیث کے تین مجموعے قلمبند کیے۔ ان میں سے سب سے بڑا مجموعہ یہ ہے۔ المعجم الصغیر للطبرانی مطبع انصاری دہلی میں ۱۳۱۱ھ میں چھپی تھی۔ المعجم الکبیر کا ایک مخطوطہ کسی زمانہ میں جامعہ عباسیہ بہاولپور کی لائبریری میں موجود تھا۔

④ سنن دارقطنی (۳۸۵ھ)

ابوالحسن علی بن عمر الدارقطنی بغداد کے محلہ دارقطن کے رہنے والے تھے۔ علل احادیث میں اپنے وقت کے امام اور منتہی تھے۔ اسماء الرجال میں کہیں کہیں تصحیب کی رد میں ہیں بہہ نکلے ہیں۔ بہت سے علماء نے اس کتاب پر قابل قدر حواشی لکھے ہیں۔ کتاب میں بہت سی منکر شاذ ضعیف

اور موضوع روایات موجود ہیں تاہم کئی پہلوؤں سے کتاب مفید ہے۔

⑤ مستدرک حاکم (۵۲۰۵)

چار ضخیم جلدوں میں حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی ہے۔ ساتھ ساتھ حافظ شمس الدین الذہبی کی کتاب تلخیص المستدرک بھی ہے۔ حافظ ذہبی اسانید پر ساتھ ساتھ کلام کرتے جاتے ہیں حاکم نے اپنے زعم میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم پر اسی کتاب میں استدرک کیا ہے۔ اسی لئے اسے مستدرک علی الصحیحین کہتے ہیں۔

⑥ سنن کبریٰ للبیہقی (۵۲۵۸)

ابو بکر احمد بن المحسن البیہقی کی کتاب سنن کبریٰ دس ضخیم جلدوں میں حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی ہے۔ ساتھ ساتھ علامہ علاؤ الدین المارودینی الترمذی کی کتاب اسجود النقی فی الرد علی البیہقی بھی ہے۔ اس میں علامہ ترمذی کی حنفیہ کی طرف سے امام بیہقی کو ساتھ ساتھ جواب دیتے جاتے ہیں امام پایہ بلند پایہ شافعی المذنب فقیہ تھے۔

⑦ معرفة السنن والآثار للبیہقی (۵۲۵۸)

دو جلدوں میں مصر سے شائع ہوئی ہے۔ اپنے طرز کی نادر کتاب ہے۔ امام بیہقی نے اس میں کہیں کہیں امام طحاوی کے طرز پر چلنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اس میں وہ کامیاب نہیں ہو سکے ویسے یہ ایک بلند پایہ کتاب ہے۔ امام بیہقی کی شعب الایمان جس سے صاحب مشکوٰۃ نے روایات لی ہیں۔ اس کے علاوہ ہے۔

⑧ کتاب التمهید لابن عبد البر المالکی (۵۲۶۳)

امام ابن عبد البر نے جامع بیان العلم میں اور الاستیعاب میں اپنی سند سے بہت روایات کی ہیں۔ لیکن کتاب التمهید لما فی الموطا من المعانی والاسانید اپنے موضوع میں نہایت فاضلانہ

مجموعہ حدیث ہے۔ مراکش کے محکمہ شئون اسلامی نے اسے تحقیقی کام کے ساتھ بیس جلدوں میں شائع کیا ہے۔ امام ابن عبدالبر نے تجرید التہذیب کے نام سے اس کی ایک تفہیم کی ہے۔ جو دو جلدوں میں چھپ چکی ہے

⑨ نوادر الاصول فی معرفۃ اقوال الرسول

یہ ابو عبد اللہ محمد الحکیم الترمذی (ھ) کی تالیف ہے۔ جو حاشیہ مرقات الاصول کے ساتھ بیروت سے شائع ہوئی ہے۔ حکیم ترمذی اپنے وقت کے قطب تھے۔
(فتوحات مکیہ جلد ۱ ص ۱۸۴)

⑩ حلیۃ الاولیاء لابن نعیم الاصفہانی (۴۴۰ ھ) خطیب تبریزی اکنال میں لکھتے ہیں:

هو من مشايخ الحديث الثقات المعمول بحديثهم المرجوع الى قولهم كبير القدر
(ترجمہ) ثقہ مشائخ حدیث میں سے ہیں۔ جن کی روایت اور ان کے قول کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔
نوٹ: ان کتابوں کے علاوہ اس دور کی کچھ اور کتابیں بھی ہیں جن کا شمار معتبر کتابوں میں ہوتا ہے۔ یہ چونکہ زیادہ متداول نہیں، اس لیے ان کی روایات بدول تحقیق اسناد نہ لینی چاہیں ان میں یہ کتابیں زیادہ معروف ہیں۔

مسند ابی یعلیٰ (۴۰۷ ھ) صحیح ابن خزیمہ (۳۱۱ ھ) صحیح ابن حبان (۳۵۴ ھ) عمل الیوم و اللیلۃ حافظ ابوبکر احمد بن اسحاق المعروف بابن السنی (۳۶۳ ھ) تہذیب الآثار لابن جریر الطبری (۳۱۰ ھ) مسند ابی بکر عبداللہ بن الزبیر الحمیدی (۲۱۹ ھ) مسند ابن بزار (۲۹۲ ھ) منتقی ابن الجارود (۳۰۷ ھ) المحلی لابن حزم (۴۵۷ ھ)

بیان کتب حدیث

کتب حدیث مختلف وضع و ترتیب سے لکھی گئی ہیں۔ اس لیے یہ مختلف الانواع ہیں۔ جو ترتیب سے زیادہ عمل میں آئی وہ سنن کی ترتیب ہے۔ اس کے بعد جس ترتیب نے راہ پائی وہ مسند ہے۔ جو جاذبیت اور مقبولیت لفظ صحیح میں ہے۔ اس پہلو سے یہ سب سے مقدم ہے۔

① موطا

جس کتاب کو مؤلف نے دوسرے علماء کے سامنے پیش کیا ہو اور انہوں نے اس پر اتفاق فرمایا ہو۔ اسے موطا کہتے ہیں۔ جیسے موطا ابن ابی ذئب (۱۵۹ھ) موطا امام مالک (۱۷۹ھ) موطا امام محمد (۱۸۹ھ) وغیرہ۔

② الصحیح

یہ وہ کتابیں ہیں جن میں اُن کے مؤلفین نے اپنے خیال میں صرف صحیح احادیث لانے کا التزام کیا ہو۔ جیسے صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان وغیرہ۔

③ المصنف

جن میں روایات محض جمع کرنے کے ارادے سے لکھی گئی ہوں۔ جیسے المصنف بعبد الرزاق (۲۱۱ھ) المصنف لابن ابی شیبہ (۲۳۵ھ) یہ دونوں مصنف چھپ چکے ہیں۔

④ الجامع

جامع وہ کتاب ہے جس میں تفسیر عقائد، آداب، احکام، مناقب، سیر فتن، علامات قیامت وغیرہ ہر قسم کے مسائل کی احادیث مندرج ہوں۔ جیسے صحیح البخاری، کتب سنن میں صرف سنن ترمذی ہے۔ جو ان تمام ابواب پر مشتمل ہے اور اسے جامع ترمذی کہا جاتا ہے۔

⑤ السنن

یہ وہ کتابیں ہیں جو فقہی ابواب یا احکام کی ترتیب سے لکھی گئیں۔ جیسے سنن دارمی (۲۵۵ھ) سنن ابی داؤد (۲۴۵ھ) سنن ترمذی (۲۴۹ھ) سنن نسائی (۳۰۳ھ) سنن ابن ماجہ (۲۴۳ھ) سنن دارقطنی (۳۸۵ھ) سنن بیہقی (۴۵۸ھ) وغیرہ۔

④ المسند

یہ وہ کتابیں ہیں جو صحابہ کرامؓ کی مرویات کی ترتیب سے لکھی گئیں۔ جیسے مسند امام عظیم (۱۵۰ھ) مسند امام شافعی (۲۰۴ھ) مسند امام احمد (۲۴۱ھ) مسند حمیدی (۲۱۹ھ) اور مسند ابی یعلیٰ (۲۰۷ھ) وغیرہ۔

⑤ المعجم

یہ وہ کتابیں ہیں جنہیں مؤلفین نے اپنے شیوخ کی ترتیب سے تالیف کیا۔ جیسے معجم طبرانی (۳۲۰ھ) معجم الحافظ ابی بکر احمد بن ابراہیم البخاری (۳۴۱ھ) وغیرہ۔

⑥ المستدرک

امام بخاری اور امام مسلم نے صحیح احادیث کے لیے جو شرطیں لگائی تھیں شیخین کے بعد ان شرطوں پر کچھ اور حدیثیں بھی ملیں۔ اس پہلو سے ان رہ گئی حدیثوں کی تلاش پچھلے کام پر ایک استدرک ہے۔ مستدرک حاکم (۴۰۵ھ) مستدرک الحافظ ابی ذر (۴۲۲ھ) اسی اصول پر مرتب ہوئیں۔

⑦ المستخرج

دوسرے محدثین کے جمع کردہ مجموعہ حدیث کو اپنی سندوں سے دریافت کرنا اور اس کے مطابق انہیں روایت کرنا تالیف حدیث کی ایک نئی محنت ہے۔ یہ عمل استخراج کہلاتا ہے۔ حافظ ابو عوانہ (۳۱۶ھ) نے صحیح مسلم پر مستخرج لکھی۔ اسی کا نام مسند ابی عوانہ ہے۔ جو حیدرآباد سے پھپ چکی ہے۔

اسی طرح اس عنوان اور طرز پر مستخرج ابن رجاہ الاسفرائینی (۲۸۶ھ) مستخرج ابن حبان (۳۲۱ھ) لکھی گئی۔ المنتقی لابن الجارود (۳۰۷ھ) صحیح ابن خزیمہ پر استخراج کی گئی ہے۔

⑩ جو کتابیں اپنے موضوع سے موسوم ہوئیں۔

ابن سلام (۲۲۴ھ) کی کتاب الاموال — امام احمد (۲۴۱ھ) کی کتاب الزہد — امام بخاری (۲۵۶ھ) کی جزر القراۃ اور جزر رفع الیدین — امام ابو داؤد (۲۴۵ھ) کی مراسیل — ابن قتیبہ (۲۴۶ھ) کی کتاب تاویل مختلف الحدیث — امام ترمذی (۲۴۹ھ) کی شمائل — امام نسائی (۳۰۳ھ) کی مناقب علی، کتاب السنہ لابن بکر الخلال البغدادی (۳۱۱ھ) — مشکل الآثار امام طحاوی (۳۲۱ھ) — عمل الیوم واللیلۃ للمافظ ابی بکر احمد بن اسحق المعروف بابن السنی (۳۶۳ھ) — کتاب الیقین للمافظ ابن ابی الدنیا (۳۸۱ھ) — کتاب السنہ لابن حبان (۳۶۹ھ) — کتاب الاسخاہ للدارقطنی (۳۸۵ھ) — کتاب السنہ ابن منذہ العبدی (۳۹۴ھ) — امام بیہقی (۴۵۸ھ) کی — کتاب الاسماء والصفات اور شعب الایمان اس نوع کی اہم کتابیں ہیں۔

ملاحظہ رہے کہ کئی محدثین نے مختلف اصناف پر حدیثیں جمع کی ہیں۔ اس لیے ان کے نام اگر مختلف انواع کتب کے تحت بار بار آئیں تو تعجب نہ ہونا چاہیے۔ پھر ایسا بھی ہے کہ ایک کتاب مختلف اعتبارات سے مختلف ناموں سے موسوم ہو۔ جیسے صحیح بخاری اس نام سے بھی معروف ہے اور اسے جامع بخاری بھی کہا جاتا ہے۔ جامع ترمذی سنن ترمذی کے نام سے بھی معروف ہے ہم نے ان انواع کتب میں چند معروف کتابوں کا ذکر کر کے ان مختلف اقسام تالیف کا ایک مختصر اور اجمالی تعارف کرا دیا ہے۔

نوٹ: یہ صحیح نہیں کہ یہ کتابیں ان اقسام کے اصولی ناموں کے خلاف اب دوسرے ناموں سے موسوم کی جانے لگی ہیں۔ جیسے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے ناموں سے مثال کے کرکئی نادان سنن دارقطنی، سنن بیہقی کو صحیح دارقطنی اور صحیح بیہقی کہنے لگے ہیں یا کوئی شخص سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ کو مسند نسائی اور معجم ابن ماجہ کہنے لگے۔ اس فن کو جاننے والے کبھی ایسی بات نہیں کہتے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے سنن دارقطنی کو کئی جگہ صحیح دارقطنی لکھا ہے۔ یہ مرزا صاحب کی فن حدیث میں علمی قابلیت ایک جلی نمونہ ہے۔

کتب حدیث کی مختلف قسموں کا ذکر یہاں ضمناً آیا ہے۔ ان مختلف ناموں کی تفصیل اس

لئے ضروری تھی کہ مختلف محدثین کے ناموں کے ساتھ ان کے جمع کردہ ذخیرہ حدیث کا اصولی نام سامنے آجائے۔ یہ تفصیل اسی لیے کی گئی ہے۔ اصل موضوع کلام متون حدیث کا تعارف ہے۔ اب تک ہم پچپن کتب حدیث کا ذکر کر چکے ہیں۔ دس کتابیں پہلے دور کی اور پندرہ اس سنہری دور کی جس میں فن تالیف حدیث اپنے کمال کو پہنچ چکا تھا۔ اس دور کا آغاز امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ جیسے ائمہ فن سے ہوتا ہے۔ امام نسائیؒ (۲۰۳ھ) کے بعد صحت اسناد کی محنت پھر کمزور پڑ گئی تھی۔ صحاح ستہ کا نام چھ کتابوں تک محدود ہو کر رہ گیا۔ تاہم اس سے انکار نہیں کہ بعد کے آنے والے ائمہ حدیث نے بھی وہ گرانقدر ضخیم مجموعے ہائے حدیث مرتب کیے کہ انکے اعتباراً متابعات اور شواہد و ذوائد فن کی تحقیق و تنقیح میں مزید نکھار کا موجب ہوئے ہیں اور ان میں کئی ایسی صحاح (صحیح حدیثیں) بھی آگئیں جو پہلے مجموعوں میں نہ تھیں۔ ان کتابوں کی تالیف سے سلسلہ تالیف حدیث مکمل ہوا۔ آئندہ کے لئے صرف یہ محنت باقی رہی کہ ان کتابوں کی مدد سے استخراج اور انتخاب کا سلسلہ آگے چلے۔

محدث کبیر حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری نے اصول حدیث پر ایک مختصر رسالہ خیر الاصول کے نام سے لکھا ہے۔ اس میں آپ نے کتب حدیث کی تقسیم اس طرح کی ہے —
حدیث کی کتابیں وضع و ترتیب مسائل کے اعتبار سے نو قسم پر ہیں۔

پہلی تقسیم

① جامع ② سنن ③ مسند ④ معجم ⑤ جزء ⑥ مفرد ⑦ غریب ⑧ مستخرج ⑨ مترک

① جامع

وہ کتاب ہے جس میں تفسیر عقائد، آداب، احکام، مناقب، سیر، فتن، علامات قیامت وغیرہ بر قسم کے مسائل کی احادیث مندرج ہوں۔ کماتیل ۵
سیر آداب و تفسیر و عقائد فتن احکام و اشراط و مناقب
جیسے بخاری و ترمذی۔

② سُنن

وہ کتاب ہے جس میں احکام کی احادیث، الباب فقہ کی ترتیب کے موافق بیان ہوں۔
جیسے سنن ابی داؤد و سنن نسائی و سنن ابن ماجہ۔

③ مسند

وہ کتاب ہے جس میں صحابہ کرامؓ کی ترتیب رتبی یا ترتیب حروف ہجاء یا تقدم و تاخر اسلامی کے لحاظ سے احادیث مذکور ہوں۔ جیسے مسند احمد و مسند دارمی۔

④ معجم

وہ کتاب ہے جس کے اندر وضع احادیث میں ترتیب اساتذہ کا لحاظ رکھا گیا ہو جیسے معجم طبرانی۔

⑤ جزر

وہ کتاب ہے جس میں صرف ایک مسند کی احادیث یک جا جمع ہوں۔ جیسے جزر القراءۃ و جزر رفع الیدین للبخاری و جزر القراءۃ للبیہقی۔

⑥ مفرد

وہ کتاب ہے جس میں صرف ایک شخص کی کل مرویات ذکر ہوں۔

⑦ غریب

وہ کتاب ہے جس میں ایک محدث کے مفردات جو کسی شیخ سے ہوں وہ ذکر ہوں۔
(عجالة نافعہ ص ۱۴۱ العرف الشذی)

⑧ مستخرج

وہ کتاب ہے جس میں دوسری کتاب کی حدیثوں کی زائد سندوں کا استخراج کیا گیا ہو
جیسے مستخرج ابی عوانہ۔

⑨ مستدرک

وہ کتاب ہے جس میں دوسری کتاب کی شرط کے موافق اس کی رہی ہوئی حدیثوں کو پورا
کر دیا گیا ہو۔ جیسے مستدرک حاکم (المحکم فی ذکر الصحاح الستہ)

دوسری تقسیم

کتب حدیث مقبول و غیر مقبول ہونے کے اعتبار سے پانچ قسم پر ہیں۔

پہلی قسم وہ کتابیں ہیں جن میں سب حدیثیں صحیح ہیں۔ جیسے ① موطا امام مالک ② صحیح بخاری ③ صحیح مسلم ④ صحیح ابن حبان ⑤ صحیح حاکم ⑥ مختارہ ضیاء مقدسی ⑦ صحیح ابن خزیمہ ⑧ صحیح ابی عوانہ ⑨ صحیح ابن سکین ⑩ منتقی ابن جبارود۔

دوسری قسم وہ کتابیں ہیں جن میں احادیث صحیح و حسن و ضعیف ہر طرح کی ہیں مگر سب قابل احتجاج ہیں۔ کیوں کہ ان میں جو حدیثیں ضعیف ہیں، وہ بھی حسن کے قریب ہیں جیسے ⑪ سنن ابو داؤد ⑫ جامع ترمذی ⑬ سنن نسائی ⑭ مسند احمد۔

تیسری قسم وہ کتابیں ہیں جن میں حسن۔ صالح۔ منکر ہر نوع کی حدیثیں ہیں جیسے ⑮ سنن ابن ماجہ ⑯ مسند طحاوی ⑰ زیادات امام احمد بن حنبل ⑱ مسند عبد الرزاق ⑲ مسند سعید بن منصور ⑺ مسند ابی بکر بن ابی شیبہ ⑻ مسند ابی یعلیٰ موصلی ⑽ مسند بزار ⑾ مسند ابن جریر ⑿ تہذیب ابن جریر ⑿ تفسیر ابن جریر ⑿ تاریخ ابن مردویہ ⑿ تفسیر ابن مردویہ ⑿ طبرانی کے معجم کبیر ⑿ معجم صغیر ⑿ معجم اوسط ⑿ سنن دارقطنی ⑿ غرائب دارقطنی ⑿ علیہ ابی نعیم ⑿ سنن بیہقی ⑿ شعب الایمان بیہقی۔

چوتھی قسم وہ کتابیں ہیں جن میں سب حدیثیں ضعیف ہیں، الا ما اشار الیہ جیسے ① نوادر الاصول حکیم ترمذی ② تاریخ الخلفاء ③ تاریخ ابن سبّار ④ مسند الفردوس دہلی ⑤ کتاب الضعفاء عقلی ⑥ کامل ابن عدی ⑦ تاریخ خطیب بغدادی ⑧ تاریخ ابن عساکر۔
پانچویں قسم وہ کتابیں ہیں جن سے موضوع حدیثیں معلوم ہوتی ہیں، جیسے موضوعات ابن جوزی، موضوعات شیخ محمد طاہر نہروانی وغیرہ۔ در سالہ فیما یحب حفظہ للناظر مؤلفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔

تالیف کتب حدیث ایک اور عنوان سے

سند کے ساتھ حدیثیں جمع کرنا صرف اسی دور تک تھا کہ حدیث کے یہ مسانید (سند والے مجموعے) مرتب نہ ہوئے تھے یا کچھ مرتب ہو گئے تھے مگر کچھ احادیث رہ گئی تھیں جو سند سے روایت ہوتی تھیں۔ مگر ان مجموعوں میں نہ آئی تھیں۔ پانچویں صدی ہجری تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ اس کے بعد اپنی سند سے روایت کرنے کا سلسلہ بند ہو گیا اور آئندہ ابہنی مجموع ہائے حدیث کی سند چلنے لگی۔ اب اس نئے دور میں تخریج اور انتخاب ہی وہ دو موضوع تھے جن پر مزید جمع و تدوین کا کام ہو سکتا تھا یا سلسلہ شروع تھا جن پر محدثین قلم اٹھا سکتے تھے۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ اب تالیف حدیث کی محنت آئندہ ایک نئے دور میں داخل ہوئی۔

حدیث کی تخریج پر مبنی کتابیں

امام ترمذی (۲۷۹ھ) کی کتاب جامع ترمذی نے محدثین کو پہلی دفعہ فن تخریج سے آشنا کیا۔ یہ کتاب ایسے نفیس طرز پر جمع کی گئی کہ اس سے ایک نیا فن وجود میں آیا۔ امام ترمذی ایک حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔

وفی الباب عن..... کہ اس موضوع پر فلاں فلاں صحابی سے بھی روایت موجود ہے۔ وہ روایات کہاں کہاں ہیں؟ امام ترمذی نے ان کی نشاندہی نہیں کی۔ ان روایات کو دوسری سند والی کتابوں سے ڈھونڈ نکالنا ان روایات کی تخریج کہلاتا ہے۔ امام بخاری نے بھی ایہ صحیح میں

کئی روایات تعلیقاً بیان کی ہیں۔ انہیں پوری سند سے معلوم کرنا اور موصولاً لانا یہ بھی ایک قسم کی تخریج ہے جو محدثین شارحین نے کی ہے۔ صحیح بخاری کی نسبت جامع ترمذی کا موضوع وفی الباب۔۔۔ ایک وسیع میدان تحقیق ہے اور اس تخریج پر مستقل کتابیں لکھی گئیں ہیں جیسے دولب الباب فيما يقول الترمذی وفی الباب۔

کتب حدیث کے علاوہ دیگر فنون کی کتابوں میں بھی حدیثیں کچھ اس طرح مروی ملتی ہیں کہ ان کی سند یا ان کے مخرج (روایت کرنے والے محدث) کا نام وہاں مذکور نہیں۔ ان کتابوں کی اہمیت اور ان کے وسیع حلقہ اشاعت کے پیش نظر محدثین ان روایات کی تخریج کے بھی ورپے ہوئے اور اس سلسلہ تخریج میں بعض ایسی نفیس کتابیں مرتب ہوئیں کہ فن ان پر خود بھی نادر کرنے لگا۔

پانچویں چھٹی صدی کی جن کتابوں پر تخریج کی محنت ہوئی۔ حسب موضوع ان میں سے بعض کے نام سنئے۔

فن فقہ میں

علامہ برہان الدین المرغینانی (۵۹۲ھ) کی کتاب ہدایہ فقہ حنفی کی مرکزی کتاب ہے۔ اس میں بہت سی حدیثیں بھی مذکور ہوئیں۔ مصنف نے انہیں محدثین کے طریق پر نہیں اپنے انداز میں ذکر کیا ہے۔ کہیں اشارہ ہے کہیں اختصار ہے کہیں روایت بالمعنی ہے۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ کتاب کی اہمیت کے پیش نظر ان احادیث کی تخریج ضروری تھی۔

① حافظ جمال الدین الزمعی (۷۶۲ھ) نے نصب الراية لتخریج احادیث الہدایہ کے نام سے چار جلدوں میں ایک نہایت گرانقدر حدیثی تالیف پیش کی ہے۔ علمائے دیوبند نے اس پر حاشیہ بغیہ الالمعی فی تخریج الزمعی کے نام سے لکھا ہے۔ یہ کتاب مہر سے بڑی آب و تاب سے شائع ہوئی ہے۔ پہلے مطبع علوی لکھنؤ سے ۱۳۱۰ھ میں شائع ہوئی تھی۔ کتاب کی عظمت شان کے لیے یہی کافی ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ جیسے جلیل القدر محدث نے نصب الراية کی تلخیص الدرر الیہ کے نام سے کی ہے اور وہ بھی چھپ چکی ہے۔

② امام ابو القاسم الرافعی (۴۲۲ھ) کی کتاب الوجیز کی تخریج حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے تلخیص الجبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر کے نام سے کی ہے۔ یہ چار جلدوں میں قاہرہ سے شائع ہوئی ہے

فن تفسیر میں

علامہ زمخشری (۵۴۸ھ) نے تفسیر کشاف میں جو حدیثیں لکھی ہیں انکی بھی محدثین نے تخریج کی ہے
قاسمی بیضاوی (۶۸۵ھ) کی نقل کردہ احادیث کی بھی تخریج کی گئی ہے۔

فن اخلاق میں

امام غزالی (۵۰۵ھ) کی کتاب احیاء علوم الدین میں ہزاروں روایات ہیں۔ سند یا حوالہ امام غزالی ذکر نہیں فرماتے۔ حافظ زین الدین العراقي (۸۰۶ھ) نے اس کتاب پر تحقیقی کام کیا ہے۔ اور ان روایات کی تخریج کی ہے۔ اس کا نام المغنی من الاسفار فی تخریج مافی الاحیاء من الاخبار ہے۔ احیاء العلوم کے حاشیہ پر چھپ چکی ہے۔

انتخاب پر مبنی حدیث کی کتابیں

محدثین نے سند والی کتابوں کے حوالہ سے انتخاب پر مبنی حدیث کے کچھ نئے مجموعے بھی تیار کیے۔ ان مجموعوں میں سند نہیں دی گئی۔ حدیث کے آخر میں تخریج کر دی گئی ہے۔ تاکہ بوقت اختلاف اس سند (سند والی) کتاب کی طرف رجوع کیا جاسکے۔ اس صنف میں مندرجہ ذیل کتابیں زیادہ معروف ہوں۔

① شرح السنۃ للبغوی (۵۱۶ھ)

ابو محمد اسحاق بن مسعود البغوی خراسان کے قریب ایک موضع بغ کے رہنے والے تھے۔ معالم التنزیل آپ کی ہی تفسیر ہے۔ آپ نے محدثین کے المصنف کے طرز پر احادیث جمع کی ہیں۔ آپ امام بخاریؒ کے غنادین ابواب سے بہت اقتباس لیتے ہیں۔ اٹھ ضخیم جلدوں میں چھپی ہے۔

② مشارق الانوار قاضی عیاض (۵۵۴۴)

مطبع مولویہ فلس نے ۱۳۲۸ھ میں دو جلدوں میں شائع کی ہے۔ اس کی علامہ عبد اللطیف بن عبد العزیز جو ابن الملک کے نام سے معروف ہیں۔ مبارق الازہار کے نام سے ایک شرح لکھی ہے۔ جسے مطبع خیرہ مصر نے شائع کیا ہے۔

③ جامع الاصول من احادیث الرسول

لابی السعادات مبارک بن محمد (۷۰۶ھ) ابن اثیر بجزری کی یہ کتاب بیروت سے ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

④ مشارق الانوار للشیخ حسن الصغانی (۵۶۵۰)

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی احادیث کا ایک گرانقدر مجموعہ ہے۔ مؤلف نے موضوع ردایات کی نشاندہی کے لئے بھی ایک مجموعہ موضوعات حسن صغانی نام سے بھی لکھا ہے۔ نقد احادیث میں آپ بہت سخت تھے۔ موضوعات ابن جوزی (۵۹۷ھ) آپ کے سامنے تھی۔ ملا علی قاری نے بھی موضوعات صغانی کے بہت حوالے دیئے ہیں۔

⑤ الترغیب والترہیب من احادیث الشریف

للمناظر ابی محمد زکی الدین عبد العظیم المنذری (۶۵۶ھ) بیروت میں چھپی ہے۔ پہلے ازہر مصر سے بھی شائع ہو چکی ہے۔ ترغیب و ترہیب کی احادیث کو مؤلف نے بڑی محنت سے جمع کیا ہے۔

⑥ ریاض الصالحین للنووی (۶۷۶ھ)

ابوزکریا محی الدین یحییٰ بن شرف النووی شارح صحیح مسلم دمشق کے قریہ نووی کے رہنے والے تھے۔ شافعی مسلک تھے۔ آپ نے فقہ شافعی پر بھی کئی کتابیں لکھی ہیں۔ ریاض الصالحین اصلاح معاشرہ اور تہذیب اخلاق کے لئے نہایت بلند پایہ کتاب ہے۔ بارہا چھپ چکی ہے۔

⑥ **اربعین نووی** آپ نے اربعین کے نام سے بھی ایک مجموعہ حدیث لکھا ہے جسکی نامور

علامہ حدیث نے شروع لکھی ہیں۔ ابن دقیق العید (۷۰۲ھ) کی شرح

مطبوع منیریہ مصر نے ابن حجر شیبہ کی شرح مطبوع بولاق نے بڑی آب و تاب سے شائع کی ہے

⑦ **احکام الاحکام شرح عمدة الاحکام**

للمافظ تقی الدین المعروف بابن دقیق العید (۷۰۲ھ) چار ضخیم جلدوں میں ۱۳۴۲ھ میں شائع ہوئی۔

⑧ **المنتقى الاخبار**

مشہور محدث حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) کے دادا احمد ابن تیمیہ ۶۲ھ کی تالیف ہے۔ قاضی

شوکانی (۱۲۵۰ھ) کی تیل الاوطار اسی منتقى کی شرح ہے۔ جو آٹھ جلدوں میں مصر سے ۱۲۹۵ھ میں شائع

ہوئی۔ سوطا کی شرح المنتقى جو قاضی ابوالوید الباجی نے لکھی اور سات جلدوں میں چھپی۔ یہ اور کتاب ہے۔

⑩ **مشکوٰۃ للخطیب التبریزی (۷۴۳ھ)**

یہ امام بغوی کی کتاب مصابیح السنۃ کے اصول پر ایک عجیب اور بہت مفید گلدستہ

احادیث ہے۔ نامور علماء نے اس کی شرح لکھیں جیسے علامہ طیبی الشافعی۔ علامہ توربشتی السحنفی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (لمعات التفتیح آٹھ جلدوں میں ہے) ملا علی قاری (مرقات المفاتیح یہ

دس ضخیم جلدوں میں ہے) اور شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی (التعلیق البصیح سات جلدوں

میں ہے) کی شرح بہت معروف ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعة اللغات کے نام

سے اس کی ایک فارسی شرح بھی لکھی ہے۔ حضرت شاہ محمد اسحق محدث دہلوی کے شاگرد علامہ قطب الدین

نے مظاہر حق کے نام سے اس کی ایک مبسوط اردو شرح لکھی ہے۔ جو برصغیر پاک و ہند میں بہت متداول ہے۔

⑪ **زاد المعاد للمافظ ابن قیم (۷۵۱ھ)**

مکتبہ حسینیہ مصر نے چار جلدوں میں شائع کیا۔ اس میں احادیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی سیرت و عادت کی ترتیب سے جمع کی گئی ہیں۔ وسیع ذخیرہ احادیث کا عجیب جامع اختصار ہے۔

⑫ مجمع الزوائد و منبع الفوائد

للمحافظ علی بن ابی بکر بن سلیمان الہثمی (۸۰۰ھ) مطبع انصار دہلی نے ۱۳۰۵ھ میں اور مطبع قدسی مصر نے ۱۳۵۲ھ میں دس ضخیم جلدوں میں شائع کی ہے۔

⑬ بلوغ المرام

للمحافظ ابن حجر العسقلانی (۸۵۲ھ) فقہ شافعی کی تائید میں احادیث احکام اس میں جمع کی گئی ہیں۔ بلوغ المرام کی آگے کئی شرحیں لکھی گئی ہیں جن میں سبل السلام سب سے زیادہ مشہور ہے خفیفہ کی آثار السنن اسی انداز پر فقہ حنفی کی تائید میں — مرتب کی گئی ہے۔

⑭ اجماع الصغیر

امام جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ) سے حروف تہجی سے حدیث کے ابتدائی الفاظ پر مرتب کیا گیا ہے۔ حدیث تلاش کرنے میں بہت مفید کتاب ہے۔ یہ کنز الحقائق کے حاشیہ پر بھی شائع ہوئی ہے۔ علامہ علی بن شیخ احمد العزیزی نے ۳۵۵ھ میں السراج المنیر کے نام سے اسکی ایک مبسوط شرح لکھی ہے۔ جو ۳۱۲ھ میں مصر سے شائع ہوئی۔ ایک شرح فیض القدیر علامہ عبدالرؤف المناوی نے بھی لکھی ہے۔ جو ۱۳۵۶ھ میں مصر سے شائع ہوئی۔ یہ شروع ذخیرہ حدیث کی بہت مفید کلیدی کتابیں ہیں۔

⑮ تیسیر الوصول الی جامع الاصول من حدیث الرسول

مشہور محدث عبدالرحمن بن علی الشیبانی (۹۴۴ھ) جو ابن الزبیع کے نام سے معروف ہیں یہ ان کی تالیف ہے۔ مطبع جمالیہ مصر نے ۱۲۲۳ھ میں اسے طبع کیا ہے۔

⑫ کنز العمال من سنن الاقوال والافعال

لشیخ علی المتقی (۹۰۵ھ) آٹھ ضخیم جلدوں میں ہے۔ حیدرآباد دکن سے ۱۳۱۲ھ میں طبع ہوئی۔

⑬ فتح الرحمن فی اثبات مذہب النعمان

المعروف انوار السنۃ لرواد الجمنۃ للشیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) مکتبہ حسامیہ دیوبند سے مفتی نظام الدین صاحب نے اسے چار جلدوں میں طبع کیا ہے۔

⑭ جمع الفوائد من جامع الاصول وجمع الزوائد

للإمام محمد بن محمد بن سلیمان الرودانی المغربي (۱۰۹۴ھ) دو ضخیم جلدوں میں ہے۔ مطبع خیریہ میرٹھ نے ۱۳۳۵ھ میں اسے شائع کیا۔ پھر مصر میں بھی طبع ہوئی ہے۔

⑮ عقود الجواهر المنيفة

للسید محمد مرتضیٰ الحسینی الزبیدی (۱۲۰۵ھ) اسے مطبع وطنیہ بئرا لاسکندریہ نے دو جلدوں میں ۱۲۹۲ھ میں شائع کیا۔

⑯ آثار السنن مع التعليق الحسن

لمحدث محمد بن علی النیموی (۱۳۲۲ھ) آپ مولانا عبدالحق (۱۴۰۰ھ) کے شاگرد تھے عظیم آباد کے مطبع احسن المطابع نے ۱۳۱۹ھ میں اسے شائع کیا ہے

⑰ التاج الجامع للاصول من احادیث الرسول

ازہر کے ممتاز محدث شیخ منصور علی ناصف کی پانچ ضخیم جلدوں میں نہایت بلند پایہ تالیف ہے۔ مطبع عیسیٰ البابا (مصر) نے ۱۳۳۵ھ میں اسے شائع کیا ہے۔

②۲ زحاجة المصانج

مولانا السید مظفر حسین حیدر آبادی نے چار جلدوں میں تالیف کی تاج پریس حیدر آباد سے شائع ہوئی۔ جلد اول منہ ۵۹ باب الاعتکاف تک، جلد دوم باب النذور ص ۶۰۹ تک، جلد سوم کتاب الردیا ص ۴۲۴ تک، جلد چہارم آخر کتاب ص ۴۴۴ تک۔ یہ کتاب اس لائق ہے کہ مشکوٰۃ کا بدل ہو سکے۔

②۳ اعلاار السنن

للمشیخ ظفر احمد العثماني (۵) بیس ضخیم جلدوں میں ہے۔ مذہب احناف کی احادیث اس میں بہت تحقیق سے جمع کی گئی ہیں۔ یہ کتاب حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی سرپرستی میں لکھی گئی ہے۔ اور علم حدیث میں عصر حاضر کا شاہکار ہے۔

②۴ ترجمان السنۃ للحدیث البکیر بدر عالم میرٹھی ثم المدنی (۵)

کتاب باعتبارین عربی میں ہے ہر حدیث کی تخریج موجود ہے اردو ترجمہ اور تشریحی نوٹ ساتھ ساتھ ہیں پہلے ۲، ۲ صفحات کا مبسوط مقدمہ ہے جو حدیث افراق امت کی صحت مولالت، اختلاف کی توضیح اسباب اختلاف و تقریق، فرقہ ناجیہ کی تحقیق، حجیت حدیث، اسوۂ رسول اور کتاب اللہ، احادیث رسول کے بیان قرآن ہونے اور ظن و علم کے مفہوم پر ایک نہایت گرانقدر علمی ذخیرہ ہے مولف نے ترتیب سند احمد کی تبویب جدید (الفتح الربانی) سے لی ہے یہ کتاب دس جلدوں تک جاتی مگر افسوس کہ ابھی چار ضخیم جلدیں مکمل ہوئیں تھیں کہ مولف اپنے خالق حقیقی سے جا ملے رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

②۵ معارف الحدیث مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم

احادیث کا نیا اور نرالا انتخاب ہے متون احادیث اصل عربی میں ہیں ترجمہ اردو میں ہے سات ضخیم جلدوں میں یہ عظیم ذخیرہ مرتب ہوا ہے زیادہ تر احادیث وہ ہیں جو عام زندگی اور اس کے حالات سے تعلق رکھتی ہیں اس وہ سے جدید تعلیم یافتہ طبقے پر اس کے گہرے اثرات ہیں غیر مستند روایات سے محفوظ ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس نے جان بوجہ کہ مجھ پر کوئی جھوٹ باندھا یا میرے نام پر کوئی ایسی بات کہی جو میں نے نہ کہی ہو۔ تو اسے چاہیے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

موضوع احادیث کی نشاندہی پر مستند کتابیں

علمائے اسلام نے اس باب میں بھی کافی محنت کی ہے اور نقل و ضبط اور نقد و تبصرہ سے بہت سی وضعی روایات کی نشاندہی کی ہے علامہ ابو الفضل محمد بن طاہر بن علی بن احمد المقدسی (۵۰۷ھ) کی تذکرۃ الموضوعات علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن ابی حزمی (۵۹۷ھ) کی موضوعات — علامہ حسن الصفی (۶۱۵ھ) کی موضوعات حسن الصفی — شیخ سراج الدین عمر بن علی القرطبی (۸۰۴ھ) کی موضوعات المصایح — علامہ سیوطی (۹۱۱ھ) کی اللالی المصنوعہ — علامہ محمد طاہر الفتنی (۹۸۶ھ) کی تذکرۃ الموضوعات اور قانون الموضوعات — ملا علی قاری (۱۰۱۳ھ) کی موضوعات کبیر اور اللالی المصنوعہ علامہ شوکانی (۱۲۵۰ھ) کی الفوائد المجموعہ — امین المکنات علامہ عبدالحی لکھنوی کی الآثار المرفوعہ فی الاحادیث الموضوعہ کے ساتھ ساتھ آپ کو اجیار العلوم کی حافظ زین الدین عراقی (۸۰۶ھ) کی تخریج اور منار السبیل کی شیخ البانی کی تخریج اور وار الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل جیسی کتابوں سے بھی اس سلسلہ میں بہت مواد ملے گا شیخ البانی کی یہ تالیف ۱۳۹۹ھ میں دس جلدوں میں طبع ہے افسوس کہ اس علمی چھان بین اور جانچ پڑتال کے باوجود ایسے قصہ گو و اعتلیل اور ذاکرین کی کمی نہیں جو اپنی خطابت اور تقریر کو وضعی ڈراموں میں پیش کر کے اپنے سامعین سے خراج تحسین لیتے ہیں اور وہ عوام بھی اس طرف اس لیے پھٹکتے ہیں کہ انہیں اس کاروائی میں ڈرے کا سا لطف آتا ہے — ہاں اس پر ہم مطمئن ہیں کہ اہل علم نے ان وضعی روایات پر مستقل کتابیں لکھ کر اپنی ذمہ داری ادا کر دی ہے

شیعہ کتب حدیث

شیعہ کتب حدیث ایک بالکل جدا سلسلہ ہے اہل سنت محدثین انہیں بالکل وزن نہیں دیتے شیعہ علماء کے نزدیک ائمہ کے اصحاب انکی احادیث قلمبند کرتے رہے اور چار سو کے قریب مجموعے پہلے دور میں لکھے گئے۔ پھر ان کی مدد سے اصول اربعہ کافی کلینی من لا یحضرہ الفقیہ تہذیب الاحکام اور استبصار مرتب ہوئے بمعانی الاخبار شیخ صدوق، نہج البلاغہ شریف رضی وغیرہ بھی ان کے ہاں مستند روایات ہیں متاخرین میں علامہ یا قر مجلسی کی کتاب بحار الانوار شیعہ احادیث کا انسائیکلو پیڈیا سمجھی جاتی ہے۔

شرح حدیث

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى۔ اما بعد :

آج کا عنوان احادیث کے شروح و حواشی کا بیان ہے۔ اس وقت یہ اعلاہ پیش نظر نہیں کہ آج تک کتب حدیث پر کون کون سی شروح لکھی گئیں اور کن کن نامور علماء نے لکھیں اور کون کون سے حواشی قلمبند ہوئے اور وہ کس کس کے رہیں احسان تھے۔ بلکہ صرف یہ بتانا ہے کہ اس باب میں کون کون سی کتابیں ان دنوں عام متداول ہیں۔ مل سکتی ہیں اور علماء اور طلبہ ان شروح و حواشی سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ زمانہ نے اپنے انقلابات و اسباب میں کن کن کتابوں کو شہرت عام بخشی اور انہوں نے عوام و خواص میں نقطہ اعتماد پایا۔ واللہ بہ الموفق۔

شرح احادیث کی ضرورت

جس طرح قرآن پاک کے لئے تفسیر کی ضرورت ہے۔ اسی طرح حدیث کی کتابوں کے لئے شرح کی ضرورت ہوتی ہے۔ طلبہ کو ہر وقت احوال رواد کا استحضار نہیں ہوتا۔ نہ ایک کتاب کے مطالعہ کے وقت یہ مستحضر ہوتا ہے کہ دوسری کتابوں میں یہ روایت بس اتنی ہے یا اس سے کم و بیش۔ اور یہ کہ اس موضوع پر اور کون کون سی روایات ہیں۔ شرح اپنی شرح میں جہاں ضرورت سمجھتا ہے کسی راوی کے حالات بتا دیتا ہے۔ اسی طرح کسی موضوع پر مختلف احادیث وارد ہوں تو جہاں صاحب کتاب نے ایک حدیث پیش کی۔ شارح اس میں اس موضوع کی دوسری احادیث کو بھی زیر بحث لے آتا ہے۔ اس میں صحابہ کا عمل کیا تھا۔ یا ان کے مسالک کیا کیا تھے۔ وہ ان کی طرف بھی اشارہ کر جاتا ہے۔ پھر ان احادیث سے جو احکام نکلتے ہیں۔ شارح ان پر بھی بحث کرتا ہے اور ائمہ کے مختلف مذاہب اس میں زیر بحث آجاتے

ہیں۔۔۔۔۔ تارح بالغ نظر ہے تو شرح حدیث میں عصری تقاضوں پر بھی بات کرتا جاتا ہے
غرض شرح حدیث ایک ایسا فن ہے جس میں جملہ اسلامی علوم زیر بحث آتے ہیں۔

متون حدیث میں شرحی جملے

محدثین حدیث کی کتابوں میں حدیث روایت کر کے کبھی شرحی جملے بھی ساتھ کہہ جاتے
ہیں مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا
وَإِذَا قُرَأَ فَأَنْصِتُوا۔

ترجمہ: اور جب امام قرآن شریف پڑھے تو تم (مفتدی) چپ ہو جاؤ۔
اس پر ابوالنضر کے بھانجے ابوبکر نے کچھ بات کی۔ غالباً اس طرف اشارہ ہوگا کہ اس
میں سلیمان تیمی ایک راوی ہے، تو امام مسلم (۲۶۱ھ) نے اسے کہا کہ کیا سلیمان تیمی سے بھی زیادہ
کوئی یاد رکھنے والا ہوگا؟ صحیح مسلم میں ہے۔

فَقَالَ مُسْلِمٌ أَتَرِيدُ إِحْفَظَ مِنْ سُلَيْمَانَ فَقَالَ لَهُ أَبُو بَكْرٍ فَحَدِّثْ
أَبُو هُرَيْرَةَ قَالَ هُوَ صَحِيحٌ يَعْنِي وَإِذَا قُرَأَ فَأَنْصِتُوا فَقَالَ هُوَ عِنْدِي صَحِيحٌ فَقَالَ
لَمْ لَمْ تَضَعْهُ هَاهُنَا فَقَالَ لَيْسَ كُلُّ شَيْءٍ عِنْدِي صَحِيحٌ وَضَعْتُهُ هَاهُنَا
أَمَا وَضَعْتُ هَاهُنَا مَا أَجْعُوا عَلَيْهِ۔

ترجمہ: مسلم نے کہا تم سلیمان سے زیادہ یاد رکھنے والا چاہتے ہو۔ ابوبکر نے پوچھا
تو ابوبکرؓ کی حدیث کیسی ہے؟ (امام) مسلم نے کہا وہ بھی صحیح ہے۔ اس پر ابوبکر
نے کہا کہ آپ کے اس موقع پر کیوں روایت نہیں کیا۔ آپ نے کہا ہر وہ
چیز جو میرے ہاتھ صحیح ہو میں نے اس میں نہیں لکھی۔ میں نے اس میں صرف
وہی کچھ لکھا ہے جس پر سب کا اتفاق ہو۔

دیکھئے یہ متن کے ساتھ شرحی جملے چلے آئے ہیں۔۔۔۔۔ جامع ترمذی کو دیکھئے اس

۱۰ صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۶۱ ابوبکرؓ کی حدیث جس میں وَإِذَا قُرَأَ فَأَنْصِتُوا مروی ہے مسلم میں نہیں اور کتابوں
میں موجود ہے مسلم کی یہ روایت حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے۔

میں بھی جگہ جگہ شرعی جملے ملتے ہیں۔ بلکہ جامع ترمذی متن کی کتاب ہونے کے باوجود شرح حدیث کا ایک بڑا علمی ذخیرہ ہے۔ ایک مثال لیجئے۔ امام ترمذی ایک جگہ لکھتے ہیں:-

اما احمد بن حنبل فقال معنى قول النبي صلى الله عليه وسلم لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب اذا كان وحده واحتج بحديث جابر بن عبد الله حيث قال من صلى ركعة لم يقرأ فيها بام القرآن فلم يصل الا ان يكون وراء الامام قال احمد فهذا رجل من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم تاويل قول النبي صلى الله عليه وسلم لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب ان هذا اذا كان وحده.

ترجمہ۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب (جس نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی کوئی نماز نہیں ہوتی) کا معنی یہ ہے کہ جب وہ اکیلا ہو (جماعت والی نماز یہاں مراد نہیں) اور امام احمد نے اس سلسلہ میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ آپ نے فرمایا جس نے ایک رکعت پڑھی اور اس میں ام القرآن نہ پڑھی اس کی نماز نہ ہوئی مگر جب کہ وہ امام کے پیچھے ہو (یعنی اس وقت اس کی نماز خود فاتحہ پڑھے بغیر بھی ہو جاتی ہے۔ امام احمد کہتے ہیں کہ یہ شخص (حضرت جابرؓ) اصحاب رسول میں سے ہے۔ آپ اس حدیث لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب کا یہی معنی سمجھ رہے ہیں کہ یہ حدیث اکیلے سے متعلق ہے (نماز باجماعت کے لیے نہیں)

امام ابوداؤد (۲۷۵ھ) نے بھی سنن میں مشہور محدث سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ) کا یہ شرعی جملہ نقل کیا ہے کہ حدیث لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب اسی شخص کے بارے میں ہے جو اکیلا نماز پڑھے۔ یہ حدیث جماعت سے نماز پڑھنے والے کے بارے میں نہیں ہے۔ محدثین کے ہاں یہ شرعی جملے عام ملتے ہیں۔ امام ابوداؤد جگہ جگہ قال ابوداؤد کہہ کر متون احادیث

پر تشریحی نوٹ لکھے جاتے ہیں۔ علمائے حدیث نے قال ابو داؤد کے ان جملوں پر مستقل کتابیں لکھی اور مستقل بحثیں کی ہیں۔

اس وقت ہمیں اس سے بحث نہیں کہ کون سا تشریحی نوٹ اور کون سا شرعی جملہ صحیح ہے اور کس جملے سے ہم رائے کا اختلاف رکھتے ہیں۔ اس وقت صرف یہ بتانا ہے کہ طلبہ کو شرح احادیث کی ضرورت ابتداء سے ہی رہی ہے۔ حتیٰ کہ متن کی کتابوں (کتب متون) میں بھی جگہ جگہ احادیث کے ساتھ شرعی جملے ملتے ہیں۔ امام زہری (دہم ۱۲ھ) تو متن حدیث روایت کرتے ہوئے یہ شرعی جملے کہہ جاتے تھے اور بعض علمائے حدیث انہیں متن حدیث میں سے سمجھ لیتے۔ محدثین کے ہاں اسے ادراج بھی کہتے ہیں۔ امام زہری کے ہاں یہ عام قلم ہے۔

متون احادیث پر تشریحی ابواب و تراجم

امام بخاری (۲۵۶ھ) نے الجامع الصحیح المسند میں اپنی خاص شرطوں سے نہایت صحیح روایات اس کتاب میں جمع کی ہیں۔ ان روایات پر آپ نے جو ابواب و تراجم باندھے ہیں۔ وہ ان روایات کے بارے میں جو ان ابواب میں مروی ہوں امام بخاری کی فقہی رائے سمجھے جاتے ہیں۔ اس وقت ہمیں یہ بحث نہیں کہ امام بخاری کی کون کون سی رائے قیاس پر مبنی ہے اور کس کس باب میں ان کے پاس نص حدیث ہے۔ اس وقت صرف یہ بتلانا ہے کہ صحیح بخاری میں بھی مؤلف تشریحی جملوں سے مستغنی نہیں رہے۔

امام نسائی (۳۰۳ھ) بھی سنن (مجتبیٰ) میں باب باندھ کر حدیث کی مراد واضح کرتے ہیں یہ گویا آپ کی طرف سے شرح حدیث ہے۔ مثلاً آپ نے جب یہ حدیث روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ وَإِذَا قُرِئَ فَانصتوا۔ جب امام قرآن پڑھے تو تم چپ ہو جایا کرو۔ تو آپ نے اس پر یہ باب باندھا ہے۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔

ترجمہ۔ اور جب قرآن پڑھا جائے تو تم اس کی طرف کان لگاؤ اور چپ رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اس ترجمۃ الباب سے یہ بھی پتہ چلا کہ محدثین کے ہاں یہ آیت نماز کے بارے میں ہی ہے اور ان کے ہاں مسلمان ہی اس حکم کے مخاطب ہیں، سو اس وہم میں نہ جائیے کہ یہ آیت کفار کے بارے میں ہے۔ گو وہ بھی اس حکم کے مخاطب ہوں کہ جب قرآن پڑھا جائے۔ تو تم شور و شعب نہ کرو۔

صحیح ابن خزمیہ (۳۱۱ھ) کو دیکھئے۔ متون احادیث پر کس قدر نفیس تبویب ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے حدیث ہر باب باندھنے میں امام ابن خزمیہ سب پر سبقت لے گئے ہیں۔ یہ کتاب چار جلدوں میں دیوبند کے ایک فاضل مولانا مصطفیٰ کے حاشیہ کے ساتھ مصر سے چھپ چکی ہے۔ منتقی ابن کبار و داسی پر صحیح ابن خزمیہ مستخرج کتاب ہے۔

شرح حدیث کا آغاز

یوں تو حدیث کے شرحی جملے اور تشریحی ابواب و تراجم کتب متون میں بہت پہلے آ رہے تھے۔ لیکن مستقل فن کی حیثیت سے امام ابو جعفر الطحاوی (۳۲۱ھ) پہلے امام ہیں جنہوں نے متون احادیث کو شرح کا موضوع بنایا اور شرح معانی الآثار جیسی عظیم کتاب لکھ کر اس باب میں محبت تمام کر دی۔ آپ نے پھر مشکل الآثار بھی لکھی۔ جو متقابل روایات اور مشکل روایات تطبیق و تفہیم میں نہایت نفیس کتاب ہے اور اپنے باب میں بے مثل ہے۔ مطبوعہ مشکل الآثار جو چار جلدوں میں ہے۔ اصل کتاب کے نصف کے برابر ہے۔

امام طحاویؒ کی یہ کتابیں کسی دوسرے متن پر شرح نہیں۔ متون احادیث کو آپ خود اپنی سند سے روایت کرتے ہیں اور ان پر اثر اور نظر ہر پہلو سے کلام کرتے ہیں۔ آپ پہلے امام ہیں جنہوں نے اس انداز سے شرح حدیث کا آغاز کیا۔ اس کے بعد موطا امام مالک اور سنن ابی داؤد پر تحقیقی کام شروع ہوا اور متن پر شرح کے پیرایہ ہیں۔ کتب حدیث کی شرحیں ہونے لگیں اور یہ سلسلہ میں پھر اتنی وسعت سے چلا کہ آج اسلامی کتب خانوں میں سب سے زیادہ کتابوں کا ذخیرہ شرح حدیث کا ہی ہے۔

ابو سلیمان اسطخانی (۳۸۸ھ) نے سنن ابی داؤد پر معالم السنن لکھی۔ یہ چھپ چکی ہے۔

ابن حزم اندلسی (۴۵۷ھ) نے المجلیٰ کے نام سے موطا کی نہایت جامع شرح آٹھ جلدوں میں لکھی۔ یہ بھی چھپ چکی ہے۔ اندلس کے ہی مائتہ ناز عالم علامہ عبدالبر القرطبی (۴۶۳ھ) نے التہبید لمانی الموطا من المعانی والاسانید لکھی جس کی بارہ جلدیں وزارت اوقاف اور شہودن اسلامی مراکش کی طرف سے چھپ چکی ہیں۔ کتاب تقریباً بیس جلدوں میں مکمل ہوگی۔ مؤلف نے اس کتاب کا ایک اختصار تجرید التہبید کے نام سے ثود کیا ہے۔ جو چھپ چکا ہے۔

یہ شروع بہت پہلے دور کی ہیں۔ ان میں زیادہ تر حل الفاظ اور مشکلات اسانید پر زور دیا گیا ہے۔ بعد میں آنے والے شارحین اور طلبہ کے لیے یہ علمی مباحث شرح حدیث کا ابتدائی سرمایہ ہیں۔ ویسے لغات حدیث پر اس امت میں مستقل کام بھی ہوا ہے۔

شرح لغات حدیث

ائمہ حدیث کی نظر جمع حدیث کے ساتھ ساتھ اس کے الفاظ غریبہ پر بھی مہبت رہی ہے۔ الفاظ غریبہ سے مراد وہ الفاظ ہیں جو قلیل الاستعمال ہوں۔ اگر عام استعمال بھی ہوتے ہوں تو اس خاص معنی کی رو سے وہ قلیل الاستعمال ہوں۔ علماء حدیث نے ان کی تشریح و توضیح کے لیے خصوصی قلم اٹھایا ہے اور حق یہ ہے کہ اس باب میں محنت کا حق ادا کر دیا۔

سب سے پہلے ابو عبیدہ معمر بن المثنیٰ ثمی (۲۱۸ھ) نے الفاظ غریبہ پر قلم اٹھایا پھر ابو الحسن

مازری (۲۱۶ھ) ابو سعید عبد الملک اصمعی (۲۱۶ھ) ابو عبیدہ قاسم بن سلام (۲۱۵ھ) ابو العباس ثعلب (۲۱۵ھ) اور علامہ المبرد (۲۱۵ھ) نے الکامل کی چار جلدوں میں غرائب الفاظ پر بحث کی ہے۔

اس باب میں شیخ مجد الدین بن المبارک بن عبد الکریم بن اثیر بحزری (۶۰۶ھ) کی کتاب النہایہ فی غریب النحد والاثر احادیث و آثار کی لغات پر نہایت مفید اور جامع کتاب ہے۔ اس کے بعد محدث جلیل شیخ طاہر فتنی (۹۸۶ھ) کی مجمع البحار سب کتابوں کی جامع اور گویا اس فن کی آخری کتاب ہے۔ یہ کتاب ہندوستان میں تین ضخیم جلدوں میں چھپی ہے۔

مفصل شروح حدیث کا ذکر

پہلی صدی ہجری میں کتب حدیث کی مفصل اور طویل شرحوں کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ ساتویں صدی میں شیخ محی الدین ابودکر یا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی (۷۶۷ھ) نے صحیح مسلم کی بہت عمدہ شرح لکھی جو بہت ہی مقبول ہوئی اور بارہا ہندوستان اور مصر و شام میں چھپ چکی ہے۔ اس وقت اس دور کی سب شروح کا تعارف کرنا پیش نظر نہیں۔ جو شرحیں لائبریریوں اور کتب خانوں میں ملتی ہیں اور طلبہ کو آسانی سے میسر آ سکتی ہیں۔ صرف انہی کا تعارف پیش کرنا ہے تاکہ وہ ان کی طرف مراجعت کر سکیں۔

① صحیح بخاری

صحت اور جامعیت میں اول درجے کی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اس کی مشکلات حل کرنے کے لئے ان شروح کی طرف مراجعت کی جاسکتی ہے۔

① بیجۃ النفوس

اندلس کے مشہور محدث ابو محمد عبداللہ بن ابی جمرہ (۶۹۹ھ) کی شرح بخاری ہے ۳۵۶ھ میں مصر سے چار ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی۔

② شرح البخاری للذکرشی

شیخ ابو عبداللہ عبداللہ بن زکریا مصری (۹۴۴ھ) کی تالیف ہے۔ چھ ضخیم جلدوں میں ۱۳۵۱ھ میں مصر سے شائع ہوئی۔

③ شرح البخاری للکرمانی

۹۴۵ھ کی یہ تالیف ۲۵ جلدوں میں ہے ۱۳۵۱ھ میں

مصر سے شائع ہوئی۔

④ فتح الباری

للمناظر ابن حجر العسقلانی (۸۵۲ھ) صحیح بخاری کی بہترین شرح ہے۔ ہندوستان اور مصر

وغیرہ میں چھپ چکی ہے۔ بارہ ضخیم جلدوں میں ہے۔

⑤ عمدۃ القاری

للمحقق بدرالدین العینی (۸۵۵ھ) بہت دقیق اور محققانہ شرح ہے۔ مصر اور بیروت میں بارہ جلدوں میں چھپ چکی ہے۔ ۲۶ جلدوں میں ہے، مصنف حنفی المسک ہے۔

⑥ ارشاد التاری

شہاب الدین القسطلانی (۹۲۳ھ) یہ گویا پہلی دو بڑی شرحوں کا ملخص ہے۔ مؤلف شافعی المسک ہے۔

⑦ تحفۃ الباری

شیخ الاسلام البیہقی زکریا انصاری انخزرجی (۹۲۶ھ)

⑧ تیسیر القاری

شیخ نورالحق محدث دہلوی (۱۰۷۳ھ) یہ فارسی شرح شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) کے بیٹے کی تالیف ہے۔ خاصی مقبول ہے۔

⑨ مسخ الباری شرح جامع صحیح بخاری

حافظ دراز (۱۲۶۳ھ) یہ فارسی شرح حافظ محمد حسن بن محمد صدیق المعروف یہ حافظ دراز کی ہے۔ آپ خوشاب کے رہنے والے تھے۔

⑩ عون الباری لکھل ادلۃ البخاری

نواب صدیق حسن خاں نے تجرید بخاری للزبیدی کی دو جلدوں میں شرح کی ہے۔ مطبع صدیقی بمبھال سے ۱۲۹۹ھ میں شائع ہوئی۔

⑪ لامع الداری

شیخ رشید احمد گنگوہی (۱۳۲۳ھ) حضرت گنگوہی کی تقریر بخاری کی شیخ احمدیث حضرت مولانا محمد زکریا نے تفصیل کی ہے۔

⑫ فیض الباری

علامہ نور شاہ کشمیری (۱۳۵۱ھ) حضرت نور شاہ صاحب کی یہ تقریر بخاری محدث کبیر

مولانا السید بدر عالم مدنی نے جمع کی ہے۔

⑬ فضل الباری

علامہ شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ) یہ حضرت علامہ عثمانی کی بخاری شریف کی تقریر ہے جس پر حضرت علامہ عثمانی نے خرد نظر ثانی کی ہے۔ یہ اردو میں ہے اور اس کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو رہا ہے۔ دو اردو جلدیں اور ایک انگریزی جلد چھپ چکی ہیں۔

⑭ ہدایۃ الباری الی ترتیب احادیث البخاری

سید عبدالرحیم الطحاوی نے دو جلدوں میں لکھی۔ مطبع رغائب مصر نے ۱۳۳۰ھ میں اسے دو جلدوں میں شائع کیا ہے۔

⑮ نبراس الساری فی اطراف البخاری

محدث پنجاب حضرت مولانا عبدالعزیز دگوبراؤوالہ کی عربی تالیف ہے۔ مطبع کریمی دہلی نے ۱۳۵۰ھ میں شائع کی۔ علماء میں بے حد مقبول ہوئی۔

⑯ امداد القاری بشرح صحیح البخاری

مراد آباد کے مشہور محدث مولانا عبدالجبار عظمیٰ یہ اردو شرح لکھ رہے ہیں۔ دو جلدوں شائع ہو چکی ہیں۔

علمائے حدیث نے صحیح بخاری کے کچھ حواشی بھی لکھے ہیں جو طلبہ کے لیے بہت مفید ہیں صحیح بخاری ان حواشی کے ساتھ بازار چھپ چکی ہے۔

① حاشیہ مولانا شیخ ابوالحسن السدھقی (۱۱۹۳ھ)

بلاد عربی میں یہ حاشیہ بہت رائج ہے۔

② حاشیہ مولانا احمد علی محدث سہارنپوری (۱۲۹۷ھ)

آخری پانچ پارے کے حواشی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی (۱۲۹۷ھ) کے قلم سے ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں صحیح بخاری کا یہ نسخہ اور حاشیہ مقبول ترین حدیثی کتاب ہے۔ یہ اکابر علمائے دیوبند کی نہایت وقیع اور مقبول علمی خدمت ہے۔ دونوں شارح ایک ہی سال (۱۲۹۷ھ) میں فوت ہوئے۔

نوٹ: صحیح بخاری سے حدیث تلاش کرنے کے باب میں شیخ مصطفیٰ بیومی المصری کی کتاب

دلیل فہارس البخاری مطبع صاوی مصر نے ۱۳۵۲ھ میں شائع کی ہے۔ منقار کنوز السنۃ حدیث کی ۴۱ کتابوں کی کلید ہے۔ یہ مصر سے ۱۳۵۲ھ میں شائع ہوئی ہے۔ تراجم صحیح بخاری کی شرح میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی شرح تراجم اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ کی کتاب الابواب والتراجم مہبت مفید کتابیں ہیں۔

حدیث کی جن دوسری کتابوں پر علمائے حدیث نے شرح حدیث کی محنت کی ہے۔ ان میں موطا امام مالک، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، موطا امام محمد، جامع ترمذی، طحاوی شریف اور مشکوٰۃ شریف سرفہرست ہیں۔ ان کے بعد کتب حدیث کے کچھ اور مفید حاشیوں کا ذکر ہوگا۔ جن پر طلبہ حدیث اعتماد کر سکتے ہیں۔

② صحیح مسلم

صناعت حدیث میں اول درجے کی کتاب ہے۔ بعض علماء نے اسے اس پہلو سے صحیح بخاری پر بھی ترجیح دی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تدوین حدیث اور مطالعہ حدیث میں جو عظمت اور اہمیت صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو حاصل ہوئی اور کسی کتاب کو حاصل نہیں ہے۔ یہ الہی مقبولیت کا ایک کھلا نشان ہے۔ کوئی اور کتاب صحیحین کے اس مقام کو نہیں پاسکی۔ صحیح مسلم کی جو شہرہیں متداول ہیں ان میں یہ زیادہ معروف ہیں۔

① اکمال المعلم شرح صحیح مسلم

ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن یوسف الندوی الحسینی (۵۹۵ھ) کی تالیف ہے۔ مؤلف اسے مکمل نہ کر سکے۔ شیخ ابی نے اسے مکمل کیا۔

②

القرطبی (۵۶۱ھ) عربی۔

③ شرح صحیح مسلم

امام محی الدین لدوی (۵۶۶ھ) عربی۔

۴) اکمال اکمال لمعلم

علامہ اُبتی (۱۸۲۸ء) نے سات جلدوں میں مکمل کی۔ مطبع سعادت مصر سے ۱۳۲۶ھ میں

چھپ چکی ہے۔
فتح الملہم

نواب صدیق حسن خاں (بھوپال) کی تالیف ہے۔

۵) فتح الملہم

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ء) عربی

۶) تفہیم المسلم

مولانا ہلال عثمانی دامت برکاتہم کی یہ شرح اردو میں ہے۔ حضرت مولانا عثمانی حضرت علامہ
لیاوی حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا سید بدر عالم مدنی کی مسلم شریف کی برقرار کا مجموعہ ہے۔

۳) سنن ابی داؤد سجستانی

حدیث کے فقہی سرمائے پر بے مثل تالیف ہے۔ علمائے حدیث نے ہر دور میں اس کتاب
پر محنت کی اور اس پر شروح و حواشی لکھے ہیں۔

۱) معالم السنن

للعلماء السخطانی (۲۸۸ء)

۲) عون المعبود

مولانا شمس الحق عظیم آبادی (۱۸۰۰ء) چار جلدوں میں ہے۔ مطبع مجتبائی دہلی نے ۱۳۲۸ھ

میں اسے شائع کیا۔
حاشیہ تصحیح کردہ

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن (۱۹۳۰ء)

۴) بذل المجہود

مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری (۱۳۴۶ء) پہلے میرٹھ (مطبع نامی) سے ۱۳۴۶ھ میں

پانچ ضخیم جلدوں میں چھپی تھی۔ اب مصر سے بیس جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔
 (۵) الوارا محمود

جمع کردہ مولانا شیخ صدیق احمد۔ یہ حضرت مولانا الور شاہ صاحب۔ مولانا شبیر احمد عثمانی اور
 مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری کی ابوداؤد پر کی گئی تقریرات کا مجموعہ ہے۔
 (۶) حل ما قال ابوداؤد (اردو)

مولانا محمد عینف گنگوہی کی تصنیف ہے۔ کئی جلدوں میں ہے اور بہت مفید اور بہت
 جامع کتاب ہے۔
 (۷) کشف الودود لعل مافی سنن ابی داؤد (عربی)

قاضی شمس الدین صاحب (گوجرانوالہ) کی نہایت مفید تالیف ہے۔

(۴) جامع ترمذی

متن کتاب خود حدیث کی ایک بڑی شرح ہے۔ سند حدیث پر کلام اس کے درجات
 کی نشاندہی اسانید کے اتصال و ارسال پر تنبیہ صحابہ کے عمل اور فقہاء کے مختلف مسالک پر محققانہ
 تبصرے اور ان کے تذکرے اس کتاب کی جان ہیں۔ تاہم علمائے حدیث نے اس پر بھی گرانقدر علمی
 اضافے فرمائے ہیں۔ اس کی گراں قدر شرحیں لکھی ہیں۔

(۱) شرح الترمذی

لابن عربی المالکی (۳۵۶ھ) یہ شرح ۱۳ جلدوں میں ہے اور مصر سے ۳۵۰ جلدوں میں شائع ہوئی۔

(۲) الکوکب الدرری امالی حضرت گنگوہی

شیخ رشید احمد گنگوہی (۱۳۲۳ھ) حضرت گنگوہی کی تقریر ترمذی کو شیخ اسحدیث مولانا محمد زکریا
 کے والد مرحوم مولانا محمد یحییٰ نے ضبط کیا ہے۔

(۳) العرف الشذی

للعلامہ الور شاہ (۱۳۵۱ھ) یہ حضرت شاہ صاحب کی جامع ترمذی پر ایک تقریر ہے۔

③ الطیب الشذی بشرح جامع الترمذی

یہ مولانا شفاق الرحمن کاندھلوی ر ھ کی تالیف ہے افسوس کہ مؤلف اسے مکمل نہ کر سکے۔

⑤ تحفۃ الاحوذی

مولانا عبدالرحمن مبارک پوری (۱۳۵۲ھ) مؤلف ترک تقلید کا مسلک رکھتے ہیں۔

⑥ معارف السنن

مولانا محمد یوسف بنوری (۱۳۹۵ھ) چھ جلدیں چھپ چکی ہیں۔ دسویں جلد بھی مکمل ہے۔ مگر افسوس کہ درمیانی تین جلدیں مکمل نہ ہو سکیں۔

④ شرح ترمذی

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق (اکوڑہ خشک) کی نہایت مفصل اور مفید شرح ہے اس کا نام حقائق السنن ہے حضرت الشیخ کے مالی آپ کے بعض تلامذہ نے جمع کیے ہیں۔

⑤ موطا امام مالک (۱۷۹ھ)

① المحلی بشرح الموطا

لابن حزم الاندلسی (۴۵۷ھ)

② التمهید لما فی الموطا من المعانی والاسانید

لابن عبد البر مالکی (۴۶۳ھ)

③ المنتقى بشرح الموطا

قاضی ابوالولید المعروف بابن الباجی کی تالیف ہے۔ مطبع سعادت مصر سے ۱۳۳۱ھ میں سات جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

④ زرقانی شرح موطا

محمد بن عبد الباقی الزرقانی کی یہ شرح آٹھ ضخیم جلدوں میں ہے۔

⑤ تنویر السحوالک بشرح موطا مالک

امام جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ)

② المصنفی والمستوی کلاهما

للشیخ ولی اللہ المحدث والدہلوی (۱۰۵۰ھ)

④ اوجز المسالك بشرح موطا مالک

للشیخ احمدیث مولانا محمد زکریا دامت برکاتہم

⑤ موطا امام محمد (۱۸۹ھ)

① شرح

ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ)

② التعلیق المجد

حاشیہ مولانا عبدالحی لکھنوی (۱۰۵۰ھ)

⑥ کتاب الآثار امام محمد

① شرح

ملا علی قاری (۱۰۵۰ھ)

② شرح

مفتی مہدی حسن

③ حاشیہ

مولانا عبدالباقی (فرنگی محل)

⑧ شرح معانی الآثار للطحاوی (۳۲۱ھ)

① شرح حافظ بدرالدین العینی (۸۵۵ھ)

② امانی الاحبار

مولانا محمد یوسف کاندھلوی

⑨ مشکوٰۃ شریف للخطیب التبریزی (۷۷۲ھ)

① - الکاشف عن حقائق السنن

علامہ حسن بن محمد الطیبی (۷۷۲ھ) الاستاذ لصاحب مشکوٰۃ - افسوس کہ یہ شرح عظیم ابھی تک سنت پذیر طباعت نہیں ہو سکی۔

② - الکاشف کی تلخیص علامہ سید شریف نے کی جو بعد کے بہت سے شارحین مشکوٰۃ کا ماخذ ہے

③ - مرقات المفاتیح

لملا علی القاری (۱۰۱۴ھ)

④ - لمعات التنقیح

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ)

⑤ - اشعة اللمعات

شرح فارسی للشیخ الدہلوی (۱۰۵۲ھ)

⑥ - مظاہر حق (اردو)

نواب قطب الدین دہلوی (۱۲۸۹ھ)

⑦ - التعلیق الصبیح

مولانا محمد ادریس کاندھلوی (۱۲۸۹ھ)

⑧ - مرعاة المفاتیح - مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری۔

⑩ شرح جامع صغیر للسیوطی (۹۱۱ھ)

① - سراج المنیر

تالیف علامہ علی بن شیخ احمد العزیزی

② - فیض القدر

للعلامہ عبد الرؤف المناوی۔ چھ جلدوں میں ہے۔

جامع ترمذی ۲۶۹ھ کے حواشی

- ۱۔ امام سیوطی کی شرح قوت المفتدی کی تلخیص نفع قوت المفتدی بصورت حاشیہ کتاب کے ساتھ مطبوع ہے اور عام ملتی ہے
- ۲۔ علامہ ابوالحسن السندھی کا حاشیہ ۳۰۔ شیخ احمد بن محمد شاکر کی تعلیقات، علی جامع الترمذی
- ۳۔ حواشی از تقریر حضرت شیخ الہند

سنن نسائی ۳۳۱ھ کے حواشی

- ۱۔ تعلیق زہر الربی علی المجتبیٰ للامام السیوطی (۹۱۱ھ)
- ۲۔ حاشیہ شیخ عبدالہادی السندھی (۱۱۳۸ھ)
- ۳۔ حاشیہ مولوی وصی احمد کانپوری ۴۔ حاشیہ مولانا اشفاق الرحمن کاندھلوی

سنن ابن ماجہ ۲۶۳ھ کے حواشی

- ۱۔ شرح حافظ مغلطائی الحنفی (۶۳۷ھ) ۲۔ شرح ابن رجب حبلی (۹۵۱ھ)
- ۳۔ نور مصباح الزجاجة للشيخ المغربي - امام سيوطي کی شرح مصباح الزجاجة کی تلخیص ہے۔
- ۴۔ انجاء الحاجہ للشيخ عبد الغني بن ابی سعيد المجددی (۱۲۹۵ھ)
- ۵۔ حاشیہ حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہی - یہ عام ملتا ہے

اب کچھ دیگر کتب حدیث کے حواشی کا ذکر بھی سن لیجئے۔
① المصنف لعبد الرزاق المحدث (۲۱۱ھ)

حاشیہ مولانا حبیب الرحمن عظمیٰ گیارہ جلدوں میں کتاب ہے۔

② المصنف لابن ابی شیبہ (۲۲۵ھ)

حاشیہ ۳ جلد از مولانا عبدالحق الافغانی — مکمل تحقیق از مولانا حبیب الرحمن عظمیٰ

③ سنن دارمی (۲۵۵ھ) حاشیہ از

④ سنن دارقطنی (۳۸۵ھ) حاشیہ از مولانا شمس الحق عظیم آبادی

⑤ مستدرک حاکم

حاشیہ پر علامہ ذہبی کی تلخیص جس کا نام تلخیص المستدرک ہے۔

⑥ سنن کبریٰ بہیقی

حاشیہ پر علامہ ابن ترکمانی کی کتاب الجوہر النقی ہے۔ علامہ ترکمانی حنفی مسلک کے ہیں جبکہ جبکہ امام بہیقی پر تنقید کرتے ہیں۔

حدیث کی فارسی شروح

صحیح بخاری کی شروح میں شیخ نورالحق محدث دہلوی (۱۰۳۱ھ) کی شرح تفسیر الفارسی کا ذکر اچکا ہے مشکوٰۃ کی شروح میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) کی شرح اشعۃ اللمعات کا ذکر اچکا ہے شیعہ کی کافی کلینی کا فارسی ترجمہ خلیل قزوینی نے کیا ہے اور سنن لایحضره الفقہ کا ترجمہ ملائی مجلسی اول نے کیا ہے۔

مذکورہ بالا شروح و تواتر کے ذکر میں گو بہت سی اردو شروح کا ذکر بھی آچکا ہے۔ لیکن اردو دان طبقہ کو خصوصی طور پر ادھر متوجہ کرتے ہوئے حدیث کی اردو شرح کا علیحدہ ذکر بھی کیا جاتا ہے۔

حدیث کی اردو شروح

① صحیح بخاری

① تیمیر الباری — مولانا وحید الزمان کے ترجمہ کے ساتھ اس کی مفصل اردو شرح ہے۔ مولانا ترک تقلید کا مسلک رکھتے ہیں۔

② فضل الباری بشرح صحیح البخاری — یہ شرح شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی بخاری شریف کی تقریرات کا مجموعہ ہے جو حضرت کی نظر ثانی سے گزر چکا ہے۔ یہ کتاب کراچی میں چھپ رہی ہے۔ تین جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

② صحیح مسلم

مولانا فضل الرحمن بلال عثمانی فاضل دیوبند و مدینہ یونیورسٹی تفہیم المسلم کے نام سے مسلم شریف کی جامع اردو شرح لکھ رہے ہیں۔

③ شرح ما قال ابو داؤد

مولانا محمد حنیف گنگوہی کی تالیف ہے اور بہت مفید کتاب ہے۔

⑤ تقریر ترمذی

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی ترمذی شریف کی تقریرات کا مجموعہ ہے۔

⑥ شامل الترمذی

نصائل نبوی اردو شرح شامل ترمذی از شیخ اکھدیت حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

⑦ شرح معانی الآثار للطحاوی

ہم تراجم میں اس کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ صرف ترجمہ نہیں۔ ساتھ ساتھ ایک مختصر شرح بھی ہے۔ مطبع اسلامیہ لاہور نے ۱۳۹۳ھ میں اسے چار جلدوں میں شائع کیا ہے۔

⑧ مشکوٰۃ شریف

نواب قطب الدین دہلویؒ نے حضرت شاہ محمد اسحق محدث دہلویؒ کے اردو ترجمہ مشکوٰۃ کو ساتھ لے کر یہ اردو شرح مشکوٰۃ مظاہر حق کے نام سے مرتب اور شائع کی ہے۔ پانچ ضخیم جلدوں میں ہے۔

⑨ فقہ السنن والآثار

کے نام سے مفتی محمد عظیم الاحسان الہجدی نے ایک ذخیرہ حدیث مرتب کیا ہے جو مطبع مجیدیہ کانپور سے ۱۳۷۳ھ میں شائع ہو چکا ہے۔ علم حدیث پر ایک مفید کام ہے۔ یہ کتابیں ان کتابوں کے علاوہ ہیں جو اردو میں مستقل کتابوں کی حیثیت سے حدیث پر لکھی گئیں۔ ان کا ذکر کتب حدیث کی بحث میں پہلے آچکا ہے۔ جیسے ترجمان السنۃ للشیخ بدر عالم المدنیؒ اور معارف اکھدیت للشیخ محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم

حدیث کی انگریزی شروح

حدیث کے انگلش لٹریچر میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی کتاب فضل الباری کا انگریزی ترجمہ سرفہرست ہے پہلی جلد صفحات پر مشتمل ہے اور شائع ہو چکی ہے اسکا مقدمہ حکیم الاسلام قاری محمد طیب قدس سرہ العزیز نے لکھا ہے اور وہ بھی انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے صحیح مسلم کا انگریزی ترجمہ جناب عبدالحکیم صاحب نے کیا ہے اور جگہ جگہ تشریحی نوٹ لکھے ہیں اس کا ذکر ہم تراجم میں بھی کریں گے۔

تراجم حدیث

الحمد لله وسلاماً على عباده الذين اصطفى۔ اما بعد :-

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ملک عرب میں ایک پیغمبر انہی میں سے مبعوث فرمایا جس نے انہیں اللہ کی آیات سنائیں۔ اپنے فیض صحبت سے ان کے دلوں کو پاکیزگی بخشی اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دی۔ واقعی وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں گھرے ہوتے تھے۔

آپ کے اصحاب آپ کے فیض صحبت سے تزکیہ کی دولت پا گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے کلمہ تقویٰ اور پرہیزگاری لازمی کر دی اور بے شک وہی اس کے زیادہ حقدار اور اہل تھے اور اللہ تعالیٰ ہر آئندہ چیز کو بھی جاننے والے ہیں۔

قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر عربی میں نازل ہوا، حضور کی اپنی زبان عربی تھی۔ آپ کی احادیث اور تعلیمات سب عربی میں ہوتی تھیں۔ لیکن چونکہ آپ کا دین عالمگیر تھا اور آپ کی دعوت کل اطراف عالم اور جملہ اقوام و اُمم کو شامل تھی۔ اس لئے ضروری تھا کہ غیر عرب قوموں کو دین کی دعوت ان کی اپنی زبان میں دی جائے۔ انہیں دین کو اپنی زبان میں سمجھنے کی جملہ سہولتیں مہیا کی جائیں جو لوگ اس دعوت حق کو قبول کر لیں۔ انہیں پھر عربی قرآن پڑھایا جائے۔ عربی نماز سکھائی جائے۔ کیوں کہ عربی اسلام کی سرکاری زبان ہے۔ لیکن اس کے علاوہ انہیں دین سکھنے کے جملہ مواقع ان کی اپنی زبانوں میں بہم پہنچائے جانے چاہئیں۔ اس غرض سے ترجموں کی ضرورت محسوس ہوئی اور دین کی دعوت اور تعلیم ان قوموں کی اپنی زبانوں میں اترنی شروع ہوئی۔ یہ غلط ہے کہ علماء کرام ابتداء

میں ترجمہ کرنے کی اجازت کے خلاف تھے۔ علم سیکھنا ایک فطری طلب ہے اور علماء اسلام طلب کے فطری تقاضوں سے آنکھیں بند نہ کر سکتے تھے۔

یہ صحیح ہے کہ اسلام کی سرکاری زبان عربی ہے۔ ہر عربی، عجمی، زنگی، افرنگی اسلام کا کلمہ، نماز وغیرہ سب عربی میں ہی سیکھتے اور پڑھتے ہیں۔ لیکن جہاں تک دین کی عام تعلیمات کا تعلق ہے انہیں کسی بھی زبان میں جانا اور سمجھا جاسکتا ہے۔ اور یہ صحیح ہے کہ علم کی اپنی کوئی زبان نہیں، علم ہر زبان کا لباس پہن سکتا ہے۔ اسلام کی تعلیمات ہر زبان اور ہر ماحول میں ڈھل سکتی ہیں۔ اور اسے ہر خطہ ارضی کی ضرورت کے مطابق کسی زبان میں بھی ترجمہ کیا جاسکتا ہے۔ اسلام میں اس کی پوری گنجائش موجود ہے۔

مدینہ کے مصافحات میں رہنے والے یہود گو عربی زبان بولتے تھے۔ لیکن اپنی اسرائیلی زبان (عبرانی) کا بھی پورا تحفظ کرتے تھے۔ جب لکھتے تو عبرانی میں ہی لکھتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں کوئی خط لکھنا ہوتا تو اسے عبرانی میں ہی لکھواتے۔ آپ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو عبرانی سیکھنے کا حکم دیا۔ اور انہوں نے پندرہ دن میں مہارت پیدا کر لی تھی۔ آپ کہتے ہیں:-

امرني رسول الله صلى الله عليه وسلم فتعلمت له كتاب يهود وقال
اني والله ما آمن يهود على كتابي فلم يعمرني نصف شهر حتى حداقته
فكنت اكتب له اذا كتب واقرأ له اذا كتب اليه

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں آپ کے لیے یہود کی کتابت سیکھوں، اور فرمایا مجھے اپنے خطوط کے سلسلہ میں یہودیوں کی کتابت پر اعتماد نہیں۔ پس میں نے سیکھنا شروع کیا۔ نصف مہینہ گزرنے نہ پایا تھا کہ میں نے اس میں مہارت پیدا کر لی۔ چنانچہ میں آپ کی طرف سے یہود کو لکھا کرتا تھا اور جب آپ کی طرف خط آتے تو میں آپ کو پڑھ کر سنا دیتا تھا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ دوسری زبانوں میں ترجموں کا آغاز خود عہد رسالت میں ہی ہو

گیا تھا اور آپ نے خود اس کی تعلیم دی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت عبداللہ بن عباسؓ جب حدیث کا درس دیتے تو ابو جہرہ نصر بن عمرؓ تابعی کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھاتے۔ ابو جہرہ مترجم کے فرائض سر انجام دیتے اور عربی سے فارسی میں ترجمہ کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بصرہ میں مقیم تھے۔ بصرہ کی سرحدیں ایران سے ملتی ہیں ظاہر ہے کہ ایسے ماحول میں ترجمہ کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہوگی اور صحابہ کرامؓ اس اصولی ضرورت سے بے خبر نہ تھے حضرت ابن عباسؓ نے اسی لیے اپنے ساتھ مترجم بٹھایا تھا۔

غیر عرب ملکوں میں ایران پہلا ملک ہے جو اسلام کے جھنڈے تلے آیا۔ اور فارسی پہلی زبان ہے جس میں قرآن و حدیث کے پہلے ترجمے ہوئے۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے سورہ فاتحہ کا پہلا فارسی ترجمہ کیا۔ جسے ایرانی لوگ اس وقت تک جب تک کہ ان کی زبانیں عربی آشنا نہ (مانوس) ہو گئیں نماز میں پڑھتے تھے۔ علامہ سرخسی لکھتے ہیں:-

فكانوا يقرأون ذلك في الصلوة حتى لانت السنتمهم للعربية^۲

ترجمہ۔ سو وہ اس فارسی ترجمے کو نماز میں پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کی زبانیں عربی سے مانوس ہو گئیں۔

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ بھی فارسی زبان جانتے تھے۔^۳

حدیث کے پہلے فارسی ترجمے

① ترجمہ مشکوٰۃ

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) نے مشکوٰۃ کا ترجمہ اشعة اللمعات کے نام سے چار ضخیم جلدوں میں تحریر فرمایا۔ ساتھ ساتھ تشریحی نوٹ بھی لکھے۔ ہندوستان اور افغانستان میں اس کے ذریعہ حدیث کی بڑی خدمت ہوئی۔ حضرت شیخ عبدالحقؒ سندھ کے مشہور بزرگ شیخ عبد الوہاب متقی کے شاگرد تھے اور وہ شیخ علاؤ الدین علی المتقی (۹۷۱ھ) مؤلف کنز العمال کے شاگرد تھے۔

② ترجمہ صحیح بخاری

شیخ ذراحق محدث دہلوی بن شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۷۳ھ) نے تیسرا القاری کے نام سے صحیح بخاری کا فارسی میں بہت عمدہ ترجمہ کیا۔ ساتھ ساتھ ضروری شرح بھی کی ہے۔ اس کتاب سے ہندوستان میں علم حدیث کی بڑی اشاعت ہوئی۔ پاک دہند کے اساتذہ حدیث ترجمہ صحیح بخاری کے لئے اس پر بڑا اعتماد کرتے رہے ہیں۔

③ ترجمہ صحیح مسلم

شیخ ذراحق محدث دہلوی (۱۰۷۳ھ) نے منبع العلم کے نام سے صحیح مسلم کا پہلا فارسی ترجمہ کیا۔ افسوس کہ اس ترجمے کی ہندوستان میں زیادہ اشاعت نہ ہو سکی۔

④ ترجمہ موطا امام مالک

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) نے المصنفی کے نام سے موطا امام مالک کا پہلا فارسی ترجمہ کیا۔ ساتھ ساتھ شرح بھی تحریر فرمائی۔ مدرسہ رحیمیہ دہلی کی علم حدیث میں یہ ممتاز خدمت ہے۔ المصنفی حضرت شاہ ولی اللہ کی عربی شرح موطا المسوی کے ساتھ ہندوستان میں بار بار چھپا ہے۔

⑤ شیعہ کتب حدیث کے فارسی ترجمے

- ① ملا قزوینی نے علامہ محمد بن یعقوب الکلبینی (۳۲۹ھ) کی کتاب الکافی (ایران سے آٹھ جلدوں میں شائع ہوئی ہے) کا ترجمہ الصافی کے نام سے لکھا ہے۔ جسے ہندوستان میں مطبع منشی نوکثور نے اصول کافی تک چار ضخیم جلدوں میں شائع کیا ہے مترجم کا نام ملا محمد خلیل ہے۔
- ② من لایحضرہ الفقیہ مؤلفہ شیخ صدوق ابن بابویہ القمی (۳۸۱ھ) کا ترجمہ ملا محمد تقی المجلسی (۱۰۷۰ھ) نے شرح الفقیہ کے نام سے کیا ہے۔ ساتھ ساتھ شرح بھی ہے۔ مترجم مشہور شیعہ مصنف ملا باقر مجلسی کے والد تھے۔ یہ فارسی شرح چار ضخیم جلدوں میں ایران سے شائع ہوئی ہے۔

حدیث کے اردو تراجم

- ① ترجمہ مشکوٰۃ یہ حدیث کا پہلا اردو ترجمہ ہے جو ہندوستان میں کیا گیا۔

حضرت شاہ محمد اسحق محدث دہلویؒ جو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے ذرائع سے اور جانشین تھے۔ انہوں نے مشکوٰۃ کا ترجمہ سادہ اردو میں کیا۔ یہ اردو زبان کی وضع و نشر کا پہلا دور تھا۔ ساتھ ساتھ حضرت شاہ محمد اسحق صاحب کے نامور شاگرد حضرت نواب قطب الدین محدث دہلوی (۱۸۷۲ء) نے اس کی اردو شرح لکھی۔ مشکوٰۃ کی یہ فاضلانہ مکمل شرح مظاہر حق پانچ ضخیم جلدوں میں ہے اور عام ملتی ہے۔

مظاہر حق کو زیادہ مفید بنانے کے لئے علماء فرنگی محل کے ایک مستند عالم مفتی عنایت اللہ صاحب مرحوم نے مشکوٰۃ کے راویوں کے حالات المحدثۃ المزجاة لقرآن المشکوٰۃ کے نام سے اردو میں قلمبند کیے ہیں۔ یہ مظاہر حق کے چوتھے ایڈیشن کے ساتھ چھپے ہیں۔

مظاہر حق کی اردو بہت ابتدائی دور کی تھی۔ دیوبند کے مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری نے زبان پر نظر ثانی کرتے ہوئے مظاہر حق کا ایک جدید ایڈیشن تیار کیا ہے۔ جو مطبع سے جلدوں میں چھپ چکا ہے۔

② ترجمہ صحیح بخاری

① ترجمہ مولانا وحید الزمان حیدر آبادی۔ یہ ترجمہ عربی متن کے ساتھ بارہ شائع ہوا ہے۔

② ترجمہ مرزا حیرت دہلوی۔

③ ترجمہ سید نائب حسین نقوی۔ یہ ترجمہ عربی متن کے ساتھ شیخ غلام علی اینڈ سنز نے تین

ضخیم جلدوں میں ۱۹۶۲ء میں شائع کیا۔ تعارف مولانا غلام رسول مہر نے لکھا ہے اور ترجمے پر نظر ثانی کی تصدیق مولانا محمد علی صاحب سابق خطیب سنبھری مسجد لاہور کی ہے۔

④ ترجمہ مولانا امیر علی صاحب۔ مترجم نے ہدایہ اور فتاویٰ عالمگیری کے بھی اردو ترجمے کئے۔

جو بہت مشہور ہیں۔ مگر افسوس کہ ان کا ترجمہ صحیح بخاری زیادہ شہرت حاصل نہیں کر سکا۔

⑤ ترجمہ قاری عادل خاں۔ قمر سعید پبلشرز نے تین جلدوں میں شائع کیا ہے۔

⑥ ترجمہ مولانا عبدالرزاق صاحب۔ مترجم حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کے خاص شاگرد ہیں۔

آپ کے اس ترجمہ کو ناشران قرآن اردو بازار لاہور نے شائع کیا ہے۔

سنن دارمی کا اردو ترجمہ

محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل کراچی نے اسے شائع کیا ہے۔ مترجم کا نام مذکور نہیں۔ ایک جلد میں مکمل ہے۔

صحیح مسلم کے اردو تراجم

- ① مولانا وحید الزمان صاحب نے صحیح مسلم کا ترجمہ بھی کیا ہے۔ ساتھ ساتھ کچھ شرح بھی ہے۔ متوسط تقطیع کی چھ جلدوں میں ۱۳۰۶ھ میں مطبع صدیقی لاہور سے شائع ہوا۔
- ② مولانا عابد الرحمن صدیقی کا ندھلوی کہیں کہیں مختصر فوائد بھی لکھے ہیں۔ قرآن محل بالمقابل مولوی مسافر خانہ کراچی نے اسے تین ضخیم جلدوں میں شائع کیا ہے۔
- ③ تجرید صحیح مسلم کا ترجمہ مولانا محمد مالک کا ندھلوی نے کیا ہے۔ جسے ملک دین محمد نے لاہور سے شائع کیا ہے۔

④ مولانا فضیل الرحمن ہال عثمانی۔ یہ اردو ترجمہ مسلم شریف کی اردو شرح کے ضمن میں ہے علیحدہ نہیں چھپا۔ بہت مفید ترجمہ ہے۔

سنن ابی داؤد اردو

مولانا وحید الزمان نے ترجمہ کیا ہے۔ مولانا سبحان محمود نے کہیں کہیں حواشی لکھے ہیں۔ قرآن محل کراچی نے سعیدی پریس سے تین جلدوں میں چھپو کر شائع کیا ہے۔

جامع ترمذی کا اردو ترجمہ

- ① مولانا فضل احمد انصاری دلاوری نے عامل المتن ترجمہ دو جلدوں میں مکمل کیا۔ سیر نوح عربی متن ہے اور ذیل میں اردو ترجمہ ہے۔ ۱۳۰۹ھ میں پہلی مرتبہ شائع ہوا۔ ۱۳۲۹ھ میں چوتھا ایڈیشن نکلا۔ مطبع منشی نو لکھنؤ نے اسے شائع کیا۔ بار بار چھپتا رہا ہے۔
- ② مولانا بدیع الزمان نے جائزۃ الشوذی کے نام سے یہ ترجمہ لکھا ہے۔ جناب محمد علی صاحب مالک کارخانہ اسلامی کتب خان محل کراچی نے اسے تین جلدوں میں شائع کیا ہے۔

شماثل ترمذی

- ① مولانا نور احمد صاحب پسروری ثم امرتسری نے شماثل ترمذی کا پہلا اردو ترجمہ کیا۔ جو ۱۳۴۰ھ میں الیکٹرک پریس امرتسر سے شائع ہوا۔ مولانا نور احمد حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب بانی جامعہ اشرفیہ لاہور کے استاد تھے۔

② شیخ محمدیث حضرت مولانا محمد زکریا دامت برکاتہم نے خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی کے ضمن میں اس کا دوسرا ترجمہ لکھا ہے۔ بہت مفید اور دلکش ہے۔

سنن نسائی کا اردو ترجمہ

یہ ترجمہ حافظ عبدالشار صاحب اور دوست محمد شاکر نے مل کر کیا ہے۔ دو جلدوں میں ہے اور اسے فرید بک سنال لاہور نے شائع کیا ہے۔

موطا امام مالک کے اردو تراجم

بہترین ترجمہ میر محمد کتب خانہ مرکز علم و ادب نے دو جلدوں میں کراچی سے شائع کیا ہے۔ عربی متن ساتھ ہے۔

موطا امام محمد کا اردو ترجمہ

یہ ترجمہ قرآن محل کراچی نے شائع کیا ہے۔ عربی متن ساتھ ہے۔ مترجم کا نام مذکور نہیں۔

کتاب الآثار امام محمد کا اردو ترجمہ

یہ ترجمہ بھی قرآن محل نے شائع کیا ہے۔ مترجم کا نام مذکور نہیں۔

طحاوی شریف اردو

مطبع اسلامیہ لاہور نے ۱۹۱۳ء میں اسے چار جلدوں میں شائع کیا ہے۔ مترجم کا نام مذکور نہیں۔ تصحیح مولوی حکیم عبدالرشید لاہوری نے کی ہے۔ اچھا ترجمہ ہے۔

سنن ابن ماجہ اردو

مولانا وحید الزمان کا یہ ترجمہ اہل حدیث اکیڈمی لاہور نے دو جلدوں میں شائع کیا ہے۔

ریاض الصالحین اردو

امام نووی کی اس شہرہ آفاق کتاب کا ترجمہ مولانا خلیل الرحمن نغانی نے کیا ہے۔

کتاب الاذکار

امام نووی کی اس کتاب کا ترجمہ مولانا حبیب الرحمن صدیقی نے کیا ہے اور قرآن محل کراچی نے اسے شائع کیا ہے۔

زاد المعاد اردو

امام ابن قیم کی اس کتاب کا ترجمہ نفیس اکیڈمی کراچی نے چار جلدوں میں شائع کیا ہے۔

ترجمہ رئیس احمد جعفری نے کیا ہے۔

درر فوائد اردو ترجمہ جمع الفوائد

مولانا عاشق الہی نے یہ ترجمہ کیا ہے۔ جمع الفوائد جیسی عظیم کتاب کو اردو میں

لے آنا ایک بڑا کام ہے۔

کتاب الکبائر اردو

حافظ ذہبی کی اس کتاب کا ترجمہ حکیم محمد نواز ملتانی نے عمدۃ الذمات کے نام سے کیا

ہے۔ جسے جمیل بک ڈپوسٹر گودھانے شائع کیا ہے۔

انتخاب صحاح ستہ

یہ ترجمہ مولانا امجد علی نے کیا ہے۔ جسے قرآن محل کراچی نے شائع کیا ہے۔

کنز الآثار مترجم اردو

یہ ترجمہ حکیم محمد نذیر صاحب عرشی نقشبندی نے کیا ہے۔ کریم پریس لاہور نے ۱۹۶۷ء میں

اسے طبع کیا ہے۔

ترجمہ اعلام السنن

حدیث کی مشہور کتاب اعلام السنن کی احادیث متن کا اردو ترجمہ مولانا طہر احمد عثمانی

نے کیا ہے۔ جو اعلام السنن کی پہلی اشاعت میں عربی متن کے ساتھ شائع ہوتا رہا ہے۔

ان تراجم کے علاوہ یہاں وہ اردو کتابیں بھی قابل ذکر ہیں جو اردو میں نئی ترتیب

سے لکھی گئیں اور ان کے ذریعہ ہزار ہا احادیث اردو میں ترجمہ ہوئیں۔ پہلے کچھ ان کا ذکر ہو چکا ہے

ترجمان السنن مولانا بدر عالم میرٹھی

چار ضخیم جلدوں میں ہے۔ دارالمصنفین دہلی نے اسے شائع کیا۔ پھر یہ متعدد بار

چھپ چکی ہے۔

معارف احادیث مولانا محمد منظور نعمانی

بہت جامع کتاب ہے۔ سات جلدیں چھپ چکی ہیں۔ ان میں عظیم ذخیرہ حدیث آگیا ہے۔

اس کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو رہا ہے۔

علم حدیث کی یہ اردو تصنیفات زیادہ تر حنفی مسلک کے مطابق ہیں۔ اور ان کی اس ترتیب میں جدید تقاضوں کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یہ بات بھی لائق ذکر ہے کہ مسند امام اعظم بھی اردو میں ترجمہ ہو چکی ہے۔ قرآن محل کراچی نے اسے شائع کیا ہے۔

حدیث کے انگریزی ترجمے

① ترجمہ صحیح بخاری

ڈاکٹر محمد محسن خاں (اسلامیہ یونیورسٹی مدینہ منورہ) کا یہ ترجمہ رابطہ عالم اسلامی کے اہتمام سے نو جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ یورپ میں صحیح بخاری سب سے پہلے فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہوئی تھی اور مستشرقین اسی سے استفادہ حاصل کرتے رہے۔ یہ انگریزی ترجمہ بہت بعد کا ہے۔ اور سب سے پہلے اس میں شائع ہوا۔

② فضل الباری شرح صحیح بخاری

صحیح بخاری کے امالی للشیخ شبیر احمد عثمانی کا انگریزی میں ترجمہ ہو رہا ہے۔ پہلی جلد چھپ چکی ہے اور صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے ضمن میں صحیح بخاری کا نیا انگریزی ترجمہ ساتھ ساتھ ہے حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب کا علم حدیث پر بسیط مقدمہ بھی اس میں آگیا ہے۔

③ ترجمہ صحیح مسلم

جناب عبد الحمید صاحب صدیقی نے اسے چار جلدوں میں مکمل کیا ہے کہیں کہیں ضروری حواشی بھی لکھے ہیں۔ اشرف پبلیکیشنز لاہور نے اسے شائع کیا ہے۔ انگریزی میں صحیح مسلم کا یہ پہلا ترجمہ ہے۔

④ ترجمہ مشکوٰۃ

① ہانچٹر یونیورسٹی کے پروفیسر جمیز رابن نے مکمل مشکوٰۃ کا انگریزی ترجمہ کیا ہے اور جسے اشرف پبلیکیشنز لاہور نے چار جلدوں میں بارہ شائع کیا ہے۔

② مولانا فضل کریم کا یہ انگریزی ترجمہ حیدرآباد سے ۵ جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ افسوس

کہ مترجم نے مشکوٰۃ کی ترتیب قائم نہیں رکھی، اس ترجمہ کو نئی ترتیب دی ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں کتب حدیث کے تراجم صرف اردو میں ہی نہیں۔ بنگلہ پشتو سندھی بری گجراتی اور بلوچی کئی زبانوں میں ہو چکے ہیں متعلقہ علاقوں میں ان تراجم کی خاصی اشاعت ہے۔
مولانا شمس الحق فریدی پورہی علمائے دیوبند میں ممتاز شہرت کے مالک تھے حضرت تھانویؒ کے خلیفہ ہونے کی جہت سے آپ روحانی عقیدہ مندوں کا مرکز رہے ہیں آپ نے صحاح ستہ کی چھ کتابوں کا ترجمہ بنگلہ میں بڑے اہتمام سے کیا ہے یہ تراجم چھپ چکے ہیں اور ان سے پورا بنگال علم نبوت سے مستفید ہو رہا ہے۔

پشتو میں مشکوٰۃ کا ترجمہ ہو چکا ہے سندھی میں تفسیر وحدیث کا خاصا مواد موجود ہے۔

ترجمہ اربعین نووی :

افغانستان کے صوبہ انگر بار (جلال آباد) کے مولانا عزیز الرحمن نے اربعین امام نووی کا ترجمہ فصیح پشتو میں کیا ہے۔

(نوٹ) افغانستان میں علمی کام زیادہ تر فارسی اور عربی میں ہے۔ پشتو بول چال میں زیادہ ہے، لیکن لکھنے میں اور سرکاری دستاویزات میں فارسی کا زیادہ استعمال ہے۔ حکومت افغانستان نے حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمہ قرآن اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی تفسیر کو آرٹ پیپر پر فارسی میں تین ضخیم جلدوں میں شائع کیا ہے۔ بدخشاں کے علامہ کوثری جو افغانستان میں ترکی کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد شہید کئے گئے۔ انہوں نے صحیح بخاری کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔ جو بہت نفیس اور صحیح ہے۔ علامہ کوثری نے تفسیر بیضاوی کی بھی نہایت عمدہ شرح لکھی ہے لیکن وہ فارسی یا پشتو میں نہیں عربی میں ہے۔ کابل کے اس دور کے عظیم مؤلف صلاح الدین سلجوقی ہیں۔ انہوں نے فارسی اور پشتو دونوں زبانوں میں دین کی بہت خدمت کی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اُمّہ حدیث

مقدمہ

الحمد لله وسلاماً على عباده الذين اصطفى

ہاں گروہ ہے کہ از ساغرو فامستند : سلام بر سائیدہر کجاہستند

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات قدسیہ میں فطرت اور عقیدت کی وہ جاذبیت پائی گئی کہ ان کے گرد اہل علم کا ایک عظیم گروہ پوری عقیدت سے حق و حفاظت کا پہرہ دینے لگا اور علوم دینی کی یہ جاذبیت دن بدن بڑھتی رہی اور ہر دور میں قائم رہی۔ کوئی دور ایسا نہ آیا جب سنن نبوی پر لوگ پروانہ وار سچھا ورنہ ہوتے ہوں۔

خدمت حدیث کے مختلف دائرے

چند اہل علم اٹھے اور انہوں نے روایت Tradition اور فن روایت
Science of transmission کو اپنی محنت کا موضوع بنایا اور کچھ لوگ اُس
کے رجال Chain of transmitters کی تحقیق میں لگ گئے اور ہر کھڑے
کھوٹے کا کھوج لگایا۔ پھر ایسے اہل علم بھی اٹھے جو احادیث کے معانی و مطالب کی گہرائی
میں اترے جن مسائل و حوادث میں قرآن و سنت کی صریح نص موجود نہ تھی ان کے حکم قرآن

دست کی روشنی میں دریافت کیے۔ ان کی جزئیات قرآن و حدیث کے اصولوں سے استنباط کیں۔ ان کے لیے بھی حدیث کا وسیع علم درکار تھا اور اس بھر ناپید کنار میں کامیاب تیرنے کے بغیر کوئی ان چھپے موتیوں کو نہ چن سکتا تھا۔ ان حضرات کی کاوش رہی کہ نہ صرف مسائل غیر منصوصہ کا استنباط کرتے جائیں بلکہ مزید استنباط و استخراج کے لیے قواعد بھی وضع کرتے رہیں یہ ائمہ حدیث اس پہلو سے اسلام کے متقن Theorist قرار پائے اور غیر مجتہدین کے لیے امام ٹھہرے۔ پھر کچھ اور محدثین اُٹھے اور جن راویوں نے احادیث روایت کی تھیں ان کی جانچ پڑتال اور جرح و تعدیل میں لگ گئے۔ وہ اس تحقیق میں یہاں تک آگے گئے کہ ان راویوں کی روایات ان کے دیگر ہم عصر راویوں سے لے کر ان کی مرویات کو پرکھا کہ یہ اور کہاں کہاں نقل ہوئی ہیں۔ یہ حضرات اس لائن سے آگے بڑھے اور انہوں نے تحقیق و تنقید کے اس پہلو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی خدمت اور حفاظت کی۔ پھر کچھ ائمہ حدیث نے فنی طور پر حدیث جمع کرنے میں اپنے کمالات تالیف دکھائے اور کچھ علماء حدیث نے اسماء الرجال کا فن ترتیب دے کر تاریخ شرائع میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ یہ سب حضرات اپنے اپنے دائرہ کار میں حدیث کی خدمت کرتے رہے اور حق یہ ہے کہ ان دوائر علم میں ہر دائرہ حدیث کے اکابر اپنے اپنے موضوع کے ائمہ حدیث تھے۔ پھر جن بزرگوں نے حدیث کی شروح میں ان تمام موضوعات پر فنی گفتگو کی۔ وہ حضرات بھی اپنی جگہ ائمہ حدیث تھے۔ آج کی مجلس میں علم حدیث کچھ انہی وفاداروں کا تذکرہ ہے جو اپنی محنتوں اور ریاضتوں سے علم حدیث کے وہ چراغ روشن کر گئے جن کی تابانی رہتی دنیا تک طالبانِ عمل کو روشنی بخشتی رہے گی۔

۱۔ استنباط، بظاہر سے ہے بظاہر کی تہ میں سے پانی نکالنے کو کہتے ہیں۔ کنواں کھودنے میں جو پانی پہلی مرتبہ نکلتا ہے اسے ماہِ مستنبط کہا جاتا ہے۔ یہاں مراد کسی بات کی تہ تک پہنچ کر اس کی صحیح حقیقت معلوم کر لینا ہے۔ اسی طرح فقہاء کا کسی دینی بات کو نکال لینا استنباط کہلاتا ہے فقہاء کرامؒ موجد احکام نہیں ہوتے صرف مظہر احکام ہوتے ہیں کہ جو بات گہرائی میں دینی تھی اُسے ظاہر کر دیا شریعت کی ایجاد پیغمبر کی طرف سے ہوتی ہے اور وہ بھی اپنی طرف سے نہیں خدا کی طرف سے شریعت کی بات کہتے ہیں۔

ائمہ حدیث کی مختلف انواع

ائمہ حدیث کا عنوان بہت وسیع ہے۔ اس سے ائمہ اجتہاد Theorist بھی مراد ہو سکتے ہیں جن کے پاس حدیث پہنچ کر اپنے تمام پہلوؤں میں سے پھیلتی ہے اور اس میں وہ ائمہ جرح و تعدیل Critics بھی آجاتے ہیں جن کی کسوٹی حدیث کے راویوں کی نشاندہی کرتی ہے۔ وہ ائمہ کرام جنہوں نے احادیث کو مختلف ترتیبوں سے منضبط کیا۔ وہ مدونین Compilers کہلائے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی تالیفات کو زندگی اور قبولیت بخشی۔ یہ بھی ائمہ حدیث ٹھہرے۔ اور جن حفاظ رجال نے اسماء الرجال کو منضبط کیا اور اس دائرہ کار میں حدیث کی خدمت کی وہ بھی اس فن کے امام ٹھہرے جس نے کسی بھی جہت سے حدیث کی کوئی خدمت کی اور اہل علم نے اس فن میں اس پر اعتماد کیا ایسے تمام حضرات ائمہ حدیث کے ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں۔

ہم آج کے اس موضوع کو اس تفصیل کے پیش نظر ان عنوانات سے پیش کریں گے۔

(۱) علماء حدیث (۲) ائمہ روایت (۳) ائمہ جرح و تعدیل (۴) ائمہ تدوین (۵) ائمہ رجال۔

یہ ان پاک لوگوں کا تذکرہ ہے جن کی علمی خدمات عام احادیث اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم میں وجہ اتصال اور رابطہ بنیں اور انہی کی کوشش سے علم اسلام زندہ رہا۔ طلبہ حدیث کو چاہیے کہ محدثین کے نام یاد رکھتے ہوئے ہر محدث کے بارے میں ذہن میں رکھیں کہ وہ کس دائرہ اور کس طبقے سے تعلق رکھتا ہے۔ جب تک ہر محدث کا دائرہ کار ہمہ وقت ذہن میں نہ رہے۔ طلبہ اس کی خدمت سے کما حقہ فائدہ نہیں اٹھا سکتے شام، حجاز اور عراق کے رواد حدیث اپنے اپنے ہاں کس کس انداز میں حدیث کی خدمت کرتے رہے۔ انشاء اللہ اس کا ایک اجمالی نقشہ آپ کے سامنے آجائے گا کہ محدثین کس جذبہ وفا کے ساتھ قرآن کریم کے گرد حفاظت کا پہرہ بٹے رہے ہیں۔

وما توفیتی الا باللہ علی توکلت والیہ انیب۔

ائمہ حدیث

الحمد لله وسلاماً على عباده الذين اصطفى. اما بعد:

علمائے حدیث | علماء حدیث سے وہ علماء فن مراد ہیں جو حدیث کے معنی و مضمون، منطوق و مفہوم، اس کے عموم و خصوص اور اس کے منایط حکم کو پوری طرح سمجھتے ہوں۔ انہیں فقہاء حدیث بھی کہا جاتا ہے۔ یہ حضرات فقہ حدیث کے غواص تھے اس کے سوا جو کچھ ہے وہ صرف متون حدیث کی نقل و روایات اور ان کے اسانید و رجال کی معرفت ہے۔ حافظ ذہبیؒ تہذیب التہذیب کے مقدمہ میں امام علی بن المدینیؒ (۲۳۴ھ) سے نقل کرتے ہیں:-

الفقہاء فی معانی الحدیث نصف العلم ومعرفة الرجال نصف العلم۔^۱

(ترجمہ) حدیث کے معانی میں غور و فکر کرنا اس موضوع کا نصف علم ہے اور نصف ثانی حدیث کے رجال کی معرفت ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فقہ حدیث کے معانی کو سمجھنے کا ہی نام ہے۔ یہ حدیث کے متبادل کسی اور ماخذ کا نام نہیں۔ بلکہ حق یہ ہے کہ فقہاء دین ہی علم حدیث کے صحیح وارث ہیں حضرت امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) جنازہ funerals کی ایک بحث میں لکھتے ہیں:-

وكذلك قال الفقهاء وهو اعلم بمعاني الحديث۔^۲

(ترجمہ) اور فقہاء نے ایسا ہی کہا ہے اور یہی لوگ حدیث کے معانی کو اچھی طرح سمجھنے والے ہیں۔

۱۔ مقدمہ خلاصہ تہذیب التہذیب الکمال ص ۱۸۱ لحاظ صفی الدین الخزرجی (المتوفی ۹۲۳ھ) مطبع کبریٰ

بلاق طبع ۱۳۰۱ھ ۲۔ جامع ترمذی جلد ۱ ص ۱۸

فقہاء کرام حدیث کو صرف سمجھتے ہی نہیں اس سے احکام غیر منصوصہ (وہ احکام جن کے بارے میں نص injunction موجود نہ ہو) ان کا استنباط بھی کرتے ہیں۔ اجتہادی امور میں یہی حضرات اولی الامر ہیں فہم حدیث میں انہی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور علم کی دنیا میں انہی کا فیصلہ چلتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔

وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولَى الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ
(ترجمہ) اور اگر وہ پہنچا دیتے اُسے رسول تک اور اپنے اُولی الامر تک تو اسے وہ لوگ جو ان میں تحقیق استنباط کرنے والے ہیں معلوم کر لیتے۔
امام ابو بکر جصاص رازی (رحمۃ اللہ علیہ) لکھتے ہیں: حضرت جابرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ،
حسن بصریؒ، حضرت عطاءؒ اور مجاہدؒ اُولی الامر کی تفسیر اولو الفہم والعلم سے کرتے ہیں۔ امام تفسیر حضرت
قائدہؒ کہتے ہیں: ہم اولو العلم والفہمؒ

حضرت ابو ہریرہؓ اس سے حکام مراد لیتے ہیں۔ الفاظ فقہاء اور اُمراء دونوں کو شامل ہیں۔
امراء تدبیر جیوش کرتے ہیں اور علماء حفظ شریعت کرتے ہیں اور جائز و ناجائز بتلاتے ہیں۔ سو
لوگ ان کی اطاعت پر مامور ہوں گے اور انہیں ان کی پیروی کا حکم ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اُولی الامر حکام کو کہتے ہیں جس دائرہ کار میں جس کا حکم چلے وہی اس
دائرہ میں اُولی الامر میں سے ہے۔ عاقل جصاص رازی لکھتے ہیں:۔

جائز ان یسبى الفقهاء اولى الامر لانهم يعرفون اوامر الله ونواهيه ويلزم
غيرهم قبول قولهم فجائز ان يسبوا اولى الامر من هذا الوجه كما قال في
آية اخرى (ليتفقوا في الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم
لعلهم يحذرون) فواجب الحذر بانذارهم والزم المنذرين قبول قولهمؒ
صحیح تفسیر یہی ہے کہ اُولی الامر سے مراد فقہاء حدیث ہی ہیں علماء کے ہی حکم کو واجب
الاطاعت سمجھتے ہیں اور ان کے شرع ان پر ان کے احکام کی اطاعت واجب ہے۔

لہذا اس وجہ سے اُن پر بھی اولی الامر کا اطلاق درست ہے۔ اولی الامر حکام کو کہتے ہیں جس دائرہ کار میں جن کا حکم چلے وہی اس دائرہ عمل کے اولی الامر ہوں گے یہ الفاظ اپنے عموم میں ان فقہاء کو یقیناً شامل ہیں جن کا فیصلہ مسلمانوں میں عملاً چلتا ہے۔ گو وہ اسے اپنے اختیار سے اپنے اوپر نافذ ٹھہراتے ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی علماء حدیث Scholars اور رواقہ حدیث Transmitters میں فرق کیا ہے۔ آپ نے راوی حدیث کو فقط حامل فقہ bearer of knowledge کہا اور عالم حدیث کو فقہ jurist کے نام سے ذکر فرمایا۔ تاریخ حدیث میں راوی حدیث اور عالم حدیث کا یہ فرق ہمیشہ نمایاں رہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود (ؓ) کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،
نضر اللہ عبداً سمع مقالتي فحفظها ودعاها واذا اها فرب حامل فقه
غير فقيه ورب حامل فقه الى من هو افقه منه۔

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز کرے جس نے میری بات سنی اسے یاد کیا اور محفوظ رکھا اور اُسے آگے پہنچایا۔ کیونکہ کئی ایسے بھی حاملین علم bearevr of knowledge ہوتے ہیں جو خود عالم scholar (فقہاء) نہیں ہوتے اور کئی ایسے بھی حامل علم ہوتے ہیں جو اپنے سے زیادہ سمجھنے والے کو بات پہنچا دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ بات کی لم اور حقیقت کو پالیں۔

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں علماء حدیث فقہاء ہی تھے اور محض راوی حدیث ہونا آپ کے نزدیک اس کی ایک ابتدائی منزل تھی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی عالم حدیث کا راوی حدیث نہ بنا اس کے علم حدیث میں ہرگز کوئی کمی کی وجہ نہیں صحابہ میں حضرت ابو بکر و عمرؓ کی روایات اگر کم ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ابوہریرہؓ ان سے علم میں آگے تھے۔

۱۔ احکام القرآن جلد ۲ ص ۱۱۱ ۲۔ مشکوٰۃ شریف ص ۲۵ رواہ الشافعی و احمد والدارمی

والدود و الترمذی وابن ماجہ والبیہقی۔

اسلام میں علم و حکمت کا مرتبہ

قرآن کریم میں علم کے اس اُونچے درجے کو جس میں گہرائی اور گیرائی دونوں درکار ہوں۔ حکمت jurisprudence کہا گیا ہے اور یہی وہ خیر کثیر ہے جو اس امت میں نبوت کے قائم مقام رکھی گئی تھی۔ قرآن کریم میں ہے:-

من یؤت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا^۱

(ترجمہ) جسے حکمت و دانائی ملی پس تحقیق اسے بہت بڑی خیر ملی۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیر کے حامل کو فقیہہ jurist ارشاد فرمایا ہے
اور حق یہ ہے کہ فقہاء ہی شریعت کے حکما رہیں۔ آپ فرماتے ہیں:-
من یرد اللہ بہ خیرا ینقہہ فی الدین^۲

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ جس کے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں فقہ عطا فرمادیتا ہے
وہ حاملین حدیث نبوی جو اس درجے میں شریعت کا مغز پاگئے کہ مسائل منصوصہ کے
اصولوں میں تمام مسائل غیر منصوصہ کا حکم دریافت کر سکیں وہ اس دریافت اور استخراج کے
اصول بھی انہی نصوص میں پاگئے اور انہوں نے انہیں بھی پوری دقت نظری سے استنباط کیا
یہ وہ مجتہدین کرام ہیں جن سے مسائل کے باب میں معلوم کرنا ضروری ٹھہرا حقیقت میں یہی
اہل علم ہیں جن کی طرف ان مسائل میں جو قرآن و حدیث میں صریحاً نہ ملتے ہوں رجوع کیا جا
سکتا ہے۔ حضورؐ نے حضرت عقبہ بن عامر کو اس صورت میں اسی قاعدہ کی تعلیم دی تھی:-

فابا ح لہ النبی الاجتہاد بحضرتہ علی الوجہ الذی ذکرنا^۳

اپنے سامنے اس طریق کے مطابق جو ہم نے ذکر کیا پس آپ نے ان کے لیے اجتہاد کرتا جائز ٹھہرا دیا۔
اسی طرح حضرت معاذ بن جبلؓ بھی آپ سے اجتہاد کرنے کی اجازت پاچکے تھے۔

فقہاء حدیث کی کاوش رہی کہ احادیث سے زیادہ سے زیادہ احکام استنباط کریں

اور شریعت اسلامی آنے والی ہر ضرورت پر قابو پاسکے اور حق یہ ہے کہ اسی سے اسلام کی شان جامعیت ہر دور میں اپنی وسعت سے نکھرتی رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان حضرات کو دن رات حدیث سے واسطہ پڑتا تھا اور اس کے رد و قبول اور تحقیق و تنقیح میں انہیں پوری گہرائی میں جانا ہوتا تھا۔ اس سے انہیں اس فن کی پوری بصیرت حاصل ہو جاتی تھی اور وہ اس کے درجات اور احکام سے پوری طرح باخبر ہوتے تھے۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ ان کی محنتیں زیادہ تر حدیث کی روایت پر نہیں اس کے فہم و روایت پر صرف ہوتی تھیں۔ حدیث ان کے پاس آکر اس بھر بے کراں کی طرح اچھلتی تھی جس کے نیچے بے شمار موتی دبے ہوں۔ یہ فقہاء حدیث کبھی اپنے تلامذہ و احباب میں حدیث کی سند بھی روایت کر دیتے۔ لیکن محدث زیادہ تر ان کا موضوع نہ تھا۔ وہ احادیث کے معانی میں غوطے لگاتے تھے اور فہم حدیث کے پہلو سے ائمہ حدیث اور حفاظ حدیث میں شمار ہوتے تھے۔ یہ بات اپنی جگہ محتاج دلیل نہیں کہ حدیث میں کامل دست گاہ کے بغیر کوئی شخص مجتہد نہ ہو سکتا تھا۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ نادان لوگ ان کی مرویات کو کم دیکھ کر ان کی صحیح قدر کرنے سے محروم رہے اور خود اپنے آپ کو ہی کاٹتے رہے۔ اس طبقے میں ہم امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ)، امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ)، سفیان ثوریؒ (۱۶۱ھ)، امام مالکؒ (۱۷۹ھ)، امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ)، امام محمدؒ (۱۸۹ھ)، امام شافعیؒ (۲۰۴ھ)، احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) اور امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) کا تذکرہ کریں گے۔ امام احمد سے گور روایت حدیث کا سلسلہ بھی خوب چلا۔ تاہم ایک مجتہد کی حیثیت سے ان کا تذکرہ اسی باب میں ہوگا۔

علماء جرح و تعدیل

پھر محدثین کا وہ طبقہ سامنے آتا ہے جن کا موضوع زیادہ تر روایت حدیث کی جابجائی پڑتا تھا۔ وہ جرح و تعدیل کے امام تھے۔ ان کی توجہ تحقیق روایت پر اس درجہ مبذول رہی کہ ایک نیا مستقل فن وجود میں آیا جسے علم اسما الرجال کہا جاتا ہے جس طرح معانی حدیث میں فقہ و تعمق اس موضوع کا ایک اہم حصہ ہے معرفت رجال بھی اس موضوع کا نصف علم ہے۔ امام علی بن المدینیؒ (۲۳۴ھ) کی یہ رائے آپ پہلے سن گئے ہیں۔ الفقہ فی معانی

المحدث نصف العلم ومعرفة الرجال نصف العلم۔ سو علم دوہی ہیں۔ (۱) فقہ اور (۲) فن اسماء الرجال۔ ایک علم متن حدیث سے متعلق ہے تو دوسرا سند حدیث سے۔

علماء جرح و تعدیل نے روایت حدیث کے مختلف درجات معلوم کیے۔ اُن کا فنی تجزیہ کیا۔ یا یہی اختلاف کی صورت میں نتیجہ خیزی کی راہیں تمام کیں۔ یہ حضرات اس جہت سے ائمہ حدیث قرار پائے۔ بعد کے آنے والے محققین ان کی کاوشوں سے ہی فیصلوں کی راہیں تلاش کرتے ہیں اور اس گروہ کو جتنا خراج تحسین ادا کیا جائے کم ہے۔ مولانا عالی لکھتے ہیں:-

گروہ ایک جو یا تھا علم نبی کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذب نفی کا
لگایا پتہ اس نے ہر منقری کا
کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا

کیے جرح و تعدیل کے وضع قانون

نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسون

اس طبقے میں ہم امیر المؤمنین فی الحدیث عبد اللہ بن مبارک (۱۵۶ھ) امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ (۱۶۷ھ) دیکھ بن الجراح (۱۹۷ھ) یحییٰ بن سعید القطان (۱۹۸ھ) عبد الرحمن بن مہدی (۱۹۸ھ) سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ) علی بن المدینی (۲۲۴ھ) اور یحییٰ بن معین (۲۳۳ھ) کا تذکرہ کریں گے۔ پھر ان کے بعد ائمہ تالیف کا ذکر ہو گا۔ جنہوں نے کتابیں لکھیں۔

جامعین حدیث

محدثین کا وہ طبقہ سب سے آگے ہے جن کا موضوع زیادہ تر روایت و تحدیث رہا۔ فقہ و تفریح پر صاحب نظر ہونے کے باوجود وہ فقہی استنباط میں زیادہ مصروف نہ ہوئے پھر ان حضرات کے مختلف طبقے ہوئے۔ کچھ ایسے تھے جو صحت اسناد احادیث جمع کرتے رہے اور کچھ وہ تھے جو ہر طرح کی اسناد سے احادیث آگے لاتے رہے اور نقد و جرح بھی کرتے رہے اور کبھی اسے پڑھنے والوں پر بھی چھوڑ دیتے تھے یہ سب حضرات حدیث کے ائمہ تالیف ہیں پھر ان حفاظ حدیث میں کئی ایسے بھی ہوئے جو حدیث کے تو حامل رہے مگر اس کے معنی کی گہرائی میں جانا ان کا موضوع مشق نہ تھا۔ ان کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی خبر دے چکے

اور بے شک ان حضرات کی مساعی اور خدمات بھی اپنی جگہ بہت ممتاز ہیں۔ امت اسلامی کو اپنے ان ائمہ حدیث پر سجا طور پر ناز ہے جنہوں نے تمدین کے دور ثانی میں حدیث کو کتابی صورت میں جمع کیا اور وہ کمالات دکھائے کہ تاریخ ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر رہی۔ اور حق یہ ہے کہ اس باب میں وہ تمام متقدمین پر بھی سبقت لے گئے اور آج زیادہ تر انہی کے ذخائر حدیث علماء کے مصادر و مراجع ہیں۔ یہی حضرات ائمہ تالیف ہیں۔

ائمہ تالیف حدیث

جہاں تک مطلق تالیف کا تعلق ہے حدیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی معرض تحریر documentary records میں آنے لگی تھی اور صحابہ کے جمع کردہ صحیفے آئندہ کے اہل علم کے پاس موجود رہے۔ خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے امام زہری اور صالح بن کیسان جیسے تابعین حضرات نے حدیث خاصی تعداد میں جمع کر لی تھی تاہم زمانے کو انتظار تھا کہ محدثین فن تمدین کو ترقی دے کہ حدیث کی ایسی تالیفات سامنے لائیں کہ فن اعتماد اور ضرورت کے اعتبار سے یہ مجموعہ ہائے حدیث دیر پا قبولیت پائیں۔ اس دائرہ اور دور میں محدثین کی پوری کاوش رہی کہ یہ علمی ذخیرے اس طرح ترتیب پائیں کہ مختلف پہلوؤں سے تعلیم و تدریس کا مرکز بن جائیں اور آئندہ امت پر حفظ و ضبط اور جمع و تدوین کا وہ بوجھ نہ رہے جو اب تک صحابہ و تابعین اور تبع تابعین اٹھاتے چلے آ رہے تھے۔

قد مارے شک تدار ہیں اور بنیادی فضیلت پہلوں کو ہی جاتی ہے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ فن تالیف تیسری صدی ہجری میں جس پایہ تکمیل کو پہنچا اس کی نظیر پہلے علمی ذخیروں میں نہیں ملتی۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا علم حدیث مسلم ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حدیث کے باب میں درایت ہو یا روایت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ فن حدیث میں پورے مجتہد تھے۔ امام سفیان ثوریؒ ۱۶۱ھ اور امام محمدؒ ۱۸۹ھ اور عبدالرزاق ابن ہمامؒ ۲۱۱ھ کی کتابوں میں سیکڑوں

حدیثیں مروی ملتی ہیں۔ لیکن تالیف حدیث میں جو کمال امام بخاری اور امام مسلم نے دکھایا اس کی نظیر نہ صرف یہ کہ اسلامی تاریخ میں نہیں ملتی بلکہ مذاہب عالم کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ولقد جاء في المثل السائر ترك الاول للآخر۔

یہی وجہ ہے کہ ان تالیفات کے سامنے آنے پر امت نے پچھلے ذخائر حدیث کو جو بے شک اولیت کی شان رکھتے تھے، علم حدیث کا مرکز نہ بنایا اور دورہ حدیث آج انہی کتابوں کے گرد گھوم رہا ہے۔ یہ جلیل القدر تالیفات پچھلی تالیفات حدیث کی بجا طور پر وارث اور آئندہ کی حدیثی کاوشوں کا صحیح معنوں میں متن Texts ہیں یہی کتابیں ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے باب میں اساسی کتابیں canonical books کہلاتی ہیں۔ اور حدیث کی سند و روایت اور رد و قبول میں انہی کتابوں کو مرکز قرار دیا جاتا رہا ہے۔ فن تالیف میں جو ائمہ زیادہ معروف ہوئے اور جن کے علمی ذخائر اپنے اپنے رنگ میں اب تک مرکز سمجھے جاتے ہیں یہاں انہی کا ذکر ہوگا۔

ان ائمہ تالیف میں حضرت امام بخاریؒ (۲۵۶ھ)، اور امام ابن خزیمہؒ (۳۱۱ھ) تو ترجمہ الباب میں بالکل مجتہد نظر آتے ہیں۔ اسانید کی ترتیب اور ضبط متن میں حضرت امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) کا ثانی نہیں ملتا۔ ترتیب روایت پر حیرت انگیز دسترس کے مالک ہیں۔ مجتہدانہ بصیرت میں امام ابو داؤد سجستانیؒ (۲۴۵ھ) اور امام طحاویؒ (۳۲۱ھ) اپنی مثال آپ ہیں۔ امام ترمذیؒ (۲۴۹ھ) نے نقل مذاہب میں جو اچھوتا انداز اختیار کیا ہے اس میں وہ پہلے اور پچھلے سب مؤلفین کو پیچھے چھوڑ گئے ہیں اور اس خاص طرز میں کوئی ان کا ہمسر نہیں۔

ان ائمہ تالیف میں ہم عبد الرزاق بن ہمامؒ (۲۱۱ھ) اور ابو داؤد طیالسیؒ (۲۲۴ھ) ابن ابی شیبہؒ (۲۳۵ھ) دارمیؒ (۲۵۵ھ) بخاریؒ (۲۵۶ھ) مسلمؒ (۲۶۱ھ) ابو داؤدؒ (۲۶۵ھ) ترمذیؒ (۲۴۹ھ) نسائیؒ (۳۰۳ھ) ابن ماجہ قزوینیؒ (۲۶۳ھ) ابن خزیمہؒ (۳۱۱ھ) ابوعوانہؒ (۳۱۶ھ) طحاویؒ (۳۲۱ھ) ابن حبانؒ (۳۵۴ھ) طبرانیؒ (۳۲۰ھ) دارقطنیؒ (۳۸۵ھ) خطابیؒ (۳۸۸ھ) حاکم نیشاپوریؒ (۴۰۵ھ) امام بیہقیؒ (۴۵۸ھ) اور ابن عبد البر مالکیؒ (۴۶۳ھ) کا ذکر کریں گے۔

حدیث کے ائمہ تخریج

پھر ان کے بعد ایک ایسا دور آیا جب مستقل راویوں سے حدیث روایت کرنے کی ضرورت نہ رہی۔ حدیث کی کتابیں مدون ہو چکی تھیں اور اپنی کتب کی سند آگے جاری ہوتی تھی۔ اب نئے مجموعہ ہائے حدیث میں سند ساتھ ساتھ نقل کرنے کی چنداں ضرورت نہ رہی، تاہم تخریج و تالیف کے دروازے کھلے تھے اور اس فن میں محنت کرنے والوں کا ایک طبقہ پھر بھی اس راہ میں پوری توانائی سے مصروف عمل تھا۔ ان جامعین حدیث نے ان پچھلے علمی ذخیروں کے حوالوں سے کتابیں اور اجزاء مرتب کیے۔ ان سے روایت کیں اور نئے نئے مجموعے ترتیب دیے اور حدیث کی یہ خدمت آج تک جاری ہے۔ جن حضرات کے مجموعے علماء حدیث میں مستند، مفید اور معتد سمجھے گئے۔ وہ اس دور کے ائمہ حدیث تھے۔ اس طبقے میں ہم امام بغویؒ، صاحب شرح السنہ (۱۵۱ھ) علامہ صفحانیؒ (۱۵۱ھ) ابن عساکرؒ (۱۵۱ھ) ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) خطیب تبریزیؒ صاحب مشکوٰۃ (۷۴۲ھ) زلیحیؒ (۷۶۲ھ) ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) نور الدین، ہیشمیؒ (۸۰۷ھ) حافظ ذہبیؒ (۸۴۸ھ) ابن سہام اسکندریؒ (۸۶۱ھ) عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) طاہر فتنیؒ صاحب مجمع البحار (۹۸۶ھ) اور علی التتقی صاحب کنز العمال (۹۹۹ھ) کا ذکر کریں گے۔

علماء تراجم رجال

جہاں تک فن اسما الرجال کا تعلق ہے اس کا اصل سہرا ان قدما کے سر ہے جن کا ذکر ہم ائمہ جرح و تعدیل میں کرتے ہیں۔ لیکن ان کے اقوال و تحقیقات کو باقاعدہ کتابی صورت میں لانے کی خدمت جن حضرات نے سرانجام دی۔ انہیں ہم یہاں علماء تراجم رجال کے عنوان سے ذکر کریں گے۔ یہ صحیح ہے کہ ان سے پہلے وہ قدما جن کا ذکر ہم پہلے کرتے ہیں اس سلسلہ میں قدم اٹھا چکے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے کتاب العلل و معرفة الرجال لکھ کر اس کا آغاز کر دیا تھا۔ امام بخاریؒ بھی تاریخ کبیر لکھ چکے تھے۔ امام ترمذیؒ اپنی جامع میں جگہ جگہ رواد

پر بحث کرتے تھے لیکن حق یہ ہے کہ جس طرح متون احادیث پہلے دور تدوین میں اس عمدگی سے تالیف ہو سکے جو تیسرے دور کی تدوین میں ہمیں نظر آتی ہے۔ اس طرح اسماء الرجال میں بھی جو شان تالیف پچھلے دور کی کتابوں میں ملتی ہے وہ پہلے ادوار کی تالیفات سے بہت مختلف اور کامل ہے۔ سو علماء تراجم کے عنوان سے ہم ان ائمہ اسماء الرجال کا ذکر کریں گے جن کی کتابیں اس وقت اس باب میں علماء کی مراجع و مصادر ہیں۔ ان ائمہ حدیث میں ابن ابی حاتم علامہ مزی حافظ شمس الدین ذہبی حافظ ابن حجر عسقلانی علامہ بدر الدین عینیؒ زیادہ قابل ذکر ہیں۔

ائمہ حدیث کی مختلف الانواع خدمات

یہ حدیث کی مختلف پہلوؤں سے خدمت تھی جس کا یہ ایک مختصر جائزہ لیا گیا ہے۔ علمی اور فنی پہلو سے یہ تمام ضروری امور تھے جو ان حضرات کی توجہ کا موضوع بنے۔ اور حق یہ ہے کہ ہر ایک نے اپنے اپنے موضوع کا حق ادا کر دیا ہے۔ ائمہ حدیث کی مختلف الانواع خدمات سے یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ باب حدیث میں خود نئی راہیں بناتے تھے ہرگز نہیں۔ خدمت حدیث عہد صحابہ میں ہی مختلف پیمانوں میں ڈھل گئی تھی۔ پھر تابعین کرام ان مختلف راہوں سے حدیث کی خدمت کرتے رہے تھے۔ ائمہ حدیث نے اپنے انہی اکابر سے حدیث کی خدمت مختلف پہلوؤں سے کرنے کا فن سیکھا۔

صحابہ میں خدمت حدیث کے مختلف انداز

تدوین حدیث کے عنوان میں آپ دیکھ آئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے ہی روایت حدیث کا آغاز ہو چکا تھا۔ آپ کے بعد آپ کی تعلیمات قدسیہ کی مزید نشر و اشاعت ہوئی۔ صحابہ ہر خدمت حدیث میں آگے بڑھتے گئے اور ہر پہلو سے انہوں نے اس کے گرد حفاظت کے پہرے بٹھائے مثال کے طور پر ہم دونوں پہلوؤں سے بعض اکابر کے نام یہاں ذکر کرتے ہیں۔ پوری فہرست آگے آئے گی جہاں ان حضرات کے تراجم پیش کیے جائیں گے۔

صحابہ میں فقہائے حدیث

ان میں فقہائے حدیث بھی تھے جیسے حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت علیؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، ام المؤمنین حضرت عائشہؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین۔

روایت میں سبقت لے جانے والے

حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت حذیفہ بن الیمانؓ، حضرت عمران بن حصینؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت سمیرہ بن جبزؓ، حضرت عبداللہ بن عمروؓ، حضرت براء بن عازبؓ، حضرت ابوسعید الخدریؓ، حضرت انس بن مالکؓ، وغیرہم من الاکابر روایت حدیث میں بہت آگے نکلے اور یہاں تک آگے بڑھے کہ فقہاء حدیث بھی ان کے خوشہ چیں ہوئے۔ صرف ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہیں جو کثرت روایت میں بھی ان اکابر کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔

تابعین کرام میں فقہائے حدیث

حضرت علقمہ بن قیسؓ (۷۶۲ھ)، مسروق بن اجدعؓ (۷۶۳ھ)، حضرت سعید بن المسیبؓ (۷۹۳ھ)، سعید بن جبیرؓ (۹۵ھ)، ابراہیم نخعیؓ (۸۹۶ھ)، ککولؓ (۱۰۱۱ھ)، غلامہ شعبیؓ (۱۰۱۳ھ)، حضرت سالمؓ (۱۰۱۶ھ)، قاسم بن محمدؓ (۱۰۱۷ھ)، حضرت حسن بصریؓ (۱۱۰ھ)، ابن سیرینؓ (۱۱۰ھ)، قتادہ بن دعامہؓ (۱۱۸ھ)، حماد بن ابی سلمانؓ (۱۲۰ھ)، فقہاء حدیث میں اس دور کی معروف شخصیتیں تھیں۔

تابعین کرام میں اساتذہ روایت

حضرت طادس بن کيسانؓ، امام زہریؓ (۱۲۴ھ)، ابوالزنادؓ (۱۳۱ھ)، سلیمان تیمیؓ

(۱۴۲) ائمہ اربعہ (۱۴۳) عمرو بن دینار وغیرہم اساتذہ کبار روایت حدیث کے نہایت درخشندہ تارے تھے۔ ان حضرات کے پاس صحابہؓ کی جمع کردہ تحریریں بھی تھیں۔ ان کی خدمات حدیث کا کچھ تذکرہ تدوین حدیث کی بحث میں آچکا ہے۔ اس بحث میں ائمہ حدیث کے صرف تراجم پیش نظر ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ حدیث کے باب میں درایت ہو یا روایت فقہ کے عنوان سے ہو یا نقل و روایت کے عنوان سے عمومی اقتداء ان متقدمین سے نہیں بلکہ بعد کے بزرگوں سے جاری ہوئی۔ یہ اس لیے کہ ہر فن اپنی بہت سی منازل طے کرنے کے بعد ہی اس درجے میں قائم ہوتا ہے کہ اس پر آئندہ باقاعدہ اصول و فروع کی بنیاد رکھی جاسکے۔ سو ہم ائمہ حدیث کے عنوان سے انہی اکابر حضرات کا تذکرہ کریں گے جن کی اقتداء امت میں جاری ہوئی۔ وہ فقہاء حدیث ہوں یا ائمہ نقاد، ائمہ تالیف ہوں یا علماء تراجم رجال جو حضرات اپنے اپنے فن کے امام ٹھہرے ہم انہیں ہی ائمہ حدیث کے مختلف طبقوں کے تحت ذکر کریں گے ہر ایک نے اپنے اپنے دائرہ میں حدیث کی خدمت اور قوم کی امامت کی اور حق یہ ہے کہ یہ حضرات خدمت حدیث میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ اب تاریخ اس باب میں انہی کے سرپرستی کا تاج رکھتی ہے۔ ہاں صحابہ کرامؓ جو اپنے کسی فنی کمال کی بنا پر نہیں۔ اپنے شرف صحابیت کی وجہ سے امت کے مقتدار اور پیشوا ہیں۔ ان کی پیروی واجب ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ جیسے ائمہ اصول ان حضرات کے آگے سر اٹھانے کی جرأت نہ کرتے تھے اور ان کے ارشادات کو اپنے لیے سند سمجھتے تھے۔

اب ہم ان مختلف الانواع ائمہ حدیث کا تذکرہ کرتے ہیں۔ مجموعی اعتبار سے یہ سب ائمہ حدیث ہیں۔ فقہاء حدیث ہوں یا ائمہ جرح و تعدیل، جامعین حدیث ہوں یا ائمہ تخریج، علماء تراجم رجال ہوں یا عہد اول کے شراح حدیث۔ یہ سب حضرات اس فن کے محسنین میں سے ہیں۔ اور حق ہے کہ ہم ان سب کو ائمہ حدیث میں جگہ دیں۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

تراجم ائمہ حدیث

یہ بات تفصیل سے آپ کے سامنے آچکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علم دین کا اعلیٰ درجہ خیرِ علم فقہ کو قرار دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس سے خیر کا ارادہ کریں اُسے فقہ سے حصہ وافر عطا فرمادیتے ہیں۔ دوسرے درجہ میں روایت حدیث ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو آگے نقل کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ حدیث آگے کسی ایسے شخص کو پہنچ جائے جو اس سے پورا پورا فائدہ پالے اور اس کے معلوم کی حفاظت کرے۔

جہاں تک صحابہ کرام کا تعلق ہے وہ فقہائے حدیث بھی تھے اور روایت حدیث بھی تاہم جن کا فقہ ان کی روایت پر غالب رہا انہیں فقہائے حدیث کے عنوان سے اور جو روایت میں زیادہ معروف ہوئے ہم انہیں روایت حدیث کے عنوان سے ذکر کریں گے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہ لیا جائے کہ روایت میں سبقت لے جانے والے صحابہ فقہ پر دسترس نہ رکھتے تھے۔

فقہائے کرام

صحابہ میں فقہائے حدیث

صحابہ کرام میں فقہائے حدیث بڑی تعداد میں تھے لیکن بطور نمونہ ہم یہاں دس بزرگوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ فقہ حدیث کی ریاست ان پر تمام تھی یہی قمر رسالت کا علمی ہالہ اور علم رسالت کا عملی اُجالا تھے حضرت معاویہ بن جبلہؓ (م ۱۸ھ) حضرت ابی بن کعبؓ (م ۱۹ھ) فقیہ عراق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (م ۳۲ھ) فقیہ شام حضرت ابوالدرداءؓ (م ۳۲ھ) فقیہ عراق حضرت علیؓ (م ۴۰ھ) حضرت زید بن ثابتؓ (م ۴۵ھ) حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ (م ۵۲ھ) فقیہ مکہ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ (م ۶۸ھ) فقیہ مدینہ جبر الائمہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ (م ۷۴ھ) اور حضرت جابر بن عبداللہ الانصاریؓ (م ۷۸ھ)

نوٹ | پیشتر اس کے کہ ہم ان فقہائے حدیث کا علیحدہ علیحدہ ذکر کریں نا انصافی ہوگی۔ اگر اس شخصیت کو ہمہ کا ذکر نہ کیا جائے جن کی طرف کل فقہائے صحابہ اپنی شکلات میں رجوع

کرتے تھے اور انہیں بلا تامل فقہائے صحابہ کا علمی مرکز سمجھا جاتا تھا۔ ہماری مراد یہاں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ ہیں جو اہلبیت رسالت میں اس نوعمری میں لائی گئیں کہ معارف رسالت کو اس عمر میں پوری طرح حفظ کرنے کی ان سے بجا طور پر امید کی جاسکے۔ اس عمر میں آپ نے علم رسالت کو اپنے پاس اس طرح محفوظ کر لیا کہ حضور اکرم کے بعد دنیائے اسلام نصف صدی تک ان کے علوم سے منور ہوتی رہی۔ ہم نے دوسرے فقہائے صحابہ کی فہرست میں ان کا ذکر نہیں کیا کہ ماں ہر حبیب سے بچوں میں ممتاز رہے اور یہ مرکز علم اپنے تمام اطراف میں برابر کا ضیا بار رہے۔

حافظ شمس الدین الذہبی (د ۴۸۸ھ) حفاظ حدیث کے تذکرہ میں حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے بارے میں لکھتے ہیں:-

أم عبد الله حبيبة رسول الله صلى الله عليه وسلم بنت خليفة رسول الله صلى الله عليه وسلم أبي بكر الصديق من أكبر فقهاء الصحابة وكان فقهاء أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يرجعون إليها.

(ترجمہ) ام عبد اللہ حضور پاک کی حبیبہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کی بیٹی بڑے فقہائے صحابہ میں سے تھیں، فقہائے صحابہ (اپنے مسائل میں) ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔

اب ہم فقہائے صحابہ کا مندرجہ بالا ترتیب سے ذکر کریں گے۔ یہ ترتیب ان کے مراتب کی نہیں بنین و فوات سے لی گئی ہے۔

① حضرت معاذ بن جبل (د ۸۱ھ) ابو عبد الرحمن الانصاری

آپ ان نشر صحابہ میں سے ہیں جو بیعت عقبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:-

اعلمهم بالحلال والحرام معاذ بن جبل۔

(ترجمہ) ان میں حلال و حرام کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے معاذ بن جبل ہیں۔

آپ کی فقہی شان کی ایک یہ بھی شہادت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مین کا قاضی بنا کر بھیجا اور انہیں مسائل غیر متصو صہ میں اجتہاد کرنے کی اجازت دی۔ آپ کی نظر میں حضرت معاذ بن جبلؓ ایک مجتہد کی پوری اہلیت رکھتے تھے اور سجا طور پر ایک عاذق مجتہد تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں آپ کو رسول رسول اللہ کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔
الحمد لله الذي وفق رسول الله لما يرضى به رسول الله

(ترجمہ) سب تعریف اُس خدا کی جس نے اپنے رسول کے رسول کو اس بات کی توفیق دی جس سے اللہ کا رسول راضی ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جابیہ میں جو تاریخی خطبہ دیا تھا۔ اُس میں فرمایا تھا کہ:-
من اراد ان يسأل عن الفقه فليأت معاذاً ومن اراد ان يسأل عن المال فليأتني فان الله جعلني له خازناً وقاسماً

(ترجمہ) جو شخص فقہ کا کوئی مسئلہ جانتا چاہے وہ معاذؓ کے پاس آئے اور جو شخص مال کے بارے میں سوال کرنا چاہے وہ میرے پاس آئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اُن کا خازن اور تقسیم کنندہ بنایا ہے۔

حضرت عمرؓ کے اس ارشاد سے پتہ چلتا ہے کہ عہد صحابہؓ میں علم فقہ کی کیا عظمت تھی اور مجتہد صحابہؓ کی اجتہادی شان کے کیا چرچے ہوتے تھے۔
حافظ ذہبیؒ حضرت معاذؓ کے ذکر میں لکھتے ہیں:-

كان من نجباء الصحابة وفتحاً لهم. آپ بلند شان صحابہ اور ان کے فقہاء میں سے تھے۔

② حضرت ابی بن کعبؓ (م ۱۹ھ) ابو المنذر الانصاری

حضرت ابو بکر الصدیقؓ سید المہاجرین ہیں تو حضرت ابی بن کعب سید الانصار تھے۔ آپ سے بڑے جلیل القدر صحابہؓ نے روایات لی ہیں۔ اور حضرت ابوالیوب انصاری، عبداللہ بن عباس، سید بن غفلہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جمعین جیسے اکابر نے آپ سے کتاب و سنت کی

تعلیم پائی۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں: حملوا عن الکتاب والسنۃ^۱۔

ترجمہ، آپ سے ان صحابہ نے کتاب و سنت کا علم حاصل کیا ہے۔

آپؐ کی شخصیت اتنی اُونچی تھی کہ حضرت عمرؓ بھی بعض دفعہ علمی مسائل میں آپؐ کی طرف رجوع فرماتے۔ آپؐ صحابہ میں سب سے زیادہ قرآن پڑھنے والے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اقرء ہم ابی بن کعبؓ۔

ترجمہ، صحابہؓ میں سب سے زیادہ قرآن پڑھے ہوئے ابی بن کعبؓ ہیں۔ حضرت مسروقؒ تابعی (م ۶۲ھ) نے جن چھ بزرگوں کو مرکزِ فتوے تسلیم کیا ہے اُن میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔

حافظ ذہبیؒ آپؐ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:۔

اقرء الصحابة وسيد القراء شهداء وجمع بين العلم والعمل^۲۔

ترجمہ، صحابہؓ میں سب سے بڑے قاری، قاریوں کے سردار، جنگ بدر میں شامل ہونے والے اور علم و عمل کے جامع تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف میں صرف تین راتیں تراویح کی نماز پڑھائی اور پھر تراویح کے لئے مسجد میں تشریف نہ لائے کہ آپؐ کی مواظبت سے یہ نماز امت پر واجب نہ ٹھہرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم موجودگی میں صحابہؓ مسجد میں تراویح کی نماز علیحدہ علیحدہ جماعتوں میں ادا کرتے رہے۔ ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتفاقاً وہاں آنکلیے تو دیکھا کہ حضرت ابی بن کعبؓ مسجد کی ایک طرف تراویح پڑھا رہے ہیں۔ آپؐ نے پوچھا اور جواب ملنے پر اُن کے عمل کی تصویب فرمائی۔ ارشاد فرمایا: اصابوا ونعم ما صنعوا۔

انہوں نے درست کیا اور اچھا ہے جو انہوں نے کیا۔

اس سے پتہ چلا کہ تراویح کی نماز ان دنوں بھی جماعت سے جاری تھی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ بات جب حضورؐ کے نوٹس میں آئی تو آپؐ نے اسے صحیح عمل قرار دیا۔ اس سے منع نہیں کیا۔

^۱ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۶ ^۲ مشکوٰۃ ص ۵۶ رواہ احمد والترمذی ^۳ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۳

^۴ ایضاً ص ۱۶ سنن ابی داؤد جلد ۱ ص ۱۳۸

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مسجد میں تراویح نہ پڑھانے کو نسخ تراویح نہ سمجھنا اور امت میں اس عمل کو پورا مہینہ باقی رکھنا یہ حضرت ابی بن کعبؓ کا ہی اجتہاد تھا جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف تائید پایا اور امت میں یہ عمل آج تک جاری ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن دو صحابہؓ کو تراویح پڑھانے پر مامور کیا تھا۔ وہ حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت تمیم دارمیؓ ہی تھے۔ خطیب تبریزیؒ لکھتے ہیں:-

احد الفقہاء الذین کانوا یفتون علی عہد رسول اللہ ﷺ

(ترجمہ) آپؐ ان فقہائے صحابہؓ میں سے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی فتوے دیتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ آپؐ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم پر قرآن پڑھوں۔ حضرت ابیؓ نے پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر کہا ہے حضورؐ نے فرمایا: ہاں۔ حضرت ابیؓ پر رقت طاری ہوئی اور رونے لگے جس دن آپؐ کی وفات ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: الیوم مات سید المسلمینؐ۔ آج مسلمانوں کے سردار چل بسے۔

③ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (م ۳۲ھ)

خلفائے راشدینؓ کے بعد افضل ترین صحابی سمجھے جاتے ہیں۔ سابقین اولین اور کبار بدیر میں سے ہیں۔ جنگ بدر میں ابو جہل آپؐ کی تلوار سے ہی واصل جہنم ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب کوفہ کی چھاؤنی قائم کی اور وہاں بڑے بڑے رؤسائے عرب آباد کیے تو ان کی دینی تعلیم کے لیے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو وہاں مبعوث فرمایا اور انہیں لکھا: اے اہل کوفہ میں نے تمہیں اپنے اوپر ترجیح دی ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کو تمہارے پاس بھیج دیا ہے ورنہ میں انہیں اپنے لیے رکھتا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ جیسے بزرگ بھی اپنے آپ کو عبداللہ بن مسعودؓ کے علم سے مستغنی نہ سمجھتے تھے۔ حضرت عمار بن یاسرؓ جب کوفہ کے امیر بنائے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ والوں کو لکھا:-

قد بعثت اليكم عماد بن ياسر اميراً و عبد الله بن مسعود معلماً و
وزيراً و هما من النجباء من اصحاب محمد من اهل بدر فاقتدا بهما
واسمعا و قد اشرتم بعبد الله على نفسي

ترجمہ ہمیں نے تمہاری طرف عماد بن یاسر کو امیر اور حضرت عبد اللہ بن مسعود کو معلم
اور وزیر بنا کر بھیجا ہے اور دونوں حضور کے اعلیٰ درجہ کے صحابہ میں سے ہیں
اور اہل بدر میں سے ہیں تم ان دونوں کی پیروی کرنا اور بات ماننا۔ اور عبد اللہ
بن مسعود کو بھیج کر میں نے تمہیں اپنے آپ پر ترجیح دی ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں بھی مجتہد صحابہؓ کی پیروی جاری تھی جو صحابہؓ اس اجتہادی
شان پر نہ سمجھے جاتے تھے انہیں ان مجتہدین صحابہؓ کی پیروی کا حکم تھا اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ
کی علمی شہرت تو اس قدر اونچی تھی کہ آپ کے شاگرد کسی صحابی کو بھی علم میں ان سے آگے نہ سمجھتے
تھے بلکہ بڑے بڑے صحابہؓ مشکلات مسائل میں آپ کے تلامذہ کی طرف رجوع کرتے تھے آپ
حدیث کم روایت کرتے تھے حضورؐ کی طرف الفاظ کی نسبت کرنے میں بہت احتیاط سے کام
لیتے۔ امام ابو حنیفہؒ کو فہم آپ کی ہی مسند علمی کے وارث ہوئے اور آپ نے آپ کی مسند کو
اپنے فیضِ علم سے اور شہرت بخشی۔ امام ابو حنیفہؒ کے مشہور فقہی مختارات مثلاً نماز میں رکوع کرتے
وقت رفع یدین نہ کرنا، امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھنا، نماز میں آمین آہستہ آواز سے کہنا وغیرہ
یہ سب سنن حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہی مختارات ہیں اور حق یہ ہے کہ آپ کی ہی
ذاتِ کریمہ تحقیق کی دنیا میں خفی مذہب کی اصل قرار پاتی ہے۔ آپ کے صاحبزادہ عبد الرحمنؒ کے
پاس ایک کتاب دیکھی گئی جس کے بارہ میں وہ قسم کھا کر کہتے تھے کہ یہ ان کے والد حضرت عبد اللہ
بن مسعود کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ حدیث لکھنے کے خلاف نہ تھے اور وہ روایات جن
میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت ابو ذر غفاریؓ
کو روایت حدیث سے روکنا اور قید کرنا مذکور ہے وہ روایت ہرگز صحیح نہیں۔ ان کے راوی ابراہیم

بن عبدالرحمن (ولادت ۲۰ھ) نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا۔ کوفہ صرف حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ہی مرکز علمی نہ تھا۔ حضرت عمرؓ کے حکم سے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت حذیفہ بن الیمانؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بھی یہاں تشریف لائے تھے اور جن صحابہؓ نے وہاں سکونت اختیار کی وہ بھی ایک ہزار پچیس کے قریب تھے جن میں چوبیس حضراتؓ بدری بھی تھے۔ ابوالحسن احمد غزالیؒ کی روایت میں وہاں بسنے والے صحابہؓ کی تعداد ڈیڑھ ہزار کے قریب تھی۔

④ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ (م ۳۲ھ) عویم بن زید الانصاری

حافظ ذہبیؒ انہیں الامام الربانی اور حکیم الامت کہتے ہیں۔ آپ اہل شام کے عالم فقیہ اور قاضی تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں چار انصار صحابہؓ کو قرآن کریم یاد تھا۔
۱۔ ابوالدرداءؓ ۲۔ معاذ بن جبلؓ ۳۔ زید بن ثابتؓ ۴۔ ابی زیدؓ

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں: — مات النبیؐ ولہ یجمع القرآن غیر اربعة ابی الدرداء و معاذ بن جبل و زید بن ثابت و ابی زیدؓ۔
حضرت مسروقؓ تابعی کہتے ہیں:۔

وجدت علما صحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم انتہی الی ستۃ الی عمر و علی و عبد اللہ و معاذ و ابی الدرداء و زید بن ثابت رضی اللہ عنہمؓ۔
(ترجمہ) میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے علم کو ان چھ میں تمام ہوتے پایا۔
۱۔ حضرت عمرؓ ۲۔ حضرت علیؓ ۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ۴۔ حضرت معاذؓ ۵۔
حضرت ابوالدرداءؓ ۶۔ حضرت زید بن ثابتؓ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

حدیث میں آپؐ کی علمی عظمت کا اندازہ کیجئے کہ ایک شخص ایک لمبے سفر سے آپؐ کی میت میں حاضر ہوتا ہے اُسے دمشق آنے میں سوائے آپؐ سے حدیث سننے کے اور کوئی غرض نہ تھی۔ وہ حدیث سنتا ہے اور واپس چل دیتا ہے۔ آپؐ یقیناً اپنے وقت میں اپنے پورے حلقہ کے مرجع اور معلم تھے۔ کثیر بن قیسؓ اس وقت حضرت ابوالدرداءؓ کے پاس بیٹھے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں:۔

كنت جالساً مع ابى الدرداء فى مسجد دمشق فجاء رجل فقال يا ابا الدرداء
انى جئتك من مدينة الرسول لحديث بلغنى انك تحدثه عن رسول الله
صلى الله عليه وسلم ما جئت لحاجة له

(ترجمہ) میں دمشق کی مسجد میں حضرت ابو الدرداءؓ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص نے
آپؓ کے پاس آیا اس نے کہا اے ابو الدرداءؓ میں مدینہ شریف سے آپؓ کے
پاس صرف ایک حدیث کے لئے آیا ہوں مجھے اطلاع ملی تھی کہ آپؓ اسے حضورؐ
سے روایت کرتے ہیں میں اور کسی غرض کے لئے آپؓ کے پاس نہیں آیا۔
اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپؓ کی شخصیت کریمہ اس وقت اکنافِ عالم مرجعِ علم تھی حضرت
علقمہ بن قیسؓ، سعید بن المسیبؓ، خالد بن معدانؓ، ابو الدریس خولانیؓ جیسے اکابر تابعین اور آپؓ کے
بیٹے حضرت بلالؓ نے آپؓ سے روایات لی ہیں اور انہیں روایت کیلئے امام اوزاعیؒ آپؓ
کی ہی علمی مسند کے وارث تھے۔ آپؓ کی اہلیہ ام الدرداءؓ بھی علم فقہ میں بہت اوجھا مقام رکھتی تھیں۔

⑤ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ (م ۴۰ھ)

آپؓ بلاشبہ شہرِ علم کا دروازہ تھے۔ کوفہ آپؓ کی مسندِ علمی تھا اور وہیں آپؓ کی منہِ خلافت تھی۔
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (م ۳۲ھ) پہلے سے ہی کوفہ میں فقہ و حدیث کا درس دے رہے تھے۔
ان کی وفات سے کوفہ میں جو علمی خلا پیدا ہو گیا تھا۔ حضرت علیؓ کے وہاں جانے سے کسی حد تک پورا
ہو گیا۔ لیکن حضرت علیؓ کے گرد کچھ ایسے لوگ بھی جمع تھے جو عبداللہ بن سبا یہودی کے یحیٰ بن حنظلہؓ تھے
اور سبائی سازش کے پروگرام کے تحت مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنا چاہتے تھے۔ انہوں
نے حضرت علیؓ کے نام سے اتنی روایات بنائیں کہ ان کی ہر روایت مشتبہ ہونے لگی کہ حضرت
علیؓ نے ایسا کہا ہو گا یا نہ کہا ہو گا۔ سو احتیاط اسی میں سمجھی جاتی رہی کہ حضرت علیؓ کی وہی روایات
سبائی سازش سے محفوظ سمجھی جائیں۔ جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد حضرت
علی رضی اللہ عنہ سے نقل کریں۔ کوفہ کا یہی علمی حلقہ قابلِ اعتماد رہ گیا تھا۔ اس علمی حلقہ کو حضرت

عبداللہ بن مسعودؓ کے علاوہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت حذیفہ بن الیمانؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت موسیٰ اشعریؓ نے بھی جلا بخشی تھی اور وہاں کے لوگوں کو ان حضرات سے علمی استفادہ کا پورا موقع مل چکا تھا۔ حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں :-

کان اہل الکوفة قبل ان یأتیہم علیؑ قد اخذوا الدین عن سعد بن ابی وقاص و ابن مسعود و حذیفۃ و عمار و ابی موسیٰ و غیرہم ممن ارسلہ عمر الی الکوفۃ۔

یہ وہ نابغہ روزگار ہستیاں تھیں جو حضرت عمرؓ کے حکم سے اس سرزمین میں اُتری تھیں۔ اور کوفہ کو دار الفضل و محل الفضل بنا دیا تھا۔ افسوس کہ یہ سرزمین حضرت علیؓ کے علوم کو اچھی طرح محفوظ نہ رکھ سکی اور حضرت علیؓ کے نام سے بہت سی روایات یونہی وضع کر لی گئیں۔ سبائیوں نے اپنی مذکورہ سازش سے مسلمانوں کو جو سب سے بڑا نقصان پہنچایا وہ یہ تھا کہ حضرت علیؓ کے نام سے روایات گھڑ کر ان کی اصل روایات کو بھی بہت حد تک مشتبہ کر دیا۔ اور اس طرح امت علم کے ایک بہت بڑے ذخیرے سے محروم ہو گئی۔ محققین کے نزدیک فقہ جعفری حضرت علیؓ یا حضرت امام جعفر صادقؑ کی تعلیمات نہیں ہیں۔ بلکہ یہ وہ ذخیرہ ہے جو سوادِ اعظم سے اختلاف کرنے کے لیے ان حضرات کے نام سے وضع کیا گیا ہے۔ تاہم یہ بات بھی اپنی جگہ صحیح ہے کہ حضرت علیؓ کی مرویات اور ان کے اپنے فقہی فیصلے اہلسنت کی کتب فقہ و حدیث میں بھی بڑی مقدار میں موجود ہیں اور ان کے ہاں حضرت سیدنا علی مرتضیٰؑ فقہائے صحابہ میں ایک عظیم مرتبہ رکھتے تھے۔

حضرت علیؓ نجیب کسی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث سنتے تو اسے قسم دیتے بغیر قسم سے قبول نہ کرتے تھے۔ لیکن قسم لینا محض مزید اطمینان کے لیے ہوتا تھا نہ اس لیے کہ ان کے نزدیک اخبار احاد قابل قبول نہیں تھیں۔ ہاں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ایسی شخصیت ہیں کہ ان کی روایت کو حضرت علیؓ ان کے شہرہ آفاق صدق کے باعث فوراً قبول کر لیتے۔ حضرت مقدادؓ کی ایک روایت بھی آپؐ نے ایک دفعہ بغیر قسم لینے قبول کر لی تھی۔ آپؐ کی قوت فیصلہ خدا تعالیٰ کا ایک بڑا عطیہ تھا کہ کسی امت میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا۔ اقصیٰ ہو علیؑ کہ صحابہ میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علیؑ نہیں رہے آپؑ نے انہیں ایک مرتبہ یمن کا قاضی بھی بنایا تھا۔ علامۃ التابعین عامر بن شریحہ شیبیؒ (۱۰۳ھ) کہتے ہیں کہ اس عہد میں علم ان چھ حضرات سے لیا جاتا تھا۔ ۱۔ حضرت عمرؓ ۲۔ حضرت علیؓ ۳۔ حضرت ابی بن کعبؓ ۴۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ۵۔ حضرت زید بن ثابتؓ ۶۔ حضرت موسیٰ اشعریؓ یاد رکھیے کہ حضرت علیؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم انتظامیہ (خلافت) کی بجائے عدلیہ (قضا) کے زیادہ مناسب ٹھہرایا ہے۔

⑥ کاتبِ وحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (۴۵ھ) الانصاری

آپؓ کی علمی شخصیت کے تعارف میں یہ جانتا ہی کافی ہے کہ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے قرآن کریم ان سے پڑھا تھا اور حضرت انس بن مالکؓ نے احادیث آپؓ سے روایت کیں۔ آپؓ کی وفات پر حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا تھا:-

مات حبر الامة ولعل الله يجعل في ابن عباس من خلفاءه

(ترجمہ) امت کے بہت بڑے عالم (حبر الامة) زید بن ثابتؓ چل بسے اور اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ابن عباسؓ کو ان کا جانشین بنا دیں گے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کو ان کی شخصیت کریمہ پر اتنا اعتماد تھا کہ دونوں حضرات نے اپنے اپنے عہد میں جمع قرآن کی خدمت ان سے لی۔ حضرت عمرؓ کی رائے حضرت سلیمان بن یسافؓ نے (۱۰۷ھ) جو بہت بڑے فقیہ اور فاضل تھے اس طرح نقل کی ہے:-

ما كان عمرو عثمان يقدمان علي زيد احدا في الفتوى والفرائض والقراءة

(ترجمہ) حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ فقہ، علم وراثت، اور قرأت میں حضرت زید بن ثابتؓ پر کسی کو فوقیت نہ دیتے تھے۔

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

افرضهم زيد بن ثابتؓ ان میں علم و فرائض کے سب سے بڑے ماہر زید بن ثابتؓ ہیں۔

جب یہ سوار ہوتے یا سواری سے اترتے تو حضرت ابن عباسؓ ان کی رکاب پکڑنے کو

اپنے لیے بڑی عزت سمجھتے تھے۔ حضرت مسروقؒ تابعی (۶۲ھ) کہتے ہیں:-

كان اصعب الفتوى من الصحابة عمرو على وعبد الله وزيد وابي وابو موسى[ؓ]

خطیب تبریزیؒ لکھتے ہیں:-

كان احد فقهاء الصحابة[ؓ] آپ قبلے صحابہ میں سے ایک تھے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہؓ و تابعینؒ کے دور میں مدارِ شہرت و فضل علم فقہ تھا۔ روایت

حدیث فقہاء کے بعد دوسرے درجے میں آتے تھے۔

قرأت خلف الامام جیسے معرکہ الآراء مسئلے میں امام مسلمؒ نے آپؐ کا یہ فتویٰ نقل کیا ہے:-

عن عطاء بن يسار انه اخبره انه سأل زيد بن ثابت عن القراءة مع الامام

فقال لا قراءة مع الامام في شيء[ؓ]

ترجمہ: عطاء بن یسار نے حضرت زید بن ثابتؓ سے پوچھا کہ امام کے پیچھے قرآن پڑھا جاسکتا ہے؟

آپؐ نے فرمایا امام کے ساتھ کسی حصے میں قرآن پڑھنے کی اجازت نہیں۔

④ حضرت ابو موسیٰ اشعرؒ (۴۴ھ) ذہبیؒ خطیب تبریزیؒ نے سن ۵۲ھ لکھا ہے۔

مکہ مکرمہ میں اسلام لائے۔ حبشہ کی طرف ہجرت کی حضورؐ نے انہیں یمن کا والی بنایا۔ حضرت عمرؓ نے

انہیں بصرہ کا والی بنایا اور آپؐ کی اور دیگر صحابہؓ جن میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت حذیفہؓ

بن الیمان اور حضرت ابو موسیٰ اشعرؒ بھی تھے کی آمد سے عراق مرکز علم بن چکا تھا۔ ان دنوں علم

سے مراد حدیث اور فقہ تھے۔ حضرت علیؓ نے معرکہ تحکیم میں آپؐ (حضرت ابو موسیٰ اشعرؒ) کو اپنا

نمائندہ بنایا تھا۔ یہ مسلسل واقعات آپؐ کی عظمت شخصی اور آپؐ کی فقہ و فضیلت کے تاریخی شواہد

ہیں۔ قرآن کریم بہترین آواز سے پڑھنا آپؐ پر ختم تھا۔ تاہم آپؐ امام کے پیچھے قرآن پڑھنے کے

قائل نہ تھے۔ آپؐ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کی

اذا قرء فاصتوا[ؓ] امام جب قرآن پڑھے تو تم چپ رہو۔

حضورؐ کے عہد میں جو چار صحابہؓ فتوے دینے کے مجاز تھے۔ آپؐ بھی ان میں تھے۔

صفوان بن سلیم (۱۳۲ھ) کہتے ہیں:-

لَوِیْکُنْ یَنْتَی فِی زَمَنِ النَّبِیِّ غَیْرَ عَمْرٍو مَعَاذَ عَلٰی وَ اَبِی مُوْسٰیؑ

حافظ ذہبیؒ آپ کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:-

كَانَ عَالِمًا، عَامِلًا، صَالِحًا، تَالِيًا لِّكُتَابِ اللَّهِ إِلَيْهِ الْمُنْتَهٰی فِی حَسَنِ الصَّوْتِ
بِالْقُرْآنِ رَوٰی عِلْمًا طَبِیًّا مَبَارَكًاؑ

(ترجمہ) آپ عالم تھے عامل تھے نیک تھے اللہ کی کتاب کو پڑھنے والے تھے قرآن کو

اچھی آواز سے پڑھنے میں چوٹی کے تھے آپ نے علم پاکیزہ اور بابرکت روایت کیا ہے۔

آپؑ نے ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو یہ حدیث سنائی۔ اِذَا سَلِمَ أَحَدُكُمْ ثَلَاثًا فَلَعَرِیْبٌ

فَلِیَرْجِعَ جِبِّ تَمِّ مِیْنِ سَے کُوْنِی (کسی کے دروازے پر) تین دفعہ سلام کہے اور اسے جواب نہ ملے

تو اُسے واپس لوٹ جانا چاہیے۔ تو حضرت عمرؓ نے اس پر مزید شہادت طلب کی حضرت ابو موسیٰؓ

بہت گھبرائے یہاں تک کہ آپؑ کو ایک انصاری کے ہاں اس کی تائید ملی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپؑ میں اپنے اکابر کی تعمیل حکم کا جذبہ کس درجہ کار فرما تھا۔ حضرت

عمرؓ بھی آپؑ پر معاذ اللہ کوئی الزام نہ لگا رہے تھے۔ صرف دوسرے صحابہؓ کو احتیاط فی الروایۃ

کا سبق دینا مقصود تھا۔ نہ آپؑ کی غرض یہ تھی کہ خبر واحد کا اعتبار نہ کیا جائے حضرت عمرؓ نے خود فرمایا:-

أَمَّا أَنِی لَمَّا تَلَمَّكَ وَلَکِنِّی خَشِیْتُ أَنْ یَقُولَ النَّاسُ عَلٰی رَسُوْلِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

(ترجمہ) میں آپؑ کو متہم نہیں کر رہا تھا میں صرف اس سے ڈرا ہوا تھا کہ لوگ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی طرف سے باتیں نہ لگانے لگیں۔

یاد رکھئے کسی صحابی پر جھوٹ کا الزام نہیں لگتا صحابہ سب عادل ہیں۔

⑧ فقیہ مکہ ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ (۶۸ھ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباسؓ کے لئے دُعا فرمائی تھی کہ اللہ انہیں علم و فقہ سے

مالا مال کئے اور فہم قرآن کی شان بخشے۔ حضورؐ کی وفات کے وقت آپؓ کی عمر تیرہ سال تھی حضورؐ کے بعد

حضرت زید بن ثابتؓ سے تعلیم حاصل کی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے آپؓ کو ترجمان القرآن کا عظیم لقب دیا۔ اعمشؒ سے روایت ہے کہ جب حضرت علیؓ نے حضرت ابن عباسؓ کو امیر حج کی ذمہ داری سپرد کی۔ تو آپؓ نے ایسا خطبہ حج دیا کہ اگر اسے ترک اور اہل روم سن لیتے تو سب کے سب مسلمان ہو جاتے۔ نعیم بن حفصؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت ابن عباسؓ ہمارے ہاں بصرہ میں آئے۔ تو عرب میں علم و فضل میں اُن کا ثانی نہ تھا۔

وما فی العرب مثله جماد علما و بیانا و جمالا و کمالا۔^{۳۷}

امام ترمذیؒ کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپؓ نے بھی حضورؐ کی احادیث آپؓ کے بعد جمع کرنی شروع کر دی تھیں اور وہ تحریریں لوگوں تک پہنچی ہوئی تھیں۔ ایک مرتبہ طائف سے کچھ لوگ آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اُن کے پاس آپؓ کی کچھ تحریرات تھیں اور انہوں نے انہیں آپؓ کے سامنے پڑھا۔

⑨ حبر الامة حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (۳۷، ۳۸) ابو عبد الرحمن العدنی المدنی

حضرت علیؓ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہؒ انہیں حبر هذه الامة (اس امت کے بڑے عالم) کہا کرتے تھے۔ امام زہریؒ فرماتے ہیں:-

لا تعدلن برای ابن عمر فانه اقامستين سنة بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم فلم يخف عليه شيء من امرة ولا من امرا صحابة۔^{۳۸}

(ترجمہ) نہ برابر سمجھو ابن عمرؓ کے ساتھ کسی کو رائے اس لیے کہ وہ حضورؐ کے وصال کے بعد ساٹھ سال تک زندہ رہے اس لیے نہیں مخفی رہا آپؐ پر حضورؐ کے امر سے اور نہ ہی آپؐ کے صحابہ کے امر سے اہل الہامی ہونا کوئی عیب نہیں جو امام زہریؒ عبداللہ بن عمرؓ کی طرف منسوب کر رہے ہیں یہ علم کا وہ درجہ ہے جو مجتہد کو ہی نصیب ہوتا ہے۔ آپؓ سے کثیر تعداد احادیث منقول ہیں لیکن علامہ ذہبیؒ نے انہیں الفقہ کے پُر اعزاز لقب سے ذکر کیا ہے۔ جن دنوں حضرت علیؓ مرتضیٰ رہے اور حضرت امیر معاویہؓ میں اختلاف جاری تھا اور اچھی خاصی تعداد اس بات کی حامی ہو گئی تھی۔

کہ یہ دونوں بزرگ قیادت سے کنارہ کش ہو جائیں تو جو شخصیت ان دونوں لوگوں کی نظر میں اس لائق تھی کہ اس پر امت جمع ہو جائے اور اس میں علم و عمل کی پوری استعداد ہو تو وہ آپ ہی تھے۔ لیکن آپ اس میدان میں آگے آنے کے لیے قطعاً تیار نہ ہوئے۔

حضرت سفیان ثوری (۱۶۱ھ) کہا کرتے تھے:-

یقتدی بعمر فی الجماعۃ وبابنہ فی الفرقة^۱

(ترجمہ) لوگوں سے مل کر چلنے میں عمر کی پیروی کی جائے اور لوگوں سے کنارہ کشی میں ان کے بیٹے کو نمونہ بنایا جائے۔

⑩ حضرت جابر بن عبد اللہ الانصاری رضی اللہ عنہ (۶۸ھ)

شرا انصاری جو بیعت عقبہ میں شامل ہوئے آپ ان میں سے تھے۔ حافظ ذہبی نے انہیں فقیہ اور مفتی مدینہ کے نام سے ذکر کیا ہے اور لکھا ہے:-

حمل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم علماً کثیراً نافعاً^۲

ترجمہ: آپ نے آنحضرتؐ سے بہت سانا فاع علم پایا۔

حدیث کے اتنے شیدائی تھے کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن انیسؓ کے بارے میں سنا کہ ان کے پاس ایک حدیث ہے جو انہوں (عبداللہ بن انیسؓ) نے خود حضورؐ سے سنی ہے۔ وہ ان دنوں ملک شام میں مقیم تھے۔ اس پر آپ نے ایک اونٹ خریدا اور اس پر ایک مہر سفر کرتے کرتے ملک شام پہنچے۔ پیغام بھیجا کہ جابرؓ اور وائے پر کھڑے رہیں۔ انہوں نے پوچھا جابر بن عبداللہ ہیں؟ فوراً باہر آئے۔ حضرت جابرؓ نے ان سے حدیث پوچھی۔ انہوں نے سنائی۔ انہوں نے سنی اور چل دیئے۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں وہ حدیث غالباً یہ تھی:-

عن جابر عن عبد اللہ بن انیس سمعت النبی یقول یحشر اللہ العباد فینادیم بصوت

یسمعه من بعد کما یسمعه من قرب انا الملک الدیان^۳

ترجمہ: حضرت جابرؓ عبداللہ بن انیسؓ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں میں نے

^۱ تذکرہ جلد ۳۸ ص ۵۲ ایضاً ^۲ الادب المفرد امام بخاری ص ۲۵۱ صحیح بخاری ص ۱۸۱ تذکرہ جلد ۳۸ ص ۳۸

^۳ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۱۱

حضور کو فرماتے سنا۔ اللہ بندوں کو خوشتریں ایسی آواز سے بولے گا جس کو قریب اور بعید والے سب یکساں سُنیں گے فرمایا میں ہوں بادشاہ اللہ عادل۔
اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی شخصیت کہ یہ کس طرح جمع حدیث اور طلب علم میں منہمک تھی۔ آپ مجتہد صحابہ میں سے تھے اور حدیث کے مناظرِ ظہام پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے مثلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا صلوة لمن لم یقرء بفاتحة الكتاب کہ اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔ آپ نے فرمایا یہ اس شخص سے متعلق ہے جو کیلے نماز پڑھے۔ جو امام کے پیچھے نماز پڑھے اس پر سورہ فاتحہ پڑھنا لازم نہیں۔ حدیث میں مراد رسول کو پہنچنا انتہائی گہرا علم ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ جو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ دونوں کے استاد تھے۔ حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی اس شرح حدیث سے بہت متاثر تھے۔ آپ فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے مگر یہ صاف فرماتے کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھے بغیر نماز ہو جاتی ہے۔ امام ترمذیؒ لکھتے ہیں:-

واما احمد بن حنبل فقال معنی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوة لمن لم یقرء بفاتحة الكتاب اذا كان وحده واحتج بحديث جابر بن عبد الله قال من صل ركعة لم یقرأ فیہا بام القرآن فلو یصل الا ان یكون وراء الامام قال احمد فلهذا رجل من اصحاب النبی تاول قول النبی لا صلوة لمن لم یقرء بفاتحة الكتاب ان هذا اذا كان وحده۔ جامع ترمذی جلد ۱ ص ۴۲

ترجمہ۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ حضور اکرمؐ حدیث لا صلوة لمن لم یقرء بفاتحة الكتاب کا معنی یہ ہے کہ نمازی جب اکیلا نماز پڑھے تو فاتحہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی اور آپ نے حضرت جابرؓ کی حدیث۔ سید دلیل پکڑ لی ہے آپ فرماتے ہیں جس نے ایک رکعت پڑھی اور اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہ ہوئی مگر جبکہ وہ امام کے پیچھے ہو۔ امام احمدؒ کہتے ہیں کہ حضرت جابرؓ حضورؐ کے صحابی ہیں وہ حضورؐ کے ارشاد کا مطلب یہ بیان کر رہے ہیں کہ حدیث لا صلوة لمن لم یقرء سے مراد یہ ہے کہ نمازی جب اکیلا ہو۔

یہ دس مشاہیر کا تذکرہ ہے جو فقہار صحابہ میں بہت ممتاز تھے۔ ان کے علاوہ بھی کئی مجتہد صحابہ

تھے جنہیں فتیہ تسلیم کیا گیا ہے۔ جیسے عمران بن حصینؓ (۵۵۲) حضرت ابو ہریرہؓ (۵۵۸) اور حضرت امیر معاویہؓ (۵۶۰) ان کے علم پر حضرت حسنؓ کو پورا اعتماد نہ ہوتا تو کبھی خلافت ان کے سپرد نہ کرتے۔

صحابہ میں رواۃ حدیث

دیے تو ہر صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منی بات کو لگے پہنچانے کا مکلف تھا لیکن جو صحابہ نہ کثرت روایت میں معروف ہوئے ان میں سے دس زیادہ ممتاز رواۃ حدیث کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے یہ حضرات گواہی جگہ فقہ میں بھی دسترس رکھتے تھے لیکن ان کی شہرت فقہ حدیث کی بجائے روایت حدیث میں زیادہ رہی ہے۔ رواۃ حدیث میں کچھ صحابہ کثرین روایت تھے اور کچھ مقلین روایت۔

مقلین روایت (کم روایت والے)

حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زید بن ارقمؓ، عمران بن حصینؓ اور دوسرے کئی صحابہؓ تھے جن کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی دولت بے پایاں تھی لیکن وہ روایت حدیث میں زیادہ محتاط رہے اور بہت کم حدیثیں انہوں نے روایت کیں۔ ان کی قلت روایت سے ان کے قلت علم پر استدلال کرنا اسی طرح ایک نادانی ہے جیسے کوئی احمق امام ابو حنیفہؒ کی قلت روایت پر نظر کرتے ہوئے ان کے قلت علم کا دعویٰ کرنے لگے امام صاحب کی شروط روایت بھی تو بہت سخت تھیں یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے روایت حدیث کی بجائے فقہ حدیث کو اپنا موضوع بنایا اور اسی پر ہی اپنی ساری عمر صرف کر دی۔ گو اس ضمن میں بھی آپ کو ہزاروں احادیث روایت کرنی پڑیں۔

عبداللہ بن زبیرؓ کہتے ہیں میں نے اپنے والد زبیرؓ سے پوچھا آپؐ حضورؐ سے اس طرح احادیث روایت کیوں نہیں کرتے جس طرح فلاں فلاں صحابہؓ کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:-

اما انی لم افارقہ ولکن سمعتہ یقول من کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعده من النار۔

(ترجمہ) میں حضورؐ سے جدا تو کبھی نہیں ہوا لیکن میں نے حضورؐ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جس نے

جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا اسے جہنم میں ٹھکانہ کرنا ہے۔ صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۷۱

آپؐ کی احتیاط کا منشا یہ تھا کہ حضورؐ کی بات روایت بالمعنی میں بدلتے ہوئے کوئی بے احتیاطی

نہ ہو جائے۔ سو آپؐ کی قلت روایت قلت علم کی وجہ سے نہ تھی۔

جن حضرات نے نسبت کثرت سے احادیث روایت کیں ان میں سے ہم دس مشاہیر کا یہاں ذکر کرتے ہیں۔ گو ان کے علاوہ بھی ایک کثیر تعداد ان صحابہؓ کی ہے جن سے بہت سی احادیث مروی ہیں اور کتب صحاح ان کی مرویات سے پُر ہیں۔ تاہم یہاں صحابہؓ میں سے صرف چند روات حدیث کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

صحابہ میں روات حدیث (محدثین کرام)

حضرت ابوذر غفاریؓ (۳۲ھ) حضرت حذیفہ بن الیمانؓ (۳۵ھ) حضرت عمران بن حصینؓ (۵۲ھ) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (۵۵ھ) حضرت ابوہریرہؓ (۵۷ھ) حضرت سمیرہ بن جندبؓ (۵۹ھ) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ (۶۵ھ) حضرت برابر بن عازبؓ (۷۲ھ) حضرت ابوسعید الخدریؓ (۷۴ھ) حضرت انس بن مالکؓ (۹۳ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

① حضرت ابوذر غفاریؓ (۳۲ھ)

تابعین اولین میں سے ہیں۔ آپؓ سے حضرت انس بن مالکؓ، زید بن وہبؓ، حیر بن نصیرؓ، احنف بن قیسؓ اور قدامتے تابعین میں سے ایک کثیر تعداد نے روایات لی ہیں۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں۔ دکان یوازی ابن مسعود فی العلم۔ علم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے برابر اترتے تھے۔ حدیث روایت کرنا سب سے بڑا فرض جانتے تھے۔ خود فرماتے ہیں:-

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تم تلوار میری گردن پر رکھ دو اور مجھے گمان ہو کہ پشتر اس کے کہ تم اس تلوار کو چلا دو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بات جو میں نے آپؐ سے سنی روایت کر سکتا ہوں تو میں ضرور اسے روایت کر گزروں گا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہؓ کس طرح حضورؐ کی احادیث کو ایک علمی امانت سمجھتے تھے اور انہیں آگے پہنچانے کی ان حضراتؓ کو کتنی فکر تھی۔ اتفاق دیکھئے کہ آپؐ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

ایک ہی سال فوت ہوئے۔

② حضرت حذیفہ بن الیمانؓ (۳۵ھ) ابو عبد اللہ العسلی

آپؓ ستر رسول اللہ (حضورؐ کے راز دان صحابی) کے طور پر معروف تھے۔ آپؓ سے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابوالدرداءؓ جیسے اکابر صحابہؓ نے احادیث روایت کی ہیں اور تابعینؓ کی تو ایک بڑی تعداد نے آپؓ سے احادیث روایت کی ہیں۔

③ حضرت عمران حصینؓ (۵۲ھ) ابو نجید الخزاعی

خیبر کے سال اسلام لائے۔ آپؓ کا اور حضرت ابوہریرہؓ کا اسلام لانے کا ایک ہی سال ہے۔ کان من فضلاء الصحابة و فقہائہمؓ۔ حضرت عمرؓ نے آپؓ کو بصرہ روانہ فرمایا۔ تاکہ وہاں کے لوگوں کو فقہ کی تعلیم دیں۔ آپؓ نے پھر پوری زندگی وہیں بسر کر دی۔ آپؓ سے حسن بصریؒ، امام محمد بن سیرینؒ اور علامہ شعبیؒ جیسے اکابر تابعینؓ نے روایات لی ہیں۔ حاقظ ذہبیؒ فرماتے ہیں :-

وله احادیث عدة في الكتب وكان من الباء الصحابة وفضلائہمؓ

آپؓ ان پانچ ممتاز صحابہؓ میں سے ہیں جو صفین کے معرکہ میں اہل شام اور اہل عراق میں سے کسی کے ساتھ شامل نہیں ہوئے۔

④ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (۵۵ھ)

آپؓ عشرہ مبشرہ صحابہؓ میں سے ہیں۔ جنگ بدر میں شامل ہوئے۔ پہلے فرد ہیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں تیر چلایا۔ آپؓ سے حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بھی روایات لی ہیں۔ حضرت سعید بن المسیبؒ، حضرت علقمہؒ، ابو عثمان النہدیؒ اور حضرت مجاہدؒ جیسے اکابر تابعینؓ آپؓ کے شاگرد تھے۔

آپؓ معرکہ صفین میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں سے کنارہ کش رہے۔ حضرت علیؓ

آپؐ کے اس موقف میں آپؐ پر رشک کرتے تھے۔

⑤ حضرت ابوہریرہؓ الدوسی الیمانی (۵۸ھ)

جاہلیت میں نام عبدالشمس تھا۔ والد نے کنیت ابوہریرہ رکھی۔ اسلام لانے کے بعد عبدالرحمن سے موسوم ہوئے۔ خیبر کے سال اسلام لائے۔ مدینہ ہجرت کی۔ اصحابِ صفہ میں سے تھے۔ حضورؐ سے علم کثیر پایا۔ حضورؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور دوسرے کئی اور صحابہؓ سے روایات لیں۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ آپؐ سے آٹھ سو کے قریب لوگوں نے روایات لیں۔ ممتاز شاگردوں میں ہمام بن منبہ (۱۱۰ھ) سعید بن المسیب (۹۳ھ) مجاہد (۱۰۰ھ) علامہ شعبی (۱۰۳ھ) ابن سیرین (۱۱۰ھ) عطاء بن ابی رباح (۱۱۵ھ) عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اسیار خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ابو صالح السمان کہتے ہیں۔ کان ابوہریرۃ من احفظ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ خود فرماتے ہیں:-

لا اعرف احدا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احفظ لحديثه مني۔

(ترجمہ) حضورؐ کے صحابہؓ میں سے کسی کو نہیں جانتا کہ وہ مجھ سے حضورؐ کی احادیث کا زیادہ یاد کرنے والا ہو۔

جہاں تک روایت کا تعلق آپؐ سے سوائے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کے باقی سب صحابہؓ سے آگے تھے اور وجہ یہ تھی کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ حضورؐ سے حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے۔ اور حضرت ابوہریرہؓ لکھتے نہ تھے۔

آنحضرتؐ نے آپؐ کو قوتِ حافظہ کا دم کیا تھا۔ حضرت ابوہریرہؓ اس کے بعد کبھی نہ بھولے آپؐ سے ساٹھ پانچ ہزار کے قریب حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں سے صحیح بخاری میں ۴۴۸ اور صحیح مسلم میں ۵۴۵ حدیثیں مروی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوہریرہؓ نے بھی احادیث لکھنی شروع کر دی تھیں۔ آپؐ اپنے تلامذہ کو یہ تحریرات گاہے بگاہے دیتے تھے۔ آپؐ کے شاگردوں

نے جو حدیثی مجموعے تیار کیے اُن میں ہمام بن منبہؒ کا صحیفہ بہت معروف ہے اور چھپ بھی چکا ہے۔ اس درجہ کے عظیم محدث ہونے کے ساتھ ساتھ آپؒ بلند پایہ فقیہ بھی تھے۔ امام ذہبیؒ نے ”الغنیۃ صاحب رسول اللہؐ“ کہہ کر آپؒ کا تعارف کرایا ہے اور لکھا ہے :-

کان من اوعية العلم ومن کبار ائمة الفتوى مع الجلالة والعبادة والتواضع.
(ترجمہ) علم کا محفوظ خزانہ تھے فتوے دینے والے بڑے ائمہ میں سے تھے جلالۃ عبادت اور تواضع والے تھے۔

⑥ حضرت سمرہ بن جندبؓ (۵۵۹ھ) الفراری

خطیب تبریزیؒ آپؓ کے تعارف میں لکھتے ہیں :-
کان من الحفاظ المکثرین عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وروی عنہ جماعة.
(ترجمہ) آپؓ ان حفاظ حدیث میں سے تھے جنہوں نے حضورؐ سے کثرت سے روایت کی ہے اور اُن سے (تابعین کی) ایک جماعت روایت کرتی ہے۔
آپؓ نے خود بھی ایک مجموعہ حدیث جمع کر رکھا تھا۔ ابن سیرینؒ کہتے ہیں اس میں علم کثیر موجود ہے۔ حضرت حسن بصریؒ نے بھی اُسے روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) نے اس مجموعہ حدیث کو نسخہ کبیرہ کہہ کر ذکر کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں کثیر حدیثی مواد موجود تھا۔

⑦ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ (۶۵ھ)

ان خواص صحابہؓ میں سے ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث لکھنے کی اجازت دے رکھی تھی آپؓ نے خود ایک مجموعہ حدیث لکھا تھا جسے الصادقہ کہتے ہیں۔ اُن کے والد اُن سے عمر میں صرف تیرہ سال بڑے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اُن کے والد عمرو بن العاصؓ فاتح مصر پر بھی فضیلت دیتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے صرف اُن کے بارے میں اعتراف کیا ہے کہ اُن کی روایت کردہ احادیث میری مرویات سے زیادہ ہیں۔

سعید بن المسیب، عروہ بن الزبیر، وہب بن منبہ، عکرمہ وغیرہم سب آپ کے شاگرد تھے۔ تابعی کبیر حضرت مجاہدؒ (۱۰۰ھ) ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک صحیفہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے نیچے رکھا دیکھا تھا۔

حضرت ابوہریرہؓ کی کل مرویات ۵۳۷۴ ہیں اور وہ تسلیم کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمروؓ کی مرویات مجھ سے زیادہ ہیں اس لیے کہ وہ حضورؐ سے حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا۔

⑧ حضرت براء بن عازبؓ (۷۲ھ) ابو عمارۃ الانصاری

عبداللہ بن غنش کہتے ہیں کہ میں نے حضرت براءؓ کے پاس لوگوں کو کھلیں ہاتھ میں لیے (حدیثیں) لکھتے پایا۔ آپؓ کو ذہن میں رہتے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کوفہ ان دنوں کس طرح علم حدیث کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ آپؓ جنگ جمل، صفین اور نہر دوان تینوں میں حضرت علیؓ کے ساتھ رہے۔ خطیب تبریزیؒ لکھتے ہیں:-

روی عن خلق كثير۔ آپؓ سے بہت لوگوں نے احادیث روایت کیں۔

⑨ حضرت ابوسعید سعد بن مالکؓ الخدری (۷۲ھ) الانصاری انخریجی

بیعت الرضوان کے شاملین میں سے تھے، اہل صفہ میں سے تھے آپؓ حدیث کثرت سے روایت کی حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں:-

روی حديثا كثيرا وافتى مدة وابوہ من شهداء احد عاش ابوسعید سنا وثمانین سنة وحدث عنه ابن عمرو جابر بن عبد اللہ وغیرہا من الصحابة۔۔۔ آپؓ نے بہت احادیث روایت کی ہیں اور مدتوں فتوے دیتے رہے۔ آپؓ کے والد شہداء احد میں سے تھے ابوسعید ۸۶ سال زندہ رہے۔ آپؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ اور دوسری صحابہؓ کی روایت کی ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں آپ کی متفق علیہ تینتالیس حدیثیں ہیں اور علی الانفراد دونوں کتابوں میں سولہ اور باون حدیثیں ملتی ہیں خطیب تبریزی لکھتے ہیں:-

كان من الحفاظ المكثرين والعلماء الفضلاء روى عنه جماعة من الصحابة والتابعين^۱ ترجمہ: آپ کثرت سے احادیث بیان کر نیوالے حفاظ میں سے تھے اور علماء و عقلاء میں سے تھے۔ آپ سے کئی صحابہ و تابعین نے روایت کی ہے۔

⑩ حضرت انس بن مالکؓ (۹۳ھ) ابو حمزۃ الانصاری انخرجی

آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نو (۹) سال کے قریب خادم رہے اور سفر و حضر میں حضورؐ کی احادیث سنیں۔ حضورؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، اور کئی دوسرے اکابر صحابہؓ سے فیض علم پایا۔ آپ بعض اوقات حضورؐ سے حدیثیں لکھ بھی لیتے تھے بلکہ حضورؐ کو سنا بھی دیتے تھے۔ آپ کے شاگرد سعید بن ہلال کہتے ہیں:-

كنا اذا اكثنا على انس بن مالك فاخرج الينا مجال عنده فقال هذه ممعتها من النبى فكتبناها وعرضتها^۲۔

ترجمہ: ہم جب حضرت انسؓ سے زیادہ روایات پوچھتے تو آپ اپنے محلات (بیاضیں) نکال لیتے اور فرماتے یہ وہ روایات ہیں جو میں نے حضورؐ سے سنیں ہیں نے انہیں لکھا اور انہیں آپ کو پڑھ کر بھی سنا رہا۔

حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں: وله صحبة طويلة وحديث كثير وملازمة للنبي. آپؐ نے حضورؐ کی لمبی صحبت پائی، بہت حدیث سنی اور آپؐ کی مجلس کو لازم پکڑا..... آپؐ صحابہ میں سب سے آخر میں فوت ہوئے۔

۱۔ الاکمال ص ۶۲ ۲۔ تذکرہ جلد ۱ ص ۴۲ ۳۔ مستدرک جلد ۱ ص ۱۰۰

آپ کے شاگردوں میں حضرت حسن بصریؒ، امام زہریؒ، قتادہؒ، ثابت بنانی، حمید الطویل زیادہ معروف ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ نے بھی آپ کو دیکھا ہے۔ حضرت امام نے آپ سے روایات لی ہیں یا نہ اس میں اختلاف ہے۔ حضرت عمرؒ نے اپنے دربار خلافت میں انہیں بصرہ بھیج دیا تاکہ وہاں لوگوں کو فقہ کی تعلیم دیں۔ اس صورت حال سے پتہ چلتا ہے کہ عراق کی درسگاہیں کس طرح علم حدیث و فقہ سے مالا مال ہو رہی تھیں۔

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے حضرت انسؓ کی ۱۲۸ حدیثیں بالاتفاق روایت کی ہیں اور ہر دو اماموں نے آپؓ کی ۸۰ اور ۷۰ دیگر روایات علی الانفراد روایت کی ہیں۔ حضرت انسؓ کے شاگردوں میں سے ابان بن یزید نے آپؓ کے سامنے ہی آپؓ کی مرویات لکھنی شروع کر دی تھیں۔

نوٹ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت حدیث میں بھی امتیازی شان رکھتی ہیں۔ آپؓ سے دو ہزار دو سو دس حدیثیں مروی ہیں جن میں سے ۲۲۸ صحیح بخاری میں سے ۲۳۲ صحیح مسلم میں مروی ہیں اور ان میں سے ۷۴ روایات پر شیخین کا اتفاق ہے جس طرح دس فقہائے حدیث میں ہم نے حضرت عائشہؓ کو ذکر نہیں کیا کہ ماں امتیازی شان رکھتی ہے۔ اس طرح ہم نے ان دس روایت حدیث میں حضرت ام المؤمنینؓ کا ذکر نہیں کیا۔ تاکہ یہاں بھی ان کی امتیازی حیثیت قائم رہے۔

ان دس ممتاز روایت حدیث کے ساتھ ساتھ جو اور صحابہؓ روایت حدیث میں پیش پیش رہے۔ ان میں حضرت اسید بن حضیرؓ (۲۰ھ) حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ (۲۲ھ) حضرت عبادہ بن صامتؓ (۲۴ھ) حضرت سلمان فارسیؓ (۲۵ھ) حضرت عبداللہ بن سلامؓ (۲۳ھ) حضرت عمرو بن حزمؓ (۵۳ھ) مولود کعبہ حضرت حکیم بن حزامؓ (۵۴ھ) حضرت عقبہ بن عامر الجہنیؓ (۵۸ھ) زیادہ روایات کے راوی ہیں اور حق یہ ہے کہ ہر ایک صحابیؓ نے اپنی اپنی بساط اور اپنی اپنی یاد مطابق حضورؐ کے احادیث سنیں اور آپؐ سے دیکھی ہر بات کو آگے پہنچانے اور پھیلانے میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ یہاں تک کہ علم پیغمبر ان مقدس روایات حدیث و صحابہ کرامؓ سے آگے تابعینؓ کو منتقل ہوا۔ جس طرح صحابہ کرامؓ نہیں فقہاء حدیث اور رواۃ۔

حدیث امتیازی صورتوں میں علم حدیث کی خدمت کرتے رہے تھے۔ تابعین کرامؓ میں بھی خدمت حدیث کا وہی رنگ ابھرا۔ کچھ بزرگ فقہاء حدیث کی حیثیت سے زیادہ نمایاں ہوئے تو کچھ حضرات نے روایت حدیث کی حیثیت سے اس فن کی زیادہ خدمت کی اور یہ بھی صحیح ہے کہ بیشتر حضرات ان میں سے بھی فقہ اور حدیث دونوں کے جامع تھے۔ **فجزاهم اللہ احسن الجزاء۔**

تابعین کرامؓ میں فقہاء حدیث

حضرت علقمہ بن قیسؓ (۶۲ھ) مسروق بن اجدعؓ (۶۳ھ) سعید بن المسیبؓ (۹۳ھ) حضرت سعید بن جبیرؓ (۹۵ھ) ابراہیم نخعیؓ (۹۶ھ) مکحولؓ (۱۰۱ھ) علامہ شعبیؓ (۱۰۳ھ) حضرت سالمؓ (۱۰۶ھ) حضرت قاسم بن محمدؓ (۱۰۷ھ) حماد بن ابی سلیمانؓ (۱۲۰ھ) کا ہم یہاں ذکر کریں گے۔

① حضرت علقمہ بن قیسؓ النخعی الکوفی (۶۲ھ)

حافظ ذہبیؒ تذکرۃ الحفاظ میں صحابہ کرامؓ کے تذکروں کے بعد کبرائے تابعینؓ کا آغاز آپؓ سے کرتے ہیں۔ آپؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں پیدا ہوئے اور آپؓ کے بعد نصف صدی تک زندہ رہے۔ آپؓ نقیہ عراق ابراہیم نخعیؓ کے ماموں اور مرکز علم کوفہ ابو عمرو اسود بن یزیدؓ کے چچا تھے۔ علقمہ اور اسود دونوں حضرات فقہ حنفی کی اساس سمجھے جاتے ہیں۔ آپؓ کے علم و فضل کا اندازہ امام ربانی عبداللہ بن مسعودؓ کے اس ارشاد سے دیکھئے :-

ما اقرأ شيئاً وما اعلّم شيئاً الا وعلقمہ يقرؤہ ويعلمہ^۱

(ترجمہ) جو کچھ میں پڑھتا اور جانتا ہوں علقمہ بھی اُسے پڑھ چکے اور جان چکے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس کہنے کا اثر تھا کہ حضرت علقمہؓ باوجودیکہ صحابیؓ نہ تھے۔

صحابہ کرامؓ آپؓ سے مسائل پوچھنے آتے تھے۔ اُن کی زبان سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا علم بوتا تھا۔ قابوس بن ابی ظبیانؓ کہتے ہیں :-

ادركت ناساً من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وهم يسألون علقمہ ويستفتونه^۲

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علاوہ آپؓ نے حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ سے بھی حدیث پڑھی۔ فقہ کی تعلیم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پائی۔

② حضرت مروق بن اجدعؓ (۶۳ھ) ابوعائشہ الہمدانی الکوفی الفقیہ

آپؓ نے حضرت ابن مسعودؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ سے علم حاصل کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پیچھے نماز پڑھی۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آپؓ کو متبہنی بنایا ہوا تھا۔ فقیہ عراق ابراہیم نخعیؓ، علامہ شعبیؓ، ابوالضحیٰؓ، ابواسحقؓ اور ایک کثیر تعداد لوگ آپؓ سے فیضیاب ہوئے۔ فقہ میں قاضی شریحؓ (حضرت عمرؓ کے زمانے کے مشہور قاضی) سے فائق سمجھے جاتے ہیں۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں:۔

وكان اعلم بالفتوى من شريح وكان شريح يستشيرُه وكان مروق لا يحتاج الى شريح۔
ترجمہ: آپ فقہ میں شریح سے فائق تھے شریح آپ سے پوچھتے تھے لیکن آپ شریح کے محتاج نہ تھے۔

③ حضرت سعید بن المسیبؓ (۹۴ھ) الفقیہ الکوفی

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے۔ حضرت عثمانؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت ابوسریحہؓ، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور کئی دوسرے صحابہؓ سے حدیث پڑھی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے آپؓ کو مفتی ہونے کی سند دی۔ حضرت قتادہ بن دعائمؓ (۱۱۸ھ) کہتے ہیں میں نے سعید بن المسیبؓ سے بڑا عالم کسی کو نہیں دیکھا۔ امام علی بن المدینیؒ (۲۳۴ھ) کہتے ہیں لا اعلم فی التابعین اوسع علما من سعید و هو عندی اجل التابعین۔ آپؓ خود کہتے ہیں میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے فیصلوں کو جاننے والا اپنے سے زیادہ کسی کو نہیں پایا۔ امام زہریؒ (۱۲۴ھ) کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے عدالتی فیصلوں کا بھی زیادہ علم انہی کو تھا۔

طلب حدیث کا یہاں تک شوق تھا کہ ایک ایک حدیث کے لئے کئی کئی دنوں اور

راتوں کا سفر اختیار فرماتے۔ سو یہ گمان نہ کیا جائے کہ فقہاء حدیث کے مخالف ہوتے ہیں۔ علم فقہ حدیث کے بغیر کیسے چل سکتا ہے۔

④ حضرت سعید بن جبیرؓ (۹۵ھ) الفقیہ الکوفی

آپؓ کے علم کا اندازہ اس سے کیجئے کہ موسم حج میں اہل کوفہ حضرت ابن عباسؓ سے اگر کوئی مسئلہ پوچھتے تو آپؓ کہتے۔ ایس فیکم سعید بن جبیرؓ؛ کیا تم میں سعید بن جبیرؓ نہیں ہیں؟ عبادت میں یہ سعادت ملی کہ کعبہ میں داخل ہو کر حوض کعبہ میں ایک قرآن ختم کیا یہ سعادت کسی اور کو نہیں ملی۔

⑤ حضرت ابراہیم نخعیؓ (۹۶ھ) فقیہ کوفہ

حضرت علقمہ بن قیسؓ، مسروقؓ، اسود بن یزیدؓ سے تعلیم پائی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی مسند علمی کے وارث ٹھہرے۔ بچپن میں حضرت ام المؤمنینؓ کی بھی زیارت کی مشہور محدث اعمشؓ فرماتے ہیں۔ کان ابراہیم صیرفیاً فی الحدیث وکان یتوقی الشہرة ولا مجلس الی اسطوانةؓ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کوفہ کس طرح علم حدیث کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ابراہیم نخعیؓ اگر دیگر محدثین کی طرح مرکز روایت بن کر نہ بیٹھے تو اس کی وجہ ان کی عزلت گزینی تھی۔ ورنہ علم میں تو یہ حال تھا کہ جب فوت ہوئے علامہ شعبیؓ نے کہا۔

مخلف بعدہ مثله۔ آپؓ نے اپنے بعد کوئی اپنا مثل نہیں چھوڑا۔

سعید بن جبیرؓ (۹۵ھ) کے بارے میں کوفہ والوں کو حضرت ابن عباسؓ کہتے تھے کیا تم میں سعید بن جبیرؓ نہیں ہیں؟ یعنی ان کے ہوتے ہوئے تم مجھ سے مسائل پوچھتے ہو؟ حضرت ابراہیم نخعیؓ کے علم کا یہ حال تھا کہ حضرت سعید بن جبیرؓ لوگوں کو کہتے۔

تسفتونی وفیکم ابراہیم نخعیؓ۔

(ترجمہ) تم مجھ سے مسائل پوچھتے ہو؟ اور تم میں ابراہیم نخعیؓ موجود ہیں۔

⑥ حضرت ابو عبد اللہ کھول الہندی (۱۰۱ھ) الحافظ فقیہ الشام

ابو امامۃ الباہلیؒ، واسطہ بن الاسقعؒ، انس بن مالکؒ، محمود بن الزیع، عبد الرحمن بن غنم، ابودریس الخولانی سے حدیث پڑھی، حدیث کو مرسل بھی روایت کرتے اور ابی بن کعبؒ، عبادہ بن الصامیؒ اور حضرت ام المومنینؒ سے بھی درمیانے راوی کو ذکر کیے بغیر روایت کر دیتے تھے۔ آپؒ سے ایوب بن موسیٰؒ، غلاب بن حارثؒ، زید بن داؤدؒ، ثعلب بن یزیدؒ، حجاج بن ارطاةؒ، امام ادزاعیؒ اور سعید بن عبد العزیزؒ نے روایات لی ہیں۔ آپؒ نے مصر، عراق اور حجاز ہر جگہ طلب علم میں سفر کیا۔ امام زہریؒ فرمایا کرتے تھے علماء تین ہی ہیں۔ ان میں آپؒ کھولؒ کو بھی ذکر کرتے۔ ابو حاتمؒ کہتے ہیں۔ ما اعلم بالشام افتقہ من مکھولؒ۔ شام میں ان سے بڑا فقیہ میں نے نہیں دیکھا۔ خطیب تبریزیؒ کہتے ہیں۔

لم یکن فی زمان مکھول ابصر بالفتیانہ وکان لا یفتی حتی یقول لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ ہذا رأی والرأی بخطی ویصیب۔ حضرت کھولؒ کے زمانہ میں فتوہ ہائے کمی بقیہ سب زیادہ آپؒ میں تھی اور آپؒ فتوہ دیتے جب تک لا حول ولا قوۃ الا باللہ نہ پڑھ لیتے اور فرما دیتے یہ میری رائے ہے اور رائے خطا بھی کرتی ہے اور درست بھی ہوتی ہے۔ نوٹ۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لفظ رائے ان دنوں کسی پہلو سے معرب نہ سمجھا جانا چاہیے۔

⑦ ابو عمرو علامہ شعبیؒ (۱۰۳ھ) الہمدانی الکوفی

آپؒ علامۃ التابعین کے لقب سے معروف تھے۔ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں۔ کان اماماً حافظاً فقیہاً متقناً۔

آپؒ نے حضرت عمران بن حصینؒ، جریر بن عبد اللہؒ، حضرت ابو ہریرہؒ، ابن عباسؒ، عبد اللہ بن عمروؒ، عدی بن حاتمؒ، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے احادیث لی ہیں۔ آپؒ امام ابو حنیفہؒ کے سب سے بڑے استاد تھے۔

۱۔ دوسرے دو سعید بن السیب اور علامہ شعبیؒ ہیں۔ ایضاً ص ۱۰۳۔ الاکمال ص ۶۲۳۔ تذکرہ جلد ۵ ص ۴۵

علامہ شعبیؒ سے اسماعیل بن ابی خالد، اشعث بن سوار، داؤد بن ابی ہند، زکریا بن ابی زائدہ،
مجالد بن سعید اعمش، امام ابو حنیفہ، ابن عون، یونس بن ابی اسحق، سری بن یحییٰ نے احادیث روایت کی
ہیں۔ کوفہ کے قاضی بھی رہے۔ پانچ سو کے قریب صحابہ کرامؓ کو پایا۔ امام ابن سیرینؒ فرماتے ہیں :-

الزم الشعبي فلقد رأيت يستفتي الصحابة متوافرون^۱

(ترجمہ) تم شعبی کی مجلس کو لازم پکڑو۔ میں نے لوگوں کو ان سے مسائل پوچھتے دیکھا
حالانکہ صحابہ بڑی تعداد میں موجود ہوتے تھے۔

پھر ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں :-

قدمت الكوفة وللشعبي حلقه واصحاب رسول الله يومئذ كثير.

(ترجمہ) میں کوفہ آیا اور وہاں علامہ شعبی کا ایک بڑا حلقہ دیکھا۔ حالانکہ
ان دنوں صحابہ کثیر تعداد میں موجود تھے۔

ابو مجلز (۲) کہتے ہیں :-

ما رأيت افقه من الشعبي لاسعيد بن المسيب ولا طاؤس ولا عطاء
ولا الحسن ولا ابن سيرين^۳

(ترجمہ) میں نے علامہ شعبی سے بڑا فقیہ کسی کو نہیں پایا نہ حضرت سعید بن المسيب کو
نہ طاؤس کو نہ عطاء بن ابی رباح کو نہ حسن بصری کو اور نہ امام ابن سیرین کو۔
مگر آپؒ کے ذہن میں علم فقہ کی اتنی عظمت تھی کہ کھلے بندوں فرماتے ہم فقہاء نہیں ہم تو محدث
ہیں جو روایت ملے اسے آگے پہنچا دیتے ہیں۔

قال الشعبي اننا لسنا بالفقهاء ولكننا سمعنا الحديث فردينا^۴ الفقهاء.

(ترجمہ) شعبی کہتے ہیں ہم فقہاء نہیں ہیں بات صرف یہ ہے کہ ہم نے حدیث سنی
اور اسے فقہاء تک پہنچا دیا۔

وہ کون سے فقہاء کرام ہیں جن تک آپؒ نے حدیثیں پہنچا دیں اور ان کے سامنے اپنے
آپؒ کو فقیہ نہ جان سکے؟ ان میں سرفہرست امام ابو حنیفہؒ ہیں۔ آپؒ نے اگر امام ابو حنیفہؒ کو نہ دیکھا

ہوتا تو شاید اتنی بات نہ کہتے۔

⑧ سالم بن عبداللہ بن عمر (۱۰۶ھ) فقیہ مدینہ

حضرت سالم حضرت عمرؓ کے پوتے، علم و عمل کے جامع اور اپنے زمانہ کے الفقیہ اور الحجہ تھے اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت ام المومنینؓ، حضرت ابوہریرہؓ، رافع بن خدیجؓ، حضرت سفینہؓ اور افضل التابعین حضرت سعید بن المسیبؓ سے علم حاصل کیا اور حدیث پڑھی، آپؓ سے عمرو بن دینارؓ، امام زہریؓ، صالح بن کیسانؓ، موسیٰ بن عقبہؓ اور حضرت حنظلہ بن ابی سفیانؓ نے تعلیم پائی خطیب تبریزیؒ لکھتے ہیں:-

احد فقہاء المدینۃ من سادات التابعین وعلماہم وثقاتہم

(ترجمہ) مدینہ کے فقہاء میں سے ایک تھے سادات تابعین میں سے تھے ان کے علماء اور ثقہ لوگوں میں سے تھے۔

⑨ قاسم بن محمد (۱۰۷ھ) فقیہ مدینہ

حضرت قاسم حضرت ابو بکرؓ کے پوتے، علم و عمل کے جامع اور مدینہ کے فقہاء سبعہ میں سے ایک تھے۔ اپنی چھوٹی بھئی حضرت ام المومنینؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت امیر معاویہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت فاطمہ بنت قیسؓ سے حدیث پڑھی اور تعلیم حاصل کی۔ اور آپؓ سے آپؓ کے بیٹے عبدالرحمنؓ، امام زہریؓ، ابن المنکدرؓ، ربیعہ الرائیؓ، الفح بن حمیدؓ، حنظلہ بن ابی سفیانؓ، ایوب السخیتیؓ جیسے ائمہ علم نے روایات لیں اور کتاب علم کیا۔ آپؓ سے دوسرے قریب حدیثیں مروی ہیں۔ ابوالزناد عبدالرحمنؓ ۱۳۱ھ کہتے ہیں:-

ما رأیت فقیہاً اعلیٰ من القاسم وعا رأیت احداً اعلیٰ بالسنة منه۔

(ترجمہ) میں نے قاسم سے بڑا فقیہ کسی کو نہیں دیکھا اور نہ کسی کو دیکھا جو ان سے زیادہ سنت جانتے والا ہو۔

ابن سعد کہتے ہیں:- کان اماماً فقیہاً ثقةً دفیعیاً ورعاً کثیراً للحدیث۔

یحییٰ بن سعیدؒ کہتے ہیں :-

ما ادرکنا بالمدينة احداً انفضله على القاسم بن محمدؒ
(ترجمہ) ہم نے مدینہ شریف میں کسی کو نہ پایا جسے قاسم بن محمدؒ فضیلت دے سکیں۔

⑩ حماد بن ابی سلیمان (۱۲۰ھ)

حضورؐ کے خادم خاص حضرت انس بن مالکؓ کے شاگرد تھے۔ امیر المومنین فی الحدیث شعبہ (۱۶۰ھ) اور حضرت سفیان ثوریؒ نے آپ سے حدیث روایت کی ہے۔ آپ ابراہیم نخعیؒ کے فیصلوں اور ان کی فقہی آراء کے سب سے بڑے عالم تھے۔ امام ابو حنیفہؒ کے استاد تھے۔ حضرت حمادؒ کے بعد آپ ہی سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؒ کی اس مسند علمی کے وارث ہوئے۔ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے بھی آپ سے روایات لی ہیں۔

نوٹ تابعین میں فقہاء حدیث صرف یہی دس حضرات نہیں۔ ان کے علاوہ بھی اس طبقہ میں بہت سے فقہاء اعلام ہوئے جو فقہ اور حدیث کے جامع تھے۔ ان میں حضرت حسن بصریؒ (۱۱۰ھ) امام ابن سیرینؒ (۱۱۰ھ) قتادہ بن دعائمہؒ (۱۱۸ھ) بھی بے شک فقہ حدیث اور استنباط مسائل میں بہت اُونچا مقام رکھتے تھے۔

اب ہم یہاں تابعین کے ان اساتذہ روایت کا ذکر کرتے ہیں جو صحابہؓ کے علم کو لے کر بجزد بر میں پھیلے اور ان کی محنتوں سے روایات حدیث آگے جمع تابعین تک پہنچیں۔ علم حدیث کو آج بیشک ان شخصیات کریمہ پر ناز ہے۔ تابعین کے فقہاء حدیث بے شک ائمہ روایت بھی ہیں اور ان کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ لیکن یہ اساتذہ روایت اس فن میں زیادہ معروف اور ممتاز ہوئے ہیں۔

تابعین کرام میں اساتذہ روایت

ابو بردہ (۱۰۴ھ) طاؤس بن کیسان (۱۰۵ھ) عکرمہ (۱۰۶ھ) حسن بصری (۱۱۰ھ) ابن سیرین (۱۱۰ھ)
عطابن ابی رباح (۱۱۵ھ) امام نافع (۱۱۷ھ) میمون بن مہران (۱۱۷ھ) امام زہری (۱۲۴ھ) عمرو بن

دینار (۱۲۶ھ) ابوالفتح البیہقی (۱۲۷ھ) عبدالرحمن ابوالزناد (۱۳۱ھ) سلیمان التیمی (۱۴۳ھ) ہشام بن عروہ (۱۴۶ھ) اعمش (۱۴۷ھ) رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

① ابو بردہ بن ابی موسیٰ الاشعریؓ (۱۰۴ھ)

اپنے والد حضرت موسیٰ اشعریؓ، حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت عبداللہ بن سلامؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے حدیث پڑھی، قاضی شرح کے بعد کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے۔ آپ سے آپ کے بیٹے بلال الامیرؓ، پوتے برید بن عبداللہؓ، حضرت ثابت بنانیؓ، قتادہ بن عامرؓ، یحییٰ بن الاشجؓ، ابوالفتح شیبانیؓ اور کئی دوسرے حضرات نے روایت کی، حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں:

کان علامۃ کثیر الحدیث۔ آپ بڑے عالم تھے اور کثیر الحدیث تھے۔

② طاؤس بن کيسانؓ (۱۰۵ھ) ابو عبدالرحمن الیمانی

حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت زیدہ بن ارقمؓ اور حضرت ام المومنینؓ سے حدیث پڑھی اور ان سے ان کے بیٹے عبداللہؓ، امام زہریؒ، ابراہیم بن میسرہؒ، ابوالزبیرؒ، عبداللہ بن ابی نجیحؒ اور خطلہ بن ابی سفیانؒ نے حدیث سنی۔ عمرو بن دینار کہتے ہیں:

ما رأیت احدا مثل طاؤس۔ میں نے طاؤس جیسا کسی کو نہیں پایا۔

آپ اہل یمن کے شیخ اور مفتی تھے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ فن حدیث میں اس جلالت شان کے ساتھ ساتھ فقیہ بھی تھے۔

③ عکرمہؓ (۱۰۷ھ)

حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، عقبہ بن عامر الجہنیؓ، حضرت ابوسعید الخدریؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ام المومنینؓ سے روایات لی ہیں۔ آپ سے کثیر تعداد لوگوں نے احادیث روایت کی ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کی زندگی میں فتوے دینے لگے۔ سعید بن جبیرؓ سے پوچھا گیا آپ نے کسی کو اپنے سے بڑا عالم پایا۔ آپ نے کہا ہاں عکرمہ کو۔ علامہ شعبیؒ بھی ان کے علم قرآن کے معترف تھے۔ آپ پر یہ الزام

بھی ہے کہ کچھ خارجیت کا ذہن تھا اس لئے امام مالکؒ اور امام مسلم نے اُن سے روایت نہیں لی۔
لیکن اس میں شک نہیں ان ہذا الامام من بحور العلم کہ یہ امام علم کا ایک سمندر ہے۔

④ ابو سعید حسن بن ابی الحسنؒ (۱۱۰ھ) لیسا البصری

حافظ ذہبیؒ نے امام حسن بصریؒ کا الامام اور شیخ الاسلام کہہ کر تعارف کرایا ہے۔ آپؒ نے حضرت عثمانؒ، عمران بن حصینؒ، مغیرہ بن شعبہؒ، عبدالرحمن بن سمرہؒ، سمرہ بن جندبؒ، حضرت ابن عمرؒ، حضرت جابرؒ اور دیگر کئی صحابہؓ سے احادیث سنی ہیں۔ آپؒ سے قتادہ بن دعائمؒ، ایوبؒ، ابن عونؒ، یونسؒ، خالد الخزاز، شام بن حسان، حمید الطویل، جریر بن حازم، ربیع بن ایحٰ، اور ابان بن یزید وغیرہم نے روایات لی ہیں۔ امام حسن بصریؒ ثقہ، حجة، مامون، عابد و زاہد اور کثیر العلم ہیں خطیب تبریزی لکھتے ہیں۔

هو امام وقته في كل فن وعلم وزهد وورع وعبادة۔

ترجمہ: آپ اپنے وقت میں ہر فن ہر علم کے امام تھے زہد پر سیزگاری اور عبادت میں بھی۔
حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں۔

حافظ، علامہ، من بحور العلم، فقیہ النفس، کبیر الشان عظیم النظیر

ملیم التذکرہ بلیغ الموعظة رأس فی انواع الخیر۔

ترجمہ: حافظ تھے، علامہ تھے علم کے سمندر تھے فقیہ النفس تھے بڑی شان تھی ان کی نظیر

نہ تھی وعظ بہت اچھا کہتے نصیحت مؤثر ہوتی انواع خیر کا مرکز تھے۔

البتہ آپ کی مرسل روایات کو محدثین نے قبول نہیں کیا۔

وَعَادِ سَلَه فَلَيْسَ هُوَ بِحُجَّةٍ مَشْهُورَاتٍ عَلَى آتِي بِهِ كَمَا أَنَّكَ لَا تَقْبَلُ رِوَايَاتِهِ حُجَّتٍ لَيْسَ بِهِيَ۔

⑤ امام ربانی محمد بن سیرینؒ (۱۱۰ھ)

حضرت عثمانؒ کے آخر عہد خلافت میں پیدا ہوئے، علم تعبیر کے بے مثل عالم تھے حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عمران بن حصینؒ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے حدیث پڑھی۔ آپ

كان فقيهاً إماماً غزيراً العلم ثقة ثبتاً علامة في التعبير راسخاً في الودع و
أما صفيه مولاة لابي بكر الصديق عليه السلام

④ عطاء بن ابی رباحؓ (۱۱۴ھ)

(ترجمہ) امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں میں نے عطا سے کسی کو بہتر راوی نہیں پایا۔

ہیں۔ حضرت امام باقر بھی فرماتے ہیں :-

۱۰ ایضاً ۹۳ ۹۲ ایضاً ۹۱

④ امام نافع المدنیؒ (۱۱۷ھ)

حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت نافع بن خدیجؓ، حضرت ابولبابہؓ، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے حدیث پڑھی۔ آپؓ سے امام اہل مکہ ابن جریجؓ، امام اہل شام امام اوزاعیؓ، امام اہل مدینہ امام مالکؓ، امام مصر لیث مصریؓ، عقیل بن خالدؓ، ایوبؓ اور ابن عونؓ نے احادیث روایت کی ہیں۔

جس طرح صحیح بخاری کو اصح الکتاب کہا گیا ہے عام محدثین کے ہاں مالک عن نافع عن ابن عمر کو اصح الاسانید کہا گیا ہے حضرت نافع کہتے ہیں میں حضرت ابن عمرؓ کی خدمت میں تیس سال رہا۔ اس سے ان کی علمی عظمت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ روایت حدیث میں آپ ایک مرکزی شخصیت ہیں۔

⑤ میمون بن معدانؒ (۱۱۷ھ) عالم اہل الجزیرہ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ اور دوسرے کئی صحابہؓ سے احادیث روایت کی ہیں۔ حضرت عمرؓ اور حضرت زبیرؓ سے بھی مرسل روایات لی ہیں۔ آپؓ سے ابوبشر خضیف، جعفر بن برقان، حجاج بن ارطاة، سالم بن ابی المہاجر، امام اوزاعیؓ، ابواللیث، معقل بن عبید اللہ اور ایک خلق کثیر نے حدیث روایت کی ہے۔ مشہور فقیہ سلیمان بن موسیٰ کہتے ہیں خلافت ہشام میں چار ہی عالم تھے حسن بصریؒ، کھول، میمون بن معدان اور زہریؒ۔ امام احمد کہتے ہیں آپ عکرمہ سے زیادہ ثقہ ہیں۔ امام نسائی بھی آپ کو ثقہ قرار دیتے ہیں۔

⑥ امام زہریؒ (۱۲۴ھ)

اعلم الحفاظ ابن شہاب زہریؒ حدیث اور تاریخ کے بڑے امام تھے۔ آپؒ نے حدیث صحابہؓ میں سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ، سہل بن سعدؓ، حضرت انس بن مالکؓ سے اور تابعین میں سے حضرت سعید بن المسیبؒ، ابوامامہؒ اور ابوسہلؒ وغیرہم من الائمہ الاعلام سے پڑھی۔ آپؒ سے صالح بن کیسانؒ، معمرؒ، شعیب بن ابی حمزہؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ، ابن ابی ذئبؒ، لیث مصریؒ،

سفیان بن عیینہؒ اور دیگر کئی ائمہ علم نے روایت کی ہے۔ ابن المسیبؒ کے پاس آٹھ سال کے قریب رہے لیث مصریؒ کہتے ہیں میں نے زہریؒ سے جامع علم کسی کو نہیں دیکھا۔ ترغیب و ترہیب کی احادیث ہوں انساب عرب کی، قرآن و سنت کی بات ہو یا احلال و حرام کی۔ ہر موضوع میں سبقت لے گئے نہیں۔ ابو الزنادؒ کہتے ہیں:-

كنا نطوف مع الزهري على العلماء ومعهم الاوراق والصحف يكتب كل ما سمع.

(ترجمہ) ہم امام زہریؒ کے ساتھ علماء حدیث کے ہاں گھوما کرتے تھے۔ آپ کے پاس کاغذات اور تختیاں ہوتیں آپ جو کچھ سنتے تھے لکھتے جایا کرتے تھے۔

ابن المدینیؒ کہتے ہیں ثقہ راویوں کا علم حجاز میں زہریؒ اور عمرو بن دینارؒ پر بصرہ میں قتادہؒ اور یحییٰ بن کثیرؒ پر، کوفہ میں ابواسحق السبیعیؒ اور اعمشؒ پر گردش کرتا ہے۔ اکثر صحیح حدیثیں ان چھ رواۃ حدیث سے باہر نہیں۔ محدثین امام زہریؒ کی مرسل روایات کا اعتبار نہیں کرتے۔ آپ کہیں کہیں روایت حدیث کے دوران شرح الفاظ بھی کر دیتے تھے۔ علماء بعض اوقات ان کے اور راجح کو حدیث کا جزد سمجھ لیتے اور اُسے حدیث کے طور پر آگے روایت کر دیتے۔ تاہم اُن کی علمی عظمت اور حدیثی مقربیت ہر دائرہ علم میں مسلم رہی ہے۔ آپ جب اپنے شیخ کا نام نہ لیں اور اس سے اوپر کے شیخ سے صیغہ عن سے روایت کریں تو اس سے آپ کی ثقاہت مجروح نہیں ہوتی۔ البتہ اس روایت کی صحت مشکوک ہوگی۔ شیعہ علماء نے اس تدلیس کو تقیہ سمجھ کر انہیں اپنے ہاں شیعہ شمار کر لیا تھا۔ سو جب کبھی وہ اُن کی روایت پیش کریں تو یہ استدلال ان کے ہاں بر سبیل مناظرہ نہیں بر سبیل مجادلہ ایک لازمی دلیل سمجھا جائے گا۔

⑩ امام حرم عمرو بن دینار الحافظ (۱۲۶ھ)

صحابہ میں سے حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت جابرؓ، حضرت انس بن مالکؓ کے اور تابعین میں سے ابوالشعثاءؒ اور طاؤسؒ، کریبؒ، مجاہدؒ کے شاگرد تھے۔ امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ ابن جریجؒ، سفیان الثوریؒ، حضرت حماد بن سلمہؒ، سفیان بن عیینہؒ اور حماد بن ابی سلیمانؒ آپ کے شاگرد

تھے شعبہ کہتے ہیں میں نے حدیث میں عمرو بن دینار سے اثبت کسی کو نہیں پایا۔ آپ صرف محدث نہیں فقیہ بھی تھے۔ عبداللہ بن ابی نوح کہتے ہیں میں نے عمرو بن دینار، عطار بن ابی رباح، مجاہد اور طاؤس سے کسی کو فقہ میں زیادہ نہیں پایا۔

ان ائمہ روایت میں پانچ اور حضرات کا بھی ترجمہ شامل کر لیجئے۔ اس دور میں روایت پر توجہ زیادہ تھی۔ اس لئے اس طبقہ میں ہم یہ نام بھی اضافہ کی دیتے ہیں۔

① ابواسحق السبیعی (۱۲۷ھ) عمرو بن عبداللہ

کثرت روایت میں امام زہری کے اقران میں سے ہیں حضرت علیؓ کو دیکھا ہے۔ حضرت زید بن ارقم، عبداللہ بن عمرو، عدی بن حاتم، براہ بن عازب، جریر بن یحییٰ، جابر بن سمرہ سے حدیث پڑھی۔ تین سو کے قریب اساتذہ سے روایت لی۔ آپ سے قتادہ، سلیمان التیمی، اعمش، شعبہ، سفیان الثوری، ابو الاحوص، زائدہ، شریک اور سفیان بن عیینہ اور آپ کے بیٹے یونس اور پوتے اسرئیل نے روایت کی ہے۔
— ابوداؤد الطیالسی کہتے ہیں چار شخصوں میں علم حدیث نمایاں رہا ہے۔ زہری، قتادہ، ابواسحاق اور اعمش میں۔ قتادہ اختلاف رواۃ میں زہری اسناد میں ابواسحق، حضرت علیؓ اور عبداللہ بن مسعود کی مرویات میں اور اعمش ان میں سے ہر ایک باب میں آگے تھے۔

② ابو عبد الرحمن ابوالزناد (۱۳۱ھ) عبداللہ بن ذکوان فقیہ المدینہ

حضرت انس بن مالکؓ سے حدیث پڑھی۔ تابعین میں سے حضرت سعید بن المسیب جیسے اکابر سے علم حاصل کیا۔ آپ سے امام مالکؓ، سفیان ثوریؓ، لیث مصریؓ، سفیان بن عیینہؓ اور دوسرے کئی اکابر نے روایت لی ہے۔ لیث بن سعدؓ کہتے ہیں میں نے آپ کے پیچھے تین سو کے قریب فقہ کے طالب علم چلتے دیکھے۔ امام ابو حنیفہؒ جیسے فقیہ فرماتے ہیں میں نے ربیعہ الراعی اور ابوالزناد دونوں کو دیکھا ہے اور ابوالزناد کو افقہ و علم فقہ میں زیادہ ماہر پایا ہے۔

قال ابو حنیفہ رأیت ربیعہ و ابوالزناد افقہ الرجلین۔

حضرت امام جیسے تادیرہ روزگار فقیہ کا ان کی فتاویٰ پر شہادت دینا پتہ دیتا ہے کہ آپ کس درجہ کے عالم تھے۔ اگر ہم انہیں فقہاء تابعین میں ذکر کرتے تو زیادہ مناسب تھا۔ لیکن چونکہ سفیان بن عیینہؒ آپ کو امیر المؤمنین فی الحدیث کہتے ہیں، اس لیے ہم نے انہیں رواد حدیث میں ذکر کیا ہے۔

③ سلیمان بن طرفان البتیمیؒ (۱۲۳ھ) البصری

حافظ ذہبیؒ انہیں الحافظ، الامام اور شیخ الاسلام لکھتے ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ اور دیگر محدثین کبار سے حدیث پڑھی۔ آپ سے شعبہ، حضرت عبداللہ بن مبارک، حضرت سفیان الثوری، یزید بن ہارون، سفیان بن عیینہ اور دیگر کئی ائمہ کبار نے روایت لی۔ حدیث بڑے ادب سے روایت کرتے۔ کان اذ احداث عن رسول اللہ تغیر لونه۔ سفیان کسی بصری محدث کو سلیمان تیمی پر ترجیح نہ دیتے تھے۔ شعبہ کہتے ہیں میں نے ان سے زیادہ راست گو کسی کو نہیں دیکھا۔

④ ہشام بن عروہؒ (۱۲۶ھ)

حضرت زبیرؓ کے پوتے تھے۔ حافظ ذہبیؒ آپ کو الامام، الحافظ، الحجہ اور الفقیہ کے القاب سے ذکر کرتے ہیں۔ ان دنوں حدیث اور فقہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ بہت سے حفاظ حدیث فقیہ بھی ہوتے تھے۔ ہشام بن عروہ بھی انہی میں سے تھے۔ ابن سعد آپ کے بارے میں کہتے ہیں۔ کان ہشام ثقة، ثبتاً، کثیر الحدیث، حجة۔ ابو حاتم الرازی آپ کو امام فی الحدیث لکھتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے آپ کے سر پر ہاتھ رکھا تھا اور بچپن میں آپ کے لیے برکت کی دعا کی تھی۔ شعبہ، ایوب، امام مالک، سفیان الثوری، سفیان بن عیینہ، حماد بن سلمہ، حماد بن ابی سلیمان، یحییٰ بن سعید القطان جیسے اکابر آپ کے شاگرد تھے۔ امام یحییٰ بن معین سے پوچھا گیا آپ ہشام کو بہتر جانتے ہیں یا زہری کو؟ آپ نے کہا دونوں کو۔ اور کسی کو کسی پر ترجیح نہ دی۔ آپ حضرت حسن بصری اور امام ابن سیرین کے اقران میں سے تھے۔

⑤ ابو محمد سلیمان الأعمش الکوفیؒ (۱۴۷ھ) الحافظ والثقة

حضرت انس بن مالکؓ کے شاگرد تھے مشہور تابعی حضرت ابراہیم نخعیؒ سے بھی حدیث سنی۔ آپ سے امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ، سفیان الثوری، سفیان بن عیینہ، دیکع بن الجراح، زائدہ، ابو نعیم اور بہت سے لوگوں نے روایت لی ہے۔ امام ابو حنیفہ کے بھی استاد تھے۔ ابن المدینی کہتے ہیں آپ سے تیرہ سو کے قریب احادیث مروی ہیں۔ صدق مقال کا یہ حال تھا کہ لوگ آپ کو مصحف (قرآن) کہتے تھے۔ یحییٰ بن سعید القطان آپ کو علامۃ الاسلام کہتے تھے۔ ستر سال تک آپ کی تکبیر اولی فوت نہ ہوئی۔ سفیان بن عیینہ نے آپ کے بارے میں لکھا۔

اقرأهم لكتاب الله واحفظهم للحديث واعلمهم بالفرائض

(ترجمہ) سب سے زیادہ قرآن پڑھنے والے سب سے زیادہ حدیث یاد رکھنے والے اور علم وراثت کے سب سے بڑے عالم تھے۔

نوٹ اس درجہ کے عالی مرتبت محدثین کو فہ میں بہت ہونے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کو فہ ان دنوں کس طرح علم و فضل کا مرکز تھا۔ سو یہ کہنا کسی طرح درست نہیں کہ عراق علم حدیث میں حجاز سے پیچھے تھا۔ عراق نے علم حدیث کے وہ جلیل القدر اور جہا بڑہ روزگار محدث پیدا کیے کہ چشم فلک نے ان کی نظیر نہ دیکھی۔ تذکرۃ الحفاظ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کو فہ علم حدیث کا گہوارہ تھا۔ یہ تابعین کے اساتذہ روایت کا ذکر تھا۔ اب ہم ان ائمہ اصول کا ذکر کرتے ہیں جن کی علمی بلندی انہیں درجہ اجتہاد پر لے آئی اور امت میں ان کی پیروی جاری ہوئی یا وہ اس مرتبہ پر ٹھہرے کہ ان کی پیروی کی جا سکے۔

فقہا حدیث ائمہ مجتہدین

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد

صحابہ و تابعینؓ کے بعد ائمہ مجتہدین کی باری آتی ہے۔ یہ حضرات علم اصول کے امام اور فقہ و احادیث کے جامع تھے۔ موضوع ان کا زیادہ تر فقہ رہا۔ اس لئے ان کی شہرت مجتہد Theorist کے طور پر زیادہ رہی۔ محدثین انہیں حفاظ حدیث میں بھی ذکر کرتے ہیں اور فقہاء انہیں اپنے میں سے مجتہد قرار دیتے ہیں۔ ان میں سے بعض کی امت میں پیروی جاری ہوئی اور بعض کی نہیں۔ بعض ان میں سے اپنے اساتذہ سے نسبت برقرار رکھنے کے باعث مجتہد منتسب سمجھے گئے۔ تاہم اس میں شبہ نہیں کہ یہ حضرات سب حدیث و فقہ کے جامع اور اپنے اپنے درجہ میں مجتہد مطلق کا مقام رکھتے تھے۔ ان میں ہم حضرت امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) سفیان الثوریؒ (۱۶۱ھ) امام لیث بن سعد مصریؒ (۱۷۵ھ) امام مالکؒ (۱۷۹ھ) امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ) امام محمدؒ (۱۸۹ھ) امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) اسحق بن راہویہؒ (۲۳۸ھ) اور امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) کا ذکر کریں گے جہاں امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ان حضرات کو مجتہد تسلیم کیا ہے۔ ائمہ اربعہ امام اوزاعی، سفیان الثوری، لیث مصری، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور اسحق بن راہویہؒ یہ دس حضرات ہوتے ہیں جو مجتہدین کہلاتے ہیں۔ یہ حضرات اپنے اپنے وقت کے فقہائے حدیث تھے۔ اب ان کا فرداً فرداً ذکر ہوتا ہے۔

تراجم ائمہ میں پہلے صحابہ کے فقہائے حدیث پھر صحابہ کے رواد حدیث پھر تابعین کے فقہاء حدیث اور پھر تابعین کے اساتذہ روایت کا ذکر ہوا۔ اب ائمہ اربعہ کے تراجم پیش کیے جاتے ہیں۔ ان کے بعد ائمہ جرح و تعدیل کا تذکرہ ہوگا اور ان کے بعد انشاء اللہ ائمہ مالکیہ کی باری آئے گی۔

تراجم فقہائے حدیث

حضرت امام ابو حنیفہؒ

امام ابو حنیفہؒ (پیدائش ۸۰ھ) کی شہرت زیادہ تر امام مجتہد کی حیثیت سے ہے لیکن علمائے حدیث نے آپ کو محدثین میں بھی ذکر کیا ہے۔ محدثین کا ذکر اس عنوان سے کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فلاں فلاں سے احادیث سنیں اور ان سے آگے فلاں فلاں نے روایات لیں۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں بھی یہ پیرایہ تعارف موجود ہے۔ حافظ ابن عبد البر مالکی رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:-

قد قال الامام علي بن المديني ابو حنيفة روى عنه الثوري وابن المبارك وحماد بن زيد وهشام وكيع وعباد بن العوام وجعفر بن عون وهو ثقة لا باس به وكان شعبه حسن الراي فيه ۱۰

(ترجمہ) امام علی بن المدینی کہتے ہیں کہ سفیان ثوری، عبد اللہ بن مبارک، حماد بن زید، ہشام، وکیع، عباد بن عوام، جعفر بن عون نے امام ابو حنیفہؒ سے حدیث روایت کی ہے ابو حنیفہ ثقہ تھے ان سے روایت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور شعبہ امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔ حافظ شمس الدین ذہبی لکھتے ہیں:-

حدث عن عطاء ونافع وعبد الرحمن بن هرمن والاعمرج وسلمة بن كهيل وابي جعفر محمد بن علي وقتادة وعمر بن دينار وابي اسحق وخلق كثير..... وحدث عنه وكيع ويزيد بن هارون وسعد بن الصلت وابو عاصم وعبد الرزاق وعبيد الله بن موسى وابو نعیم

وابوعبدالرحمن المقرئ و بشركثير و كان اماماً ورعاً ۱۰

(ترجمہ) امام ابو حنیفہ نے عطار، نافع، عبدالرحمن بن ہرمز الاعرج، سلمہ بن کہیل، ابی جعفر، محمد بن علی، قتادہ، عمرو بن دینار، ابی اسحق اور بہت سے لوگوں سے حدیث روایت کی ہے۔ اور ابو حنیفہ سے وکیع، یزید بن ہارون، سعد بن صلت، ابو عاصم، عبدالرزاق، عبید اللہ بن موسیٰ، ابو نعیم، ابو عبدالرحمن المقرئ اور خلق کثیر نے روایت کی ہے۔ اور ابو حنیفہ امام تھے اور زاہد پرہیزگار تھے۔ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ اہل مکہ کے محدث اور مفتی عطار بن ابی رباح سے کس نے حدیث روایت کی ہے؟

وعنه ايوب وحسين العلم وابن جريح وابن اسحق والاوزاعي وابو حنيفة
وهما من يحيى وجريد بن حازم ۱۱

خطیب تبریزی صاحب مشکوٰۃ لکھتے ہیں،

سمع عطاء بن ابی رباح و ابا اسحق السبیعی و محمد بن المنکدر و نافعاً و هشام بن عروہ و سماک بن حرب و غیرہ و رمی عنہ عبد اللہ بن المبارک و کیع بن الجراح و یزید بن ہارون و القاضی ابو یوسف و محمد بن الحسن الشیبانی و غیرہ ۱۲

(ترجمہ) ابو حنیفہ نے عطاء بن رباح اور ابا اسحق السبیعی اور محمد بن المنکدر اور هشام بن عروہ اور سماک بن حرب و غیرہ حضرات سے روایت لی اور ابو حنیفہ سے عبد اللہ بن مبارک اور وکیع بن الجراح اور یزید بن ہارون اور قاضی ابو یوسف اور محمد بن حسن الشیبانی و غیرہ حضرات نے روایات لی ہیں۔

حضرت عبدالرحمن المقرئ (۲۱۳ھ) جب آپ سے روایت کرتے تو فرماتے مجھ سے اس شخص نے یہ حدیث بیان کی جو (قرن حدیث میں) بادشاہوں کا بادشاہ تھا خطیب بغدادی لکھتے ہیں۔

كان اذا حدث عن ابي حنيفة قال حدثنا شاهنشاه.

آپ کے اساتذہ و تلامذہ ان کے علاوہ بھی بہت سے تھے۔ آپ نے بلند پایہ محدثین سے محدثین کے طور پر روایات لیں اور آگے محدثین کے طرز پر انہیں محدثین سے روایت کیا۔ آپ کے تلامذہ میں سے عبداللہ بن مبارک اور دکیح بن الجراح کے تذکرے کتب رجال میں دیکھیں۔ یہ حضرات فن حدیث میں اپنے وقت کے آفتاب و ماہتاب تھے۔ ان جیسے اکابر محدثین کا احیاء میں آپ کی شاگردی کرنا اس فن میں آپ کی عظمت شان کی کھلی شہادت ہے۔ یہ صحیح ہے کہ آپ حضرت ابو بکر و حضرت عمرؓ کی طرح مکثرین روایت میں سے نہ تھے لیکن اس سے آپ کے علم حدیث میں کمزور ہونے کا شبہ کسی جاہل کو بھی نہ ہو سکے گا۔ محدثین آپ کے ذکر کے بغیر آگے نہ چلتے تھے مشکوٰۃ شریف حدیث کی کتاب ہے جس میں ایک روایت بھی آپ سے منقول نہیں۔ مگر خطیب تبریزی الاکمال فی اسماء الرجال میں آپ کے ذکر کے بغیر آگے نہیں چل سکے۔ آپ کے دفور علم کی شہادت آپ کو دینی پڑی اور ظاہر ہے کہ ان دنوں علم سے مراد علم حدیث ہی لیا جاتا تھا۔

مصنف مذکور لکھتے ہیں :-

والغرض بأیراد ذکرہ فی ہذا الکتاب وان لعود عنہ حدیثا فی مشکوٰۃ
للتبرک بہ لعلوم مرتبہ و دفور علمہ۔

(ترجمہ) اور غرض اس کتاب میں آپ کا ذکر لانے سے یہ ہے کہ اگرچہ ہم مشکوٰۃ میں ان سے کوئی حدیث نہیں لائے ہیں کہ آپ کے ذکر سے برکت حاصل ہو جائے۔ یہ آپ کے علوم مرتبہ اور دفور علم کی وجہ سے ہے۔

دفور علم سے مراد حدیث کا علم وافر نہیں تو اور کیا ہے ہر ہافقہ تو یہ علم اسی وقت بنتا ہے جب یہ حدیث پر مرتب ہو اسے علم حدیث لازم ہے یہی نہیں کہ آپ نے محدثین کے طرز پر روایات لیں اور آگے روایت کیں۔ بلکہ روایت حدیث اور راویوں کے صدق و کذب پر بھی آپ کی پوری نظر تھی۔ امام اوزاعیؒ سے ایک مسئلے پر گفتگو ہوئی اور دونوں طرف سے احادیث سند کے ساتھ پڑھی گئیں تو آپ نے دونوں طرف کے راویوں پر تبصرہ فرمایا اور باوجودیکہ دونوں طرف کے روایات ثقہ تھے۔ آپ نے راویوں کے علوفہم پر بحث شروع کر دی۔ اور دونوں

طرف کے راویوں کا نام لے لے کر بتایا کہ حماد بن ابی سلیمان زہری افقہ سے ہیں اور فلاں فلاں نے افقہ ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر کے مقابلے میں حضرت عبداللہ بن مسعود ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ آپ راویوں پر تنقیدی نظر رکھتے تھے۔ ایک دوسری جگہ راویوں کے صدق و کذب پر آپ گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں، وما رأيت احدا افضل من عطاء^۱ میں نے عطاء بن ابی رباح سے زیادہ اچھا راوی کسی کو نہیں دیکھا۔ اور یہ بھی فرمایا۔
مالقیت فمیں لقت الکذب من جابر الجعفی^۲۔

میں جن لوگوں کو ملا ہوں ان میں جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا کسی کو نہیں پایا۔
حافظ ابن حجر نے زید بن عیاش کے بارے میں آپ کی رائے نقل کی ہے۔ انہ مجہول^۳۔
طلق بن حبیب پر آپ نے اس کے عقیدہ کی رو سے جرح کی ہے کان یری القدر^۴۔
محدثین ہی راویوں پر اس درجہ تنقیدی نظر رکھتے ہیں۔ حافظ شمس الدین الذہبی لکھتے ہیں۔
قال ابو حنیفۃ رایت ربیعہ و ابا الزناد و ابو الزناد افقہ الرجلین^۵۔
ترجمہ: ابو حنیفہ کہتے ہیں میں نے ربیعہ اور ابو الزناد دونوں کو دیکھا۔ ابو الزناد زیادہ فقہ تھے۔

محدثین کا آپ سے اس قسم کی آراء نقل کرنا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ آپ روایت حدیث کے فہم و درایت پر کتنی گہری نظر رکھتے تھے۔
حضرت سفیان الثوریؒ کے علمی مرتبہ اور شانِ علم حدیث سے کون واقف نہیں اتنے بڑے محدث کے بارے میں آپ سے رائے لی گئی کہ ان سے حدیث لی جائے یا نہ؟ امام بیہقی لکھتے ہیں۔
عبد الحمید الحمائی قال سمعت ابا سعد الصاغانی یقول جلاء رجل الى ابی حنیفۃ فقال ماتری فی الاخذ عن الثور فقال اکتب عنہ ما خلا حدیث ابی سہل عن الحارث عن علی و حدیث جابر الجعفی^۶۔
ترجمہ عبد الحمید الحمائی کہتے ہیں میں نے ابو سعد صاغانی کو کہتے ہوئے سنا کہ ایک شخص امام ابو حنیفہ کے پاس آیا اور پوچھا سفیان ثوری سے روایت لینے میں آپ کی رائے کیا

۱۔ تذکرہ جلد ۹ ص ۹۲ ۲۔ تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۴۸ ۳۔ تہذیب جلد ۲ ص ۴۲ ۴۔ الجواہر المفیہ جلد ۱ ص ۱۳۲
۵۔ کتاب القراءۃ للبیہقی ص ۱۳۲ ۶۔ تذکرہ جلد ۱ ص ۱۲۶

ہے؟ آپ نے فرمایا ان سے حدیث لے لو۔ ماسوائے ان حدیثوں کے جنہیں وہ ابو اسحق عن الحارث کی سند سے روایت کریں یا جنہیں وہ جابر جعفی سے نقل کریں غور کیجئے جب حضرت امام سفیان ثوری جیسے محدث کے بارے میں بھی آپ سے رائے لی جا رہی ہے۔ تو آپ کا اپنا مقام حدیث میں کیا ہوگا؟ اجتہاد و استنباط یا تطبیق و ترجیح میں تو مجتہدین آپ سے اختلاف کر سکتے ہیں۔ لیکن کسی مقام پر یہ کہہ دینا کہ یہ حدیث حضرت امام کو نہ پہنچی ہوگی ہرگز درست نہیں۔ اس دور میں بعض النظم ائمہ کے قبیل میں سے ہے۔ محدث جلیل ملا علی قاری احیاء العلوم کی ایک عبارت پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

فالظن بآبي حنيفة ان هذه الاحاديث لم تبلغه ولو بلغته لقال بها هذا
من بعض الظن فان حسن الظن بآبي حنيفة انه احاط بالاحاديث الشريفة
من الصحيحة والضعيفة ولكنه امارج الحديث الدال على الحرمة او جملة
على الكراهة جمعاً بين الاحاديث وعملاً بالدراية والدراية له

الحافظ اور الحجۃ کے درجے کے محدثین تو بہت ہوئے۔ لیکن بہت کم ہوئے جن کا علم تمام احادیث کو محیط مانا گیا ہو۔ حضرت امام ان کبار محدثین میں سے ہیں جن کا علم تمام احادیث صحیحہ اور ضعیفہ کو محیط مانا گیا۔ ایک مرتبہ یحییٰ بن معینؒ سے امام ابو حنیفہؒ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ ثقہ ہیں ثقہ ہیں۔ ایک مرتبہ فرمایا حدیث فقہ میں اوپر سے ہیں اور دین کے بارے میں قابل اعتماد ہیں۔ امام ابو داؤد فرماتے ہیں:-

ان ابا حنيفة كان اماماً۔ بے شک ابو حنیفہؒ امام تھے۔

حضرت سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ) کس پائے کے محدث تھے یہ اہل علم سے مخفی نہیں آپ کو فہ آئے تو علماء حدیث تب آپ سے حدیث سننے کے لئے تیار ہوئے جب حضرت امام ابو حنیفہؒ نے آپ کے محدث ہونے کی تصدیق کی۔ آپ نے فرمایا۔ یہ شخص

عمرو بن دینار کی روایات کا سب سے بڑا عالم ہے اس پر علماء سنیان بن عیینہ کے گرد جمع ہو گئے۔ حضرت سفیان کہتے ہیں :-

قدمت الکوفة فقال ابو حنیفۃ هذا اعلو الناس بحديث عمرو بن دینار فاجتمعوا علی فحدثهم^۱

سفیان بن عیینہ کو محدث بنانے میں بڑے بڑے محدثین کی محنتیں ہوئیں مگر اس میں نسبت حضرت امام ابو حنیفہ کی ہے۔ حضرت سفیان خود کہتے ہیں :-
اول من صدیخ محدثا ابو حنیفۃ^۲

ترجمہ جس نے سب سے پہلے مجھے محدث بنایا ابو حنیفہ تھے۔
حافظ ذہبی فرماتے ہیں محدث حرم حضرت سفیان کو فی تھے اب آپ خود سمجھ لیں کہ آپ نے حضرت امام سے کس قدر استفادہ کیا ہو گا۔ آپ مسلکاً بھی حنفی تھے^۳۔
یحییٰ بن زکریا ابی زائدہ د^۴ کی جہالتِ علم سے کون واقف نہیں۔ حافظ ذہبی انہیں الحافظ الثبت المتقن الفقیہ^۵ لکھتے ہیں۔ آپ حضرت امام کے شاگرد تھے اور بقول حضرت امام طحاوی حضرت امام کے اُن پہلے دس اصحاب میں سے تھے جو تدوینِ علم میں آپ کے ساتھ بیٹھے۔

فن حدیث کے ان جیسے اکابر کا حضرت امام سے یہ قریبی رابطہ بتلاتا ہے کہ حضرت امام فنِ روایت میں بھی ان جہالِ علم کے شیخ تھے اور اکابرِ محدثین نہ صرف ان کے علم حدیث کے قائل تھے بلکہ ان سے اپنے محدث ہونے کی سند لیتے تھے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کا نظریہ حدیث

حضرت امام حدیث منقول پر عمل کرنے سے پہلے یہ دیکھتے تھے کہ کثیر تعداد متقی لوگ اس حدیث کو اس صحابی سے روایت کرتے ہوں۔ یہ روایت کرنا لفظاً ضروری نہیں خبر واحد اپنی جگہ معتبر ہے لیکن اُن

۱۔ الجواب فی المفصیۃ ص ۳۱ ۲۔ الجواب ہر نقلاً عن ابن خلکان ص ۱۰۳ ۳۔ الجواب ص ۲۵ ۴۔ تذکرہ ص ۱۲۶

کے ہاں اس کا عمل میں آیا ہوا ہونا ضروری تھا۔ جو حدیث معمول پر نہ رہی ہو اس سے ان کے ہاں سنت ثابت نہیں ہوتی۔ سنت کے ثابت ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس پر عمل بھی ہوتا آیا ہو امام مالکؒ کا نظریہ حدیث بھی تقریباً یہی تھا۔ وہ حدیث کی بجائے سنت پر زیادہ زور دیتے تھے۔ موطا میں بار بار سنت کا لفظ لاتے ہیں اور اس سے صحابہ و تابعینؓ کا تواتر عمل مراد ہوتا ہے جب فقہ پھیلے اور جھوٹ کا بازار گرم ہوا تو محدثین روایت اور اسناد کے گرد پہرہ دینے لگے۔ ان بدلے ہوئے حالات میں حدیث سے تمسک بذریعہ اسناد ہونے لگا اور تواتر عمل کی اس طرح تلاش نہ رہی جس طرح پہلے دور میں ہوتی تھی۔ اس نئے دور کے مجدد حضرت امام شافعیؒ ہیں۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ پہلے دور میں حدیث کی بجائے سنت کو زیادہ اہمیت دی جاتی تھی۔ حافظ شمس الدین الذہبیؒ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا نظریہ حدیث اُن کے اپنے الفاظ میں اس طرح نقل کرتے ہیں:-

أَخَذَ بَكِتَابِ اللَّهِ فَإِذَا جَدَّ فَبَسَنَ رَسُولَ اللَّهِ وَالْأَثَارَ الصَّحَاحِ
عَنِ الْقِيَمَةِ فِي أَيْدِي الثَّقَاتِ عَنْ الثَّقَاتِ فَإِذَا جَدَّ فَبَقُولَ صَحَابَهُ
أَخَذَ بِقَوْلِ مَنْ شِئْتُ — وَأَمَّا إِذَا انْتَهَى الْأَمْرُ إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَالشَّعْبِ
وَالْحَسَنِ وَالْعَطَاءِ فَاجْتَهَدَ كَمَا اجْتَهَدُوا^۱

ترجمہ، میں فیصلہ کتاب اللہ سے لیتا ہوں جو اس میں نہ ملے اسے حضورؐ کی سنت اور ان صحیح آثار سے لیتا ہوں جو حضورؐ سے ثقہ لوگوں کے ہاں ثقات کی روایت سے پھیل چکے ہوں۔ ان میں بھی نہ ملے تو میں صحابہ کرامؓ سے لیتا ہوں اور جس کا فیصلہ مجھے اچھا (قوی) لگے لے لیتا ہوں۔ اور جب معاملہ ابراہیمؑ تک پہنچے تو میں بھی اس طرح اجتہاد کرتا ہوں جس طرح ان پہلوں نے اجتہاد کیا تھا۔

حضرت امام یہاں آثار صحیحہ کے عملاً پھیلے ہوئے ہونے پر زور دے رہے ہیں اور یہی اُن کا نظریہ حدیث تھا۔ حضرت علامہ عبدالوہاب الشعرانیؒ (۱۹۷۲ء) لکھتے ہیں:-

وَقَدْ كَانَ الْأَمَامُ أَبُو حَنِيفَةَ يَشْتَرِطُ فِي الْحَدِيثِ الْمَنْقُولِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ قَبْلَ الْعَمَلِ بِهِ أَنْ يَرُودَ عَنْ ذَلِكَ الصَّحَابِيِّ جَمْعٌ اتَّقِيَاءَ عَنْ مِثْلِهِمْ^۲

(ترجمہ) امام ابو حنیفہؒ سے نقل شدہ حدیث کو معمول یہ ٹھہرانے سے پہلے یہ ضروری ٹھہراتے تھے کہ اسے اس صحابیؓ سے ان جیسے نیک لوگوں کی ایک جماعت نے روایت کیا ہو۔

محقق ابن الہمامؒ (۵۸۶ھ) کی حضرت امام کے اس اصل پر گہری نظر تھی۔ آپؒ تفریح کرتے ہیں کہ جب کوئی صحابیؓ اپنی روایت کردہ حدیث پر عمل نہ کرے اس کے خلاف فتوے دے تو وہ روایت اور خود حجت نہ رہے گی۔ کیونکہ اس کے ساتھ تو اتر عمل ثابت نہیں ہو سکا۔ حضرت امام کا یہ نظریہ بیشک نہایت سخت ہے۔ روایت کے ساتھ راوی کا عمل ساتھ ساتھ چلے۔ ایسے راوی تو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بھی بہت کم ملیں گے۔ حضرت امامؒ تو اتر عمل کے اس حد تک قائل تھے کہ وہ اس کی تائید میں ان روایات و آثار سے مدد دیتے تھے جو اپنی جگہ مرسل ہوں۔ مگر عملاً اتصال رکھتے ہوں۔ آپؒ کی اطلاع کردہ کتاب الآثار اور امام مالکؒ کے موطا میں آپؒ اسی نظریہ کو جگہ جگہ کار فرما پائیں گے۔

حافظ ابن عبد البرؒ مالکیؒ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:-

انه كان يذهب في ذلك الى عرضها على ما اجتمع عليه من الاحاديث و
معاني القرآن فما شذ من ذلك رده وسماه شاذاً

(ترجمہ) امام صاحبؒ ایسے موقع پر اس روایت کو اس موضوع کی دوسری احادیث اور قرآنی مطالب سے ملا کر دیکھتے جو روایت اس مجموعی موقف سے علیحدہ رہتی آپؒ اسے (عمل میں) قبول نہ کرتے اور اس کا نام شاذ isolated رکھتے۔

حضرت امام کے نظریہ حدیث میں اصول بھی کار فرما ہے کہ آثار صحابہ اور ضعیف حدیث کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے۔ ان کے ہاں آثار صحابہ اور ضعیف حدیث کے ہوتے ہوئے اجتہاد اور قیاس سے کام نہ لینا چاہیے۔ اپنی رائے پر ضعیف حدیث اور آثار صحابہ کو ترجیح دینی چاہیے۔ یہ یہ صرف حضرت امام کی ہی رائے نہ تھی بلکہ فقہاء عراق اسی نظریہ کے تھے۔ علامہ ابن حزمؒ نے اس پر فقہاء عراق کا اجماع نقل کیا ہے

ضعیف حدیث سے یہاں وہ روایت مراد نہیں جس کا ضعف انتہائی شدید قسم کا ہو یا

نوٹ وہ موضوع ہونے کے بالکل قریب جا چکی ہو۔

مشکلیں کا جو طبقہ مسائل ذات و صفات میں تاویل کی راہ چلا حضرت امام اس مسلک کے نہ تھے۔ اس باب میں آپ محدثین کی روش پر تھے اور آیات صفات پر بلا تاویل ایمان رکھتے تھے۔ حافظ ابن کثیر (۴/۴۷۷) آپ کا تعارف ان الفاظ میں کرتے ہیں:-

الامام، فقیہ العراق، احد ائمة الاسلام والسادة الاعلام، احد ارکان العلم
اجد الائمة الاربعة اصحاب المذاهب المتبوعة^۱۔

علامہ ذہبی (۴/۴۸۸) آپ کے لئے امام عظم کا لقب اختیار کرتے ہیں اور لکھتے ہیں:-
..... کان اماماً ورعاً عالماً عاملاً متعبداً کبیر الشان^۲۔

الامام عظم، فقیہ العراق، حضرت امام متورع، عالم عامل متقی اور کبیر الشان تھے۔
امام مکی بن ابراہیم فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ "اعلم اهل الارض تھے یعنی کرۂ ارضی کے اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم تھے۔ علم ان دنوں علم حدیث کو ہی کہا جاتا تھا۔
علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ "علم حدیث کے بڑے مجتہدین میں سے تھے^۳ اور لکھتے ہیں کہ فقہ میں آپ کا مقام اتنا بلند تھا کہ کوئی دوسرا ان کی نظیر نہ تھا اور ان کے تمام ہم عصر علمائے ان کی اس فضیلت کا اقرار کیا ہے خاص طور پر امام مالک اور امام شافعی نے^۴۔
امام الجرح والتعديل یحییٰ بن سعید القطان (۵/۱۹۸) فرماتے ہیں کہ ہم خدائے قدوس کی تکذیب نہیں کرتے۔ ہم نے امام ابو حنیفہ سے بہتر رائے اور بات کسی سے نہیں دیکھی^۵۔
آپ بھی حضرت امام کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:-

کان یحیی القطان یفتی بقول ابی حنیفہ ایضاً^۶۔

یہ اس درجہ کے امام تھے کہ امام احمد فرماتے ہیں:-

ما رأیت بعینی مثل یحیی بن سعید القطان^۷۔

میں نے اپنی آنکھوں سے یحییٰ بن سعید کی مثل کسی کو نہ دیکھا۔

اس درجے کے عظیم القدر محدث کا فقہی مسائل میں امام ابو حنیفہ کی پیروی کرنا اور ان کے

۱۔ البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۵۸ تذکرہ جلد ۱ ص ۱۵۸ مقدمہ ادجز المسالک ص ۶ مقدمہ ابن خلدون ص ۲۴۵
۲۔ مقدمہ ص ۲۴۸ تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۴۹ تذکرہ جلد ۱ ص ۲۸۲ ایضاً ص ۲۷۵

قول پر فتوے دینا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ حضرت امام حدیث و فقہ میں کتنا اونچا مقام رکھتے تھے۔
عبداللہ بن داؤد کہتے ہیں:-

جب کوئی آثار یا حدیث کا قصد کرے تو (اس کے لئے) سفیان ہیں اور جب آثار یا حدیث کی باریکیوں کو معلوم کرنا چاہے تو امام ابو حنیفہ ہیں۔
امام مسعر بن کدام (۱۵۵ھ) کی جلالتِ قدر سے کون واقف نہیں، شعبہ کہتے ہیں ہم نے اُن کا نام مصحف (قرآن) رکھا ہوا تھا۔ یحییٰ بن سعید القطان کہتے ہیں میں نے حدیث میں ان سے زیادہ ثابت کسی کو نہیں پایا۔ محمد بن بشر کہتے ہیں میں نے اُن سے دس کم ایک ہزار احادیث لکھیں۔ یہ مسعر بن کدامؒ حضرت امام کے ہم سبق تھے آپ کہتے ہیں:-

طلبت مع ابی حنیفۃ الحدیث فغلبنَا وَاخذنَا فی الزهد فبرع علینَا وطلبنَا مع الفقہ فجاء منہ مَا ترون۔^{۱۰}

(ترجمہ) میں نے اور ابو حنیفہؒ نے اکٹھے حدیث پڑھنی شروع کی وہ ہم پر غالب رہے علم حدیث میں ہم سب طلبہ سے بڑھ گئے ہم زہد و سلوک میں پڑے تو اس میں بھی وہ کمال پر پہنچے اور ہم نے اُن کے ساتھ فقہ پڑھنا شروع کیا تو اس میں بھی وہ اس مقام پر پہنچے جو تم دیکھ رہے ہو۔

مسعر بن کدامؒ جیسے محدث کی یہ شہادت حضرت امام کے علم حدیث میں اسبق ہونے کی ایک کھلی دلیل ہے۔ کم از کم پانچ لاکھ احادیث بیک نظر آپ کے سامنے ہوتی تھیں آپ نے اپنے بیٹے حماد کو جن پانچ حدیثوں پر عمل کرنے کی وصیت کی ان کے بارے میں فرمایا کہ میں نے یہ پانچ لاکھ احادیث سے انتخاب کی ہیں وصیت ۱۹ کے تحت لکھتے ہیں:-
ان تعمل بحسنہ احادیث جمعہا من خمس مائۃ الف حدیث۔^{۱۱}

ترجمہ۔ ان پانچ احادیث کو خاص طور پر معمول بہ بنانا میں نے انہیں پانچ لاکھ احادیث سے چنا ہے۔

۱۔ سیر الاخاف ص ۲۱ ۲۔ مناقب ابی حنیفہ للذہبی ص ۲۷ ۳۔ وصیہ الامام الاعظم لابن حماد ص ۶۵ ۴۔ نکل امری ماؤی ۲۰۔ من حسن اسلام امرأ ترکہ ما لا یعنیہ ۲۰۔ لایومن احکم حتی یحب لایخیه ما یحب لنفسہ ۲۰۔ ان الحلالین والحرامین وبتہما مشیتہما ۵۔ المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ۔

حضرت امام عظیمؑ کی تابعیت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت جو عمر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تھی حضرت امام تقریباً اسی عمر کے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی صحابہؓ موجود تھے۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ (۸۷) ہبل بن سعد سعدیؓ (۹۱) حضرت انس بن مالکؓ (۹۲) حضرت عبداللہ بن سیر المازنیؓ (۹۶) حضرت عامر بن وائل الاسقعؓ (۱۰۲) اس وقت زندہ تھے۔ حضرت عامرؓ کی وفات کے وقت حضرت امامؑ کی عمر ۲۲ سال کی تھی اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ تو رہتے ہی کوفہ میں تھے۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں: مولد سنة ثمانين راي انس بن مالك غير مرة لما قدم عليهم الكوفة۔

(ترجمہ) حضرت امامؑ کی پیدائش ۸۰ھ میں ہوئی آپؑ نے حضرت انس بن مالکؓ (۹۲) کو جب وہ کوفہ گئے تو کئی دفعہ دیکھا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضورؐ سے گیارہ برس کی عمر میں واپس لے سکتے ہیں تو حضرت امامؑ حضرت انسؓ سے حدیث کیوں نہ سن سکتے تھے یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی کہ آپؑ نے حضرت انسؓ کی بارہا زیارت کی ہو اور ان سے احادیث نہ سنی ہوں۔ نہ حضرت انسؓ کے بارے میں تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی مجالس میں احادیث نہ پڑھتے ہوں یہ علیحدہ بات ہے کہ امامؑ نے انہیں روایت نہ کیا ہو۔

اہل کوفہ کی ایک منفرد عادت

اہل کوفہ حدیث کے بارے میں کچھ زیادہ ہی محتاط ہوئے ہیں۔ خطیب بغدادیؒ لکھتے ہیں:

ان اهل الكوفة لم يكن الواحد منهم يسمع الحديث الا بعد استكمال عشرين سنة۔

(ترجمہ) اہل کوفہ میں سے کوئی بیس سال کی عمر سے پہلے حدیث کا باقاعدہ سماع نہ کرتا تھا۔

اس صورت حال میں بہت ممکن ہے کہ آپؑ نے ان سے احادیث سنی تو ہوں لیکن بیس سال سے کم ہونے کے باعث انہیں آگے عام روایت نہ کیا ہو۔ دارقطنیؒ کا یہ کہنا کہ آپؑ نے حضرت انس بن مالکؓ کو دیکھا تو ضرور ہے لیکن ان سے احادیث نہیں سنیں۔ اس معنی پر محمول ہو گا کہ بیس سال سے کم عمر کے سماع کو اہل کوفہ سماع شمار نہ کرتے تھے اور جہاں کہیں حضرت امامؑ نے ان سے روایت کر دی وہ محض تبرک کے طور پر ہوگی اور عام عادت سے ایک استثناء ہو گا۔ حافظ بدر الدین عینیؒ اور علاء الدین قاریؒ

نے حضرت امام کا صحابہؓ سے روایت لینا تسلیم کیا ہے۔

یحییٰ بن معینؒ کہتے ہیں کہ حضرت امامؒ نے حضرت عائشہ بنت عجرؓ سے بھی حدیث سنی ہے اور وہ براہ راست حضورؐ سے اپنا سماع پیش کرتی ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:-

ان اباحیفة صاحب الراى سمع عائشة بنت عجرد وتقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم

الحاصل حضرت امامؒ تابعین میں سے تھے اور یہ وہ فضیلت ہے جو ائمہ اربعہؓ سے اور کسی کو حاصل نہیں ہے۔ ملا علی قادری نے سند الانام ص ۱ پر حضرت امامؒ کی عائشہ بنت عجرؓ سے روایت نقل کی ہے۔

حضرت امامؒ کی ثقاہت

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:-

قال محمد بن سعد العوفي قال سمعت يحيى بن معين يقول كان ابو حنيفة ثقة لا يحدث بالحديث الا بما يحفظ ولا يحدث بما لا يحفظ (ترجمہ) محمد بن سعد عوفی نے یحییٰ بن معینؒ سے سنا وہ کہتے تھے ابو حنیفہؒ ثقہ ہیں وہی حدیث روایت فرماتے جو آپؐ کو یاد ہوتی اور جو یاد نہ رہتی اُسے بیان نہ کرتے تھے۔

جن لوگوں نے حضرت امامؒ کی اس ثقاہت کو مجرد کرنے کی کوشش کی ہے اُن کے پاس سوائے تعصب اور دشمنی کے اور کوئی وجہ جرح نہیں ملتی۔ یہ یحییٰ بن معینؒ کون ہیں اور کس درجے کے ہیں؟ حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں: علم رجال میں یہ ہم میں سے سب سے آگے ہیں اب ان کی توثیق کے مقابلے میں بھلا کس کی بات سنی جاسکتی ہے۔ آپؐ سے اگر روایات کم ہیں تو اس کی صرف یہ وجہ ہے کہ آپؐ کی شروط روایت بہت سخت تھیں۔

خطیب بغدادی یحییٰ بن معینؒ سے نقل کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حدیث نقل کرنے کے لیے یہ شرط تھی کہ وہ سننے کے بعد سے اسے براہِ ذہنی چاہیے۔ اگر یاد نہ رہے تو اس کو روایت کرنا آپؐ کے نزدیک درست نہ تھا۔

حضرت امام کے اقوان

جو لوگ حضرت امام کو اپنے وقت کے دیگر اہل علم سے جدا رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ یہ نہیں دیکھتے کہ حضرت امام قرون وسطیٰ تک صحابہ و تابعین کے علم کے اسی طرح وارث شمار ہوتے رہے ہیں جس طرح حضرت سفیان الثوری، امام اوزاعی، اور امام مالک وغیرہم من جبال اہل العلم اور آپ کا علم اسی درجہ میں سند سمجھا جاتا رہا ہے جس طرح ان حضرات کا — حافظ شمس الدین الذہبی (۷۴۸ھ) ایک جگہ علم منطق جدل اور حکمت یونان پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

لعمركن والله من علم الصحابة والتابعين ولا من علم الازاعى والثورى ومالك وابى حنيفة وابن ابى ذئب وشعبة ولا والله عرفها ابن المبارك ولا ابو يوسف ولا وكيع ولا ابن المهدى ولا ابن وهب ولا الشافعى ولا ولا عفان ولا ابو عبيد ولا ابن المدينى واحمد وابو ثور والمزنى والبخارى والاثرم ومسلم والنسائى وابن خزيمة وابن شريم وابن المنذر وامثالهم بل كانت علومهم القرآن والحديث والفقه والنحو وشبه ذلك

(ترجمہ) یہ علم بخدا صحابہ اور تابعین کے علوم میں سے نہیں نہ یہ اوزاعی، سفیان ثوری، امام مالک، امام ابو حنیفہ، ابن ابی ذئب اور امام شعبہ کے علوم میں سے ہیں۔ بخدا انہیں نہ عبداللہ بن مبارک نے جانا نہ امام ابو یوسف نے نہ امام وکیع نے نہ عبدالرحمن بن المہدی نے نہ ابن وہب نے اور نہ امام شافعی نے ان کچھ انصاف کیجئے اور دیکھئے کہ امت اسلامیہ نے جن جبال علم کو جنم دیا اور جن کے علم و فن پر یہ امت اب تک نازاں ہے کیا ان میں بلا کسی استثناء امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کا ذکر نہیں کیا جا رہا۔ ان حضرات نے اگر حدیث کم روایت کی ہے تو اس کی وجہ یہ تھی صالحین اولین کا ایک طبقہ یہ مسلک رکھتا تھا کہ زیادہ حدیث روایت نہ کی جائے، علامہ شعبی فرماتے ہیں:۔

كنا الصالحون الاولون الاكثار من الحديث

علامہ ذہبیؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں امام ابو حنیفہؒ کو کن ائمہ علم کے ساتھ برابر کا شریک کیا ہے
 سفیان الثوریؒ، امام مالکؒ اور اوزاعیؒ کے ساتھ اور یہ وہ حضرات ہیں کہ اگر کسی بات پر متفق ہو جائیں
 تو اس کا سنت ہونا از خود ثابت ہو جاتا ہے۔ گو اس کی سنیت پر کوئی نص موجود نہ ہو۔
 اسحق بن ابراہیمؒ کہتے ہیں:-

اذا اجتمع الثوری ومالك والوزاعی علی امر فهو سنة وان لم یکن فیہ نص۔ تذکرہ ص ۱۹۵
 اب آپ ہی اندازہ کریں کہ حضرت امامؒ کس درجہ کے ائمہ علم کے ساتھ برابر کی نسبت رکھتے
 تھے اور یہ کہ آپ کے اقران میں کون کون سے جہاں علم تھے۔

محدثین میں اہل الرائے

ائمہ حدیث میں اہل الرائے صرف وہی حضرات ہوئے جو مجتہد کے درجہ تک پہنچے نص صریح نہ ہونے
 کی صورت میں کسی مسئلہ میں رائے دینا کوئی معمولی کام نہ تھا۔ ابن قتیبہؒ نے معارف میں اصحاب الرائے
 کا عنوان قائم کر کے ان میں سفیان الثوریؒ، امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ کو بھی ذکر کیا ہے۔ سو اگر کسی نے
 امام ابو حنیفہؒ کو اہل الرائے میں لکھ دیا تو یہ ان کے مجتہدانہ مقام کا ایک علمی اعتراف ہے بحث ہونے کا انکار
 نہیں پھر ضرر حنفیہ کرام میں اہل الرائے نہیں حافظ محمد بن الحارث الحنسی نے قضاۃ قرطبہ میں مالکیہ کو بھی
 اصحاب الرائے میں ذکر کیا ہے۔ علامہ سلیمان بن عبد القوی الطوقی الحنبلی نے اصول جابلہ پر مختصر
 الروضہ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اس میں ہے:-

اعلم ان اصحاب الراى بحسب الاضافۃ هم کل من تصرف فی الاحکام بالراى
 فیتناول جمیع علماء الاسلام لان کل واحد من المجتہدین لا یتغنی فی اجتہادہ
 عن نظر وراى ولو بتحقیق المناط و تنقیصہ الذی لا نزاع فیہ۔

جان لو کہ اصحاب الرائے باعتبار اضافت تمام وہ علماء ہیں جو احکام میں فکر و راہ دیتے ہیں
 سو یہ لفظ تمام علماء اسلام کو شامل ہو گا کیوں کہ مجتہدین میں سے کوئی بھی اپنے اجتہاد میں نظر و راى سے
 مستغنی نہیں گو وہ تحقیق مناط سے ہو اور اس تنقیح سے جس میں اختلاف نہیں ہے۔

تدوین فقہ کے کام کو سرانجام دینے کے باعث حضرت امامؒ نے حدیث کا کوئی مجموعہ مرتب نہیں
 کیا لیکن فقہی مباحث کے ضمن میں بہت سی احادیث آپؒ نے اپنے تلامذہ کے سامنے روایت

کیں۔ آپ کی جو روایات آپ سے آگے آپ کے تلامذہ میں چلتی رہیں انہیں کھننگی نے جمع کیا ہے پھر ابوالموید محمد بن محمود الخوارزمی نے تمام مسانید کو ۶۲۵ھ میں یکجا جمع کیا۔ اسی مجموعہ کو مسند امام عظیم کہا جاتا ہے۔ اس کے لائق اعتماد ہونے کے لیے موسیٰ بن زکریا کھننگی کی ثقہ شخصیت کے علاوہ یہ بات بھی لائق غور ہے کہ عمدۃ المحدثین ملا علی قاریؒ جیسے اکابر نے اس مسند امام کی شرح لکھی ہے جو سند الانام کے نام سے معروف ہے اور علماء میں بے حد مقبول ہے۔

امام وکیع بن الجراح کی علمی منزلت اور فن حدیث میں مرکزی حیثیت اہل علم سے مخفی نہیں ہے صحیح بخاری اور صحیح مسلم آپ کی مرویات سے بھری پڑی ہیں۔ علم حدیث کے ایسے بالغ نظر علماء کا امام ابو حنیفہؒ سے حدیث سنا اور پھر ان کے اس قدر گرویدہ ہو جانا کہ انہی کے قول پر فتوے دینا حضرت امام کی علمی منزلت کی ناقابل انکار تاریخی شہادت ہے۔ حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ امام الجراح والتعذیل یحییٰ بن معین سے نقل کرتے ہیں:-

وکان (وکیع) یفتی برأی ابی حنیفۃ وکان یحفظ حدیثہ کلہ وکان قد سمع من ابی حنیفۃ حدیثاً کثیراً۔^۱

(ترجمہ) حضرت وکیع حضرت امام ابو حنیفہ کی فقہ کے مطابق فتوے دیتے تھے اور آپ کی روایت کردہ تمام احادیث یاد رکھتے تھے اور انہوں نے آپ سے بہت سی احادیث سنی تھیں۔

حافظ شمس الدین الذہبی (۷۴۸ھ) بھی وکیع کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:-

قال یحییٰ ما رأیت افضل منه یقوم اللیل ویسرد الصوم یفتی بقول ابی حنیفۃ۔^۲

وکیع جیسے حافظ الحدیث اور عظیم محدث کا آپ کی تقلید کرنا اور فقہ حنفی پر فتوے دینا حضرت امام کے مقام حدیث کی ایک کھلی شہادت ہے۔ پھر چند نہیں آپ نے ان سے کثیر احادیث سنی۔

علم حدیث اور علم فقہ کے علاوہ آپ کی کلام پر بھی گہری نظر تھی عراق کے کوئی اور بصری اعتقادی فتوے نے حضرت امام کو اس طرف بھی متوجہ کر دیا تھا۔ آپ نے محدثین کے مسلک پر رہتے ہوئے ان الحادی تحریکات کا خوب مقابلہ کیا۔ خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:-

”علم عقائد اور علم کلام میں لوگ ابو حنیفہ کے عیال اور خوشہ چیں ہیں۔“

علامہ ابن خلدونؒ لکھتے ہیں: واللہ امام ابوحنیفہؒ انما قلت روایتہ لما شد فی الروایۃ والعقل۔
ترجمہ: اور امام ابوحنیفہؒ کی روایات قلیل سیئیں ہیں کہ آپؒ روایت اور تحمل روایت کی شرطوں میں سختی کی ہے۔
بائیں ہمہ آپؒ کثیر الروایۃ تھے وکیح نے آپؒ سے کثیر احادیث سنی ہیں۔

حضرت امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ)

آپؒ محدث تھے اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ علامہ ذہبیؒ آپؒ کو شیخ الاسلام اور الحافظ لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آپؒ اس قابل تھے کہ آپؒ کو خلیفہ وقت بنایا جائے۔ امام ابوذرؒ (۲۸۱ھ) فرماتے ہیں کہ امام اوزاعیؒ سے دین اور فقہ کا بڑا ذخیرہ منقول ہے۔ آپؒ اہل شام کے مرجع اور مفتی اعظم تھے۔ مدتوں اہل شام میں آپؒ کی پیروی جاری رہی۔ امام ابن مہدیؒ کا بیان ہے کہ حدیث کے مرکزی امام چار ہیں جن میں امام اوزاعیؒ بھی شامل ہیں اور فرمایا کہ اہل شام میں ان سے بڑا سنت کا کوئی عالم نہ تھا۔ امام ابواسحق فزاریؒ کا بیان ہے کہ اگر تمام امت کے لئے خلیفہ انتخاب کرنے کا مجھے اختیار دیا جائے تو میں امام اوزاعیؒ کا انتخاب کروں گا۔ اہل شام کے ساتھ اہل اندلس میں بھی ایک عرصہ تک آپؒ کی تقلید جاری رہی۔ امیر اربعہؒ کی طرح آپؒ بھی اس وقت کے امام متبوع رہے۔ عبدالرحمن بن مہدیؒ اسی جہت سے کہا کرتے تھے کہ آپؒ امام فی السنۃ ہیں امام فی الحدیث نہیں۔ اس سے مراد ان کے محدث ہونے کا انکار نہ تھا۔ مطلب یہ تھا کہ آپؒ سنت قائمہ میں منسلک ہوئے اور امت کے ایک طبقہ میں آپؒ کی پیروی جاری ہوئی۔

حافظ ابن کثیرؒ آپؒ کو الامام الجلیل علامۃ الوقت اور فقیہ اہل الشام لکھتے ہیں۔ امام عبید اللہ بن عبد اللہؒ نے فرمایا کہ میں نے امام اوزاعیؒ سے بڑا عقلمند، پرہیزگار، عالم، فصیح، باوقار، حلیم اور خاموش طبع کوئی دوسرا نہیں دیکھا ہے۔

امام سفیان الثوریؒ (۱۶۱ھ)

آپؒ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ کوفہ حضرت عبداللہ بن مسعودؒ اور حضرت علیؒ کی آمد کے باعث علم کا

گہوارہ بنا ہوا تھا۔ گو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مندر نشین حضرت امام ابو حنیفہؒ ہوئے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اختلاف ائمہ میں اہل کوفہ کے الفاظ ان کو بھی شامل سمجھے جاتے ہیں صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں:

سفيان الثوري امام في الحديث وليس بامام في السنة والا ذاعى امام في

السنة وليس بامام في الحديث ومالك بن انس امام في جميعها۔^۱

آپؑ نے ایک مجموعہ حدیث بھی مرتب فرمایا تھا جس کا نام جامع سفيان ثوري تھا۔ یہ مجموعہ آپؑ نے کوفہ میں تحریر کیا تھا۔ فتح الباری وغیرہ میں جامع سفيان الثوري کا ذکر کئی جگہ ملتا ہے۔

عن ثابت الزاهد قال كان اذا اشكل على الثوري مسئلة قال ما يحسن

جوابها الا من حدنا به شرعيا ل عن اصحابه ويقول ما قال فيه

صاحبكم فيحفظ الجواب ثم يفتي به۔^۲

ثابت زاهد جو کہ امام سفيان ثوريؒ کے تلامذہ اور امام بخاریؒ اور امام ترمذیؒ کے اساتذہ ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب امام سفيان ثوريؒ کو کسی مسئلہ میں کوئی اشکال پیش آتا تو فرماتے کہ اس کا جواب بہتر طور پر وہی دے سکتا ہے جس پر ہم لوگ (یعنی تم لوگ) حسد کرتے ہیں یعنی امام ابو حنیفہؒ؟ پھر امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ سے پوچھتے کہ بتلاؤ تمہارے استاد اس بارہ میں کیا فرماتے ہیں اور پھر اس کو یاد رکھتے اور اسی کے مطابق فتوے دیتے تھے۔

اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ حدیث کا عالم فقط وہی نہیں جسے کہ حدیث کے الفاظ زیادہ یاد ہوں بلکہ حدیث کا اصل عالم اور امام وہی ہے۔ جو حدیث کے معانی اور اس کے حقائق و دقائق کو بخوبی سمجھتا ہو۔ اور حدیث کی حفاظت و خدمت کا جذبہ رکھتا ہو۔ امام ابو حنیفہؒ حدیث کے ائمہ قدر قابل تھے کہ حدیث ضعیف کو بھی دیاس پر مقدم رکھتے۔ الحدیث الضعیف احب الی من دای الرجال ان کا مشہور قول ہے کوفہ کے محدثین حدیث کے بغیر فقیہ بنا جرم سمجھتے تھے۔

وكان سفيان الثوري وابن عيينة وعبد الله بن سنان يقولون لو كان احدا قاضيا

لضربنا بالجريد فقيها لا يتعلم الحديث ومحمد بن لا يتعلم الفقه۔ لوائح الانوار ص ۳۶

(ترجمہ) سفيان ثوريؒ اور سفيان بن عيينہؒ اور عبد اللہ بن سنانؒ کہا کرتے تھے کہ اگر ہم

میں سے کوئی قاضی ہو جائے تو دو شخصوں کو ضرور کوڑے لگائیں۔ ایک وہ کہ خوفہ
 سیکھتا ہو اور حدیث کا علم حاصل نہ کرتا ہو اور ایک وہ جو حدیث پڑھتا ہو اور
 فقہ حاصل نہ کرتا ہو۔^{۱۰}

علامہ ذہبی نے امام ثوریؒ کو الامام شیخ الاسلام، سید الحفاظ اور الفقیہ لکھا ہے۔^{۱۱} امام شعبہ و
 ابن معینؒ اور ایک کثیر تعداد جماعت کہتی ہے کہ سفیانؒ فن حدیث میں امیر المؤمنین تھے۔ ابن مبارکؒ
 نے کہا کہ میں نے گیارہ سو شیوخ سے احادیث کی سماعت کی ہے جن میں سفیان ثوریؒ سے افضل
 کسی کو نہ پایا۔ امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ اس سرزمین پر کوئی بھی ایسا نہیں رہا کہ جس پر تمام امت متفق
 ہو۔ ہاں مگر حضرت سفیان ثوریؒ ایسے ضرور تھے۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ سفیان ثوریؒ احداثہ الاسلام
 اور عابد و متقہ اور احداثہ تابعین تھے۔ علامہ خطیبؒ لکھتے ہیں کہ وہ ائمہ مسلمین میں سے تھے۔ اور
 بڑے امام اور اعلام دین کے بہت بڑے علم تھے۔ سب کا ان کی امامت پر اتفاق ہے۔^{۱۲}
 امام سیوطیؒ لکھتے ہیں آپ کے مقلد پانچویں صدی کے بعد تک پائے جاتے رہے ہیں۔^{۱۳}

حضرت امام مالکؒ (۱۷۹ھ)

حضرت امام مالکؒ امام دارالہجرۃ کے نام سے معروف ہیں۔ حدیث کی خدمت میں آپؒ نے حدیث
 کی مشہور کتاب موطا تالیف کی۔ اس کتاب کو مرتب کرنے کے بعد نثر علماء کے سامنے پیش کیا گیا۔ تو
 سب نے موافقات (موافقت) ظاہر کی۔ اسی لیے اس کا نام موطا رکھا گیا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے قول کے مطابق موطا میں نثر سو کے قریب روایات ہیں جن میں
 سے ۶۰۰ مسند اور ۳۰۰ مرسل ہیں۔ بقایا فتاویٰ صحابہؓ اور اقوال تابعین ہیں۔ حضرت امام مالکؒ سے
 موطا پڑھنے والے حضرات میں امام شافعیؒ، یحییٰ بن یسویؒ اور امام محمدؒ کے اسماء سرفہرست ہیں۔ امام
 شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اصح الکتاب بعد کتاب اللہ الموطا۔ مگر یہ بات اس وقت کی ہے جب
 صحیح بخاری اور صحیح مسلم تالیف نہ ہوئی تھیں۔

۱۰ لوائح الانوار ص ۳۶ ۱۱ تذکرہ جلد ۱ ص ۱۹۱ ۱۲ ایضاً ص ۱۹۱ ۱۳ البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۳۲ ۱۴ بخاری جلد ۹ ص ۱۵۲
 تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۱۱۴ ۱۵ تدریب الراوی ص ۳۶

محدث نے الفاظ حدیث کی خدمت کی تو اس کا نام حافظ حدیث ہوا اور مجتہد نے معانی حدیث کی خدمت کی تو اس کا لقب عالم حدیث اور فقیہ ہوا۔ امام مالکؒ میں اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں خصوصیات ودیعت فرمائی تھیں کہ احادیث کا ذخیرہ بھی جمع کیا اور فقہ کے بھی امام ٹھہرے۔
 اخرج ابن ابی حاتم من طریق مالک بن انس عن ربیعۃ قال ان الله تبارک و تعالیٰ انزل الیکم الکتاب مفصلاً وترك فیه موضعاً للسنة وسن رسول الله صلی الله علیه وسلم وترك فیهما موضعاً للرأی^۱۔

(ترجمہ) امام مالکؒ امام ربیعہؒ سے نقل کرتے ہیں کہ ربیعہؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مفصل کتاب نازل فرمائی اور اس میں حدیث کے لئے جگہ چھوڑی اور اسنخفہؒ نے بہت سی باتیں حدیث میں بیان فرمائیں۔ اور قیاس کے لئے جگہ رکھی۔

الفاظ مقصود بالذات نہیں، مقصود اطاعت اور اتباع شریعت ہے اور یہ مقصد معانی کے سمجھنے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے مقصود بالذات معنی ہیں الفاظ نہیں الفاظ مقصود بالعرض ہیں۔

امام مالکؒ تبع تابعینؒ کے طبقہ میں تھے۔ آپؒ کے شیوخ و اساتذہ کی تعداد نو سو تھی جن میں تین سو تابعینؒ اور چھ سو تبع تابعینؒ تھے۔ امام شافعیؒ کا فرمان ہے کہ آپؒ کو اگر حدیث کے ایک ٹکڑے پر بھی شک پڑ جاتا تو پوری کی پوری ترک کر دیتے تھے۔ محدثینؒ کے نزدیک صحاح الاسانید میں بحث ہے مشہور ہے کہ جس کے راوی مالکؒ ناخفؒ سے اور نافعؒ ابن عمرؒ سے ہوں وہ اسناد سب سے صحیح ہے۔ لیثؒ، ابن مبارکؒ، امام شافعیؒ اور امام محمدؒ جیسے مشاہیر امت آپؒ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ اور ابن دہبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے مدینہ میں منادی سنی، کہ مدینہ میں ایک مالک بن انسؒ اور ابن ابی ذئبؒ کے سوا کوئی فتنے نہ دیا کرے۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام اسحاق بن ابراہیمؒ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ اگر امام مالکؒ امام اوزاعیؒ اور امام ثوریؒ کسی مسئلہ پر متفق ہو جائیں تو وہی مسئلہ حق اور سنت ہو گا اگرچہ اس میں نص نہ موجود ہو۔ ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ ثقہ، مامون، ثبت، متورع، فقیہ، عالم اور محبت ہیں۔ علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ امام مالکؒ الامام

۱۔ درمنثور للسيوطی ص ۱۰۰ تہذیب الاسماء للنووی ص ۱۰۰ ترجمان السنہ جلد ۲ ص ۲۴۲ مشاہیر امت ص ۲۹

ازقاری محمد طیب ص ۵۰ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۹۵ تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۵

الحافظ فقیہ الامت شیخ الاسلام اور امام دارالہجرت تھے۔ آپ کا مسلک زیادہ تر اُندلس و مغرب پہنچا۔ افریقی ممالک خصوصاً مغربی افریقہ میں زیادہ تر انہی کے مقلد ہیں۔ اس عیلات علم کے باوجود وہ امام ابو یوسف کے متقدّم تھے۔ نظر مالک فی کتب ابی حنیفہ و انتفاع بہما کما رواہ الدارودری وغیرہ۔
 سورہ حقیقت ہے کہ امام مالک کا امام ابو حنیفہ کی کتابوں کو دیکھنا اور ان سے نفع حاصل کرنا ثابت ہے۔

حضرت امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ)

الامام القاضی یعقوب ابو یوسفؒ کو فہم میں پیدا ہوئے۔ حدیث کے بہت بڑے عالم اور امام تھے۔ علامہ ذہبیؒ نے آپؒ کو حافظ حدیث میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معینؒ آپؒ کے تلامذہ میں سے تھے۔ آپؒ اپنے دورِ قضا میں ہر روز دو سو رکعت ادا فرمایا کرتے تھے۔ ابن خلکانؒ کہتے ہیں کہ یہ پہلے شخص ہیں جنہیں قاضی القضاۃ کا لقب دیا گیا۔ آپؒ امام ابو حنیفہؒ کے معروف تلامذہ میں سے تھے۔ سترہ سال آپؒ کے ساتھ رہے۔ سب سے پہلے اصول فقہ آپؒ نے ہی مرتب کیے۔ ابن خلکانؒ لکھتے ہیں۔

ولم یختلف یحییٰ بن معین و احمد بن حنبل و علی بن المدینی فی ثقہ فی النقل۔
 ترجمہ: نقل کے بارے میں یحییٰ بن معینؒ اور احمد بن حنبلؒ اور علی بن المدینیؒ کو آپؒ کی ثقاہت میں کوئی اختلاف نہ تھا۔

امام ابن عبد البرؒ امام طبریؒ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ فقیہ عالم اور حافظ تھے۔ پچاس ساٹھ تک احادیث وہ ایک ہی مجلس میں یاد کر لیا کرتے تھے اور وہ کثیر الحدیث تھے۔ علامہ ذہبیؒ کا کہنا ہے کہ ابو یوسفؒ حسن الحدیث ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ جب مجھے حدیث کا شوق پیدا ہوا تو سب سے پہلے امام ابو یوسفؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپؒ کس درجہ کے محدث تھے۔ علامہ عبدالقادرؒ (۵۶۹ھ) کہتے ہیں کہ مشرق و مغرب تک کی قضا ان کے سرِ دھتی۔ امام نسائیؒ آپؒ کو ثقہ لکھتے ہیں۔ امام بیہقیؒ نے بھی آپؒ کو ثقہ فرمایا ہے۔ امام مزنیؒ کا بیان

۱۔ تذکرہ جلد ۱ ص ۱۹۳ ۲۔ بتان الحدیث ص ۲۶ ۳۔ انتقار ص ۱۳ ۴۔ ترجمان السنۃ جلد ۲ ص ۲۵ ۵۔ انتقار ص ۱۶۲
 ۶۔ تلخیص المستدرک جلد ۱ ص ۲۴۶ ۷۔ بغدادی جلد ۱ ص ۲۵۵ ۸۔ الجواہر المصنیۃ جلد ۲ ص ۲۲۱
 ۹۔ کتاب الضعفاء، الصغیر ص ۸۴ ۱۰۔ السنن الکبریٰ جلد ۱ ص ۲۲۴

ہے کہ فقہار اور اصحابِ رائے میں ابو یوسفؒ سب سے زیادہ حدیث کی اتباع کرنے والے تھے امام ابن معینؒ آپؒ کو صاحبِ حدیث اور صاحبِ سنت کہتے ہیں۔ اور ان سے یہ بھی منقول ہے کہ اصحابِ رائے میں آپؒ سب سے زیادہ حدیثیں روایت کرنے والے تھے اور اثبت فی الحدیث تھے۔ علامہ ذہبیؒ نے آپؒ کو الامام العلامہ اور فقیہ العراقین لکھا ہے۔ امام ابن قتیبہؒ (۲۷۶ھ) بھی آپؒ کو صاحبِ سنت اور حافظ لکھتے ہیں۔ ہلال بن یحییٰؒ نے فرمایا کہ تفسیر و مغازی اور تاریخ عرب کے حافظ تھے اور فقہ تو آپؒ کے علوم کا ادنیٰ جز تھا۔ آپؒ نے اعمشؒ، ہشام بن عروہؒ، سلیمان تیمیؒ، ابواسحاق شیبانیؒ، یحییٰ بن سعید الانصاریؒ بھی احادیث روایت کیں۔ آپؒ نے مختلف علوم میں تصانیف کیں۔ ابن النذیم نے کتاب الفہرست میں ان کی مفصل فہرست لکھی ہے۔ کتاب الخراج آپؒ کی مشہور تصنیف ہے جو خلیفہ ہارون الرشید کے نام آپؒ کی چند تحریروں کا مجموعہ ہے۔ آپؒ کا ارشاد ہے:

”وَكُنْتُ رِبَاسًا مِلْتُ إِلَى الْحَدِيثِ فَكَانَ هُوَ الْبَصْرَ بِالْحَدِيثِ الصَّحِيحِ مِنِّي“

حضرت امام محمدؒ (۱۸۹ھ)

آپؒ امام ابو حنیفہؒ کے نہایت قابلِ اعتماد شاگرد تھے۔ بلکہ یوں کہئے کہ حضرت امامؒ کے علوم زیادہ تر آپؒ ہی کے ذریعہ پھیلے۔ آپؒ نے حضرت امامؒ کی وفات کے بعد مزید تکمیل امام ابو یوسفؒ سے کی اور اس کے بعد امام مالکؒ سے بھی موطا سنا۔ مگر جو عقیدت حضرت امامؒ سے ہو چکی تھی اس کے نقوش کسی دائرہ علم میں مٹ نہ سکے۔ ابو عبیدہؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام محمدؒ سے بڑھ کر قرآن کا عالم اور کوئی نہیں دیکھا۔ مشہور ہے کہ آپؒ نے علوم دینیہ میں ۹۹۰ کتب تصنیف کیں۔ امام شافعیؒ بھی آپؒ کے تلامذہ میں سے تھے حدیث کی مشہور کتاب، موطا امام محمدؒ، آپؒ ہی کے نام سے معنون ہے۔ اس کی محدث کبیر طاعلی قاریؒ نے مبسوط شرح لکھی ہے۔ حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے التعلیق المجدد کے نام سے اس پر ایک مبسوط

۱۸ الباری والنہایہ جلد ۱ ص ۱۸ ۲ تذکرہ جلد ۱ ص ۲۷ ۳ تذکرہ جلد ۱ ص ۲۹ ۴ معارف ابن قتیبہ ص ۱۶

۵ ترجمان السنہ جلد ۱ ص ۲۹ ۶ سیرت النعمان ص ۱۶ ۷ مقدمہ اعطاء السنن ص ۲ - ۳ نقلاً عن ابن

حجر المکی ص ۲۵ الفوائد البیہ و ترجمان السنہ جلد ۱ ص ۲۵

حاشیہ لکھا ہے۔ موطا امام مالکؒ اور موطا امام محمدؒ ہر دو کتب آج بھی دینی مدارس میں دورہ حدیث میں پڑھائی جاتی ہیں۔ امام شافعیؒ کا قول مشہور ہے کہ میں نے امام محمدؒ سے بقدر ایک اونٹ کی کتابوں کے علم حاصل کیا۔ امام بخاریؒ کے استاد یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جامع صغیر خود امام محمدؒ سے لے کر لکھی ہے جو ان کی مشہور تصنیف ہے۔ امام حربیؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا کہ آپؒ یہ مسائل دقیقہ کہاں سے بیان فرماتے ہیں تو کہا کہ امام محمدؒ کی کتب سے۔ امام محمدؒ نے مسعر بن کدامؒ ہفیان ثوریؒ مالک بن دینارؒ اور امام اوزاعیؒ وغیرہ حضراتؒ بھی احادیث روایت کیں۔ امام محمدؒ کی شہرت زیادہ تر فقہ میں ہے۔ مگر وہ تفسیر، حدیث اور ادب میں بھی اجتہاد کا درجہ رکھتے ہیں۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے تیس ہزار درہم ترکہ میں چھوڑے تھے۔ پندرہ ہزار میں نے نحو، شعر اور ادب پر خرچ کیے اور پندرہ ہزار فقہ و حدیث کی تعلیم پر صرف کیے۔ امام دارقطنیؒ (۳۸۵ھ) آپؒ کو ثقات اور حفاظ حدیث میں شمار کرتے ہوئے ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ یہ حدیث بیس عدد ثقات اور حفاظ حدیث نے بیان کی ہے جن میں امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ، یحییٰ بن سعید القطانؒ، عبد اللہ بن المبارکؒ، عبد الرحمن بن مہدیؒ اور ابن وہبؒ وغیرہ شامل ہیں۔

حضرت امام شافعیؒ (۲۰۴ھ)

امام محمد بن ادریس الشافعیؒ کی پرورش انتہائی نامساعد حالات اور تنگدستی میں ہوئی۔ بسا اوقات آپؒ کو علمی یا دواشتوں کو تحریر کرنے کے لئے کاغذ بھی میسر نہ آتا تھا۔ آپؒ جانوروں کی ہڈیوں پر بھی لکھ لیتے تھے۔ تیرہ سال کی عمر میں امام مالکؒ کی خدمت میں پہنچے۔ موطا حفظ کر چکے تھے۔ دوسرے سال عراق چلے گئے۔ آپؒ کو پندرہ سال کی عمر میں آپؒ کے شیخ مسلم بن خالدؒ نے فتوے نویسی کی اجازت دے دی تھی۔ علم حدیث و فقہ اور تفسیر و ادب میں کمال حاصل کیا۔ امام نوویؒ نے شرح مہذب میں لکھا ہے کہ امام عبد الرحمن بن مہدیؒ کے فرمانے پر آپؒ نے اصول فقہ پر، الرسالة، تحریر کیا۔ آپؒ کو اصول فقہ کا موسس کہا جاتا ہے۔ فقہ میں آپؒ صرف صحیح احادیث کو لیتے اور ضعیف کو ترک کر دیتے۔ آپؒ کی تصنیف کتاب الام اور الرسالة آج بھی دستیاب ہیں۔

وقال الزعفرانی کان اصحاب الحدیث رقدوا حتی یقظهم الشافعی وقال
 ربیع بن سلیمان کان اصحاب الحدیث لا یعرفون تفسیر الحدیث حتی جاء الشافعی
 (ترجمہ) زعفرانی کہتے ہیں کہ اصحاب حدیث بخواب تھے۔ امام شافعیؒ نے آکر
 انہیں بیدار کیا یعنی معانی اور فقہ کی طرف متوجہ کیا ربیع بن سلیمانؒ کہتے ہیں کہ
 اصحاب حدیث تفسیر اور شرح سے واقف نہ تھے امام شافعیؒ نے اگر حدیث
 کے معانی سمجھائے۔

علامہ ذہبیؒ آپؒ کی تعریف یوں کرتے ہیں :-
 الامام العلم، حبر الامت و ناصر السنة۔^۱

اوپنچے درجہ کے امام۔ امت کے عالم اور سنت کے مددگار تھے۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں اگر امام شافعیؒ نہ ہوتے تو میں حدیث کے نسخ و منسوخ کو ہرگز نہ پہنچتا
 ان کی مجلس میں بیٹھنے سے مجھ کو یہ سب کچھ حاصل ہوتا۔ علماء کا آپؒ کی ثقایت و عبادت اور نزاہت
 و امانت اور زہد و ورع پر اتفاق ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ امام شافعیؒ جب بغداد تشریف
 لائے تو امام احمد بن حنبلؒ نے اس حلقہ درس کو چھوڑ دیا جس میں یحییٰ بن معینؒ اور ان کے معاصرین
 شریک ہوتے تھے اور امام شافعیؒ کی صحبت اختیار کی حتیٰ کہ اگر امام شافعیؒ کہیں جاتے تو امام احمدؒ
 ان کی سواری کے ساتھ ساتھ چلتے یحییٰ بن معینؒ کو یہ ناگوار گزرا اور کہلا بھیجا کہ یہ طریقہ ترک کر دیں۔
 امام احمد بن حنبلؒ نے کہلا بھیجا کہ اگر فقہ (مفہوم حدیث) سمجھنا چاہتے ہو تو امام شافعیؒ کی سواری کی دم
 پکڑ کر چلو۔ آپؒ کے خادم نبویؒ آپؒ فقہ و حدیث کے امام اور جلیل القدر عالم ہونے کے ساتھ ساتھ
 سخی بھی تھے۔ بقول حمیدیؒ آپؒ ایک مرتبہ صنعاء سے تشریف لائے خیمہ مکہ سے باہر لگا ہوا تھا۔ اور
 آپؒ کے پاس دس ہزار دینار تھے۔ لوگ آپؒ کی ملاقات کے لیے آتے تھے تو آپؒ ان میں تقسیم
 فرماتے۔ یہاں تک دس ہزار دینار اسی جگہ تقسیم کر دیے۔^۲

شروع شروع میں تحقیق اسناد پر آپؒ کی توجہ زیادہ تھی۔ ان کے ہاں حدیث کی قبولیت کا

^۱ توالی التالیس للما فیہ ابن حجر ص ۵۹ تذکرہ جلد ۳۲۹ ص ۳۲۹ مشاہیر امت از قاری محمد طیب صاحب ص ۱۵۰

^۲ توالی التالیس (ابن حجر) ص ۵۵ ترجمان السنۃ جلد ۲ ص ۲۲۶

معیار اس کی صحت سند تھا۔ استفادہ عمل کو کچھ نہ سمجھتے تھے۔ لیکن آخری دور میں آپ بھی اس طرف پلٹے۔ جو امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا نظریہ تھا کہ تو اتر عمل کے ہوتے ہوئے اسناد کی ضرورت نہیں رہتی۔ میں رکعت تراویح کے ثبوت میں ان کے پاس کوئی صحیح حدیث نہ تھی۔ آپ نے یہاں اہل مکہ کے عملی استفادہ سے استدلال کیا۔ امام ترمذیؒ لکھتے ہیں:-

دَقَالَ الشَّافِعِيُّ وَهَكَذَا ادَّكَتْ بِلَدْنَاهُمْكَ يَصْلُحُ عَشْرِينَ رَكْعَةً
ترجمہ:- اور امام شافعیؒ نے کہا اور اسی طرح پایا ہم نے شہر مکہ میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھتے ہی۔
اس فکری تبدیلی کے باعث بہت سے مسائل میں آپ کے دو قول ملتے ہیں قول قدیم اور قول جدید۔ اور فقہار شافعیہ میں اس کی بحث رہی ہے۔

امام شافعیؒ کے تفردات

کبھی آپؒ اپنی تحقیق میں سب ائمہ کو پیچھے چھوڑ دیتے ہیں۔ ان مسائل کو آپ کے تفردات کہا جاتا ہے۔ فاسخ خلف الامام کو فرض سمجھنے میں آپؒ دوسرے سب اماموں سے علیحدہ ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ امام کے پیچھے فاسخ پڑھنے کے قائل تھے۔ مگر اسے فرض نہ سمجھتے تھے۔ ائمہ اربعہ میں سے تین امام امام کے پیچھے سورۃ فاسخ پڑھنے کو فرض نہیں کہتے۔ امام شافعیؒ اس مسئلہ میں سب سے علیحدہ ہیں اس طرح آپؒ کے کچھ اور تفردات بھی ہیں۔

مسئلہ طلاق میں آپؒ جمہور امت کے ساتھ ہی منفرد نہیں۔ آپؒ ایک مجلس میں تین دفعہ دی گئی طلاق کو تین طلاق قرار دیتے تھے۔ آپؒ کے متقدمین کو بھی اس مسئلہ میں کبھی اختلاف نہیں ہوا۔ ایک مجلس میں تین دفعہ دی گئی طلاق کو سنت کے خلاف ہے طلاق بدعت ہے۔ لیکن اس کے واقع ہو جانے میں ائمہ اربعہ کا اختلاف نہیں۔

حضرت امام نووی شافعیؒ لکھتے ہیں:-

وَقَدْ اخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِيمَنْ قَالَ لَامْرَأَتِهِ انْتَ طَالِقٌ ثَلَاثًا فَقَالَ الشَّافِعِيُّ وَمَالِكٌ وَابُو حَنِيفَةَ وَاحِدٌ وَجَمَاعَةٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ مِنَ السَّلَفِ وَالْخَلْفِ يَقَعُ الثَّلَاثُ -

سویہ کہنا کسی طرح درست نہیں کہ مسئلہ طلاق میں آپؐ دوسرے ائمہ سے منفرد تھے اور ان کا طریقہ موجودہ دور کے غیر مقلد حضرات کا سا تھا۔

آپؐ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا بہت احترام کرتے۔ دل و دماغ سے ان کی عبلاست علمی کا اعتراف کرتے۔ ایک دفعہ حضرت امامؒ کی مسجد میں نماز پڑھی تو رکوع کے وقت رفع یدین نہ کیا۔ لوگوں نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ حضرت امامؒ کا علمی رعب میرے دل پر چھا گیا تھا۔ احترام اکابر کی اس سے بڑی دشمن مثال اور کیا ہوگی۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ)

اپنے زمانہ کے متفق علیہ امام اور جلیل القدر محدث تھے۔ علی بن المدینیؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے دین کو دو اشخاص کے ذریعے عزت نصیب فرمائی۔ پہلے شخص فتنہ ارتداد کے وقت حضرت ابو بکر صدیقؓ تھے۔ دوسرے فتنہ خلقِ قرآن کے وقت حضرت امام احمد بن حنبلؒ تھے۔ امام احمدؒ امام المحدثین تھے۔ بخاریؒ سلمؒ اور ابوداؤد سب حضراتؒ آپؒ کے تلامذہ ہیں۔ آپؒ صاحبِ مذہب ہیں۔ آپؒ کی فقہ حنبلی کے نام سے موسوم ہے۔ آپؒ کو ایک لاکھ کے قریب احادیث یاد تھیں۔ آپؒ کی مسند احمد میں بہت سی وہ احادیث جمع ہیں جو دوسرے محدثین کے ہاں نہیں ملتیں۔ ثابت قدمی، حق گوئی اور اتباع سنت میں اپنی مثال آپ تھے۔ یہ آپؒ کا استقلال ہی تھا کہ فتنہ خلقِ قرآن میں روزانہ کوٹے رکھاتے مگر خلقِ قرآن کا اقرار ہرگز نہ کرتے۔ جب انتقال ہوا تو آٹھ لاکھ مرد اور ساٹھ ہزار عورتیں جنازہ میں شریک ہوئیں۔ حنبل بن اسحق جو امام احمدؒ کے بھتیجے ہیں انہوں نے امام احمدؒ سے نقل کیا ہے کہ آپؒ نے مسند احمد سات لاکھ سے زیادہ ذخیرہ احادیث سے منتخب کی ہے۔

علامہ خطیب بغدادیؒ (۴۶۳ھ) اپنی سند کے ساتھ احمد بن محمد بن خالد البراثیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ہماری موجودگی میں ایک شخص امام احمد بن حنبلؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے حلال

۱۔ نووی شرح مسلم جلد ۱ ص

وحرام کے ایک مسئلے کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے کہا خدا تجھ پر رحم کرے کسی اور سے پوچھ لے۔ سائل نے کہا حضرت ہم تو آپ ہی سے اس کا جواب سننا چاہتے ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا۔
سل عافاك الله غير ناسل الفقهاء سل ابا ثورؒ

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ تجھے عافیت سے رکھے کسی اور سے پوچھ لے۔ فقہار سے پوچھ ابو ثور سے پوچھ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ پر حدیث کا غلبہ تھا۔ فقہ میں آپ دوسرے ائمہ کی طرف رجوع کرنے کی تعلیم دیتے تھے۔ آپ سرخیل محدثین اور مقتدلئے ملت ہیں اور اہلسنت کے امام ہیں۔ مگر سائل کے بارے میں کس قدر احتیاط سے چلتے ہیں کہ دوسرے فقہار کا راستہ دکھاتے ہیں۔ اور خود قوت لے دینے سے حتی الوسع احتراز کرتے ہیں۔ آپ فقہار کی طرف رجوع کرنے کا اس لیے حکم دیتے کہ فقہار قرآن و حدیث کے مطابق ہی مسائل کا استنباط کرتے ہیں۔ علامہ ذہبیؒ امام احمدؒ کی تعریف ان الفاظ سے کرتے ہیں۔ شیخ الاسلام، سید المسلمین، الحافظ، اور الحجۃ امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے بغداد میں امام احمدؒ سے بڑا کوئی نہیں دیکھا۔ محدث ابراہیم حربیؒ کہا کرتے تھے کہ امام احمد بن حنبلؒ میں اللہ تعالیٰ نے اولین و آخرین کے علوم جمع کر دیئے تھے۔

حضرت امام احمدؒ کا نظریہ حدیث

حضرت امام احمد بن حنبلؒ آثار صحابہؓ کو اپنے لیے حجت اور سند سمجھتے تھے۔ آپ کا عقیدہ تھا کہ صحابہؓ آسمان ہدایت کے روشن ستارے ہیں۔ امت پر ان کی پیروی لازم ہے۔ صحابی کی بات کو حجت تسلیم کرنے میں آپ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہیں۔ حافظ ابن عبد البر مالکیؒ (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں۔

قال ابو عمرو جعل للصحابۃ فی ذلك مالم يجعل لغيرهم واطنہ مال الی ظاہر حدیث صحابی کا نجوم واللہ اعلم والی نحو هذا کان احمد بن حنبل ینفذہ۔

(ترجمہ) امام ابو حنیفہؒ نے صحابہ کے لیے وہ درجہ مانا ہے جو دوسرا دیوں کے لیے نہیں آپ حدیث صحابی کا نجوم کے ظاہر کی طرف مائل ہیں امام احمدؒ کی بھی یہی رائے تھی۔

۱۔ بغدادی جلد ۶ ص ۶۲ تذکرہ جلد ۲ ص ۱۹۱ تذکرہ جلد ۲ ص ۱۹۱ البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۳۳ تذکرہ جلد ۲ ص ۱۹۱
۲۔ جامع بیان العلم جلد ۲ ص ۱۹۵

اسی اصول پر آپ کا موقف یہ تھا کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے۔ کیونکہ حضور کے صحابی حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ پوری صراحت سے فرما چکے ہیں کہ سورۃ فاتحہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی مگر امام کے پیچھے آپ ہی سوچیں کہ صحابی کا اس قدر صریح فیصلہ کیا نظر انداز کیا جاسکتا ہے؟

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی طرح حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا موقف بھی یہی ہے کہ حدیث ضعیف کو اپنے قیاس اور اجتہاد پر مقدم کرنا چاہیے۔ ضعیف حدیث کو کلیۃً نظر انداز کر دینا قطعاً صحیح نہیں جب کسی موضوع پر صحیح حدیث نہ ملے تو وہاں ضعیف حدیث کو ہی لے لینا چاہیے۔ حضرت امام اعظمؒ اور حضرت امام احمدؒ کا مسک اس باب میں ایک ہے۔ عاقل ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) لکھتے ہیں:-

تقديم الحديث الضعيف واثار الصحابة على القياس والراي قوله وقول احمدؒ

ترجمہ: ضعیف حدیث اور آثار صحابہ کو قیاس اور رائے پر مقدم کرنا امام ابو حنیفہؒ

کا مذہب ہے اور یہی قول امام احمدؒ کا ہے۔

صحابہ کی پیروی سے جو فقہ مرتب ہوئی اللہ تعالیٰ اسے بڑی قبولیت سے نوازتے رہے۔

نوٹ میں تاریخ اسلامی میں حکومتی سطح پر زیادہ تر وہی فقہ نافذ العمل رہی ہیں فقہ حنفی اور

فقہ حنبلی۔ دورِ اول میں قاضی القضاۃ حضرت امام ابو یوسفؒ تھے۔ اس دور میں سعودی عرب کو اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق بخشی ہے کہ انہوں نے اللہ کی حدود قائم کیں اور فقہ حنبلی کے مطابق فیصلے کیے۔

جن حضرات کا ہم نے یہاں تذکرہ کیا وہ سب ائمہ حدیث تھے۔ ائمہ حدیث میں صرف وہی حضرات شامل نہیں ہوتے جو کہ صرف روایات کو اسانید اور مختلف طرق سے بیان کر سکیں بلکہ وہ بھی ائمہ حدیث ہوتے ہیں جو حدیث کی کسی بھی نوع کی خدمت کریں۔ خواہ اسناد بیان کریں، خواہ مسائل کا استنباط کریں اور علماء کا اس پر اجماع ہے۔

صاحب کنز العمال لکھتے ہیں:-

حضرت صدیق اکبرؓ کو کوئی مسئلہ پیش آتا تو اہل الرائے اور اہل الفقہ کو مشورہ کے لیے بلاتے۔ مہاجرینؓ و انصار میں سے اہل علم کو بلاتے۔ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ،

حضرت علیؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کو بلاتے یہی لوگ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں فتوے دیا کرتے تھے۔ پھر حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے وہ بھی انہی حضرات سے مشورہ لیا کرتے تھے اور فتوے کا مدار انہی حضرات پر تھا۔

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ علماء حدیث سب صحابہ کرام تھے۔ مگر اہل الرائے اور اہل الفقہ صرف فقہاء صحابہؓ ہی تھے۔ فقہ حدیث سے جدا کوئی چیز نہ تھی۔ یہ حدیث کی ہی تفسیر ہوتی تھی۔ اسے محض رائے سمجھ لینا بہت بڑی غلطی ہے۔ سوید بن نصرؓ جو کہ امام ترمذیؒ اور امام نسائیؒ کے شیوخ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مبارکؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے۔

لا تقولوا رأی ابو حنیفۃ ولكن قولوا تفسیر الحدیث۔^۱

(ترجمہ) یہ نہ کہا کرو ابو حنیفہ کی رائے بلکہ کہو یہ حدیث کی شرح اور تفسیر ہے۔

فقہ حدیث سے الگ کوئی چیز نہیں فقہ کے مفاد ذہن بنانا خود حدیث سے بدگمان کرنا ہے لفظ رائے یہ فقہی استنباط کا ہی دوسرا نام ہے۔ اجتہاد رائے سے ہی تو ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے تاحیٰ شرح کر لکھا تھا۔ فاخترای الامرین شئت ان شئت ان تجتهدا برأیک۔^۲

ترجمہ۔ انا دو کاموں میں سے جس کو چاہے اختیار کر لے چاہے تو اپنی رائے سے اجتہاد کر لینا۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے اس کے ساتھ دوسرے مجتہدین سے معلوم کر لینے کی بھی تعلیم دی ہے۔ فارع اهل الراي ثم اجتمعوا واختار لنفسك ولا حرج۔ دوسرے اہل الرائے سے بھی پوچھ لینا پھر اجتہاد کرنا اور اپنا موقف اختیار کرنا اور اس میں کوئی حرج نہیں۔

صحابہ میں حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت ابوالدرداءؓ حضرت زید بن ثابتؓ حضرت عبداللہ عباسؓ اور مغیرہ بن شعبہؓ سب اہل الرائے تھے۔

۱۔ کنز العمال جلد ۲ ص ۱۳۲ ۲۔ کتاب المناقب للموفق جلد ۲ ص ۵۵ ۳۔ سنن دارمی جلد ۱ ص ۶
سنن کبریٰ بیہقی جلد ۱ ص ۱۱۵ ۴۔ ایضاً ص ۵۹ مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۳۲ ۵۔ میزان کبریٰ للشیرازی جلد ۱ ص ۴۹
۶۔ شرح فقہ اکبر ص ۵۹ مستدرک جلد ۱ ص ۱۱۵ ۷۔ سنن بیہقی جلد ۱ ص ۱۱۵ ۸۔ مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۳۲

اُممہ جرح و تعدیل

ائمہ حدیث کی وہ جماعت جس نے روادۃ حدیث کی جاپنچ پڑتال پر زیادہ توجہ کی اور ان کا موضوع زیادہ تر راویوں کے حالات معلوم کرنا اور ان کے صدق و کذب اور حفظ و ضبط کی دریافت رہا۔ وہ علم حدیث کے بڑے محسنین ہیں۔ ان میں سے ہم یہاں حضرت امام شعبہؒ (۱۶۰ھ) حضرت سفیان الثوریؒ (۱۶۱ھ) امام مالکؒ (۱۷۹ھ) حضرت امام عبداللہ بن مبارکؒ (۱۸۱ھ) حضرت امام وکیع بن الجراحؒ (۱۹۷ھ) حضرت عبدالرحمن بن مہدیؒ (۱۹۸ھ) حضرت یحییٰ بن سعید القطانؒ (۱۹۸ھ) امام سفیان بن عیینہؒ (۱۹۸ھ) امام یحییٰ بن معینؒ (۲۳۳ھ) امام علی بن المدینیؒ (۲۳۴ھ) اور امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) کا ذکر کریں گے۔

ان میں سے حضرت امام سفیان الثوریؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا ذکر ائمہ اصول (ائمہ مجتہدین) کے ذیل میں آچکا ہے۔ باقی آٹھ بزرگوں کا ترجمہ یہاں ملاحظہ کیجئے۔ یہ صحیح ہے کہ امام دارمیؒ (۲۵۵ھ) امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) امام نسائیؒ (۳۰۳ھ) بھی جرح و تعدیل میں بہت اہم شخصیتیں ہیں لیکن ان کے تذکرے چونکہ ائمہ تالیف کے ذیل میں آرہے ہیں۔ اس لئے ہم یہاں ان کا ذکر نہ کریں گے۔ ان کے علاوہ بھی بہت شخصیات ہیں جنہوں نے جرح و تعدیل میں نمایاں کام کیا اور ان کی آراء کتب اسماء الرجال میں مذکور ہیں لیکن اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم انہی بزرگوں کے تراجم پر اکتفا کرتے ہیں۔

① امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ بن الحجاج (۱۶۰) نزیل البصرہ ومحدثہا

ان کی وجہ سے عراق میں میں علم حدیث بہت پھیلا۔ شیخ صالح بن محمد جزیرہ کہتے ہیں کہ اسماء
الرجال میں سب سے پہلے شعبہ نے کلام کیا۔ پھر یحییٰ بن سعید القطان نے پھر امام احمد اور یحییٰ بن محیی
نے۔۔۔۔۔ سو یہ چار حضرات اس فن کے عمائدین میں سے ہیں۔ آپ نے ثابت بنانی، حماد بن

ابی سلیمان، عمار، معاویہ بن قرہ، عمر بن مرہ، حکم، سلمہ بن کہیل، انس بن سیرین، یحییٰ بن ابی کثیر اور حضرت قتادہ سے حدیث سنی، آپ نے چار سو کے قریب تابعین سے روایت لی ہے آپ سے حضرت سفیان الثوری، ایوب السخیتی اور حضرت عبداللہ ابن مبارک جیسے اکابر نے حدیث پڑھی۔ امام سفیان الثوری آپ کو امیر المؤمنین فی الحدیث کہتے تھے۔ امام احمد فرماتے ہیں: آپ فن رجال اور حدیث کی معرفت میں فردِ کامل تھے۔ ابن المدینی کہتے ہیں: شعبہ احفظ للمشاخ و سفیان احفظ للابواب۔ سلیمان بن ابی اسحاق کہتے ہیں:-

منشأ شعبۃ واسطو علی کافی۔ شعبہ نے پرورش واسط میں پائی اور علم کوفہ میں پایا۔
اس سے پتہ چلتا ہے کہ کوفہ کس طرح علم حدیث کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا۔

② حضرت امام عبداللہ بن المبارک (۱۸۱ھ)

علامہ ذہبی کہتے ہیں: الامام الحافظ العلامة شیخ الاسلام فخر المجاہدین قدوة الزاہدین۔ ایک ہزار اساتذہ سے روایت لی۔ ابواسامہ کہتے ہیں: امیر المؤمنین فی الحدیث آپ کے تلامذہ کی متفقہ رائے آپ کے بارے میں یہ تھی:-

جمع بین العلم والفقہ والادب والنحو والفقہ والزہد والشجاعة والشعر
والفصاحة وقيام الليل والعبادة والحج والغزو۔

ابن سعد آپ کو مقتدار، الحجہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں۔ امام نسائی فرماتے ہیں:-

”ابن المبارک کے زمانہ میں ان سے زیادہ علیل القدر، بلند مرتبہ اور تمام بہترین خصال کا جامع ہمارے علم میں نہیں گزرا۔“

حضرت امام ابو حنیفہ کے شاگرد تھے۔ اس جلالت شان کے باوجود بر ملا فرماتے:-

ہم امام ابو حنیفہ کے سامنے بیٹھتے تو اس طرح محسوس کرتے جیسے چڑیاں باز کے سامنے بیٹھی ہوں۔ حضرت امام نووی لکھتے ہیں: کہ ان کی امامت اور جلالت پر سب کا اتفاق ہے۔ وہ تمام

۱۔ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۸۴ ۲۔ ایضاً ص ۲۵۳ ۳۔ علم سے مراد ان دنوں علم حدیث لیا جاتا تھا ۴۔ تذکرہ جلد ۲ ص ۲۵۴

۵۔ تہذیب الاسما جلد ۱ ص ۲۸۵

③ امام ویسح بن الجراح (د ۱۹۷۱ھ) الامام الحافظ محدث العراق

ما كان بالكوفة في زمان وكيع اتفقه ولا اعلم بالحديث منه ^{له}

ما رأيت عيني مثل وكيع قط يحفظ الحديث ويذاكر الفقه ^{هـ}.

امام احمدؒ کو اُن کی شاگردی پر بڑا ناز تھا جب ان سے حدیث روایت کرتے تو فرماتے کہ یہ حدیث مجھ سے اس شخص نے روایت کی کہ تمہاری آنکھوں نے اس کی مثل نہ دیکھا ہوگا بحی بن اکثمؒ کہتے ہیں کہ میں سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہا۔ ہمیشہ روزہ رکھتے اور ہر رات قرآن ختم کرتے

④ عبد الرحمن بن المهدي (۱۹۸ھ)

علمی بن المدینیؒ کہتے ہیں۔ عبدالرحمن بن المہدیؒ کا علم حدیث جاؤ اثر تھا۔ اسماعیل قاضیؒ کہتے

میں آپ علم حدیث میں اعلم الناس تھے۔ آپ نے معاویہ بن صالح، شعبہ، سفیان سے حدیث سنی۔ امام احمد اور علی بن المدینی اور اسحق بن راہویہ آپ کے شاگرد تھے۔ امام احمد کہتے ہیں کہ عبد الرحمنؒ حضرت دیکھنے سے اثبت تھے۔

علی بن المدینیؒ کہتے ہیں۔ اگر میں مقام ابراہیم اور حجر اسود کے باہن کھڑا ہوں تو حلف اٹھا سکتا ہوں کہ میں نے کسی کو عبد الرحمنؒ کی مثل نہیں دیکھا۔ فقہار سبعہ کے اقوال کو جاننے میں امام زہری اور امام مالک کے بعد عبد الرحمنؒ ہی تو ہیں۔ آپ صرف محدث ہی نہیں بلند پایہ فقیہ بھی تھے۔ فتوے دینے کی پوری بصیرت رکھتے تھے۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں :-
کان عبد الرحمن فقیہاً بصيراً بالفتویٰ عظیم الشانؒ

اس واضح ہے کہ ان دنوں علم حدیث اور علم فقہ ساتھ ساتھ چلتے تھے اور کسی حلقہ علم میں یہ نہ کہا جاتا تھا کہ حدیث کے ہوتے ہوئے فقہ کی کیا ضرورت ہے؟

⑤ حضرت یحییٰ بن سعید القطانؒ (۱۹۸ھ)

امام نسائیؒ کہتے ہیں۔ "اللہ کی طرف سے حدیث رسول کے این تین حضرات ہی ہیں۔ ۱۔ امام مالک۔ ۲۔ شعبہ۔ ۳۔ یحییٰ بن سعید القطان۔ آپ نے ہشام بن عروہ، عطاء بن السائب، سلیمان التیمی، یحییٰ بن سعید الانصاری اور اعلمش سے حدیث پڑھی۔ آپ سے حضرت عبد الرحمن بن المہدی، اور امام احمد نے روایات لیں۔ صحاح ستہ والوں نے آپ سے احادیث روایت کی ہیں۔ علی بن المدینی کہتے ہیں۔ ما رأیت احداً اعلم بالرجال منہؒ

(ترجمہ) میں نے اسماء الرجال کا عالم ان سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا۔
رداء کی تحقیق میں اس قدر کمال تھا کہ بڑے بڑے ائمہ حدیث کہتے جس کو یحییٰ چھوڑ دیں گے اس کو ہم بھی چھوڑ دیں گے۔ فقہی مسائل میں خفی تھے اور امام ابو حنیفہ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔
حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں :- کان یحیی القطان یفتی بقول ابی حنیفہؒ
یحییٰ بن سعید القطانؒ امام ابو حنیفہؒ کے قول پر فتوے دیتے تھے۔

حافظ ذہبیؒ نے آپ کو الامام العلم سید الحفاظ کے القاب سے ذکر کیا کرتے تھے۔ فقہ میں اتنے ماہر اور بالغ النظر تھے کہ جب کسی مسئلہ پر کلام کرتے تمام فقہاء احترام سے خاموش ہو جاتے۔ ابن عمار کہتے ہیں۔ اذاتکلموا نصت له الفقهاء۔ حدیث میں یہ مقام تھا کہ امام احمدؒ کہا کرتے تھے۔

یحيى القطان اثبت الناس وما كتبت عن احد مثله۔

(ترجمہ) یحییٰ بن سعید القطان حدیث میں سب سے زیادہ پختہ ہیں میں نے جس سے

بھی حدیث لکھی اُن جیسا کوئی نہ پایا۔

حدیث میں اتنے بڑے جلیل القدر امام کا حنفی المذہب ہونا اس بات کی قوی شہادت ہے کہ حنفی فقہ حدیث کے بہت قریب ہے۔ ورنہ اتنے بڑے بڑے ائمہ فرائض امام کے قول پر فیصلے نہ دیتے۔

④ حضرت سفیان بن عیینہؒ (۱۹۸ھ)

ابن المدینیؒ کہتے ہیں امام زہریؒ (۱۲۴ھ) سے جس قدر لوگوں نے حدیث پڑھی۔ اُن میں سفیان بن عیینہؒ سے زیادہ متقن اور سچتہ فہم کوئی نہ تھا۔ آپ نے عمرو بن دینارؒ، زہریؒ، اسود بن قیسؒ، یزید بن اسلمؒ، عبداللہ بن دینارؒ، اعمشؒ اور شعبہؒ سے حدیث سنی اور آپ سے عبدالرحمن بن المہدیؒ، حضرت امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام یحییٰ بن معینؒ اور اسحق بن راہویہؒ روایات لیں۔ آپ کبھی اپنے شیخ کا نام چھوڑ کر اوپر کے راوی سے بھی روایت کر دیتے۔ لیکن محدثین کہتے ہیں کہ آپ انہی شیوخ کا نام چھوڑتے جو ثقہ ہوتے تھے۔ عبدالرحمن بن مہدیؒ کہتے ہیں کہ آپ اصل حجاز کی روایت کے سب سے بڑے عالم تھے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں اگر امام مالکؒ اور سفیان بن عیینہؒ نہ ہوتے تو حجاز میں علم نہ رہتا۔ حافظ ذہبیؒ انہیں العلامۃ الحفاظ شیخ الاسلام کہہ کر ذکر کرتے ہیں۔

آپ کو علم حدیث پر سب سے پہلے حضرت امام ابو حنیفہؒ نے متوجہ کیا تھا۔

⑤ حضرت امام یحییٰ بن معینؒ (۲۴۳ھ)

آپ نے حضرت عبداللہ بن المبارکؒ، معمر بن سلیمانؒ، یحییٰ بن ابی زائدہؒ وغیرہم من الائمۃ

الکبار سے حدیث پڑھی اور آپ سے امام احمد، امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد، امام ابو زرہ اور ابو یعلیٰ نے روایات لیں۔ امام احمد آپ کے ہمصر تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن معین ہم میں سب سے زیادہ اسماء الرجال کے ماہر تھے۔ یحییٰ بن معین اعلمنا بالرجال۔ امام علی المدینی کہتے ہیں: لا نعلم احداً من لدن آدم علیہ السلام کتب من الحدیث ما کتب یحییٰ بن معین۔

(ترجمہ) آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک ہم کسی کو نہیں جانتے جس نے اتنی حدیثیں لکھی ہوں جتنی یحییٰ بن معین نے لکھیں۔

امام احمد کا قول ہے کہ جس حدیث کو یحییٰ نہ جانیں وہ حدیث ہی نہیں ہے۔ امام بخاری نے فرمایا: میں نے اپنے آپ کو کسی صاحب علم کے سامنے حقیر نہیں پایا سوائے یحییٰ بن معین کے۔ آپ فقہی پہلو سے حنفی المذہب تھے اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے قول پر فتوے دیتے تھے۔

۸ امام علی بن المدینی (۲۲۴ھ)

زیادہ علم اپنے والد عبداللہ بن جعفر اور حماد بن سے پایا امام بخاری امام ابو یعلیٰ موصلی اور امام ابو زرہ آپ کے تلامذہ میں سے تھے عبدالرحمن بن مہدی آپ کے استاد ہیں آپ کو اعلم الناس بحديث رسول اللہ کہتے تھے امام نسائی نے فرمایا انہیں علم حدیث میں یہ انہماک تھا گویا اللہ تعالیٰ نے آپ کو پیدا ہی اس لیے کیا ہے۔

حضرت امام بخاری (۲۵۶ھ) — محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ

امام محمد بن اسماعیل بخاری حضرت امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) کی طرح فارسی النسل ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دین ثریا ستاروں سے بھی شک جائے تو بعض ابنائے فارس اسے دہاں سے بھی پالیں۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی طرح آپ بھی اس بشارت کا مصداق ہیں آپ کے پردادا مغیرہ پہلے عام ابنائے فارس کی طرح مجوسی تھے۔ پھر آپ نے امیر بخارا بیان جعفی کے ہاتھ پر ایمان قبول کیا۔ آپ کو محض اس نسبت سے جعفی کہا گیا ہے ورنہ آپ نسلاً جعفی نہ تھے۔ آپ کے والد اپنے زمانے کے مشہور محدث تھے۔ اور امام

مالک (۱۷۹ھ) اور امام عبداللہ بن مبارک (۱۸۱ھ) کے شاگرد تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ صغیر السن تھے کہ والد وفات پا گئے۔ باپ کے ترکہ سے آپ کو کافی ودائی دولت ملی آپ نے اسے بیشتر اللہ کی راہ میں خرچ کیا۔

بخارا سے سولہ سال کی عمر میں حج کے لیے نکلے۔ اٹھارہ سال کی عمر تک مکہ مکرمہ میں رہے۔ پھر چار سال کے قریب مدینہ منورہ میں رہے۔ ان چھ سالوں میں آپ نے حجاز کی ساری علمی دولت پالی۔ پھر آپ نے طلب حدیث میں شام، مصر، نیشاپور، جزیرہ اور عراق کے سفر کیے اور جہاں سے بھی آپ کو کوئی روایت مل سکی آپ نے اس کے حصول میں اپنی طرف سے کوتاہی نہیں کی۔ حافظ ابن کثیر دمشقی (۴۴۴ھ) لکھتے ہیں کہ آپ آٹھ دفعہ بغداد گئے۔ یہ خود فرماتے ہیں:-

لَا احصى كم دخلت الى الكوفة والبغداد مع المحدثين^۱

میں شمار نہیں کر سکتا کتنی دفعہ محدثین کے ساتھ کوفہ اور بغداد گیا ہوں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ عراق ان دنوں علم و فضل کا گہوارہ تھا اور بڑے بڑے محدثین طلب حدیث میں ادھر آتے تھے۔ کوفہ صحابہ کے وقت سے ہی مرکز اسلام بن چکا تھا۔ صحابی رسول حضرت حذیفہ بن یمانؓ (۳۵ھ) فرماتے ہیں: الکوفة قبة الاسلام^۲ مشہور تابعی امام محمد بن سیرین (۱۱۰ھ) کہتے ہیں:-

میں جب کوفہ پہنچا تو وہاں چار ہزار طلبہ حدیث پڑھ رہے تھے۔

حضرت امام بخاری کا بار بار جانا کوفہ کی علمی عظمت پر ایک کھلی شہادت ہے۔

حضرت امام بخاری نے ایک ہزار سے زائد محدثین سے حدیث سنی^۳ اور نوے ہزار کے قریب تلامذہ نے آپ سے بالواسطہ صحیح بخاری سنی آپ کے اساتذہ میں ابو بکر عبداللہ الحمیدی (۲۱۹ھ) امام یحییٰ بن معین (۲۳۳ھ) امام علی بن المدینی (۲۳۴ھ) قتیبہ بن سعید (۲۴۵ھ) امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) اسحاق بن راہویہ (۲۳۸ھ) سرفہرست ہیں۔ ثقات تابعین سے

۱۔ ارشاد الساری ص ۳۱۰ مقدمہ فتح الباری جلد ۲ ص ۲۷۹ ۲۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۸۹ ۳۔ تہذیب ۲۷۵

روایت کرنے والوں میں سے آپؐ نے محمد عبداللہ انصاری (۱) ابو عاصم النبیل (۲) سے براہ راست حدیث سنی۔ معاصرین میں سے آپؐ نے محمد بن یحییٰ الذہلی اور ابو حاتم (۳) سے روایات لیں۔ امام مسلمؒ آپؐ کے جلیل القدر معاصر تھے۔ انہوں نے بھی آپؐ سے حدیث سنی حضرت امام مسلمؒ نے آپؐ سے قسم کھا کر کہا:۔
اشھد انہ لیس فی الدنیا مثلاً

آپؐ جیسا محدث روئے زمین پر نہیں ہے۔ میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں۔ امام ابو عیسیٰ الترمذی (۲۷۹ھ) اور امام ابو عبد الرحمن النسائی (۳۰۳ھ) حضرت امام بخاری کے تلامذہ میں سے تھے۔ ابن خزمیہ کہتے ہیں آسمان کے نیچے کسی عالم کو امام بخاری سے بڑھ کر نہیں پایا۔ اپنے حافظہ کے اعتبار سے آپؐ آیات اللہ خدا کی قدرت کا ایک نشان تھے۔

ائمہ اربعہ سے روایت

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ سے کوئی روایت نہیں لی۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ حضرت امام بخاریؒ کو ان سے کوئی بُد اور تعصب تھا۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ تو امام بخاری کے براہ راست استاد تھے اور علم حدیث میں فائق الاقران تھے۔ صحیح بخاری میں آپؐ نے ان سے بھی صرف دو روایتیں لی ہیں۔ ایک تعلیقاً اور دوسری ایک واسطہ سے۔ امام مالکؒ سے مروی صرف پانچ روایتیں صحیح بخاری میں ملتی ہیں۔ یہ صورت حال اس لیے نہیں کہ ائمہ اربعہ کے پاس حدیثی سرمایہ کم تھا۔ بلکہ اس لیے کہ آپؐ ان رواۃ حدیث کے علمی سرمائے کو محفوظ کرنا چاہتے تھے جن کے فقہی حلقے نہ بنے تھے اور ان کا علم اسلامی دنیا میں متفرق طور پر پھیلا ہوا تھا۔ آپؐ چاہتے تھے کہ علم حدیث چند حلقوں میں محدود نہ سمجھا جائے۔ اس پر عالمی سطح پر سیر حاصل نظر رہے اور ظاہر ہے کہ ائمہ اربعہ کا علم تو ان سے بہت پہلے اکتافِ عالم

میں پھیل چکا تھا۔

پھر ائمہ اربعہ کا اپنا اپنا طریق استخراج ہے اور حضرت امام بخاریؒ اپنے اہل باب صحیح میں اپنے خاص طرز سے حدیث سے استنباط کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے آپ پہلے مجتہدین سے ذرا ہٹ کر چلے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ان ائمہ کبار سے ذہناً دور تھے یا ان کے خلاف دل میں کوئی بوجھ رکھتے تھے۔

حضرت امام بخاریؒ کا مسلک

علمائے اہل حدیث کے ہاں امام بخاریؒ شافعی المسلک ہیں۔ علامہ تاج الدین السبکی (۷۷۷ھ) نے بھی آپ کو طبقات شافعیہ میں ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (۷۸۵ھ) بھی آپ کو امام شافعی کے قریب لکھتے ہیں۔ علامہ طاہر الجزائریؒ کی رائے میں آپ مجتہد تھے اور استنباط و استخراج میں آپ کی ایک اپنی راہ تھی۔ صحیح بخاری کے اہل باب آپ کے فقہی نقطہ نظر کے آئینہ دار ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ آپ بہت سے مسائل میں امام شافعیؒ کے تابع چلے اس کی زیادہ تر وجہ یہ ہے کہ آپ نے شیخ عبد اللہ رحمہ اللہ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور رحمہ اللہ شافعی المذہب تھے۔ تاہم ان مسائل کی بھی کمی نہیں جن میں آپ نے فقہ شافعی سے اختلاف کیا اور فقہ حنفی کو اختیار کیا اس کا باعث آپ کے استاد اسحاق بن راہویہ کو سمجھا جاتا ہے ہے۔ محدث کبیر مولانا بدر عالم مدنیؒ نے فیض الباری جلد چہارم کے آخر میں ان مسائل کی ایک فہرست دی ہے جن میں امام بخاریؒ فقہ حنفی کے مطابق چلے ہیں۔

امام بخاریؒ کی مجتہدانہ بصیرت

یہ آپ کی مجتہدانہ بصیرت ہے کہ آپ نے صحیح بخاری کو صرف مرفوع احادیث

۱۔ ایجد العلوم ص ۷۸ مؤلفہ نواب صدیق حسن خاں صاحب ۲۔ طبقات شافعیہ ص

۳۔ فتح الباری جلد ۱ ص ۱۲۳

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و اقوال تک محدود نہیں رکھا۔ اس میں صحابہ اور تابعین کے اقوال بھی لائے ہیں۔ ان کے نزدیک ان کے بغیر شریعت کی پوری ترجمانی نہ ہو سکتی تھی۔ اور آپ کے دور تک یہ آواز کہیں سنائی نہ دی گئی تھی کہ ہمیں صرف حضور کے اقوال و اعمال سے غرض ہے۔ صحابہ اور تابعین کے فیصلے اسلام میں کوئی وزن نہیں رکھتے۔ آپ نے اپنے مدینہ منورہ کے قیام کے دوران ایک کتاب تضایا الصحابة والتابعین بھی تالیف کی۔ اس سے آپ کے ذہن و فکر اور آپ کی مجتہدانہ بصیرت کا پتہ چلتا ہے کہ آپ کس طرح پوری امت کو ساتھ لے کر چلنا چاہتے تھے۔ آپ نے اپنی مرديات پر باسجا قرآنی آیات سے ابواب باندھے ہیں اور قرآن و حدیث کو یک جا پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ آپ کے نزدیک حدیث قرآن کے مقابل نہیں قرآن کے ذیل ہیں اس کی ایک عملی تفصیل ہے۔

حضرت امام کی دیانت و امانت

آپ کے اجتہاد اور اشتناط سے اختلاف ہو سکتا ہے۔ اجتہاد مجتہدین کے آپس میں کتنے اختلافات ہیں۔ لیکن آپ کی دیانت و امانت سے اب تک کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ آپ نے اپنے فقہی موقف کو ثابت کرنے کے لیے صحیح بخاری میں کوئی کمزور روایت درج نہیں کی۔ صحیح بخاری آپ نے ایک خاص معیار روایت کے ساتھ ترتیب دی ہے۔ امام صاحب کو کسی خاص موضوع پر اگر اپنی شرائط کے مطابق روایت نہیں ملی۔ تو آپ نے کسی کم درجہ کی روایت کو وہاں جگہ نہیں دی ہے۔ بلکہ اس کی بجائے اجتہاد اور قیاس سے کام لے لیا ہے۔ حدیث کے باب میں آپ اپنے قائم کردہ معیار سے نیچے نہیں اترے۔

مسئلہ آئین بالجہر میں آپ کے پاس صحیح بخاری کی شرطوں کے مطابق کوئی روایت نہ تھی۔ آپ کے ہاں کسی صحیح حدیث سے حضور کا بلند آواز سے آئین کہنا مردی

نہ تھا۔ اسی طرح آپ کے پاس فاتحہ خلف الامام کی کوئی روایت جس میں امام کے پیچھے ہونے کی صراحت ساتھ کی گئی ہو۔ صحیح بخاری کی شرطوں کے مطابق آپ کے پاس موجود نہ تھی۔ آپ نے دونوں جگہ قیاس سے کام لیا اور نص کی بجائے استدلال سے اپنی بات ہی حدیث کو آپ جس طرح سمجھ پائے اس اپنی سوچ کو آپ نے ترجمہ الباب میں لکھ دیا۔ مگر متن میں وہی روایت لکھی جو ان کی صحیح بخاری کی شرطوں کے مطابق تھی۔ گو اس میں اس موضوع کی صراحت نہ ہو۔

قیاسات حضرت امام بخاریؒ

مسند آئین بالجہر میں دیکھئے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اذا امن الامام فامنوا۔^۱

جب امام آئین کہے تو تم آئین کہو۔
مقتدیوں کو امام کے آئین کہنے کا پتہ کیسے چلے؟ امام کے بلند آواز آئین کہنے سے۔ اس حدیث میں امام کے بلند آواز سے آئین کہنے کی تصریح نہ تھی۔ آئین بالجہر کی دوسری حدیثیں صحیح بخاری کی شرائط صحت پر پوری نہ اُترتی تھیں اور امام بخاری آئین بالجہر کے مسک کے تھے۔ اب دیکھئے آپ باوجود شدت ضرورت کے صحیح بخاری میں کمزور حدیث نہیں لاتے اور آئین بالجہر نص سے نہیں قیاس سے ثابت کرتے ہیں آپ کا استدلال یہ ہے کہ اگر امام باواز بلند آئین نہ کہے تو مقتدیوں کو کیسے پتہ چلے گا کہ اس نے آئین کہی ہے یا نہ؟ اور وہ پھر کیسے اس کے ساتھ آئین کہہ سکیں گے۔

استدلال ہذا اسی صورت میں درست بیٹھتا ہے کہ مقتدیوں کو امام کے آئین کہنے کی اس کے آئین بالجہر کہنے کے بغیر کسی اور طرح سے اطلاع نہ ہو سکے۔ لیکن مقتدیوں کو اس اطلاع کا اگر کوئی اور ذریعہ بھی ہو سکے تو یہ استدلال درست نہیں رہتا۔

اب آئیے اس قیاس کے مقابل ایک حدیث نبوی دیکھئے — حضورؐ نے فرمایا —

اذا قال الامام غير المنضوب عليهم ولا الضالين فتوالا مین فان الملكة

تقول ا مین وان الامام يقول ا مین

ترجمہ: جب امام غیر المنضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔ فرشتے بھی

اس وقت آمین کہتے ہیں اور امام بھی اس وقت آمین کہہ رہا ہوتا ہے۔

اس حدیث نے امام کے آمین کہنے کی خبر دے دی اور موقع بھی بتلادیا کہ امام

کب آمین کہتا ہے۔ اب جب امام غیر المنضوب علیہم ولا الضالین کہے تو مقتدی اس کے بعد

آمین کہیں — امام بھی بغورائے حدیث اس وقت آمین کہہ رہا ہوتا ہے — اور

مقتدیوں کی آمین امام کی آمین سے متعلق ہو جاتی ہے — سو ضروری نہیں کہ مقتدیوں

کو امام کے بلند آواز سے آمین کہنے کا اس کی بلند آواز سے ہی پتہ چلے۔

مقتدیوں کو امام کے آمین کہنے کا اس خبر رسول سے پتہ چلا امام سے خود آمین سُن کر

نہیں — سو وہ سوال جاتا رہا کہ مقتدیوں کو امام کے آمین کہنے کا کیسے پتہ چلے اور اس

کی تائید اس دوسری حدیث سے بھی ہو گئی کہ حضورؐ نے مقتدیوں کی آمین کو غیر المنضوب

علیہم سے متعلق کر دیا۔ سواب اس میں امام کی آمین بالبحر کا کوئی اشارہ نہ رہا۔

مسئلہ فاتحہ خلف الامام

امام بخاریؒ امام کے پیچھے احمد شہر پڑھنے میں بھی حضرت امام شافعیؒ کے مسک

پر تھے۔ امام کے پیچھے احمد شہر پڑھنے کی صریح حدیثیں جو جامع ترمذی وغیرہ میں حضرت

عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہیں سنداً صحیح نہ تھیں چہ جائیکہ صحیح بخاری کی شرطوں پر

پوری اترتیں۔ امام بخاریؒ کو اپنے ترجمہ الباب کی مطابقت کے لیے ان کی اشد ضرورت

ہے۔ مگر حضرت امام کی امانت اور دیانت دیکھئے۔ وہ ان ضعیف حدیثوں کو صحیح بخاری

میں نہیں لائے آپ حضرت عبادہ بن صامت (م ۳۴ھ) کی صرف اتنی حدیث نقل کرتے ہیں

جو سند صحیح ہے اور ان کی شرطوں کے مطابق ہے اور اس میں امام کے پیچھے ہونے کی کوئی تصریح نہیں۔ صحیح بخاری میں اس کے الفاظ یہ ہیں:-

لاصلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب^{۵۱}

اس کی نماز نہیں جس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی۔

امام بخاری نے اس کے عموم سے استدلال کیا ہے اور مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنی لازم کی ہے۔ اس حدیث میں امام کے پیچھے ہونے کی صراحت نہ تھی اور عام کی دلالت کسی فرد پر صریح نہیں ہوتی۔ امام بخاریؒ کہتے ہیں مقتدی اس عموم میں داخل ہے؛ امام بخاری کے اساتذہ امام احمد اور سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم امام اور منفرد کے لیے ہے مقتدی اس میں داخل نہیں۔ جامع ترمذی میں حضرت امام احمد (۲۴۱ھ) سے اس کے یہ معنی منقول ہیں:-

معنى قول النبي لاصلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب اذا كان وحده^{۵۲}۔

ترجمہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کہ جس نے سورہ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں ہرئی کا مطلب یہ ہے کہ نمازی جب اکیلا ہو تو فاتحہ پڑھے بغیر اس کی نماز نہیں ہوتی۔

اور سنن ابی داؤد میں حضرت سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ) سے بھی یہی معنی مروی ہے کہ یہ حدیث منفرد کے لیے ہے مقتدی کے لیے نہیں لمن یصلی وحده^{۵۳}۔ یہ اس کے لیے ہے جو اکیلا ہو۔ اب آپ ہی کہیں لاصلوة لمن یقرأ بفاتحة الكتاب سے مقتدی پر فاتحہ لازم کرنا حضرت عبادہ کی یہ روایت کیا اس پر نص صریح ہے؟ یا امام بخاری اسے محض اس کے عموم سے مقتدی پر لازم کر رہے ہیں اور اپنا اجتہاد کر رہے ہیں؟ — ظاہر ہے کہ امام بخاریؒ نے یہاں اپنے مساک کو نص سے نہیں محض استدلال سے پیش کیا ہے — کیا حضرت امام کے پاس مقتدی پر فاتحہ لازم کرنے کی کوئی صریح حدیث موجود نہ تھی؟ یقیناً ہوگی لیکن چونکہ وہ سند صحیح نہ تھی اس لیے امام بخاریؒ اسے یہاں جگہ نہیں دی آپ کی عظمت کی کھلی شہادت ہے کہ اشد ضرورت کے باوجود آپ اس میں کمزور روایات نہیں لائے۔

امام بخاریؒ کی دوسری تالیفات

حضرت امام بخاری نے اپنی دوسری تالیفات میں صحت کا وہ معیار قائم نہیں رکھا جو ہمیں صحیح بخاری میں ملتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اپنی صحیح بخاری کی شرائط کو کوئی شرعی درجہ نہ دیتے تھے محض احتیاط کی ایک انتہاء تھی۔ ورنہ آپ اس سے فرد تر درجے کی روایات کا کہیں اعتبار نہ کرتے نہ ان کا ذکر کرتے۔

صحیح بخاری کا سلسلہ اسناد آپ تک متواتر پہنچا ہے۔ ہزاروں محدثین نے آپ سے بالمشافہ اس کتاب کو سنا اور آگے روایت کیا ہے۔ سو یہ ان کتب میں سے ہے جو اپنے مصنفین تک سند متواتر سے پہنچتی ہیں۔ ہاں کچھ اور کتابیں بھی ہیں جو امام بخاری کی طرف منسوب ہیں۔ لیکن ہم یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ وہ واقعی ان کی ہوں گی۔ ایک رسالہ جزء القراءة کے نام سے اور ایک جزء رفع الیدین پر آپ کے نام سے ملتا ہے حضرت امام بخاری سے صرف ایک شخص محمود انہیں ذکر کرتا ہے اور اس کا پتہ نہیں چلتا کہ وہ کون ہے؟ ثقہ ہے یا غیر ثقہ۔ تعجب ہے کہ جس امام فن سے صحیح بخاری روایت کرنے والے ہزاروں افراد ہوں اس سے ان دور سالوں کو نقل کرنے والے دو ثقہ عالم بھی نہ ملیں۔

امام صاحبؒ کی ثقاہت

حضرت امام ثقہ ہیں اور حفظ و ضبط اور دیانت و امانت کے کسی پہلو سے مجروح نہیں۔ مگر افسوس کہ آپ کے بعض معاصرین نے آپ پر بھی جرح کر دی۔ امام ابو حاتم رازی (رحمہ اللہ) کے نام سے کون واقف نہیں۔ آپ نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب _____ نام سے لکھی ہے۔ نام خود اپنے کام کی خبر دے رہا ہے۔

ائمہ کبار کے حق میں اس قسم کی جرحوں کا کوئی اعتبار نہیں کیا۔ حضرت امام ابو حنیفہ پر جرح نہیں ہوئی؟ کیا ابن ابی ذئب نے حضرت امام مالک پر جرح نہیں کی۔ امام

جرح و تعدیل امام سحلی بن معین نے کیا حضرت امام شافعی پر جرح نہیں کی؟ کیا آپ نے محدثین کا یہ اصول نہیں پڑھا کہ معاصر کی جرح چنداں لائق اعتبار نہیں ہوتی سو حضرت امام بخاریؒ کے بارے میں کسی محدث کی جرح ہرگز لائق پذیرائی نہیں ہے۔

روایات صحیح البخاری

صحیح بخاری میں ۷۳۹۷ کے قریب روایات مرفوعہ ہیں بعض روایات بہ تکرار آئی ہیں۔ عدم تکرار سے مجموعی احادیث چار ہزار ہوں گی صحابہ کی روایات اور اقوال تابعین کی تعداد ساڑھے تین سو کے قریب ہے۔ متابعات اور تعلیقات ساڑھے تیرہ سو کے قریب ہیں۔ بائیس روایات ثلاثیات ہیں جن میں امام بخاری صرف تین واسطوں سے حضور تک پہنچتے ہیں۔

محدثین کے نزدیک سند عالی کا میسر آنا ایک بڑا طرہ امتیاز رہا ہے۔ ایک بڑی تاریخ التاریخ البکیر للبخاری بھی ملتی ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ ان کے استاد امام علی بن المدینی (۲۳۳ھ) کی تالیف ہے جو حضرت امام بخاری نے ان سے سنی اور پھر انہی کے نام سے مشہور ہو گئی۔

اگر کہیں کوئی کمزور بات اس میں آگئی ہے تو وہ محض ایک اتفاقی بات ہوئی ہوگی کسی خاص مسلک کی تائید اس میں ہرگز مقصود نہ ہوگی۔ حضرت امام بخاریؒ کی عظمت اس پہلو سے نہایت کھل کر سامنے آتی ہے۔

امام دارقطنی کے تعقبات

صحیح بخاری کی ایک سو دس روایات پر امام دارقطنی نے مواخذہ کیا ہے۔ اکابر شارحین نے ان تعقبات کے جواب دیئے ہیں۔ چند مقامات کے سوا کہیں دارقطنی کی تائید نہیں کی۔ صحیح بخاری کے تقریباً اسی راویوں پر جرح کی گئی ہے۔ ان کے بیشتر جوابات

عہدین نے دے دیئے ہیں۔ انہوں نے وار قطنی نے یہ نہیں دیکھا کہ اپنا کیا حال ہے؟ ہر قسم کی سقیم روایات ان کی سنن میں موجود ہیں۔ یہ صاحب تو حضرت امام ابو حنیفہؒ پر بھی جرح کرنے سے نہیں چوڑے۔ اگر وہ امام بخاریؒ پر تعجب کریں تو چنڈاں تعجب نہیں۔

امام مسلم بن حجاج ابو الحسین القشیری (۲۶۱ھ)

خراسان کے مشہور علمی مرکز نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ بغداد کے بعد نیشاپور سب سے بڑا مرکز علم سمجھا جاتا تھا۔ نیشاپور میں یحییٰ بن یحییٰ امام اسحق بن راہویہ اور امام ذہلی سے عراق میں امام احمد بن حنبل اور عبد اللہ بن مسلمۃ القعنبی سے بغداد میں محمد بن مہران اور ابو عثمان سے حجاز میں سعید بن منصور اور ابو مصعب سے اور مصر میں عمرو بن سواد اور حرملہ بن یحییٰ سے اور دیگر کئی ائمہ فن سے حدیث سنی۔ قتیبہ بن سعید، احمد بن یونس، ربیع اور اسماعیل بن ابی عویس بھی آپ کے اساتذہ ہیں سے ہیں۔ حضرت امام بخاری سے بھی بہت استفادہ کیا۔ امام ابو عیسیٰ الترمذی، البرکہ بن خزیمہ، ابو حاتم رازی اور ابو عوانہ آپ کے شاگردوں میں سے ہیں۔

آپ کے استاد اسحق بن راہویہ آپ سے بہت متاثر تھے۔ فرمایا ای رجل یكون هذا معلوم نہیں یہ شخص کس مقام تک پہنچے گا۔ آپ نے صحیح مسلم اس طریق سے ترتیب دیا کہ محدثانہ نقطہ نظر سے کوئی دوسری کتاب اس کی برابر ہی نہیں کر سکی۔ پوری حدیث ایک جگہ مل جاتی ہے اور آپ اس کی جملہ اسانید عجیب حسن ادا سے ایک جگہ لے آتے ہیں۔ محدث کبیر حضرت مولانا بدر عالم مدنی لکھتے ہیں:-

یہ تصنیف (صحیح مسلم) فن حدیث کے بہت سے عجائبات پر مشتمل ہے
سرو اسانید، متون کا حسن سباق، تلخیص طرق اور ضبط انتشار میں صحیح بخاری پر بھی فائق ہے۔

امام مسلم کی اہل شام سے روایت امام بخاری کی اہل شام سے روایت پر فائق

۱۔ دیکھئے عینی شرح صحیح بخاری ج ۳ ص ۶۷ ۲۔ ترجمان السنہ جلد ۱ ص ۱۵۹

سمجھی جاتی ہے۔ کیونکہ حضرت امام بخاری ان سے اکثر بطریق منادلہ روایت کرتے ہیں۔ امام مسلم ان سے مشافہتہ روایت لیتے ہیں۔ امام مسلم اس میں وہی روایات لاتے ہیں جن پر اس وقت کے اکابر اہل علم اور شیوخ حدیث متفق ہوں۔ آپ نے صحیح مسلم لکھ کر امام البحر والتعذیل امام البزرجی کے سامنے پیش کی جن روایات پر انہوں نے کہیں بھی انگلی رکھی۔ آپ نے انہیں ترک فرمادیا۔

صحیح مسلم کی روایات حذف، مکرات کے بعد چار ہزار کے قریب ہیں۔ آپ نے اس میں صرف مرفوع روایات نہیں لیں۔ صحابہ کے بہت سے آثار بھی ساتھ ساتھ روایت کیے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں علم حدیث صحابہ کی روایات کے بغیر مکمل نہ سمجھا جاتا تھا۔ قرأت خلف الامام جیسے اہم موضوع پر آپ کا تب دجی حضرت زید بن ثابتؓ (۳۵ھ) کا اثر ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں:-

عن عطاء بن یسار انه اخبره انه سأل زيد بن ثابت عن القراءة مع الامام فقال لا قراءة مع الامام في شيء

ترجمہ۔ عطاء بن یسار کہتے ہیں میں نے حضرت زید بن ثابت سے پوچھا امام کے ساتھ مقتدی قرآن پڑھے یا نہ؟ آپ نے فرمایا۔ امام کے ساتھ کسی حد قرأت میں مقتدی کو قرآن پڑھنے کی اجازت نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ امام قرأت شروع کرے تو تم چپ رہو۔

اذا قرأ فانصتوا و صحابیوں سے مروی ہے۔ (۱) ابو موسیٰ اشعریؓ (۵۲ھ) اور (۲)

حضرت ابو ہریرہؓ (۵۷ھ) سے آپ نے صحیح مسلم میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت

جبریر عن سلمان عن قتادہ کی روایت سے لکھی۔ لیکن حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت نہ لکھی۔ آپ

سے اس کے بارے میں پوچھا گیا آپ نے فرمایا۔ میرے نزدیک وہ بھی صحیح ہے۔ آپ سے

کہا گیا آپ نے اسے اپنی صحیح میں کیوں روایت نہیں کیا۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ اس کتاب

صحیح مسلم میں میں ہر وہ روایت نہیں لکھتا جو میرے نزدیک صحیح ہو۔ اس میں میں وہی روایت

لاتاہوں جس پر اس کے سب مشائخ متفق ہوں۔

فحدیث ابی ہریرۃ فقال هو صحیح یعنی واذا قرأ فانصتوا فقال هو

عندی صحیح فقال لعلم تضعہ ما هنا قال لیس کل شیء عندی صحیح

وضعتہ فہنا انما وضعت فہنا ما اجمعوا علیہؑ

ترجمہ۔ سو حدیث ابی ہریرہ کے بارے میں کہیے۔ آپ نے کہا میرے نزدیک وہ صحیح ہے یعنی جملہ واذا قرأ فانصتوا میرے نزدیک واقعی صحیح حدیث کا حصہ ہے انہوں نے پوچھا پھر آپ نے اسے اپنے متن میں جگہ کیوں نہیں دی۔ آپ نے فرمایا ہر وہ حدیث جو میرے نزدیک صحیح ہو میں نے اس میں نہیں دی اس میں صرف وہی حدیثیں ہیں نے روایت کی ہیں جن پر ان کے روایت کرنے والے سب متفق ہوں۔

اس سے صحیح مسلم کی عظمت کا اندازہ کیجئے۔ یہ امام مسلم کی ہی تحقیقات کا حاصل نہیں۔ یہ وہ روایات ہیں جن پر رقت کے دیگر اہل فن سب متفق ہوئے۔ صحیح بخاری کے ساتھ صحت میں جو کتاب دوسرے درجہ میں شامل ہوتی ہے وہ صحیح مسلم ہے۔ انہی دو کو صحیحین کہا جاتا ہے۔

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ اکثر اساتذہ میں شریک ہیں۔ صحیح مسلم میں معلق یا منقطع روایات بہت کم ہیں۔ لیکن صحیح بخاری میں تعلیقات کافی تعداد میں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بخاریؒ مسائل کے استنباط کو ماتھ لے کر چلتے ہیں۔ ان کے تراجم ابواب ان کی فقہ ہیں اور ظاہر ہے کہ فقیہ کو اپنے موضوع میں ہر قسم کی روایات سے کام لینا پڑتا ہے۔ لیکن امام مسلم بطور فقیہ کے نہیں محدث کے طور پر چلتے ہیں۔ ان کی حدیث کے مختلف طرق پر نگاہ ہوتی ہے اور کوشش ہوتی ہے کہ سرد امادیت میں انہیں ایک جگہ ترتیب دے دیں اور متن جس طریق سے آرہا ہو اس کی نشاندہی کر دیں

اس احتیاط سے پتہ چلتا ہے کہ امام مسلم روایت یا المعنی کی بجائے روایت باللفظ کا زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ جس طریق سے وہ الفاظ آئیں اس کی وضاحت کر دیتے ہیں۔

صحیح مسلم کے ابواب امام مسلم نے نہیں باندھے معلوم نہیں اس میں ان کے

پیش نظر کیا حکمت محضی وقت نے مہلت نہیں دی یا وہ اس موضوع میں بھی کوئی نیا انداز سامنے لانا چاہتے تھے۔۔۔ موجودہ الاباب دوسروں کے ہاندھے ہوئے ہیں۔ صحیح مسلم بے شک ایک ترتیب رکھتی ہے اور وہ ترتیب امام مسلم کی ہی اختیار کردہ ہے لیکن آپ نے ان موقوفات پر کوئی اپنی نشاندہی نہیں کی ہے۔

صحیح مسلم کا طرہ امتیاز اس کا وہ فاضلانہ مقدمہ ہے جو صراحہ کتب کی کسی اور کتاب کے ساتھ نہیں ملے گا۔ اس میں آپ نے فن حدیث کے مختلف پہلوؤں کو اس انداز میں چھڑا ہے کہ پورا فن نکھر کر قاری کے سامنے آجاتا ہے۔ اکابر اہل علم کی رائے ہے کہ امام مسلم اس باب میں نظیر نہیں رکھتے۔ آپ نے صحیح مسلم کچھ جو روایات پھوڑیں ان میں سے جو آپ کی شرطوں پر پوری اترتی تھیں انہیں ابو عوانہ اسفریانی نے استخرج علی صحیح مسلم کے طور پر اپنی مسند میں جمع کر دیا ہے۔ ابو عوانہ کی یہ تالیف اصطلاحی پہلو سے مسند نہیں سنن کی ترتیب پر ہے۔

امام مسلم کے نزدیک دو راوی جو ایک دور کے ہوں اگر ایک دوسرے سے روایت کریں تو وہ حدیث متصل الاسناد سمجھی جائے گی۔ امام بخاری صحیح بخاری میں صرف ہمعصر ہونے پر قناعت نہیں کرتے۔ ان کے باہم ملنے پر مستقل دلیل چاہتے ہیں۔ یہ احتیاط کی انتہا ہے۔ تاہم امام مسلم اسے بطور اصول قبول نہیں کرتے۔ اسی طرح بعض راوی جیسے عکرمہ اور عمر بن مرزوق امام بخاری کے نزدیک ثقہ ہیں۔ مگر امام مسلم ان سے روایت نہیں لیتے۔ امام مسلم نے امام بخاری کے ۴۴۴ راویوں سے روایت نہیں لی اور امام بخاری نے امام مسلم کے ۶۳۵ راویوں سے روایت قبول نہیں کی۔ صحیح مسلم امام مسلم سے شیخ ابواسحق ابراہیم بن محمد بن سفیان نیشاپوری (۳۰۸ھ) نے بڑی احتیاط سے دوسرے رواۃ کے تراجم کے ساتھ روایت کی ہے۔ اس دور میں علماء کی سند امام مسلم تک انہی کے واسطے پہنچتی ہے۔

امام مسلم کا فقہی مسلک

جماعت اہل حدیث کے نزدیک آپ شافعی المسک تھے۔ ہمارے اکابر کی تحقیق یہ ہے کہ آپ امام شافعی کے اس طرح مقلد ہیں جس طرح امام طحاوی امام اعظم ابو حنیفہ کے مقلد تھے یعنی محض مقلد نہیں کہیں کہیں اپنے امام سے قوت دلیل پر اختلاف بھی کر جاتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں،

وكان اهل الحديث قد ينسب الى احد المذاهب لكثرة موافقته
ترجمہ۔ اور محدثین اپنے مذہب کی زیادہ موافقت کے باعث کبھی کسی امام کی طرف بھی منسوب ہو جاتے تھے۔

سوال حضرات کا مقلد ہونا صرف اسی معنی میں ہے۔ اس طرح نہیں جس طرح کہ ہم عامی مقلد ہیں۔ گو نیت ہماری بھی یہ ہونی چاہیے کہ اگر کوئی صحیح اور صریح حدیث جس کے خلاف کوئی اور حدیث نہ پائی جائے۔ ہمیں مل جائے اور ہمارے امام کا فتوے اس کے خلاف ہو تو ہم قول امام چھوڑ دیں گے حدیث نبوی کو نہ چھوڑیں گے۔

امام ابو داؤدؒ — سلیمان بن اشعث سجستانی (۲۷۵ھ)

امام ابو داؤد برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں سے بہت قریب کی نسبت رکھتے ہیں۔ سیستان جو ہرات اور سندھ کے مابین ایک قصبہ ہے وہاں کے رہنے والے تھے عرب اسے سجستان پڑھتے ہیں اور اسی نسبت سے امام ابو داؤد کو سجستانی کہا جاتا ہے۔ آپ تحصیل علم کے لیے بغداد تشریف لے گئے۔ زندگی کا بیشتر حصہ وہیں گزارا وہیں سنن ابی داؤد تالیف کی۔ پھر آخر میں بصرہ چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔ طلب حدیث میں شام، عراق، خراسان اور الجزائر وغیرہ کے متعدد سفر کیے۔ سینکڑوں اساتذہ سے حدیث سنی۔ امام بخاری اور امام مسلم کے ساتھ بہت سے اساتذہ میں شریک ہیں۔ امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین

ابوالوید الطیالسی عبداللہ بن مسلمہ القصبی ان کے بھی استاد تھے اور امام ترمذیؒ اور امام نسائیؒ ان کے بھی شاگرد تھے۔ ایک حدیث امام احمد بن حنبلؒ نے ابو داؤد سے بھی روایت کی ہے۔ اسے حدیث عتیرہ کہا جاتا ہے۔ امام ابو داؤد اس پر ناز کرتے تھے کہ ان کے استاد امام احمد نے ایک حدیث ان سے سنی ہے۔

دیکھ (۱۹۷ء) کہتے ہیں۔

لَا يَصِيرُ الرَّجُلُ عَالِمًا حَتَّى يَأْخُذَ عَمَّنْ هُوَ فَوْقَهُ وَعَمَّنْ هُوَ دُونَهُ وَعَمَّنْ هُوَ مِثْلُهُ^۱
ترجمہ: کوئی شخص حدیث کا عالم نہیں بن سکتا جب تک اپنے سے اوپر کے
درجے کے علماء سے اپنے سے کم درجے کے علماء سے اور اپنے ہمرتبہ
علماء سے سب سے اخذ علم نہ کرے۔

امام حاکم ان کے متعلق فرماتے ہیں۔

امام اہل الحدیث فی عصرہ بلا مدافعة۔
آپ بلاشبہ اپنے دور میں محدثین کے امام تھے۔
حافظ موسیٰ بن ہارون (۲۱۴ھ) کہتے ہیں۔

امام ابو داؤد دنیا میں حدیث کے لیے اور آخرت میں جنت کے لیے پیدا
کیئے گئے تھے۔ آپ نے سنن مکمل کر کے اپنے استاد امام احمد کے سامنے
پیش کی، آپ نے اسے پسند فرمایا۔

۱۔ مقدمہ فتح الباری جلد ۲ ص ۸۷ امام دیکھ کہ علم حدیث پر امام ابو حنیفہ نے متوجہ کیا تھا۔
۲۔ اہل حدیث کا لفظ ان دنوں محدثین کے معنی میں استعمال ہوتا تھا اس سے کوئی خاص فقہی
مسکد نہ لیا جاتا تھا یہ اہل سنت ہی تھے جو اس خاص فن (حدیث) میں آگے نکل گئے اور
بسا اوقات یہ فقہ میں بھی ساتھ ساتھ ماہر ہوتے۔ امام نووی (۶۷۲ھ) ایک مقام پر لکھتے ہیں
هَذَا الْحَدِيثُ عَلَى ظَاهِرِهِ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ وَالْفَقْهِ وَالْمُتَكَلِّمِينَ مِنْ أَهْلِ السُّنَّةِ خَلَا مَا
تَأَوَّلَتْهُ الْبَاطِنِيَّةُ (شرح صحیح مسلم جلد ۸) اس لفظ سے غیر مقلدین کا گروہ مراد ہو۔ یہ اصطلاح
جدید بہت بعد کی ہے ہم انشاء اللہ العزیز اسے آگے چل کر تفصیل سے بیان کریں گے۔

امام احمد ائمہ اربعہ میں چوتھے امام ہیں۔ ان سے پہلے امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی ہو چکے تھے۔ امام ابو داؤد کے دور میں چاروں اماموں کی فتنہ کی دشمنی، ان کے اصول فقہ، ان کے اجتہادی کارنامے اور ان کے ابواب فقہ لوگوں کے سامنے آ چکے تھے۔ امام ابو داؤد نے چاہا کہ اب ایک ایسا حدیثی ذخیرہ مرتب ہونا چاہیے جس میں مختلف مجتہدین کے مستدلات ایک نظر میں سامنے آجائیں۔ ان کی کتاب سنن ابی داؤد کا موضوع ائمہ کے مستدلات ہیں اور ایک فقہ کو ان سے چارہ نہیں۔ امام ابو داؤد امام احمد کے شاگرد تھے اور ان سے متاثر بھی۔ اور ان کی سنن میں جگہ جگہ حنبلی نقطہ نظر غالب نظر آتا ہے۔ صرف خنابلہ کے لیے ہی نہیں ان کی کتاب ائمہ اربعہ کے پیروؤں کے لیے ایک مجتہدانہ دستاویز کا درجہ رکھتی ہے اور علماء فقہ کے لیے یہ ایک بہت بڑا علمی ماخذ ہے۔ ائمہ اربعہ میں سے دو امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل عراق سے تعلق رکھتے تھے اور دو حجاز سے۔ امام مالک اور امام شافعی۔ مسلمانوں میں الحاد اور اعتزال اور رفض و خارجیت کے سب فتنے عراق سے ہی اُٹھے تھے۔ جبر و قدر کی بحثیں پہلے وہیں چلیں۔ فتنہ خلق قرآن نے وہیں سے سر اُٹھایا اور کوفہ و بصرہ ہی ان اختلافات کی پہلی آماجگاہ بنے۔ ان اختلافات میں امام ابو حنیفہ اور امام احمد دونوں کا موقف یہ رہا کہ ان اختلافات میں صحابہؓ کو معیار بنائیں اور جس طریق پر وہ ہے اسی راہ کو صواب جانیں۔ ارشاد نبوت ما انا علیہ و اصحابی کا تقاضا بھی یہی تھا۔ اور اسی میں انشار و الحاد سے بچنے کی راہ تھی۔

حنفیہ اور خنابلہ کے ہاں قول صحابی حجت ہے اور دونوں نے صحابہ کرامؓ کو ہر اختلاف کا فیصل سمجھا ہے۔ شوافع اور مالکیہ کے ہاں ایسا نہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حنفی اور حافظ ابن تیمیہ حنبلی کس طرح ہر اختلاف میں دکیل صحابہؓ جتنے نظر آتے ہیں یہ اہل علم سے مخفی نہیں۔ امام ابو داؤد کا نقطہ نظر بھی سنن میں یہی ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:-

قال ابو داؤد اذا تنازع الخبران عن النبي صلى الله عليه وسلم نظر الى ما عمل به اصحابه من بعده ^{له}

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دو حدیثیں اگر آپس میں ٹکرائی
ہوئی ملیں تو فیصلہ اسی پر ہو گا کہ آپ کے بعد آپ کے صحابہ نے
کس روایت پر عمل کیا۔

ان حالات میں امام ابو داؤد امام ابو حنیفہ کے علم و فضل کے بڑے قائل تھے۔ آپ نے
فرمایا: رحمہ اللہ اباحنیفہ کان اماماً۔ اللہ امام ابو حنیفہ پر رحم فرمائے آپ واقعی امام
تھے۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب نے امام ابو داؤد کو شافعی المسلک لکھا ہے۔ مگر حافظ
ابن تیمیہ انہیں منہلی کہتے ہیں اور یہی حضرت مولانا اور شاہ کشمیری کی رائے ہے۔ سنن ابی داؤد
کے مطالعہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ منہلی تھے۔ آپ نے مرا سیل ابی داؤد کے نام
سے ایک اور کتاب لکھی ہے اور ظاہر ہے کہ شافعیہ مرسل کو حجت نہیں سمجھتے۔
سنن ابی داؤد کی کل مرویات چار ہزار آٹھ سو کے قریب ہیں۔ ان میں ایک حدیث
ثلاثی بھی ہے۔ صحیح بخاری میں کئی ثلاثیات ہیں۔

ابو داؤد کی روایات کا درجہ

جس حدیث کو امام ابو داؤد روایت کریں اور اس پر کوئی جرح نہ کریں تو وہ حدیث
صالح لا استدلال شمار ہوگی۔ محدثین کے ہاں ابو داؤد کا سکوت بڑا وزن رکھتا ہے۔ مالم
یذکر فیہ شیء فہو صالح۔ صحت کے اعتبار سے پھر اس کے کئی درجے ہو سکتے ہیں۔ اس
میں صحیح اور حسن و دوزل کا احتمال ہے۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے اس کتاب میں کوئی ایسی
حدیث نہیں لی جس کے ترک پر سب کا اتفاق ہو۔ ابن جوزی نے سنن ابی داؤد کی نو احادیث
کو موضوع کہا ہے۔ علامہ سیوطی نے ان میں سے چار کا جواب القول الحسن فی الذب عن السنن
میں دیا ہے۔ باقی پانچ کے جواب میں یہ کہنا کافی ہے کہ ابن جوزی نقد روایات میں بہت
متشدد ہیں۔ سوال کی جرح حجت نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ سنن ابی داؤد موضوع احادیث سے

بالکل پاک ہے۔ ہاں امام احمد قیاس پر ضعیف حدیث کو بھی ترجیح دیتے ہیں۔ جیسا کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔ سو اس میں اگر ضعیف روایات بھی ہیں تو اس پر تعجب نہ ہونا چاہیے۔ مجتہد کو کبھی ان کی ضرورت بھی پڑ جاتی ہے۔ تاہم یہ ہے کہ آپ نے کوئی حدیث موقوفہ نہ کی۔ حدیث راوی سے نہیں لی۔

سنن ابی داؤد کے نسخے

سنن ابی داؤد کے کئی نسخے ہیں۔ مگر ان میں سے چار مشہور ہیں۔ ۱۔ روایت ابی بکر محمد بن عبد الرزاق بن درسد (۳۴۵ھ)۔ ۲۔ ابو علی محمد بن احمد بن عمر ثولوی (۳۴۱ھ)۔ ۳۔ اسحق بن موسیٰ بن سعید (حافظ ابو عیسیٰ) رطلی (۳۱۷ھ)۔ ۴۔ حافظ ابو سعید احمد بن محمد (ابن الاعرابی ۳۴۰ھ)۔

امام ترمذی (۲۷۹ھ)

امام محمد بن عیسیٰ بن سدرہ ترمذی کی کنیت ابو عیسیٰ ہے۔ ترمذ دریا کے جیوں کے ساحل پر واقع ہے۔ امام ترمذی کو حضرت امام بخاریؒ، امام مسلمؒ اور امام ابو داؤدؒ سے شرف تلمذ ہے۔ جامع ترمذی میں آپ نے امام مسلم سے صرف ایک روایت لی ہے۔ امام بخاری نے آپ سے آپ کے استاد ہونے کے باوجود دو روایتیں لی ہیں۔ امام ترمذی نے باب مناقب علی اور کتاب التفسیر (سورہ حشر) میں ان دونوں روایتوں کی نشاندہی بایں الفاظ کی ہے۔ سمع منی محمد بن اسمعیل (یہ حدیث امام بخاری نے مجھ سے لی ہے)۔ وکیع کہتے ہیں انسان کا علم کامل نہیں ہوتا اگر وہ اپنے سے کم مرتبہ اور اپنے ہم مرتبہ علماء حدیث سے روایت لینے میں غار محسوس کرے (نقل بالمعنی) آپ نے طلب علم میں چند اساتذہ پر اکتفا نہیں کیا۔ طلب حدیث میں حجاز، مصر، شام، کوفہ، بصرہ بغداد اور خراسان کے متعدد سفر کیے۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:-

طاف البلاد وسمع خلقاً من الخراسانيين والعراقيين والمجاذيين^۱
 ترجمہ: آپ نے دنیا بھر کا چکر لگایا، خراسانی علماء، عراقی علماء اور حجازی
 علماء سے آپ نے حدیث سنی:

علماء کہتے ہیں امام بخاریؒ نے اپنے شاگردوں میں علم و حفظ اور ورع و زہد میں
 امام ترمذیؒ کی مثل کوئی نائب نہیں چھوڑا۔ آپ نے سب سے زیادہ فیض امام بخاریؒ سے
 پایا ہے۔ لیکن آپ امام بخاریؒ کے محض پیرو نہ تھے، اختلاف کے موقع پر آپ اپنی بات پوری
 قوتِ دلیل سے کہتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے حدیث لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب کو مقتدی
 پر بھی چسپاں کیا تھا۔ امام ترمذیؒ نے یہاں ان کی پوری مخالفت کی ہے اور حضرت جابر بن
 عبد اللہ انصاریؓ کی روایت لاکر امام بخاریؒ کے استاد حضرت امام احمد سے اس کا یہ معنی
 نقل کیا ہے:

واما احمد بن حنبل فقال معنى قول النبى صلى الله عليه وسلم لا صلوة
 لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب اذا كان وحده واجتمع حديث جابر بن عبد الله
 یہ حدیث اکیلے نماز پڑھنے والے کے بارے میں ہے امام والے کے لیے
 نہیں اور اس پر حضرت جابر بن عبد اللہ کی حدیث گواہ ہے^۲

امام ابو داؤد امام احمد کے مقلد تھے۔ وہ اپنے امام کی تائید میں حضرت سفیان بن عیینہ
 (۱۹۸ھ) سے بھی حدیث لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب فصاعدا کا یہی معنی نقل کرتے
 ہیں^۳۔ من یصلی وحده یہ حدیث منقرض کے لیے ہے مقتدی کی نماز سورہ فاتحہ پڑھنے
 کے بغیر ہو جاتی ہے۔

تراویح کے مسئلہ میں آپ نے امام احمد کی بات نقل نہیں کی۔ ان سے کئی روایات
 تھیں۔ یہاں آپ کھل کر امام شافعیؒ کی بات نقل کرتے ہیں کہ اکثر اہل علم حضرت عمرؓ اور
 حضرت علیؓ کے اس فیصلہ پر ہیں کہ تراویح میں رکعت ہی مروی ہیں اور امام شافعیؒ نے فرمایا
 ہے کہ میں نے مسجد حرام میں لوگوں کو بیس رکعت پڑھتے ہی پایا ہے^۴

آپ کی کنیت ابو عیسیٰ ہے۔ چونکہ حضرت عیسیٰ کا کوئی باپ نہ تھا اس لیے بعض علماء اسے جائز نہیں سمجھتے۔ ابن ابی شیبہ (۲۳۵ھ) نے المصنف میں ایک باب باندھا تھا۔ باب ما یکرہ للرجل ان یکتبی بانی عیسیٰ۔ مگر امام ابو داؤد (۲۴۵ھ) نے سنن میں باب ما یکتبی بانی عیسیٰ میں اس کے لیے کچھ گنجائش رکھی ہے۔

ترمذی کے نام سے ایک اور محدث بھی مشہور ہیں۔ نوادر الاصول ان کی کتاب ہے انہیں عام طور پر حکیم ترمذی (۲۵۵ھ) کہا جاتا ہے۔ ایک ترمذی کبیر کے نام سے بھی معروف ہیں یہ ابو الحسن احمد بن حسن ہیں۔ امام احمد کے شاگرد اور امام ترمذی (۲۵۹ھ) کے استاد ہیں۔ امام ترمذی کی تصانیف میں کتاب العلل اور کتاب الشامل کی بھی بہت شہرت ہے۔ شائل ترمذی دورہ حدیث میں بھی پڑھائی جاتی ہے۔

جامع ترمذی حدیث کے آٹھوں قسم کے مضامین پر مشتمل ہے۔ ۱۔ سیر۔ ۲۔ آداب۔ ۳۔ تفسیر۔ ۴۔ عقائد۔ ۵۔ احکام۔ ۶۔ اشراط الساعة۔ ۷۔ مناقب۔ ۸۔ فتن۔ ترتیب فقہی سے آپ پہلے کتاب الطہارۃ لائے ہیں۔ اس لیے اسے سنن ترمذی بھی کہہ دیتے ہیں۔ مگر مضامین کی جامعیت کے لحاظ سے جامع بخاری کے بعد یہ کتاب ہے جسے بجا طور پر جامع ترمذی کہا جاسکتا ہے۔ ابو اسماعیل صہبانی کہتے ہیں۔ کتاب ابی عیسیٰ اقید من کتاب البخاری ومسلسلہ۔

حدیث کے مجموعی فوائد اور موضوع پر سیر حاصل تفر کے پہلو سے جامع ترمذی حدیث کی سب سے اعلیٰ کتاب ہے۔ عراقیوں اور حجازیوں کے اختلافات میں ہر پہلو پر علیحدہ باب باندھتے ہیں۔ سنن کے ابواب میں ایک حدیث لائے ہیں اور پھر اس باب میں جتنے صحابہ کی مرویات انکی نظر میں ہوتی ہیں دنی الباب عن فلان عن فلان کہہ کر ان کے نام گناتے چلے جاتے ہیں۔ اب یہ بات دوسروں کے ذمہ ہے کہ ان روایات کی تلاش کریں کہ کس کس سند سے انہیں کس کس کتاب میں روایت کیا گیا ہے۔ اس پہلو سے امام ترمذی قاری کتاب کے ہاتھ میں ایک ایسی کنجی دے دیتے ہیں جس سے وہ علم کے خزانوں پر ہمیشہ دستک دیتا رہے۔ یہ انوکھا اور اچھوتا انداز ائمہ صحاح میں سے اور کسی کے ہاں نہیں ملتا۔ اس

پہلے سے جامع ترمذی حدیث کی مفید ترین کتاب ہے۔

حدیث کی ثلاثی تقسیم (صحیح حسن اور ضعیف، گواہی جگہ پہلے سے موجود تھی۔ مگر متن حدیث کے ساتھ اس کی نشاندہی حدیث کی کسی اور کتاب میں اس طرح نہیں ملتی جس طرح ہم اسے جامع ترمذی میں دیکھتے ہیں۔ امام ترمذی علم و فن کو موتیوں کی طرح پروتے چلے جاتے ہیں۔ امام ترمذی کے ہاں ضعیف احادیث بھی بہت ملتی ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ضعیف حدیثیں محدثین کے ہاں کلیۃً متروک یا مردود نہ سمجھی جاتی تھیں۔ نہ انہیں موضوع قرار دیا جاتا تھا۔ بلکہ ان کا بھی ایک علمی وزن ہوتا ہے جسے مجتہدین اور باہرین فن ہی جانتے تھے۔

امام ترمذی ۱۲۹ھ دامصالح کے مذاہب پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں اور مختلف ابواب میں ان مذاہب کا بھی تذکرہ کرتے جاتے ہیں۔

امام ترمذی ۲۷۹ھ) ثقہ ہیں اور ان کی ثقاہت مجمع علیہ ہے۔ علامہ ابن خرم (۴۵۷ھ) نے انہیں مجہول لکھا ہے یہ صحیح نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ابن خرم کی جامع ترمذی اور ان کی کسی کتاب تک رسائی ہی نہ ہوئی تھی اور وہ انہیں جان نہ پائے تھے۔ اسی طرح ملا علی قاری سے بھی ایک تسامح ہوا ہے انہوں نے امام ترمذی کی ایک روایت کو ثنائی (جو دو واسطوں سے حضور تک پہنچے) تسلیم کیا ہے۔ حالانکہ انکے شیوخ امام بخاری، امام مسلم اور امام ابوداؤد کے ہاں جو سب سے بڑی عالی سند ہے۔ وہ ثلاثیات کی ہے۔

امام نسائیؒ (۳۰۳ھ)

احمد بن علی ابو عبد الرحمن النسائی بھی ابنہ فارس میں سے ہیں۔ خراسان میں مرو کے قریب نساء ایک قصبہ ہے وہاں کے رہنے والے تھے۔ نساء نون کی زبر سے ہے۔ نون کی زیر سے لفظ نساء (عورتیں) بنتا ہے۔ نادان امام ابو عبد الرحمن نسائی کو نسائی پڑھتے ہیں

۱۔ دیکھئے مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۲۱

یہ غلط ہے۔ نسائی ہمزہ کے مد اور قصر دونوں طرح سے پڑھا گیا ہے۔

امام نسائی ۲۱۵ھ میں پیدا ہوئے۔ خراسان ان دنوں علم و فن کا مرکز تھا۔ امام نسائی تحصیل علم میں خراسان سے فارغ ہوئے تو پھر دوسرے مراکز علمی کی طرف رخ کیا۔ محدثین نے طلب حدیث میں بڑے بڑے سفر کئے ہیں۔ امام نسائی نے طلب حدیث میں حجاز، عراق، مصر، شام اور جزیرہ کے سفر کئے۔ پندرہ سال کی عمر میں وقت کے جلیل القدر محدث قتیبہ بن سعید (۲۴۰ھ) کے پاس پہنچے اور ایک سال سے کچھ زیادہ وہاں قیام پذیر رہے جن اساتذہ کی روایتیں آپ خراسان میں بالواسطہ سُن چکے تھے ایسے بہت سے بزرگوں سے بالمشافہ بھی حدیث سنی۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:-

رحل الى الافاق واشتغل بجمع الحديث والاجتماع بالائمة الحذاق^۱
ممع من خلائق لا يحصون^۲۔

ترجمہ: دنیا کے کناروں تک سفر کیے۔ حدیث سننے اور ماہرین فن سے مجلسیں کرنے میں (عمر بھر) مصروف رہے۔ اتنے بزرگوں سے حدیث سنی کہ ان کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔

مصر کو اپنا مرکز بنایا۔ اور وفات سے تقریباً ایک سال پہلے شام (دمشق) چلے آئے۔ وفات سے چند دن پہلے آپ مکہ مکرمہ چلے گئے۔

امام اسحق بن راہویہ، محمد بن بشار، قتیبہ بن سعید، امام ابو داؤد، ابو حاتم رازی، امام ابو زرعمہ اور حضرت امام بخاری آپ کے اساتذہ میں سے ہیں۔

امام ابو بکر بن احمد بن السنی (۳۶۳ھ) محمد بن قاسم الاندلسی (۳۲۸ھ) حافظ ابو بشر الدولابی (۳۱۰ھ) اور حافظ ابو جعفر الطحاوی (۳۲۱ھ) اور علی بن جعفر الطحاوی (۳۵۱ھ) آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ آپ سے سنن نسائی امام طحاوی کے بیٹے علی بن جعفر طحاوی نے روایت کی ہے۔

امام نسائی حدیث میں ثقہ ثبت اور حافظ تھے۔ فن روایت، جرح رداۃ اور

^۱ البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۲۳ ^۲ تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۳۷۱ ^۳ اشعۃ اللمعۃ جلد ۱ ص ۱۲۳ تہذیب التہذیب ص ۱۲۳

اور معرفتِ علیؑ حدیث میں اپنے اقران میں ممتاز تھے اور علمِ حدیث میں اپنے وقت کے امام تھے۔ کان امام عصرہ فی الحدیث۔^۱

حافظ ذہبی (۸۲۸ھ) سیر اعلام النبلاء میں لکھتے ہیں کہ آپ علیؑ حدیث اور رجالِ حدیث کی معرفت میں امام مسلم، امام ترمذی اور امام ابو داؤد سے بھی آگے نکلے ہوئے تھے اور ان باتوں میں امام ابو زرہ اور امام بخاری کی صف کے آدمی تھے۔ یہ بات صرف شخصیات کے بارے میں ہے۔ جہاں تک ان کی تالیفات کا تعلق ہے صحیح مسلم اور ابو داؤد فنی اعتبار سے سنن نسائی پر فائق ہیں۔

امام نسائی کا مسلک

حضرت امام اپنی عمر کے آخری حصے میں دمشق چلے آئے آپ نے خصائص علیؑ کے نام سے ایک کتابچہ تالیف فرمایا۔ آپ پر شیعیت کا الزام لگا۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہمارے کئی علماء اس پروپگینڈے سے اثر لیے بغیر نہ رہ سکے۔ امام نسائی پر شیعیت کا الزام بالکل غلط ہے۔ سنن نسائی کے باب امامت اہل العلم والفعل کا مطالعہ کریں وہاں آپ کو حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بارے میں یہ الفاظ ملیں گے۔

أَلَسْتُمْ تَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدَامَرَ أَبَا بَكْرٍ
أَنَّ يَصِلَى بِالنَّاسِ فَأَيُّكُمْ تَطِيبُ نَفْسَهُ أَنْ يَتَقَدَّمَ أَبَا بَكْرٍ قَالُوا نَعُوذُ بِاللَّهِ
أَنْ نَتَقَدَّمَ أَبَا بَكْرٍ^۲

ترجمہ۔ کیا تم نہیں جانتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کو (مرض و فات میں) لوگوں کی امامت پر مامور فرمایا۔ سو اب تم میں سے کون چاہتا ہے کہ ابو بکرؓ سے آگے بڑھے۔ اس پر انصار نے کہا ہم اللہ کی پناہ لیتے ہیں کہ ابو بکرؓ سے آگے بڑھنے کی جسارت کریں۔

کیا شیعہ علماء اس قسم کی روایات اپنی کتابوں میں لا سکتے ہیں؟ حضرت امام جب

دشمن ہیں آئے تو ان دنوں وہاں خارجیت کا بہت بڑا چاتھا۔ حضرت امام نے مذہب اہلسنت کے تحت کے لیے حضرت علیؓ کے فضائل پر خالص علی کے نام سے ایک کتاب لکھی خارجیوں نے اس کتاب کے حوالے سے آپ پر تشیع کا الزام لگایا۔ فقہی اعتبار سے آپ شافعی المذہب تھے۔ سنن نسائی کے کتاب الحج سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ جماعۃ المحدثین کے ذاب صدیق حسن خاں صاحب نے بھی آپ کو شافعی قرار دیا ہے۔ البتہ مولانا اقدس شاہ کشمیری نے آپ کو حنبلی لکھا ہے اور سنن نسائی کے باب وقت الجمعہ سے اسکی شہادت ملتی ہے۔ امام احمد کے نزدیک نماز جمعہ زوال آفتاب سے پہلے بھی ہو سکتا ہے۔ یہاں امام نسائی نے اسی موقف کو اختیار کیا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔ مگر امام نسائی یہاں قرآن کریم کی آیت اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون (پ ۹ الاعراف آخر) کا باب باندھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پیش کرتے ہیں۔ واذ اقدرا فانصتوا جب امام پڑھنا شروع کرے تو تم چپ ہو جاؤ، یعنی امام کے پیچھے قرآن پڑھنا نہیں چپ رہنا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات شافعی مسلک کے مطابق نہیں۔

یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ محدثین کرام اپنے مسلک میں ہرگز تنگ نظر نہ تھے انہوں نے ہر مسلک اور ہر قسم کی روایات اپنی کتابوں میں پیش کی ہیں۔ امام نسائی کا مسلک حنبلی مذہب کے موافق رکوع کے وقت رفع یدین کرنے کا ہے۔ اسی طرح وہ دونوں سجدوں کے درمیان رفع یدین کے قائل تھے۔ مگر ان کی انصاف پسند طبیعت دیکھئے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کی سند سے اپنی سنن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ روایت لاتے ہیں کہ کیا میں تمہیں حضورؐ کے طریقے کے مطابق نماز پڑھاؤں آپ نے نماز پڑھائی اور شروع نماز میں رفع یدین کیا پھر کہیں نہ کیا۔

محدثین اہلسنت کی انصاف پسندی اور وسعت نظری کی داد دیجئے کہ اپنے مسلک سے قطع نظر کس طرح متوازی روایتوں کو بھی اپنی کتابوں میں جگہ دیتے ہیں۔ لیکن یہ روش

صرف فروع تک ہے۔ اصول میں وہ کسی نرمی کو راہ نہیں دیتے۔

امام نسائی کی تصنیفات

سنن نسائی کا اطلاق آپ کی سنن کبریٰ پر بھی ہوتا ہے اور سنن صغریٰ پر بھی۔ یہ کتاب سنن نسائی جو دورہ حدیث میں داخل ہے یہ سنن صغریٰ ہے اس کا نام المجتبیٰ بھی ہے۔ ان کی کتاب خصال علی اور کتاب الضعفاء والمتردین بھی بارہم شائع ہو چکی ہے۔ صحت کے لحاظ سے سنن نسائی صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بعد تیسرے درجہ کی کتاب ہے۔ رجال کی تنقید میں کہیں آپ امام بخاری اور امام مسلم سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔ کتاب الضعفاء والمتردین کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ جرح کرنے میں متشددین میں سے تھے۔ اسماء وکنی کی تعین میں آپ اور امام ترمذی ایک سے چلتے ہیں۔

سنن نسائی کو امام نسائی سے ابن السنی، ابن الاحرار، ابو علی السیوطی اور دیگر کئی محدثین نے روایت کیا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں سنن نسائی کا جو نسخہ رائج ہے وہ ابن السنی کی روایت سے ہے۔ دوسرے نسخوں میں امام نسائی کا دو واسطوں سے حضرت امام ابو حنیفہ سے حدیث روایت کرنا ثابت ہے۔

(نوٹ، جس طرح جامع ترمذی امام ابن حزم کی دسترس سے باہر رہی۔ سنن نسائی امام بیہقی کے مطالعہ میں نہ آ سکی۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں۔

لعمریک عندہ سنن النسائی والجامع الترمذی ولاسنن ابن ماجہ۔

ترجمہ آپ کے پاس سنن نسائی، جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ تینوں کتابیں نہ تھیں۔

امام بیہقی کی اگر ان کتابوں پر نظر ہوتی تو شافیت میں وہ اسقدر متشدد نہ ہوتے۔ سنن نسائی کے تراجم صحیح بخاری کے تراجم کے انداز پر ہیں بعض جگہ لفظاً لفظاً ایک

۱۔ امام نسائی کہتے ہیں۔ حد ثنا علی بن جرح ثنا عیسیٰ ہوا بن یونس عن النعمان یعنی اباحنیفہ عن

عاصم عن ابی دزین عن ابن عباس (تہذیب جلد ۴) ۲۔ تذکرۃ الحفاظ جلد ۴

ہیں۔ یہ تراجم امام نسائی کی فقہی نظر کے آئینہ دار ہیں۔ امام نسائی کے تراجم بعض مقامات پر متن سے متعلق نہیں سند سے متعلق بھی ہوتے ہیں اور یہ بات صحیح بخاری کے تراجم میں نہیں۔ اس پہلو سے سنن نسائی ایک بی مثال کتاب ہے۔

امام ابن ماجہ قرظونی (۲۴۳ھ)

ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ ایران کے شہر قرظون میں ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے طلبِ حدیث میں بصرہ، کوفہ اور بغداد، مکہ و مدینہ اور شام کے سفر کیے۔ خراسان بھی گئے اور وہاں کے علماء سے حدیث سنی۔ امام مالک اور امام لیث مصری کے تلامذہ سے استفادہ کیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں آپ کی کتاب سنن کے موضوع پر نہایت عمدہ کتاب ہے۔

کتابہ فی السنن جامع جید۔ تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۱

ابن ماجہ نے سنن میں کوشش کی ہے کہ زیادہ تر وہ حدیثیں لائیں جو پہلی پانچ مشہور کتابوں میں نہیں ملتی۔ وہ ضعاف بھی ہوں تو دوسری صحیح اور حسن احادیث کو سمجھنے میں ان سے بہت مدد ملتی ہے۔ آپ کہیں کہیں علاقوں کی نسبت سے بھی سند کی نشاندہی کرتے ہیں جس کی مثال پہلی کتابوں میں نہیں ملتی۔ مثلاً حدیث کل مسکبہ حرام کی ایک سند کے متعلق لکھتے ہیں۔ ہذا حدیث المصریین۔ یہ مصر والوں کی سند ہے اور دوسری سند کے بارے میں فرماتے ہیں۔ ہذا حدیث العراقیین۔ عراقی اسے اس سند سے نقل کرتے ہیں۔

سنن ابن ماجہ میں پانچ ثلاثی احادیث ہیں جو عالی سند کے اعتبار سے اس کتاب کا ایک بڑا اعزاز ہیں۔ یہ پانچوں روایات ایک ہی سند سے مروی ہیں۔ سنن ابی داؤد اور سنن ترمذی میں صرف ایک ایک روایت ثلاثی ہے اور علیحدہ علیحدہ سند سے ہے صحیح مسلم اور سنن نسائی میں ایک بھی ثلاثی حدیث نہیں۔ البتہ صحیح بخاری میں بائیس ثلاثی

روایات موجود ہیں۔ سنن ابن ماجہ میں ثلاثیات کی جو سند ہے اس میں کثیر بن سلیم راوی پر محدثین نے جرح کی ہے۔ امام دارمی (۲۵۵ھ) کی مسند میں ثلاثیات دیگر سب کتابوں سے زیادہ ہیں۔

سنن ابن ماجہ کا صحاح ستہ میں شمار

علماء حدیث میں اختلاف رہا ہے کہ صحاح ستہ میں چھٹی کتاب کون سی ہے۔ ابن صلاح (۶۴۲ھ) اور امام نووی (۶۷۶ھ) نے پانچ کتابوں کو مرکزی حیثیت میں رکھا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر المقدسی (۵۰۷ھ) اطراف المکتب الستہ اور شروط الائمہ میں اور حافظ عبدالغنی مقدسی (۶۰۰ھ) اپنی تالیفات میں سنن ابن ماجہ کو صحاح ستہ میں شمار کر چکے تھے۔ خطیب تبریزی (۷۴۳ھ) نے بھی الاکمال فی اسماء الرجال میں سنن ابن ماجہ کے ساتھ چھ کتابوں کے رجال کو جمع کیا ہے۔

اختلاف کرنے والے حضرات

مشہور محدث رزین (۵۲۰ھ) نے کتاب التجرید میں جن چھ کتابوں کی تجرید کی ہے ان میں چھٹی کتاب مؤطا امام مالک ہے۔ علامہ ابن اثیر جزیری (۶۰۶ھ) نے بھی جامع الاصول میں چھٹی کتاب مؤطا ہی رکھی ہے۔ امام ابوسعید العلانی (۷۱۷ھ) مسند دارمی کو چھٹی کتاب کا درجہ دینا چاہتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) بھی مسند دارمی کو ہی چھٹی کتاب کے طور پر شامل کرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مسند امام احمد کو چھٹے نمبر پر رکھنا چاہتے ہیں۔

اختلاف کرنے والوں کا اختلاف چنداں مؤثر نہیں ہے اور جمہور اہل علم نے سنن ابن ماجہ کو ہی صحاح ستہ میں جگہ دی ہے۔ ابن خلکان (۶۸۱ھ) لکھتے ہیں:-

کتابہ فی الحدیث احد الصحاح الستہ۔

ترجمہ آپ کی کتاب سنن ابن ماجہ صحاح ستہ میں سے ایک ہے۔

سنن ابن ماجہ کی بائیس حدیثیں ایسی کمزور ہیں کہ ان پر وضع کا حکم بھی لگ سکتا ہے ایک ہزار کے قریب روایات پر جرح ہو سکتی ہے۔ تاہم اس کے علو مرتبہ سے انکار نہیں ہو سکتا۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں:-

كلما جیاد سوی السیرة^۱۔ اس کی سب حدیثیں ماسوائے چند کے جید ہیں۔
سنن ابن ماجہ میں تیس بڑے ابواب ہیں جنہیں کتاب کہتے ہیں جیسے کتاب الزکوٰۃ کتاب الحج اور پندرہ سو عام ابواب ہیں۔ کل حدیثیں چار ہزار کے قریب ہیں۔
(نوٹ) صحاح ستہ کی احادیث میں صحت کے لحاظ سے فرق ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں صحت کا معیار نہایت بلند ہے اور سنن اربعہ پر صحاح کا اطلاق تغلیباً ہے۔ ان میں حسان اور ضعاف بھی ہیں اور مجموعی لحاظ سے ان چھ کتب پر صحاح ستہ کا اطلاق درست ہے۔

اب ہم کچھ ان ائمہ حدیث کا ذکر کرتے ہیں جو گو ائمہ صحاح میں سے نہیں۔ لیکن فن کی معرفت اور خدمت میں ان کے ساتھ برابر کے شریک ہیں کتابوں کے درجات اور نسبت سے ہیں۔ لیکن امام فن ہونے کے لحاظ سے یہ حضرات بھی کچھ پیچھے نہیں

۱۔ امام سعید بن منصور (۲۲۷ھ) صاحب السنن

الامام الحافظ الحجۃ ابو عثمان احمد بن محمد بن سعید بن منصور ثقہ محدث ہیں اپنے امام مالک، لیث بن سعد ابو معشر حبیبی اکابر سے حدیث سنی۔ ان کے امام احمد بن حنبل، مسلم بن الحجاج اور امام ابو داؤد نے روایت کی۔ سنن سعید بن منصور محدثین میں بہت معروف ہے، خدا کرے چھپ جائے۔ اسکی اشاعت سے علم میں ایک نیا باب کا اضافہ ہوگا۔

۲۔ ابو بکر بن ابی شیبہ (۲۳۵ھ)

ثقة امام ہیں۔ عبداللہ بن مبارک، شریک بن عبداللہ القاضی، سفیان بن عیینہ، علی بن مسہر، عباد بن العوام، وکیع بن الجراح، یحییٰ بن سعید القطان، اسماعیل بن عیاش، اسماعیل بن علیہ حبیبی محدثین کے شاگرد تھے۔ ان کے امام بخاری، امام مسلم

امام ابوداؤد، امام نسائی اور ابن ماجہ اور دوسری محدثین نے حدیث روایت کی ہے ترمذی میں ان سے کوئی روایت نہیں۔ انکی کتاب کا نام المصنف لابن ابی شیبہ ہے۔ المصنف ایک خاص طرز کی کتاب کہتے ہیں اس سے پہلے المصنف عبدالرزاق (۲۱۱ھ) اس نوع کی کتاب معروف تھی۔ یہ عبدالرزاق بن ہمام حدیث میں امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں۔

۳۔ ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمن الدارمی (۲۵۵ھ)

سمرقند کے قبیلہ دارم سے تعلق رکھتے ہیں۔ یزید بن ہارون، نصر بن شہیل اور دوسرے کئی ائمہ کبار سے حدیث سنی۔ امام مسلم، امام ترمذی، امام ابوداؤد اور حضرت امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے، عبداللہ آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں۔ خراسان میں چار شخص حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ ۱۔ امام ابوزرعہ۔ ۲۔ امام بخاری۔ ۳۔ امام دارمی۔ ۴۔ حسن بن شجاع البغنی۔ امام نسائی نے بھی سنن صغریٰ کے ماسوا آپ سے روایت کی ہے۔ امام بخاری کو آپ کے انتقال کی خبر پہنچی تو صدمہ سے سر جھکا لیا اور بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ اس سال اور بھی کئی محدث راہی ملک بقا ہوئے نیشاپور میں محدث عبدالرحمن، واسط میں محمد بن حرب النسائی، دمشق میں موسیٰ بن عامر نے انتقال فرمایا۔

مسند دارمی سنن کے طرز کی کتاب ہے مسند کی ترتیب پر نہیں۔ ہندوستان میں ۱۲۹۳ھ میں مطبع نظامی کانپور میں چھپی تھی۔ اب مصر میں بارہ شائع ہو چکی ہے۔ حافظ ابوسعید خلیل العلانی (۷۱۱ھ) اسے سنن ابن ماجہ کی جگہ صحاح ستہ میں جگہ دیتے ہیں حافظ ابن حجر (۸۵۲ھ) سے بھی اس کی تائید منقول ہے۔ مسند دارمی میں ساڑھے تین ہزار کے قریب احادیث ہیں اور اس دور کی دیگر کتابوں کی نسبت سے اس میں ثلاثیات زیادہ ہیں۔ یہ صرف مرفوع روایات پر مشتمل نہیں۔ صحابہ کی روایات بھی اس میں کافی ہیں۔ باب کراہیۃ اخذ الراے کی ایک روایت ملاحظہ ہو۔

مسجد میں کچھ لوگ دائرہ بنائے بیٹھے بلند آواز سے ذکر کر رہے تھے وہاں فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی آنکھیں پٹی ہوئے بیٹھے تھے۔

تم کس قدر جلدی تباہ ہونے لگے۔ ابھی تو تمہارے سامنے بہت سے صحابہؓ زندہ موجود ہیں۔ ابھی تو حضورؐ کے کپڑے بھی پرانے نہیں ہوئے اور آپ کے استعمال کے برتن بھی نہیں ٹوٹے۔ کیا تم ایسے دین پر آگئے ہو جو حضورؐ کے دین سے زیادہ ہدایت والا ہے یا گمراہی کا راستہ کھل رہا ہے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محدثین اس دور میں صرف مرفوع احادیث لے کر نہیں چلتے تھے صحابہؓ کو ساتھ ساتھ رکھتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی وہی حدیث سنت قائمہ سمجھی جاتی تھی۔ جس پر صحابہؓ کا عمل موجود ہو اور اگلے آنے والے مسلمان اس طریق کار کو ما انا علیہ واصحابی کی راہ کہہ سکیں۔

بغداد کے رہنے والے تھے۔ وہیں تعلیم شروع
۴۔ ابن ابی الدنیا (۲۸۱ھ) کی بغداد میں اس وقت ممتاز محدث ابو بکر عبد اللہ بن محمد تھے۔ ان سے حدیث سُنی۔ ابن ابی حاتم نے آپ کو ثقہ کہا ہے خلیفہ المعتضد عباسی کے تالیق بھی ہے۔ شارحین حدیث نے آپ کی روایات کے بابجا حوالے دیئے ہیں۔

۵۔ حافظ ابو بکر البزار (۲۹۲ھ) حافظ احمد بن عمرو البزار البصری جلیل القدر حافظ حدیث ہیں۔ دارقطنی نے آپ کو

ثقہ کہا ہے۔ البزار نے عبد اللہ بن علی بن حماد، حسن بن علی بن راشد، محمد بن یحییٰ بن فضال اور ان کے اقران سے حدیث کا سماع کیا۔ اجلہ محدثین نے آپ سے حدیث سُنی ہے۔

۶۔ حافظ ابو یعلیٰ الموصلی (۳۰۷ھ)

امام احمد بن علی الموصلی الحافظ حضرت امام ابو یوسفؒ کے شاگرد حافظ بشر بن الولید کے شاگرد تھے اور حنفی المذہب تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:-

قال ابو علی الحافظ لولم یشتغل ابو یعلیٰ بکتب ابی یوسف علی بشر بن

الولید لا یرک بالبصرة ابا داؤد الطیالسی^۹

ترجمہ۔ اگر ابو یعلیٰ بشر بن الولید کے ہاں امام ابو یوسف کی کتابوں میں مشغول نہ رہتے تو امام ابو داؤد الطیالسی کو بصرہ میں پالیٹے۔^{۱۷}

ابو یعلیٰ یحییٰ بن معین کے بھی شاگرد تھے اور یحییٰ امام ابو حنیفہ کے قول پر فتوے دیتے تھے۔ آپ کے شاگرد ابو علی نیشاپوری آپ کے حفظ و ضبط کے بڑے مداح تھے۔ ابن حبان نے آپ کو ثقہ کہا ہے۔ سمعانی کہتے ہیں مسند ابی یعلیٰ ایک سمندر ہے جس میں سب چیزیں ملتی ہیں۔ مسند ابی یعلیٰ عام ملتی ہے۔ حدیث کی بہت اہم اور مفید کتاب ہے۔

۷۔ ابن جارود نیشاپوری (۳۰۷ھ)

ابن جارود ابو محمد عبد اللہ بن علی النیشاپوری کو میں مقیم رہے۔ ذہبی لکھتے ہیں۔ الحافظ الامام الناقد۔ کتاب المنتہی فی الاحکام آپ کی تالیف ہے۔ آپ نے ابو سعید بن الاشج، علی بن خشرم، یعقوب بن ابراہیم الددرقی، عبد اللہ بن ہاشم الطوسی اور زعفرانی سے حدیث سنی۔ ان سے محمد بن نافع المکی، یحییٰ بن منصور اور طبرانی نے حدیث روایت کی ہے۔

۸۔ حافظ ابو بشر الدولابی (۳۱۰ھ)

محمد بن احمد ابو بشر الدولابی حافظ حدیث ہیں۔ احمد بن ابو شریح الرازی، ہارون بن سعید، موسیٰ بن عامر دمشقی، زیاد بن ایوب کے شاگرد تھے۔ طلب حدیث میں حجاز، عراق، مصر اور شام کے سفر کیے۔ طبرانی، ابن حبان البیہقی اور ابو بکر المقرئ آپ کے شاگردوں میں سے تھے۔ دارقطنی کہتے ہیں بعض محدثین نے ان کی ثقاہت میں کلام کیا ہے۔ مگر ان میں یحزیر اور کئی چیز ثابت نہیں ہوئی۔

۹۔ حافظ ابو بکر بن خزیمہ (۳۱۱ھ)

محمد بن اسحاق ابو بکر بن خزیمہ خراسان کے رہنے والے تھے۔ محمد بن حمید اور اسحاق

بن راہویہ کے شاگرد تھے۔ دارقطنی کہتے ہیں نہایت پختہ کار اور بے نظیر عالم تھے۔
ذہبی لکھتے ہیں :-

انتهت الیہ الامامة والحفظ فی عصرہ بمناسان

ترجمہ: ابنِ محدث میں امامت اور حدیث کا حفظ آپ کے عہد میں آپ پر ختم تھا۔

(نوٹ) صحیح ابن خزمیہ کی چار جلدیں چھپ چکی ہیں۔

۱۰۔ حافظ ابو عوانہ الاسفرائنی النیشاپوری (۳۱۶ھ)

یعقوب بن اسحق بن ابراہیم ابو عوانہ، محدث شہیر محمد بن یحییٰ الذہلی، علی بن اشکاب، یونس بن عبد الاعلیٰ اور امام مزنی کے شاگرد تھے۔ آپ سے حافظ احمد بن علی الرازی، ابو علی النیشاپوری، ابن عدی طبرانی اور اسمعیلی نے حدیث سنی۔ ذہبی لکھتے ہیں ثقہ جلیل۔ آپ نے صحیح مسلم پر استخراج کرتے ہوئے اسناد صحیح لکھی جو مسند ابی عوانہ کے نام سے مشہور صحیح مسلم کی احادیث پر اس میں مزید سندیں ملتی ہیں۔ اس کی دو جلدیں حیدرآباد سے شائع ہو چکی ہیں

۱۱۔ امام ابو جعفر الطحاوی (۳۲۱ھ)

میں کے قبیلہ ازد میں سے ہیں مصر پر اسلام کا پرچم لہرایا تو ان کے آباء میں سے مصر آگئے۔ طحاوی مصر میں ایک گاؤں کا نام ہے۔ آپ کے بزرگ اس گاؤں کے قریب ایک بستی میں آباد ہوئے تھے۔ امام شافعی کے شاگرد خاص امام مزنی آپ کے ماموں اور استاد بھی تھے۔ امام طحاوی سنن شافعی کے راوی انہی کے واسطے سے ہیں۔ علامہ عینی لکھتے ہیں علماء بعض اوقات سنن شافعی کو سنن طحاوی بھی کہہ دیتے ہیں۔ یہ امام طحاوی کی تالیف ہو تو بھی اس کی روایات امام شافعی کی ہیں۔

کو ذ کے بعد مصر کی زمین علم و فضل کا بڑا مرکز سمجھی جاتی تھی۔ مین سو کے قریب

صحابہ یہاں آکر مقیم ہوئے۔ عمرو بن الحارث، یحییٰ بن ایوب، حیوۃ بن شریح اور لیث بن سعد جیسے محدثین اس سرزمین سے اُٹھے۔ پھر ان سے لے کر ابن وہب، ابن القاسم، امام شافعی، امام ابراہیم مزنی اور امام طحاوی تک علم حدیث کا یہاں بہت چرچا رہا۔ امام طحاوی نے دیکھا کہ امام مزنی امام محمد بن حسن الشیبانی کی کتابوں کا بہت مطالعہ کرتے ہیں۔ آپ اس سے بہت متاثر ہوئے اور آپ نے محسوس کر لیا کہ فقہ حنفی میں ایسی گہرائی ہے کہ اپنے مسلک کے لوگ تو درکنار دوسرے مذاہب کے ائمہ کیا بھی اس سے مستغنی نہیں۔ اس کے بعد آپ شافعی مسلک چھوڑ کر حنفی مذہب پر آگئے۔ مصر میں فکری انقلاب کا یہ ایک نیا رخ تھا۔

امام طحاوی کے اساتذہ میں مصر کے مرکزی عالم یونس بن عبدالاعلیٰ (۲۶۴ھ) بہت شہرت رکھتے ہیں۔ آپ نے ہارون بن سعید، عیسیٰ بن شروہ، بحر بن نصر اور دوسرے کئی اکابر سے حدیث سنی۔ ۲۶۸ھ میں شام گئے اور وہاں کے محدثین سے استفادہ کیا۔ ایک سال بعد پھر مصر آگئے۔ آپ کے شیوخ میں مصری، یمنی، شامی، کوئی، بصری، حجازی اور خراسانی ہر علاقے کے علماء شامل ہیں۔ آپ امام بخاری اور امام مسلم کے ساتھ ان کے بہت سے اساتذہ میں شریک ہیں۔ آپ کے شاگردوں میں شیخ احمد بن قاسم انخاب، امام طبرانی، احمد بن عبدالوارث زجاج، قاضی صغید اور عبدالعزیز بن محمد جوہری خاص طور پر معروف ہیں۔ آپ کا سال وفات ۳۲۱ھ محمد مصطفیٰ کی تاریخ سے نکلتا ہے۔ جس سال آپ فوت ہوئے اسی سال ہرات میں ابو علی احمد بن محمد، اصفہان میں ابو علی الحسن، بغداد میں ابو عثمان سعید بن محمد اور مصر میں آپ کے شیخ ابو بکر احمد بن عبدالوارث راہی ملک بقاء ہوئے۔

امام طحاوی کا علمی مقام

علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں:-

وكان ثقة فقيها عاقلاً لم يخلف مثله

آپ ثقہ ہیں، فقیہ ہیں، عاقل ہیں۔ اپنے پیچھے انہوں نے اپنے جیسا کوئی نہیں چھوڑا۔^۱

کے معلوم نہیں کہ کوفہ امام سفیان ثوری، حضرت امام ابو حنیفہ، امام وکیع بن جراح، امام ابو یوسف، سفیان بن عیینہ جیسے جہاں علم کے باعث علم و فضل کا بڑا مرکز تھا۔ امام طحاوی مصر کے علمی مراکز میں اہم مرکزی شخصیت ہوتے ہوئے محدثین کوفہ کے سیر و اخبار اور ان کے فقہ و اجتہاد پر بھی نہایت جامع نظر رکھتے تھے۔ حافظ ابن حجر حافظ ابن عبد البر مالکی (۴۶۳ھ) سے نقل کرتے ہیں:-

كان الطحاوی من اعلی الناس بسیر الکوفیین و اخبارهم و فقههم مع مشاد کتہ فی جمیع المذاهب۔^۲

ترجمہ۔ آپ علماء کوفہ کے سیر و اخبار (دوہاں کی احادیث) اور ان کی فقہ کے جامع ترین عاملوں میں سے تھے اور یہی حال آپ کا جمیع مذاہب کے علم میں تھا۔

ابن حماد حنبلی بھی امام طحاوی کے بارے میں لکھتے ہیں:-
الثقة الثبت برع فی الحديث والفقه۔^۳

ترجمہ۔ آپ ثقہ ہیں ضبط میں سچتے ہیں۔ حدیث اور فقہ میں براعت (انتہائی کمال) پائے ہوئے ہیں۔

ابن جوزی کے تشدد سے کون آگاہ نہیں آپ لکھتے ہیں:-
كان ثبتاً فہماً فقیہاً عاقلاً عقیقاً۔^۴

ترجمہ۔ قوی الضبط محدث ذہین فقیہ اور سمجھ دار عالم تھے۔
حافظ ابن حجر عسقلانی راویوں کی جرح و تعدیل میں کہیں کہیں امام طحاوی کے اقوال بھی نقل کرتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ جرح و تعدیل کے بھی امام تھے۔

آپ نے علامہ کراچی کے رد میں نقص المیہ اور ابو عبیدہ کی کتاب النسب کے رد میں الرد علی ابی عبیدہ جیسی فاضلانہ تالیفات سے اس باب میں اپنا سکہ منوایا۔ ابن تعزری آپ کو احوال اعلام اور شیخ الاسلام کا خطاب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فقہ و حدیث احکام اور عربیت اور نحو میں نظیر نہ رکھتے تھے۔^{۱۱}

امام طحاوی پر اعتراضات

بعض علماء نے حدیث و الشمس روایت کرنے پر آپ پر سخت تنقید کی ہے اس قسم کے مسائل پر اس قسم کا اختلاف تعجب خیز نہیں کیا حافظ ابو الفتح ازدی ابو زرعہ اور عراقی نے بھی اس حدیث کو حسن نہیں کہا، تعجب ہے کہ حافظ ابن حجر یہاں تو مسلم بن قاسم اندلسی کا اعتراض بڑے اہتمام سے ذکر کرتے ہیں۔ لیکن اسی مسئلہ نے جب اسی قسم کا ایک اعتراض امام بخاری پر کیا تو حافظ صاحب اسی مسئلہ کو بھول قرار دیتے ہیں۔^{۱۲}

امام بیہقی (۴۵۸ھ) نے امام طحاوی پر جو اعتراضات کیے ہیں شیخ عبدالقادر القرشی نے المحادی میں ان کے جوابات دیئے ہیں۔ قاضی القضاۃ علامہ علاء الدین المارینی نے الجوہر النقی فی الرد علی البیہقی میں امام بیہقی کے اعتراضات کو ہاتھوں ہاتھ لیا ہے۔

آپ کی کتاب شرح معانی الآثار دورہ حدیث میں پڑھائی جاتی ہے اور اپنے فن اور انداز میں نظیر نہیں رکھتی۔ اسے پڑھنا تاہر استاد کے بس میں نہیں یہی وجہ ہے کہ جہاں اس کے اہل استاد میسر نہ ہوں وہاں اسے نہیں پڑھاتے۔ علامہ عینی (۸۵۸ھ) فرماتے ہیں کہ سنن ابی داؤد جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ پر اس کی ترجیح اس قدر واضح ہے کہ اس میں کوئی نادان ہی شک کر سکے گا۔ علامہ ابن حزم (۴۵۷ھ) اسے سنن ابی داؤد اور سنن نسائی کے درجہ پر رکھتے ہیں۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے

۱۱۔ النجوم الطاہرہ جلد ۲ ص ۲۳۹ ۱۲۔ تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۳۱۱ المحادی فی تخریج معانی الآثار للطحاوی
۱۳۔ للحافظ عبدالقادر القرشی ۱۴۔ مقدمہ تعلیق المحجد علی موطا امام محمد ص۔ للفاضل الکنوی

ہیں۔ ”میرے نزدیک شرح معانی الآثار سنن ابی داؤد کے قریب ہے۔ اس کے بعد جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ کا درجہ ہے۔“
 حافظ ابن حجر عسقلانی کے شاگرد حافظ سخاوی نے جن کتب حدیث کو خصوصی طور پر قابل مطالعہ قرار دیا ہے ان میں شرح معانی الآثار بھی ہے۔ حافظ ابن حجر نے اتحاف المہرہ میں جن دس کتابوں کے اطراف جمع کیے ان میں طحاوی شریف بھی ہے۔
 علامہ امیر القلی فرماتے ہیں:-

فانظر شرح معانی الآثار هل ترے له نظیراً فی سائر المذاهب فضلاً
 عن مذهبنا هذا

ترجمہ۔ امام طحاوی کی شرح معانی الآثار کو دیکھو اپنے مسلک کی بات نہیں
 کیا دوسرے تمام مذاہب میں تم اس کی نظیر پیش کر سکتے ہو؟
 علامہ عینی جیسے علیل القدر محدث نے برسوں طحاوی شریف کا درس دیا اور اس کی
 ایک ضخیم شرح بھی لکھی ہے جو پچھلی تمام شروح کا سرمایہ ہے۔

امام طحاوی کی دیگر تالیفات

مشکل الآثار حیدرآباد دکن سے اس کی چار جلدیں شائع ہوئی ہیں۔ ہماری معلومات
 کے مطابق پوری کتاب ابھی کہیں شائع نہیں۔ قاضی ابن رشد نے اس کا ایک اختصار لکھا ہے
 علامہ عینی کے استاد قاضی جمال الدین یوسف بن موسیٰ نے اس اختصار کا ایک اختصار المختصر
 کے نام سے کیا ہے۔ اس میں کئی ایسی احادیث ملتی ہیں جو مشکل الآثار کی مطبوعہ چار جلدوں میں

۱۰ فیض الباری جلد ۱ ص ۵

۱۱ مبنی الاخبار شرح معانی الآثار چھ جلدوں میں ہے۔ علامہ عینی نے رجال طحاوی پر منتخب الاخبار
 فی رجال معانی الآثار علیحدہ کتاب لکھی ہے۔ اس کی ایک تلخیص معانی الاخبار کے نام سے بھی لکھی
 ہے جس کی تلخیص کشف الاستار کے نام سے دیوبند سے شائع ہو چکی ہے۔

نہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کتاب اگر پوری طبع ہو تو کم از کم آٹھ جلدوں میں طبع ہوگی۔ امام طحاوی کی ان کے علاوہ دیگر تالیفات بھی ہیں۔

- ۱۔ اختلاف العلماء۔ ۲۔ احکام القرآن۔ ۳۔ کتاب الشروط الکبیر۔ ۴۔ النوادر الفقہیہ
- ۵۔ اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ۔ ۶۔ شرح جامع صغیر امام محمد۔ ۷۔ اختلاف الروایات علی المکونین
- ۸۔ شرح جامع کبیر امام محمد۔ ۹۔ کتاب صحیح الآثار۔ ۱۰۔ النوادر۔ ۱۱۔ کتاب الغرائض۔ ۱۲۔ التاریخ الکبیر
- ۱۳۔ کتاب الوصایا۔ ۱۴۔ کتاب المحاضر و السجلات۔

یہ سب کتابیں اگر شائع ہو جائیں تو ان سے حدیث و فقہ کی تحقیقات میں کئی نئے ابواب کا اضافہ ہوگا۔ آپ کی تالیفات صرف حدیث سے متعلق نہیں فقہ میں بھی آپ طبقہ ثالثہ کے مجتہدین میں سے ہیں۔ آپ نے نہایت مفید اور عمیق فقہی ذخائر چھوڑے جن میں مختصر الطحاوی ایک نہایت عجیب اور وجیز متن ہے۔ مختصر الطحاوی نہایت بلند پایہ فقہی متن ہے جو حیدرآباد سے شائع ہوا اور برصغیر پاک و ہند میں متداول ہے۔

عقائد میں آپ نے محدثین کے مسلک پر ایک رسالہ تالیف کیا جو مشکوٰۃ کی آمیزش سے متبر اور سلف کے عین مطابق ہے۔ سعودی عرب میں یہی ایک کتاب عقائد ہے جو سبقتاً پڑھائی جاتی ہے۔ علامہ ابن ابی العز الحنفی نے اس کی مفصل شرح لکھی ہے۔ جو مکہ مکرمہ سے بڑی آب و تاب سے شائع ہوئی شیخ البانی نے اس پر تحقیقاتی کام کیا ہے۔

۱۲۔ ابوبکر احمد بن ابراہیم اسماعیلی علی البحر جانی (۳۵۰ھ)

انہوں نے صحیح بخاری کی شروط پر ایک نہایت بلند پایہ کتاب تالیف کی۔ انہوں نے وہ کتاب عام رائج نہ ہو سکی۔ ورنہ صحاح میں مقام پانچویں خطیب تبریزی آپ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

الامام الحافظ جمع بین الفقہ و الحدیث و رئاسة الدین و الدنیا۔^۱

ترجمہ حدیث کے امام اور حافظ ہیں۔ فقہ و حدیث کے جامع ہیں اور دین اور

دنیا میں بڑے لوگوں میں سے ہیں۔

۱۔ یہ کتاب شائع ہو چکی ہے۔ ۲۔ الاکمال ص ۶۳۲

حافظ ابو یعلیٰ مرصلی، حافظ ابن خزیمہ، محمد بن یحییٰ المرؤزی اور قریابی سے حدیث سنی حاکم ان کے شاگرد تھے۔ فقہ اور حدیث دونوں کے جامع تھے۔ شیخ المحدثین والفقہاء انہیں کہا جاتا تھا۔ دینی اور دنیوی ہر اعتبار سے بڑے تھے۔

۱۳۔ حافظ ابن حبان البستی (۳۵۴ھ)

حافظ محمد بن حبان بن احمد ابو حاتم میمی البستی، حسین بن ادریس الہروی، امام نسائی، حافظ ابو یعلیٰ، حافظ ابو بکر ابن خزیمہ اور جعفر بن احمد دمشقی کے شاگرد تھے۔ امام حاکم کے شیخ تھے۔ فقہ لغت اور حدیث کے جامع تھے۔ کان من فقہاء الدین وحفاظ الآثار۔ آپ فقہی نظر کے مالک تھے اور حدیث کے بڑے حافظ تھے۔

۱۴۔ امام طبرانی (۳۶۰ھ)

سلیمان بن ایوب ابو القاسم الطبرانی (۳۶۰ھ) میں شام کے قصبہ عکا میں پیدا ہوئے آپ امام طحاوی کے نامور شاگرد تھے اور ان کی طرح کثیر التصنیف بھی تھے۔ حدیث میں آپ کے تین معجم، معجم صغیر، معجم اوسط، معجم کبیر کے ناموں سے مشہور ہیں۔ حافظ ابن مندہ نے آپ کی کتابوں میں کتاب المسالك، کتاب عشرة النساء، کتاب النواذر اور دلائل النبوت کا ذکر بھی کیا ہے۔ آپ نے طلب علم میں حجاز، عراق (کوفہ، بصرہ، بغداد)، یمن، شام، مصر اور اصفہان کے سفر کیے اور بڑی مشقتیں جھیلیں۔ ابو العباس احمد بن منصور کہتے ہیں میں نے طبرانی سے تین لاکھ حدیثیں سنی ہیں۔ اس سے ان کی وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ ۳۶۰ھ میں انتقال فرمایا۔ حافظ ابو نعیم اصفہانی (۴۳۰ھ) نے نماز جنازہ پڑھائی۔ طبرانی طبریہ کی طرف منسوب ہے طبرستان کی طرف نہیں مشہور مورخ ابن جریر طبری طبرستان سے نسبت رکھتے ہیں۔

۱۵۔ امام احمد السنی (۳۶۴ھ)

حافظ ابو بکر احمد بن اسحق بن محمد السنی امام نسائی کے شاگرد ہیں۔ حدیث کی مشہور کتاب

عمل ایوم واللیلہ اپنی کی تالیف ہے۔ ۱۳۵۸ھ میں حیدرآباد سے شائع ہوئی۔ حفاظ حدیث میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ الحافظ الامام الثقلین آپ سنن نسائی کے راوی ہیں۔ احمد بن عبد اللہ صہبانی ان کے شاگرد تھے۔

۱۶۔ الحافظ ابوالشیخ بن حبان الانصاری الاصبہانی (۳۶۹ھ)

حافظ ابوعلی الموصلی (۳۰۷ھ) کے شاگرد تھے۔ ذہبی لکھتے ہیں کان حافظاً ثباتاً متقناً۔ علم بہت وسیع اور حافظہ کے بہت پختہ تھے۔ نہایت نیک اور باخدا بزرگ تھے۔ ذہبی لکھتے ہیں: کان مع سعة عمله وغزارة حفظه صالحاً خيراً قانتاً لله صدوقاً۔ ترجمہ: وسعت علم اور کثرت حفظ کے ساتھ بہت نیک صالح غابد اور راست گو تھے۔

۱۷۔ ابوالحسن علی بن عمر الدارقطنی (۳۸۵ھ)

بغداد کے محلہ دارقطن کے رہنے والے تھے۔ خطیب تبریزی لکھتے ہیں: کان فريد عصره وقريع دهره دامام ودقته اتمهى اليه علم الحديث والمعرفة بعلمه واسماء الرجال ومعرفة الرواة مع الصدق والامانة والثقة والعدالة۔ ترجمہ: اپنے عہد کے بے مثال محدث تھے زمانے کا مرجع اور امام وقت تھے۔ علم حدیث اس کی معرفت علل اسماء الرجال اور راویوں کو ان کے صدق و امانت اور اعتماد و عدالت سے پہچانتا ان پر ختم تھا۔ معرفت علل میں اس درجہ پر تھے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم جیسی کتابوں پر تنقبات کیے گئے اکثر مقامات پر ان کی پکڑ بے جانگلی اور علمائے شیخین کی طرف سے ان کے شافی وافی جواب دیئے۔ تاہم ان کی اس جرأت سے ان کے علم و عظمت کی ایک جھلک ضرور سامنے آجاتی ہے۔ امام ابو حنیفہ پر بھی اس زعم میں جرح کی۔ لیکن امام ابوجرح والتعديل

امام یحییٰ بن معین کی توثیق کے سامنے ان کی کیا شنوائی ہو سکتی تھی۔ آپ شافعی المسلک تھے اور آپ کی اس جرح میں بلاشبہ ان کے تشدد کو دخل تھا۔

اسماعیل صفار، ابوسعید اصطری اور دیگر اساتذہ فن سے حدیث سنی طلب حدیث میں کوفہ، شام، واسط اور مصر کے کئی سفر کیے۔ ابو عبد اللہ الحاکم (د ۴۰۵ھ) ابو محمد عبد الغنی (د ۴۰۵ھ) حافظ ابو نعیم صاحب الحلیہ (د ۴۳۰ھ) ابو بکر احمد البرقانی (د ۴۲۵ھ) اور قاضی ابو الطیب الطبری (د ۴۰۵ھ) ان کے تلامذہ ہیں سے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ آپ کی طبیعت میں میں تیزی اور تشدد تھا۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ علل حدیث اور معرفت رجال میں اپنے وقت کے مقتدا تھے خطیب بغدادی (د ۴۶۳ھ) کو آپ کے اس تفوق کا پورا اعتراف ہے۔

آپ اپنے مقام کے مناسب حدیث کی کوئی بلند پایہ کتاب نہ لکھ سکے۔ سنن دارقطنی بیشک ایک مجروحہ حدیث ہے اور اس میں کئی ایسی حدیثیں ملتی ہیں جو دوسری کتابوں میں نہیں لیکن افسوس کہ آپ اس میں رجال و اسانید کا کوئی معیار قائم نہ رکھ سکے اور موضوع روایت تک کو اس میں جگہ دی۔ شارح بخاری علامہ عینی ان کے بارے میں لکھتے ہیں :-

وروی فی سنتہ مرویات سقیمہ و معلولہ و منکرہ و غریبہ و موضوعہ۔^{۱۸}

ترجمہ: اس سنن میں سقیم، معلول، منکر، غریب اور موضوع روایات تک روایت کر دی ہیں۔ سنن دارقطنی کو کسی جہت سے صحیح دارقطنی نہیں کہا جاسکتا۔ ماسوائے مرزا غلام احمد قادیانی کے کسی نے اسے صحیح دارقطنی نہیں لکھا۔ مرزا غلام احمد ایک مقام پر لکھتا ہے :-

یہ حدیث اگر قابل اعتبار نہیں تھی تو دارقطنی نے اپنی صحیح میں کیوں اس کو درج کیا۔ حالانکہ وہ اس درجہ کا آدمی ہے کہ جو صحیح بخاری پر بھی تعاقب کرتا ہے۔

۱۸۔ ابن عدی صاحب کتاب الکامل و کتاب الضعفاء (د ۴۶۵ھ)

كان حافظاً متقناً لم يكن في زمانه احد مثله.^{۱۹}

۱۸۔ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری جلد ۳ ص ۶۷۲ ۶۷۳ تحفہ گوڑویہ ص ۲۸ مطبوعہ ۱۹۲۳ء۔ اس میں

رمضان میں کسوف و خسوف کی منقطع روایت نقل کی گئی ہے۔ ۱۹۔ تذکرہ جلد ۳ ص ۱۵۳

محمد بن ابی سدید، امام نسائی اور ابو یعلیٰ سے حدیث سنی ان سے ابو العباس بن عقدہ نے

۱۹. الخطابی (۳۸۸ھ)

حافظ ابوسلیمان احمد بن محمد الخطابی صاحب معالم السنن شرح ابی داؤد وغریب الحدیث

۲۰. امام ابو عبد اللہ الحاکم (۴۰۵ھ)

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم (صاحب مستدرک حاکم) نیشاپور کے رہنے والے تھے۔ نیشاپور ان دنوں علم و فضل کا مرکز تھا۔ امام مسلم (صاحب صحیح) اسی علاقہ کے رہنے والے تھے۔ حاکم نے نیشاپور میں ایک ہزار کے قریب اساتذہ سے استفادہ کیا۔ طلب حدیث میں خراسان، ماوراء النہر اور دیگر کئی علاقوں کے سفر کئے اور دو ہزار کے قریب شیوخ سے حدیث سنی۔ آپ کے تلامذہ میں امام بیہقی (۴۵۸ھ) ابوالقاسم القشیری (۴۶۵ھ) اور ابو ذر ہروی (۴۷۰ھ) جیسے ائمہ فن تھے صحیح بخاری جن حضرات سے آگے چلی۔ ان میں یہ ابو ذر ہروی بھی ہیں جو امام حاکم کے شاگرد تھے۔

ان پر تشیع کا الزام بھی لگا لیکن ان دنوں اس لفظ سے رد اقص مراد نیلے جلتے تھے۔ نہ یہ لوگ حضور کے بعد کسی اسمانی سلسلہ امامت کے قائل تھے۔ علامہ تاج الدین السبکی نے طبقات شافعیہ میں اس الزام کی پُر زور تردید کی ہے۔ خطیب بغدادی نے انہیں ثقہ کہا ہے۔ مگر انہوں نے بھی ان پر شیعیت کی جرح کی۔

مستدرک حاکم کی کھلی روایات ان کی شیعیت کی تردید کر رہی ہیں۔ رد اقص کی بناء اسمانی عقیدہ امامت عقیدہ تحریف قرآن اور انکار خلافت خلفاء ثلاثہ پر ہے اور ظاہر ہے کہ حاکم ان عقائد سے بالکل پاک تھے۔ جو شخص اہلبیت اور ذریت طیبہ کی محبت میں ذرا زیادتی کرے ان دنوں اسے بھی شیعہ کہہ دیتے تھے۔ حاکم کی بات بھی کچھ اس سے بڑھ کر نہیں۔ حاکم کی کتاب چار ضخیم جلدوں میں حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکی ہے۔ حاکم تصحیح میں مشاہل ہیں۔ علماء اس کا اعتبار نہیں کرتے۔ اس کے ذیل میں علامہ ذہبی کی تلخیص المستدرک

ہے۔ اس کی تائید کے بغیر مستدرک کی کسی روایت کو علی شرط الشیخین نہ سمجھنا چاہیے۔
 امام حاکم بہت بڑے مصنف تھے۔ ابن خلکان نے ان کی تالیفات ڈیڑھ ہزار
 کے قریب بتائی ہیں۔ علم تفسیر میں ان کی کتاب الاکیل اپنے فن کی بہت معرکہ الآراء کتاب ہے۔
۱۸۔ حافظ ابو نعیم اصبہانی (۳۴۰ھ)

ابو ایمن اصبہانی (۳۶۹ھ) کے بعد اس سرزمین سے اٹھنے والے یہ دوسرے
 عظیم محدث ہیں۔ خطیب تبریزی ان کے ذکر میں لکھتے ہیں:-

هو من مشايخ الحديث الثقات المعمول بمديثهم المدجوع الى قلام
 كبير القدر ولد سنة ۳۴۰ھ

ترجمہ: حدیث کے ان ثقہ مشائخ میں سے ہیں جن کی روایت معمول بہ اور
 جن کا قول لائق قبول رہا ہے۔ آپ بڑے درجہ کے محدث تھے۔ ۳۴۰ھ
 میں پیدا ہوئے۔

علامہ نور الدین ابوالہشیمی (صاحب مجمع الفوائد) نے آپ کی کتاب حلیۃ الاولیاء
 کو ابواب پر مرتب کیا ہے اور یہ کتاب چھپ چکی ہے۔

۲۱۔ ابن حزم الاندلسی (۴۵۷ھ)

ابو محمد علی بن احمد بن حزم فارسی النسل تھے۔ آباء و اجداد سپین جا بسے تھے۔ ابن حزم
 ۴۵۷ھ میں قرطبہ میں پیدا ہوئے۔ پہلے شافعی المذہب تھے۔ پھر داؤد ظاہری کا مسلک اختیار کیا۔
 اور قیاس کا سرے سے انکار کیا۔

حدیث پر بڑی گہری نظر تھی۔ مگر فقہ کے انکار سے اس سے کما حقہ استفادہ کرنے کے
 دروازے خود اپنے آپ پر بند کر چکے تھے۔ تاہم اس سے انکار نہیں کہ ان کے علوم سے ایک
 عالم مستفیہ ہوا۔ امام غزالی نے بھی ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ علوم عربیت پر علماء قرطبہ کو
 ویسے بھی بڑی دسترس ہوتی ہے اور یہ تو اس باب میں سابق الغایات تھے۔

ان کی کتابوں میں کتاب الاحکام، المحلی اور کتاب الفصل فی الملل والنحل عام ملتی ہیں۔ شیخ عزالدین کہتے ہیں جتنا علم میں نے محلی ابن حزم اور مغنی ابن قدامہ میں دیکھا ہے اتنا کسی اور انسانی کتاب میں نہیں دیکھا۔ تعجب ہے کہ امام ترمذی (۲۷۹ھ) کو آپ نے مجہول لکھا ہے۔ بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ جامع ترمذی وغیرہ آپ دیکھ ہی نہ پائے تھے المحلی مطبع مزیر مصر نے ۱۳۴۷ھ میں ۱۱ ضخیم جلدوں میں شائع کی۔

۲۲۔ امام ابو بکر احمد بن محمد بن الحسین البیہقی (۵۲۵ھ)

خطیب تبریزی اکمال میں لکھتے ہیں:-

كان اوجدهره في الحديث والتصانيف ومعرفة الفقه وهو من كبار اصحاب الحاكم ابي عبد الله

ترجمہ۔ آپ حدیث میں یکتائے روزگار تھے۔ فن تالیف اور معرفت فقہ میں نظیر نہ رکھتے تھے اور امام حاکم کے بڑے شاگردوں میں سے ایک تھے آپ نے ابوطاہر، ابوعلی رودباری اور ابو عبد الرحمن سلمیٰ سے بھی استفادہ کیا اور طلب حدیث میں کوفہ، بغداد، خراسان، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور دیگر کئی ممالک کے سفر کیے۔ شافعی مسلک تھے اور فقہ شافعی کی حمایت میں بہت تیز تھے۔ امام الحرمین کہتے ہیں:- ہر شافعی مذہب والے پر امام شافعی کا احسان ہے۔ لیکن بیہقی ہیں جن کا خود امام شافعی پر احسان ہے کیونکہ ان کی فقہ کو اس طرح مضبوط اور مدلل کر کے مدون کرنا اس کا سہرا ان کے سر ہے۔

آپ نے ابن فورک مشکم سے بھی استفادہ کیا ہے۔ کتاب الاسماء والصفات میں اس کی جھلک ملتی ہے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے استوار علی العرش کے مسئلہ میں امام بیہقی سے استناد کیا تھا۔ مگر ان کے دوسرے علماء نے اسے مذہب محدثین سے خروج قرار دیا حالانکہ امام بیہقی بالاتفاق ایک جلیل القدر محدث ہیں۔

امام بیہقی کا مسلک اہلسنت میں تصلب

سلطان طغرل بیگ سلجوقی کے دربار میں ایک طرد ابو نصر منصور بن محمد الکنت درمی وزارت کے منصب پر آگیا تھا اس نے معتزلہ کی حمایت میں بہت کوششیں کیں اور دوسلوں کو اپنا محور بنایا۔

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر قبر میں جماد محض ہے اور وفات کے بعد اب آپ رسول نہیں رہے۔ رسول کی وفات سے رسالت ختم ہو جاتی ہے۔

۲۔ وفات کے بعد روح و بدن کی کلی مفارقت ہے اور برزخ کے تمام معاملات روح پر گزرتے ہیں جبہ عنصری سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہاں تک جھوٹ بولا گیا کہ امام ابو الحسن اشعری بھی انہی عقائد پر تھے اور یہ کہ ہم بھی اہلسنت ہیں ان سے خارج نہیں ہیں۔

امام بیہقی (۵۸۵ھ) اور امام ابو القاسم قشیری (۴۶۵ھ) نے بڑی قوت سے ان بدعتیوں کا مقابلہ کیا۔ علامہ قشیری نے شکایت اہل السنۃ بآئالہم من المحدثۃ لکھی اور امام بیہقی نے رسالہ حیات الانبیاء لکھ کر معتزلہ اور کرامیہ پر حجت تمام کی۔

حافظ ابن ابن عساکر (۵۷۱ھ) نے تبیین کذب المنقری فیما نسب الی الامام الاشعری لکھ کر کرامیہ اور معتزلہ کی تردید کی ہے اور انہیں کذاب اور منقری قرار دیا ہے۔ علامہ تاج الدین سبکی لکھتے ہیں۔

فان قیل فمن این وقعت هذا المسئلة ان لم یکن لہا اصل قیل ان بعض

الکرامیہ ملأ اللہ تعالیٰ قبرہ نادا وخلق ان اللہ قد فعل، الزمر

بعض اصحابنا... الخ

ترجمہ۔ اگر پوچھا جائے کہ یہ مسئلہ اگر اس کی کوئی اصل نہ تھی کہاں سے آ

گیا تو کہا جائے گا کہ بعض کرامیہ نے اللہ ان کی قبر کو آگ سے بھرے اور

اور اپنا گمان یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کر دیا ہے ہمارے بعض بزرگوں

کو الزام دیا کہ ان کے عقیدہ میں حضور اپنی قبر میں نبی اور رسول نہیں ہیں... الخ

یہ مسئلہ کہ برزخ کے سارے معاملات صرف روح پر گزرتے ہیں بدن پر نہیں

اور قبر میں روح کا اس بدن عنقریب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا غلط ہے۔ پہلے یہ معلوم ہوتا چاہیے کہ اس باب میں مذہب اہلسنت کیا ہے پھر کرامیہ کے اس الحاد کا جائزہ لیجئے۔ امام نووی شارح مسلم (۵۶۷) لکھتے ہیں:-

ثم المذهب عند اهل السنة الجسد بعينه او بعضه بعد اعادة الروح اليه او الى جزء منه وخالف فيه عبد الله ابن كرام وطائفه فقالوا لا يشترط اعادة الروح قال اصحابنا هذا فاسد لان الالم هو الاحساس انما يكون في الحي قال اصحابنا ولا يمنع من ذلك كون الميت قد تفرقت اجزاءه كما نشاهد في العادة او اكلته السباع او حيطان البحر او نحو ذلك فكما ان الله تعالى يعيده للعشر وهو سبحانه وتعالى قادر على ذلك فكذا يعيد الحيوة الى جزء منه او اجزاء وان اكلته السباع والحياتان^۱ ترجمہ۔ اہل سنت کا مذہب یہی ہے کہ عذاب اسی جسم کو یا اس کے کچھ حصے کو ہوتا ہے اور یہ روح کے جسم کی طرف لوٹنے سے ہوتا ہے اس میں کرامیہ فرقے کے بانی، عبد اللہ بن کرام اور کچھ لوگوں نے خلاف کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ عذاب قبر کے لیے روح کا بدن کی طرف لوٹنا ضروری نہیں ہم اہلسنت کے نزدیک یہ مذہب فاسد ہے کیونکہ الم اور احساس ضرور زندہ کو ہی ہو سکتا ہے۔ اہلسنت اکابر کہتے ہیں کہ میت کے اجزاء بدن کا متفرق ہونا جیسا کہ ہم عام طور پر دیکھتے ہیں یا یہ کہ اسے درندے کھا گئے ہوں یا دریا کی مچھلیاں۔ یہ اسمیں رکاوٹ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جس طرح اسے حشر کے دن اٹھائے گا اور وہ اس پر قادر ہے اس طرح وہ اس پر بھی قادر ہے کہ (قبر میں) اس کی طرف یا اس کے بعض حصہ بدن میں وہ حیات لوٹا دے۔

امام بیہقی محدثین کی نصرت میں بڑی جرأت سے نکلے اور ان ملاحدہ کے خلاف کتاب

۱۔ طبقات الشافعیہ جلد ۲ ص ۲۸۲ وراجع لہ باب المغنم من رد المحتار (فتاویٰ شامی) جلد ۲ ص ۳۲۲ وروضة البہیہ فیما بین الاشاعرہ والماترید یہ ص ۱۵۱ صحیح مسلم مع شرح نووی جلد ۲ ص ۲۸۷

حیات الانبیاء تحریر فرمائی۔ اس میں محض حدیث کی روایت آپ کے پیش نظر نہ تھی نہ اس میں آپ کا موضوع راویوں کی جرح و تعدیل ہے۔ اس کتاب کا مقصد محض مذہب اہل سنت کی نشاندہی تھی اور وہ آپ نے کر دی۔ جو روایات آپ نے اس کتاب میں جمع کی ہیں آپ نے ان کے عام طرق اور شواہد یہاں جمع نہیں کئے اور نہ یہ ان کا یہاں موضوع تھا۔ اس مسئلہ میں محدثین کس عقیدہ پر رہے ان کے پیش نظر محض اس کا بیان ہے۔ سو اس کتاب کو اسی پس منظر میں پڑھنا چاہیے کہ یہ محض کرامیہ کے رد میں لکھا گیا تھا اور اس کا مقصد محض مذہب اہل سنت کا اظہار تھا۔ ورنہ ان روایات کے دوسرے طرق جو اور کتابوں میں ملتے ہیں ان روایات کی پوری توثیق کرتے ہیں۔ امام بیہقی کا یہ رسالہ حیات الانبیاء روایات کی صحت و ضعف کا بحث نہیں۔ یہ مذہب اہل سنت اور کرامیہ کے ذہنی تضادم کا بیان ہے اور یہ بات اہل علم پر مخفی نہیں ہے۔

(نوٹ) جس طرح جامع ترمذی امام ابن حزم کے مطالعہ سے نہ گزر سکی۔ اس طرح امام بیہقی، سنن نسائی، جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ تک رسائی نہ پاسکے تھے۔

سنن کبریٰ بیہقی کے بعد معرفۃ السنن والاثار آپ کی اہم کتاب ہے۔ آپ کی کتاب میں شعب الایمان اور دلائل النبوت بھی بار بار چھپ چکی ہیں۔ کتاب الاسرار، کتاب الزہد اور دعوات الکبیر ہماری نظر سے نہیں گزریں۔ کتاب الاسماء والصفات، اسماء الہیہ اور مسئلہ صفات میں ایسی بلند پایہ تالیف ہے کہ سابقین میں بھی اس کی نظیر نہیں ملتی۔ جس طرح امام بخاری نے غلق افعال عباد اور الرد علی الجہیہ عقائد کی اصلاح کے لیے لکھیں۔ امام مسلم نے کتاب الایمان لکھی۔ امام طحاوی نے عقیدۃ الطحاوی لکھی۔ امام بیہقی نے بھی اپنے وقت میں عقائد اہل سنت کے گرد حفاظت کا پہرہ دیا اور محدثین اس باب میں کبھی غافل نہیں رہے۔

(نوٹ) کتاب الاسماء والصفات میں آپ اگر کہیں صحیح بخاری، صحیح مسلم یا پہلے محدثین کا حوالہ دیتے ہیں تو اس سے ان کے الفاظ کی پابندی اور ان روایات کی پوری نقل آپ کے پیش نظر نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ اسی طرح ہوتا ہے جس طرح امام ترمذی کسی روایت کو نقل کرتے کے بعد وفی الباب عن فلاں عن فلاں کہہ دیں۔ حالانکہ روایات کے الفاظ اپنے اپنے ہوتے

ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بیہقی مسندین (اپنی سند سے روایت لانے والوں) میں سے ہیں۔ مخربین (تخریج کرنے والوں) میں سے نہیں۔ صاحب مشکوٰۃ، صاحب بدیع المرام، صاحب آثار السنن، صاحب مجمع الزوائد، صاحب اعلام السنن یہ مخربین میں سے ہیں۔ انہیں الفاظ کی کمی بیشی یا روایت بالمعنی کا حق نہیں پہنچتا۔ امام ترمذی ہوں یا امام بیہقی ان کے اس قسم کے حوالوں سے جن میں الفاظ کی پابندی نہ ہو طلبہ کو شک میں نہ پڑنا چاہیئے مسندین کا مقام اور ہے اور مخربین کا اور۔۔۔۔۔ آج بھی کئی لوگ غلط حوالے دے دیتے ہیں اور پھر امام بیہقی سے اس کا جواز ڈھونڈتے ہیں۔

۲۳۔ ابن عبد البر مالکی (۴۶۳ھ)

جامع بیان العلم، الاستیعاب اور تجرید التہمید آپ کی مشہور کتابیں ہیں، اہم ترین تالیف کتاب التہمید لما فی الموطا من المعانی والاسانید ہے جو مال میں شائع ہوئی ہے۔ اس کی بیس جلدیں ہیں۔ مراکش کے محکمہ شئون اسلامی نے اسے شائع کیا ہے۔ ابن عبد البر بیشتر روایات اپنی سند سے لاتے ہیں۔ جامع بیان العلم سے ایک عالم فیضیاب ہے۔

آپ خلف بن قاسم، عبد الوارث بن سفیان، عبد اللہ بن محمد بن عبد المؤمن، ابو عثمان سعید بن نصر اندلسی، ابو الفضل احمد بن قاسم البزاز، ابو عمرو احمد بن محمد الطائمی اور ابو عمرو احمد الاشجلی سے حدیث سنی۔ آپ سے ابو عبد اللہ اکمیدی، ابو علی عسائی، ابو الحسن طاہر بن فوز بن احمد المعافری اور ابو یحییٰ سفیان بن ابی العاص نے حدیث روایت کی۔

۲۴۔ خطیب بغدادی (۴۶۳ھ)

شام اور عراق کے محدث ہیں۔ بغداد کے بعد شام اور پھر صنفیان گئے۔ حافظ ابو نعیم سے بھی سماع کیا۔ معرفت حدیث، خط و ضبط اور عقل و اسانید کے ماہر تھے۔ سماعتی کہتے ہیں میں نے خطیب کے سوا شاگردوں سے حدیث پڑھی ہے۔ شرف اصحاب الحدیث، الکفایہ فی علوم الروایۃ البجامع اور تاریخ بغداد آپ کی مشہور کتابیں ہیں۔ تاریخ میں خطب و یا بس لے آئے ہیں۔

پچھٹی صدی میں تالیفِ حدیث نئے دور میں

اسلام کی پہلی پانچ صدیوں کے محدثِ مسندین تھے۔ ان ادوار میں راویوں کی جرح و تعدیل اور سندوں کے اتصال و انقطاع، مسائل کے اثبات و نسخ اور عقائد کے اختلاق و البطلان کی بحثیں خوب رہیں۔ پچھٹی اور ساتویں صدی ہجری میں گو اپنے اسناد سے چلنے والے محدثین جیسے ابوالحسن رزین (۵۲۵ھ) ابن جوزی (۵۹۷ھ) مبارک بن محمد ابن اشیر الجزری (۶۰۶ھ) بھی رہے۔ لیکن محدثین کی زیادہ تر توجہ پچھلے ذخائرِ حدیث کو نئی نئی تالیفات میں لانے میں لگی رہی۔ محمد بن ابی نصر الحمیدی الاندلسی (۴۸۸ھ) جنہوں نے بغداد میں اصحابِ دارقطنی سے حدیث سُنی تھی۔ انہوں نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو جمع کر کے کتاب الجمع بن الصمیمین لکھی۔

۱۔ ابوالمحمد حسین البغوی (۵۱۶ھ)

صاحبِ معالم التنزیل نے کتاب المصابیح^۱، شرح الستہ لکھیں۔ اکمال میں ہے: کان اماماً فی الفقہ والحديث وکان متورعاً ثباتاً حجة صحیح العقیدۃ فی الدین^۲۔

۲۔ ابوالحسن رزین بن معاویہ (۵۲۵ھ)

کتاب التجرید فی الجمع بین الصحاح لکھی۔ آپ حفاظِ حدیث میں شمار کیے گئے ہیں۔ آپ نے بعض روایات اپنی سند سے بھی نقل کی ہیں مشکوٰۃ میں ان کی بھی تخریج ملتی ہے۔

۳۔ المبارک بن محمد الجزری (۶۰۶ھ)

ابن اشیر جزری الجزیریہ کے رہنے والے تھے۔ پھر ۵۶۵ھ میں موصل منتقل ہو گئے۔ بغداد بھی گئے اور ائمہ کبار سے حدیث سُنی۔ حدیث اور لغت میں امام تھے۔ جامع الاصول اور النہایہ انہی کے تالیفات ہیں۔ تاریخ کامل ابن اشیر ان کی نہیں ان کے بھائی کی تالیف ہے۔

^۱ مشکوٰۃ المصابیح اسی پر مرتب کی گئی ہے۔ ^۲ الاکمال ص

۴۔ شیخ زکی الدین المنذری (۵۶۵ھ)

عبدالعظیم بن عبد القدی زکی الدین ابو محمد المنذری اصلاً شامی ہیں۔ پھر مصر چلے آئے۔ امام بیہقی کے بیٹے المصطبر اور حافظ علی بن الفضل المقدسی سے حدیث سنی۔ حافظ ابو محمد الدمیاطی، تقی الدین بن دقین العید اور شریف عز الدین کے شاگرد ہیں۔

عظیم النظیر فی علم الحدیث علی اختلاف فتنہ۔ عالماً بصحیحہ و سقیمہ و معلولہ و طرقہ۔ متبحراً فی معرفۃ احکامہ و معانیہ و مشکلہ۔ قیماً بمعرفۃ غریبہ و اغرابہ و اختلاف الفاظہ، اماماً حجة ثبثاً و دھاکاً۔ (طبقات الحفاظ)

۵۔ حافظ قطب الدین الجلبی (۵۷۳ھ)

کبار محدثین میں سے ہیں۔ مذہباً حنفی تھے۔ غنیۃ المستمل شرح مینۃ المصلی انہی کی تالیف ہے۔

۶۔ خطیب تبریزی (۵۷۳ھ)

کتاب المصابیح کی اساس پر شکوۃ المصابیح تالیف کی اور حدیث کی چندہ کتابوں سے تین مختلف فصول میں ان کے درجات کے مطابق روایات نقل کی ہیں۔ آپ شافعی مسلک ہیں۔

۷۔ حافظ جمال الدین الزلیعی (۵۶۲ھ)

صاحب نصب الدرایہ (چار ضخیم جلدوں میں)، جمال الدین الزلیعی فخر الدین الزلیعی شارح کنز سے کچھ متاخر ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے نصب الدرایہ کی تلخیص الدرایہ کے نام سے کی ہے۔

۸۔ نور الدین ابوالحسن البیہقی (۵۸۰ھ)

قاہرہ میں پیدا ہوئے اور وہیں فوت ہوئے۔ ابوالفتح میددی، ابن ملک، ابن قطردانی، سے مصر میں اور ابن الکھوی اور ابن قیم ضیائیہ سے شام میں استفادہ کیا۔ زین الدین عراقی (۵۸۶ھ) کے ہمیشہ رفیق رہے۔ جہاز و شام کے سفر انہوں نے اکٹھے کیے۔ مجمع الزوائد و منبع الفوائد جیسی

عظیم کتاب انہی کی تالیف ہے۔ اس میں آپ نے مسند امام احمد، طبرانی کے تین معجموں، مسند بزار اور زوائد ابی یعلیٰ سب کتابوں کو جمع کر دیا ہے۔ یہ کتاب مطبع انصار دہلی سے ۱۳۰۸ھ میں پھر مصر ۱۳۵۲ھ سے دس ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) نے نصف مجمع الزوائد ان سے بڑھی مجمع الزوائد میں آپ نے کہیں کہیں راویوں پر جرح و نقد بھی کی ہے اور روایات پر صحت و سقم کا حکم بھی لگایا ہے۔ ان میں سے بعض امور میں حافظ ابن حجر کو اختلاف تھا۔ لیکن آپ نے ان کے احترام میں اس پر کچھ نہیں لکھا۔ حافظ ابن حجر آپ کی حدیثی مہارت کے پوری طرح قائل تھے۔ آپ نے حافظ ابو نعیم کی کتاب الحلیہ کو بھی ابواب پر مرتب کیا اور یہ بھی حدیث کی بڑی خدمت تھی۔ علماء میں آپ زین الدین العراقي صاحب المغنی عن حمل الاسفار فی استخراج مافی الاحیاء من الآثار کے جانشین کے طور پر مشہور تھے۔

ابن اثیر جزیری (۶۰۶ھ) کے جامع الاصول اور نور الدین الہیثمی کے مجمع الزوائد سے جمع الفوائد لکھی گئی۔ جو مطبع خیر یہ میرٹھ سے ۱۳۴۵ھ میں شائع ہوئی۔ یہاں کتابوں کا تذکرہ مقصود نہیں۔ اسے ہم کتب حدیث کے تحت بیان کر چکے ہیں یہاں ہم انہی ناموں پر اکتفا کرتے ہیں۔ یہاں اصل موضوع محدثین کا تذکرہ ہے جو اپنی حدیثی خدمات میں علمائے مسندین کے بعد علمائے مخرجین کی حیثیت سے حدیث کی برابر خدمت کرتے رہے اور اپنے وقت میں اس فن کی رُاست اور موضوع کی سیادت انہی کے ہاتھ میں ہی علمائے امت نے ہر دور میں جن کو ائمہ فن سمجھا۔ ان میں امام ابن صلاح (۶۴۳ھ) حسن صفغانی لاہوری (۶۵۰ھ) امام لودی صاحب ریاض الصالحین (۶۷۶ھ) شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) حافظ قطب الدین الحلبي (۷۳۵ھ) ابن قیم جوزیہ (۷۵۱ھ) ابن کثیر صاحب البدایہ والنہایہ (۷۷۴ھ) زین الدین العراقي (۸۰۶ھ) حافظ ذہبی (۸۴۸ھ) حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) حافظ بدر الدین العینی (۸۵۵ھ) علامہ ابن ہمام الاسکندری (۸۶۱ھ) وغیرہم اس فن میں روشنی کے مینار ہیں۔

یہ حضرات بیشتر برصغیر پاک و ہند سے باہر کے ہیں۔ اس برصغیر میں کون کون سے علماء

گندے جنہوں نے نمایاں طور پر حدیث کی خدمت کی۔ ان میں سے بعض حضرات کے اسماء گرامی لکھ لیجئے۔ انہیں اپنی صف کے ائمہ حدیث میں جگہ دی جا سکتی ہے۔ کچھ علمائے حدیث اور بھی ہوں گے۔

بکرات کے علاوہ احمد آباد کے شیخ راجح بن داؤد (۹۰۴ھ) شاگرد امام سخاوی، شیخ علی الملتقی (۹۷۵ھ) صاحب کنز العمال من سنن الاقوال والافعال، شیخ محمد طاہر القسبی (۹۸۶ھ) صاحب مجمع البحار، المفتی فی ضبط اسماء الرجال و تذکرۃ الموضوعات، شیخ رحمت اللہ سندھی (۹۹۴ھ) صاحب تلخیص تنزیہ الشریعہ عن الاحادیث الموضوعہ، شیخ وجیہ الدین علوی شارح شرح منجۃ الفکر (۹۹۸ھ) مولانا محمد عثمان سندھی شارح بخاری (۱۰۰۸ھ) شیخ عبدالحق محدث دہلی (۱۰۵۲ھ) صاحب لمعات التفتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح شیخ نورالحق محدث دہلی (۱۰۷۲ھ) شارح صحیح البخاری، ابو یوسف محمد بن یعقوب بنانی لاہوری (۱۰۹۸ھ) صاحب الخیر البخاری بشرح صحیح البخاری والمعلم بشرح صحیح مسلم، شیخ محمد بن جعفر گجراتی صاحب زینۃ النکات فی شرح مشکوٰۃ (۱۱۱۱ھ) محدث ابوالحسن السنہی شارح صحاح ستہ (۱۱۳۸ھ) شیخ محمد افضل سیالکوٹی (۱۱۴۶ھ) شیخ نور الدین احمد آبادی (۱۱۵۵ھ) شاہ ولی اللہ محدث دہلی (۱۱۷۶ھ) علامہ مرتضیٰ زبیدی (۱۲۰۵ھ) صاحب عقود الجواہر المنیۃ و احتاف النبلاء و تاج العروس

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی (۱۲۲۵ھ) صاحب تفسیر منظرہ، مخدوم عبدالرشید ہوائی (۱۲۲۴ھ) مؤلف الاذکار المتناثرہ فی الاخبار المتواترہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلی (۱۲۳۹ھ) شاہ فیض الدین دہلی (۱۲۳۳ھ) شاہ عبدالقادر محدث دہلی (۱۲۳۰ھ) مولانا عبدالعزیز پراگروی صاحب نبراس (۱۲۴۶ھ) شاہ محمد اسحق محدث دہلی (۱۲۴۳ھ) شاہ عبدالنبی مجددی () محدث العصر مولانا مملوک علی (۱۲۶۷ھ) مولانا احمد الدین بگوی (۱۲۸۶ھ) نواب قطب الدین دہلی شارح مشکوٰۃ (۱۲۸۹ھ) مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری (۱۲۹۷ھ) بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی (۱۲۹۷ھ) حضرت مولانا عبداللہ غزنوی (۱۲۹۸ھ) مولانا حیدر علی فیض آبادی صاحب منہجی الکلام (۱۲۹۹ھ) مولانا محمد مظہر نانوتوی (۱۳۰۲ھ) مولانا محمد یعقوب نانوتوی (۱۳۰۳ھ) حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی شارح موطا امام محمد (۱۳۰۴ھ) مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی (۱۳۱۳ھ) مولانا فخر الحسن گنگوہی (۱۳۱۵ھ) محدث محمد بن علی الیمینی صاحب آثار السنن

(۱۳۲۲ھ) نواب صدیق حسن خاں (۱۳۰۷ھ) مولانا رشید احمد محدث گنگوہی (۱۳۲۳ھ)
 مولانا احمد حسن محدث امروہی (۱۳۳۰ھ) مولانا سید نذیر حسین دہلوی (۱۳۳۰ھ) حافظ عبد المنان
 وزیر آبادی (۱۳۳۴ھ) مولانا شمس الحق عظیم آبادی شارح ابی داؤد و سنن دارقطنی (۱۳۳۴ھ)
 شیخ الہند مولانا محمد حسن دیوبندی (۱۳۳۹ھ) مولانا غلیل احمد محدث سہارنپوری شارح
 ابی داؤد (۱۳۴۶ھ) مولانا عبد الجبار غزنوی (۱۳۴۶ھ) حضرت مولانا محمد علی مونگیری (۱۳۴۶ھ)
 حضرت مفتی عزیز الرحمن عثمانی (۱۳۴۷ھ) مولانا فخر الدین گنگوہی (۱۳۵۲ھ) امام العصر مولانا
 اندیشہ کشمیری (۱۳۵۲ھ) مولانا عبد الرحمن مبارک پوری شارح ترمذی (۱۳۵۳ھ)
 حضرت مولانا حسین علی وال بھچراں والے (۱۳۶۳ھ) مولانا عبد العزیز گوجرانوالوی صاحب
 نیراس الساری (۱۳۶۹ھ) شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی شارح صحیح مسلم (۱۳۶۹ھ)
 محدث کبیر حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی ثم المدنی (۱۳۶۹ھ) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ
 دہلوی (۱۳۷۲ھ) حضرت مولانا محمد حسن محدث فیض پوری (۱۹۲۱ء) حضرت مولانا سید
 حسین احمد مدنی (۱۳۷۷ھ) حضرت مولانا عبد الشکور لکھنوی (۱۳۸۱ھ) مولانا فخر الدین امروہوی
 شیخ الحدیث دیوبند (۱۳۹۲ھ) سید مظہر حسین حیدر آبادی صاحب زجاجہ المصابیح (۱۳۹۲ھ)
 محدث دیوبند میاں سید اصغر حسین (۱۳۹۲ھ) محدث العصر مولانا ظفر احمد عثمانی مؤلف اعلیٰ السنن
 وقواعد علوم الحدیث (۱۳۹۲ھ) مولانا محمد ادریس کاندھلوی مؤلف التعلیق البصیح علی مشکوٰۃ و تحفۃ
 الباری فی حل المشكلات البخاری (۱۳۹۲ھ) مولانا شمس الحق اعنانی شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ
 ڈابھیل (۱۳۹۲ھ) حضرت مولانا عبد الرحمن کیمپوری سابق صدر مدرس مظاہر العلوم سہارنپور
 (۱۳۹۲ھ) شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتوی (۱۳۹۲ھ) محدث العصر مولانا یوسف البنوری
 شارح جامع ترمذی (۱۳۹۲ھ) حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب (۱۳۹۲ھ) حضرت مولانا
 خیر محمد جالندھری بانی خیر المدارس جالندھری (۱۳۹۲ھ) مولانا مفتی محمد شفیع صاحب شیخ الحدیث
 سراج العلوم سرگودھا (۱۳۹۲ھ) حضرت مولانا عبد المنان ادکاروی ثم المدنی (۱۳۹۲ھ) قاضی
 شمس الدین صاحب گوجرانوالہ (۱۳۹۲ھ) شیخ الحدیث مولانا حافظ محمد گوندلوی از گوجرانوالہ

اہل حدیث

الحمد لله وسلاماً على عباده الذين اصطفى. اما بعد :

اہل حدیث کا عنوان دو اصطلاحوں میں مختلف معانی کا حامل ہے۔ ① اہل حدیث اصطلاحاً قدیم ② اہل حدیث اصطلاحاً جدید۔ اصطلاح قدیم میں اس سے مراد وہ لوگ تھے جو حدیث روایت کرنے، پڑھانے، اس کے راویوں کی جانچ پڑتال کرنے اور اس کی شرح میں مشغول رہتے تھے۔ انہیں محدثین بھی کہا جاتا تھا اور وہ واقعی اس فن کے اہل سمجھے جاتے تھے۔ سوا اہل علم کی اصطلاح قدیم میں اہل حدیث سے مراد حدیث کے اہل لوگ تھے۔ اہل ادب، اہل حدیث، اہل تفسیر سب اسی طرح کی اصطلاحیں ہیں۔ حاکم محمد ابراہیم الوزیر لکھتے ہیں:-
ومن المعلوم ان اهل الحديث اسم لمن عني به والنقطع في طلبه.....

فهل لا وهم اهل حدیث من ای مذاہب كانوا۔

ترجمہ یہ بات معلوم ہے کہ اہل حدیث اس طبقے کا نام ہے جو اس فن کے درپے ہو اس کی طلب میں منہمک رہے۔ ایسے سب لوگ اہل حدیث ہیں۔ خواہ وہ کسی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ محدثین خواہ وہ کسی بھی فقہی مسلک سے تعلق رکھتے ہوں اس فن کے اعتبار سے اہل حدیث کہلاتے تھے۔ مولانا محمد ابراہیم صاحب تیسر بھی لکھتے ہیں:-
بعض جگہ تو ان کا ذکر لفظ اہل حدیث سے ہوا ہے اور بعض جگہ اصحاب حدیث سے، بعض جگہ اہل اثر کے نام سے اور بعض جگہ محدثین کے نام سے، مزع ہر لقب کا یہی ہے۔

اصطلاح جدید میں اہل حدیث سے مراد اہل علم کا کوئی طبقہ نہیں، بلکہ ایک خاص فقہی مسلک ہے۔ جو ائمہ اربعہ میں سے کسی کی پیروی کا قائل نہیں۔ اہل حدیث کی یہ اصطلاح بہت بعد کی ہے قرون وسطیٰ میں یہ کسی فقہی مسلک کا نام نہ تھا۔ اصطلاح جدید میں اس سے مراد جماعت اہل حدیث ہے۔ اس میں پڑھے ہوئے اور اُن پڑھ دو ٹوں طرح کے لوگ شامل ہیں۔

آج کے عنوان میں ”اہل حدیث“ کا لفظ اسی جدید اصطلاح میں ہے اور اس سے مراد جماعت اہل حدیث ہے۔ انہیں غیر مقلدین بھی کہتے ہیں۔ یہ حضرات براہ راست حدیث سے انتساب کے مدعی ہیں۔ سو یہاں اہل حدیث سے مراد حدیث کے ماننے والے نہیں جیسا کہ اس کی لفظی دلالت ہے۔ کیونکہ حدیث کو تو سب مسلمان اپنے لئے حجت مانتے ہیں اور سب فرقے اس سے تمسک کے مدعی ہیں۔ جو حدیث کو نہیں مانتا وہ تو مسلمان ہی نہیں ہے۔ سو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کا صرف ایک فرقہ اہل حدیث بمعنی حدیث کو ماننے والا ہو۔۔۔۔۔ اور باقی مسلمانوں کے بارے میں یہ سمجھا جائے کہ وہ حدیث کو نہیں مانتے اور ہیں وہ بھی مسلمان۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ خود ایک بڑی غلطی ہوگی۔

ع ب سوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بود العجیبت

حجیت حدیث کی بحث میں ہم کہہ آئے ہیں کہ جو شخص حدیث ماننے کا قائل نہ ہو۔ وہ مسلمان نہیں ہے۔ پس یہ تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ یہاں ”حدیث“ سے مراد ”حدیث کے ماننے والے“ نہیں لئے جاسکتے۔ بلکہ وہ ایک خاص فرقہ ہے جو فقہی مسائل میں کسی امام کی پیروی کا قائل نہیں اور فروعات میں براہ راست حدیث سے انتساب کا مدعی ہے۔

عوامی سطح پر اگر اہل حدیث کے معنی ”حدیث کے ماننے والے“ کیے جائیں تو اس سے منکرین حدیث کو بہت قوت ملے گی اور وہ بر ملا کہیں گے کہ مسلمانوں کا صرف ایک فرقہ جو برصغیر پاک و ہند میں پانچ فیصد سے زیادہ نہیں، حدیث ماننے کا قائل ہے۔ باقی سب مسلمان خواہ وہ کسی بھی مسلک سے تعلق رکھتے ہوں ان کے ہاں حدیث حجت نہیں اور اُسے ماننا ضروری نہیں۔ حدیث اگر سب مسلمانوں کے ہاں حجت سمجھی جاتی، در اس کا ماننا سب مسلمانوں کے نزدیک ضروری ہوتا تو ایک فرقے کا نام اہل حدیث کیوں ہوتا؟ جو ابا گزاریش

ہے کہ مسلمانوں کے کبھی ایک فرقے کو ”اہلحدیث“ موسوم کرنا پہلے دوسرے بہت بعد کی اور ایک جدید اصطلاح ہے۔ قرون وسطیٰ میں اس نام سے کوئی فقہی مسلک یا فرقہ معروف نہ تھا۔ اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ اس معنی کے لحاظ سے اپنے آپ کو اہلحدیث کہنا اسی طرح صحیح نہیں جس طرح منکرین حدیث کا اپنے آپ کو اہل قرآن کہنا صحیح نہیں۔ کیوں کہ قرآن کریم کو تو سبھی مسلمان مانتے ہیں۔ اس میں کسی ایک فرقے کی کیا تخصیص؟ اور حدیث کو سبھی مسلمان مانتے ہیں اس میں بھی کسی ایک کی کیا تخصیص؟ قرآن و حدیث کو اصولاً تسلیم کیے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ ہاں جب اس عنوان سے ایک مسلک اپنی جگہ معروف ہو چکا۔ تو ضروری ہے کہ حدیث کے طلبہ اس سے بھی کچھ نہ کچھ تعارف ضرور رکھتے ہوں۔ لیکن ضروری ہے کہ وہ ہر دو اصطلاحوں کو پیش نظر بھی رکھیں۔

اہلحدیث متقدمین کی اصطلاح میں

قرون اولیٰ اور قرون وسطیٰ میں اہلحدیث سے مراد وہ اہل علم تھے۔ جو حدیث پڑھنے پڑھانے راویوں کی جانچ و پڑتال اور حدیث کی شرح و روایت میں مشغول رہتے ہوں۔ حدیث ان کا فن ہو اور وہ علمی طور پر اس کے اہل ہوں۔ دوسرے نقطوں میں یوں سمجھئے کہ ان ادوار میں اہلحدیث سے محدثین مراد لیے جاتے تھے۔ اگر کوئی علمی طور پر اس درجے میں نہیں کہ حدیث پر کوئی فیصلہ دے یا اس کے راویوں کو پہنچانے۔ تو صاف کہہ دیا جاتا تھا کہ وہ اہلحدیث میں سے نہیں ہے عامی ہے۔ عافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) ایک مقام پر محدثین کی اس عادت پر کہ فضائل میں ضعیف حدیثیں بھی روایت کر دیتے ہیں۔ تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

والیہتی یرد فی الفضائل کثیرة ضعیفة بل موضوعة کما جرت عادة
امثاله من اهل الحديث۔

ترجمہ: بہت فضائل میں بہت سے ضعیف بلکہ موضوع احادیث بھی لے آتے ہیں جیسے کہ ان جیسے اہلحدیث کی عادت جاری ہے۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ جس طرح علم نحو میں نحویوں کی طرف، لغات میں علماء لغت کی طرف، شعر میں علماء ادب کی طرف اور طب میں علماء طب کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اہل حدیث سے مراد بھی وہ علماء فن ہوں گے جن کی طرف اس فن میں رجوع کیا جاسکے۔

المنقولات فیہا کثیر من الصدق وکثیر من الکذب والمرجع فی التمییز
بین هذا و بین هذا الی اهل الحدیث کما یرجع الی النخاعۃ فی النحو و یرجع الی علماء
اللغة فیما هو من اللغة وکذا لک علماء الشعر والطب وغیر ذلک فلکل علم
رجال یعرفون بہ والعلماء بالحدیث اجل قدرا من هؤلاء و اعظمهم
صدقا و اعلام منزلة و اکثرهم دینا لہ

ترجمہ۔ اس باب میں صدق و کذب پر مشتمل روایات بہت ہیں۔ سچی اور جھوٹی
کی تمیز کے لیے اہل حدیث کی طرف ہی رجوع کرنا ہوگا۔ جیسے نحو کے باب میں نحویوں
کی طرف، لغت کے باب میں علماء لغت کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔
ہر علم کے کچھ رجال ہوتے ہیں۔ انہیں اس علم کے پہلے جانا جاتا ہے۔ علماء حدیث
ان سب سے زیادہ جلیل القدر ہیں۔ سب سے زیادہ سچے ہیں اور سب سے
اوپر درجہ رکھتے ہیں اور ان میں دین بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔

حافظ جمال الدین الترمذی (۷۲۲ھ) ابن دمیہ سے نقل کرتے ہیں
۔ بحسب علی اهل الحدیث ان یتحفظوا من قول الحاکم فان کثیر الغلط ظاہر
السطو وقد غفل عن ذلک کثیر من جاء بعده وقلده فی ذلک
ترجمہ۔ اہل حدیث پر لازم ہے کہ حاکم کے قول سے بچیں وہ بہت غلطیاں کرتے
ہیں، ناقابل اعتماد ہیں۔ بہت سے لوگ جو ان کے بعد آئے اور اس میں اس کی
پیروی کرتے رہے اس حقیقت سے ناواقف ہیں۔

دوسری صدی کے جلیل القدر محدث حضرت امام شافعی ایک جگہ حدیث لا وصیہ لوارث
کے بارے میں لکھتے ہیں۔

انہ لا یثبتہ اہل الحدیث ولكن العامة تلقیہ بالقبول و عملوا بہ^۱
 ترجمہ: اہل حدیث تو اسے ثابت نہیں مانتے لیکن عامۃ الناس نے اسے قبول کیا اور اس پر عمل پایا ہے۔
 یہاں اہل حدیث کا لفظ عامہ کے مقابلہ میں ہے اور مراد اس کے اہل علم ہیں۔
 محدثین میں ہلال بن یساف کے بارے میں ایک سوال اٹھا کہ اس نے وابصہ بن عبد ربیع
 کو پایا ہے یا نہیں؟ اور یہ روایت کس طرح ہے۔ اس پر امام ترمذی^۲ لکھتے ہیں:-

فاختلف اہل الحدیث فی هذا فقال بعضهم حدیث عمرو بن مرہ عن
 ہلال بن یساف عن عمرو بن راشد عن وابصہ اصم وقال بعضهم حدیث
 حصین عن ہلال بن یساف عن زیاد بن ابی الجعد عن وابصہ اصم
 قال ابو عینی وهذا عندی اصم من حدیث عمرو بن مرہ^۳
 ترجمہ: اہل حدیث کا اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں عمرو بن مرہ کی روایت زیادہ
 صحیح اور بعض کہتے ہیں حصین کی روایت زیادہ صحیح ہے۔

یہ عبارت بڑی وضاحت سے بتلا رہی ہے کہ اہل حدیث سے مراد یہاں محدثین نہیں
 سند میں محدثین کے اختلاف کو اختلاف اہل حدیث کہہ کر ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں فقہی مسلک کا کوئی فرقہ
 مراد نہیں ہے جس میں تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ دونوں قسم کے لوگ ہوں۔ یہ تیسری صدی ہجری
 کی تحریر صریح طور پر بتلا رہی ہے کہ ان دونوں اہل حدیث سے مراد محدثین لینے جاتے تھے۔ نہ کہ
 کوئی فقہی مسلک یا فرقہ۔

ابو ابراہیم الانصاری المدینی کے بارے میں لکھتے ہیں:-
 لیس ہو بالقوی عن اہل الحدیث^۴ وہ اہل حدیث کے ہاں قوی نہیں ہے۔
 ایک راوی کے بارے میں لکھتے ہیں:-

تکلم فی بعض الحدیث من قبل حفظہ^۵ اس میں بعض اہل حدیث نے حفظ کی رو سے کلام کیا ہے
 پھر ایک اور جگہ لکھتے ہیں:-

۱۔ التہذیب فی الموطا من المعانی والاسانید جلد ۱ ص ۲۷ جامع ترمذی جلد ۱ ص ۲۷۲ ایضاً جلد ۲ ص ۲۷۲
 ۲۔ ایضاً جلد ۲ ص ۲۷۲

وہو ضعیف عند اہل الحدیث۔ وہ اہل حدیث کے ہاں ضعیف ہے۔
 امام ترمذی اہل حدیث کو کہیں کہیں اصحاب اہل حدیث کہہ کر بھی ذکر کرتے ہیں۔ حدیث لا تمزال
 طائفۃ من امتی ظاہرین علی الحق کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ان سے مراد اصحاب اہل حدیث ہیں
 امام بخاری نے بھی تصریح کی ہے کہ اس سے مراد علم حدیث کے ماہر اہل العلم ہیں۔
 خطیب بغدادی (۴۶۲ھ) ابو عبد اللہ الحاکم کے اس زعم پر کہ حدیث طیبہ اور حدیث من
 کنت مولاہ صحیحین کی شرطوں کے مطابق ہیں جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-
 فانکر علی اصحاب الحدیث ذلك ولم يلتفتوا الى قوله ولا صوة علی فعلہ۔
 ترجمہ۔ اصحاب اہل حدیث نے اس پر انکار کیا ہے اور اس کی بات پر توجہ نہیں کی
 اور اسے اس کے عمل میں درست نہیں کہا۔
 حافظ ابن عبد البر مالکی (۴۶۲ھ) بھی ایک جگہ لکھتے ہیں:-

وقالت فرقة من اهل الحديث ان وطئ في الدار فعلیه دينار وان
 وطئ فی النطاق الدم فنصف دينار ورأت فرقة من اهل الحديث
 تطويل السجود فی ذلك۔

ترجمہ۔ اہل حدیث کی ایک جماعت نے کہا ہے اگر اس نے ایام میں اس سے
 صحبت کی تو اسے ایک دینار صدقہ لازم آئے گا اور بعض اہل حدیث
 نے کہا ہے کہ اس پر دراز سجدہ اس کے ذمہ ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل حدیث میں فقہی مسلک کے کئی فرقے تھے۔ اہل حدیث

خود کوئی فقہی مسلک یا فرقہ نہ تھا نہ ان کی کوئی علیحدہ جماعت بندی تھی۔

امام نووی شارح صحیح مسلم ساتویں صدی ہجری کے نامور محدث ہیں۔ آپ نے ایک مقام پر

خوف الغلط کی بحث کی ہے۔ اس میں آپ محدثین کی عادت ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

جرت عادت اهل الحديث بحذف قال ونحوه فيما بين رجال الاسناد

فی الخط وينبغي للقارى ان يلفظ بها۔

ترجمہ۔ اہل حدیث کا طریقہ تحریری رجال اسناد میں قال وغیرہ کے الفاظ کو حذف کرتا رہا ہے۔ لیکن قاری کو چاہیئے کہ وہ انہیں بولا کرے۔

ظاہر ہے کہ یہاں اہل حدیث سے مراد اصحاب اہل فن علماء حدیث ہی ہو سکتے ہیں نہ کہ کسی ایک فقہی مسلک کے عوام۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ساتویں صدی ہجری تک اہل علم کے ہاں اہل حدیث سے مراد محدثین ہی لئے جاتے تھے۔ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:-

يجوز عند اهل الحديث التساهل في الاسانيد الضعيفة ورواية ماسوى
المرضع من الضعيف والعمل به۔^۱

ترجمہ۔ اہل حدیث کے ہاں اسانید ضعیفہ میں بشرطیکہ موضوع کی حد تک نہ ہوں۔ درگزر سے کام لینا اور اس پر عمل کرنا جائز رکھا گیا ہے۔
صحیح البخاری کے الفاظ فأجازوه کی شرح میں حنفی ابن حجر عسقلانی (۵۸۵۲) لکھتے ہیں:-
فمعنى قول البخارى فأجازوه اى تلبوه منه ولم يقصدوا الاجازة المصطلقة
بين اهل الحديث۔^۲

ترجمہ۔ امام بخاری نے فأجازوه کے الفاظ اجازت کے اس معنی میں استعمال نہیں کیئے جو اہل حدیث کی اصطلاح ہے۔

حنفی ابن حجر کے ان الفاظ سے یہ بات واضح ہے کہ ان دنوں اہل حدیث سے کوئی فقہی مکتب فکر ہرگز مراد نہ تھا۔ بلکہ اس سے اہل فن محدثین ہی مراد لئے جاتے تھے اور ان کی اپنی اصطلاحات تھیں اور اس سے یقیناً اہل علم کا ہی ایک طبقہ مراد ہوتا تھا۔ حنفی ابن حجر عسقلانی (۵۸۵۲) ایک اور مقام پر حدیث لن تزال هذه الامة قائمة على امر الله کی شرح میں لکھتے ہیں:-

وقد جزم البخارى بان المراد بمراهل العلم بالاثار وقال احمد بن حنبل
ان لم يكونوا اهل الحديث فلا ادري من هم۔^۳

ترجمہ۔ امام بخاری نے پورے یقین سے کہا ہے کہ اس سے مراد احادیث کے اہل علم ہیں اور امام احمد فرماتے ہیں کہ اگر اس سے اہل حدیث مراد نہ ہوں تو میں نہیں جانتا کہ پھر کون لوگ مراد ہوں گے۔

لا نورث ما ترکنا صدقة مشہور حدیث ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاء کی وراثت نہیں ہوتی۔ ہم جو چیز چھوڑیں وہ صدقہ میں جائے گی بشیوعہ علماء نے اسے اپنے مقصد کے خلاف سمجھتے ہوئے لا نورث کے الفاظ کو لا یورث سے بدل دیا۔ اب معنی یہ ہو گئے کہ ہم مسلمان جو چیز صدقہ میں چھوڑیں اسے وراثت میں نہ لایا جائے۔ اب یہ مسئلہ وراثت انبیاء سے نکل کر ایک عام ضابطہ میں آ گیا کہ صدقہ میں دی گئی چیز پھر اپنی ملکیت میں نہیں لی جاتی۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ یہاں دیکھنا چاہیے محدثین کی اصل روایت کیا اور انہوں نے حدیث کو کن الفاظ میں ضبط کیا ہے وہ لکھتے ہیں:-

والذی توارث علیہ اهل الحديث في القديم والمحدث لا نورث بالنون ^۱ یہاں المحدث سے مراد فن حدیث کے ماہرین ہیں۔ اس وقت تک المحدث کا لفظ انہی معنوں میں بولا جاتا تھا جو عہد قدیم میں اس لفظ کے معنی تھے۔ یہ لفظ اہل علم کے اس طبقہ کے لئے استعمال ہوتا تھا جو محدثین تھے۔ یہ کسی ایک مکتب فکر یا فرقے کا نام نہ تھا۔ یہ ماہرین فن سب اس پر متفق ہیں کہ اصل روایت نون سے ہے یا سے نہیں۔ اہل حدیث الفاظ حدیث کو ان کے اصل مراجع و مصادر سے پہچانتے ہیں وہ محدثین ہیں۔ سو میں اس میں کوئی شک نہیں کہ المحدث اصطلاح قدیم سے مراد فن حدیث کے جاننے والے تھے۔ اہل العلم بالآثار سے یہی مراد ہے۔ علامہ شامی محقق ابن ہمام (۵۸۶ھ) سے یہ بحث نقل کرتے ہیں کہ خوارج کو کافر کہا جائے یا نہ؟ محقق ابن ہمام نے لکھا ہے:-

ذهب بعض المحدثين الى كفرهم قال ابن المنذر ولا اعلوا حداً وافق

اهل الحديث على تكفيرهم ^۲

ترجمہ بعض محدثین ان کی تکفیر کے قائل ہیں ابن المنذر نے کہا ہے میں نہیں جانتا کہ کسی نے اس پر محدثین کی موافقت کی ہو۔

نویں صدی کے اہلحدیث میں حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) اور حافظ ابن ہمام اسکندری (۸۶۱ھ) کے ناموں سے کون واقف نہیں۔ پہلے بزرگ شافعی ہیں اور دوسرے حنفی اور دونوں اہلحدیث سے حدیث کے علماء فن مراد لیتے تھے۔ ان الفاظ سے کوئی خاص فقہی مسلک مراد نہیں لیا جاتا تھا۔

اہل فن محدثین میں پھر کئی فرقے اور مسلک تھے۔ ان میں حنفی بھی تھے اور شافعی بھی۔ اہلحدیث خود کسی فرقے کا نام نہ تھا۔ کسی محدث کا فقہی مسلک اس کے اہلحدیث ہونے کے خلاف نہ سمجھا جاتا تھا۔ محدث ہونے کے پہلو سے سب اہلحدیث تھے

نویں صدی کا حال اور اس دور کے علماء کی اصطلاح ابن ہمام کی اس تحریر سے ظاہر ہے پھر علامہ شامی (۱۲۵۳ھ) اسے تیرہویں صدی ہجری میں نقل کرتے ہیں اور اس میں کہیں اختلاف ذکر نہیں کرتے۔ کہ اہلحدیث نام سے ان دنوں کوئی غیر مقلد جماعت بھی مراد لی جاتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک اہلحدیث سے وہ اہل علم ہی مراد لیے جاتے تھے جو فن حدیث میں ماذق اور صاحب الرا۱ ہوں۔ جس طرح تفسیر پڑھنے پڑھانے والے اہل تفسیر اور زبان پر کامل دسترس رکھنے والے اہل لغت کہلاتے تھے۔ محدثین کا یہ طبقہ اہلحدیث کے نام سے بھی کبھی ذکر ہوتا تھا۔ ہندوستان میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے حدیث کی باقاعدہ اشاعت ہوئی آپ کے دور تک لفظ اہلحدیث اسی پرانی اصطلاح سے جاری تھا۔ حضرت شیخ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

وكانوا اصحاب من التابعين اتباعهم وكلام كانوا اهل الحديث والفقہ والزهد والورع۔

ترجمہ: تابعین اور تبع تابعین میں ان کے کئی ساتھی تھے اور وہ سب اہلحدیث وفقہ وزہد ورع تھے۔

اہلحدیث سے مراد ترک تقلید کے نام سے ایک فقہی مسلک ہو، یہ جدید اصطلاح اسلام کی پہلی تیرہ صدیوں میں کہیں نہیں ملتی۔ اس کا آغاز چودہویں صدی ہجری سے ہوتا ہے۔ یا توں سمجھ لیجئے کہ تیرہویں صدی کے آخر میں ہندوستان میں اس کے لیے کچھ حالات سازگار ہو گئے تھے۔

اہلحدیث باصطلاح دور جدید

اس اصطلاح جدید میں جماعت اہلحدیث سے مراد پاک و ہند کا ایک معروف دینی حلقہ ہے جو جمہور اہل السنۃ مسلمانوں سے ترک تقلید پر مختلف ہے۔ لیکن بنیادی عقائد میں یہ حضرات زیادہ تر اہل السنۃ ہی ہیں۔ ان کے حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ سے تقریباً اسی قسم کے فروعی اختلافات ہیں جس طرح کے اختلافات مذاہب اربعہ میں آپس میں ہیں۔ کچھ ایسے اختلافات بھی ہیں جن میں یہ چاروں اماموں کے خلاف ہیں۔ جیسے ”طلاق ثلاثہ ایک مجلس میں“، اسے یہ ایک ہی طلاق قرار دیتے ہیں اور چاروں اماموں میں سے ایک بھی اس طلاق کے ایک ہونے کا قائل نہیں۔ امام نووی شارح صحیح مسلم لکھتے ہیں:-

قال العلماء فہم قال لا مرأۃ انت لائق ثلاثاً فقال الشافعی ومالك و ابو

حنيفة و احمد و جابر العلماء من السلف و الخلف يقع الثلاث لہ

ائمہ اربعہ ہی نہیں سلف و خلف کے جمہور علماء کہتے ہیں طلاقات تین واقع ہو جاتی ہیں اسی طرح یہ حضرات آٹھ رکعت تراویح کے قائل ہیں۔ حالانکہ چاروں اماموں میں سے ایک بھی بیس سے کم کا قائل نہیں مسجد حرام اور مسجد نبوی میں آج تک بیس رکعت تراویح ہی پڑھی جا رہی ہیں اور یہی حنابلہ کا موقف ہے۔ امام شافعی بھی اس میں جمہور ائمتہ کے ساتھ ہیں۔ امام ترمذی لکھتے ہیں:-

اکثر اہل العلم علی ما رد عن علی وعمر و غیرہما من اصحاب النبی عشرين رکعة وهو قول

سفيان الثوري و ابن المبارك و الشاذلي و الشافعي هكذا اكد اهل مكة يصلون عشرين رکعة۔

اس قسم کے چند مسائل ہیں جن میں غیر مقلدین حضرات جمہور اہل السنۃ و الجماعت سے مختلف ہیں۔ لیکن ان جزوی اختلافات کو دایا جائے اور دیگر فروعی اختلافات کو توسع عمل پر محمول کیا جائے تو اختلاف مسلک کے باوجود یہ حضرات خلفائے راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ کے موضوع پر جمہور اہل السنۃ کے ساتھ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو سکتے ہیں۔ شیعہ یا معتزلہ یا خوارج کے بالمقابل سنی کا لفظ آئے

۱۔ شرح صحیح مسلم جلد ۱ ص ۴۸ ۲۔ جامع ترمذی جلد ۱ ص ۳۷ طبع دوم ص ۱۳

تو اس سُنی دائرہ میں جماعت اہل حدیث بھی شامل ہوگی۔ ہاں ان میں جو لوگ ائمہ کرام کے گستاخ ہوں یا فقہ حنفی کے بعض باریک مسائل پر تمسخر اور استہزاء کا انداز اختیار کرتے ہوں وہ اہل حدیث ہونے کے مدعی ہونے کے باوجود اس دائرہ میں جو احترام سلف پر قائم ہے شامل نہیں گئے۔ انہیں اہل حدیث کہنا یقیناً غلط ہوگا۔ اور اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ وہ اہل سنت میں داخل نہیں ہیں۔

۱۹۵۶ء میں پاکستان میں سکندر مرزا کا دور تھا۔ پنجاب میں نواب مظفر علی قزلباش برسرِ اقتدار تھے۔ شیعہ سُنی آویزش زور پر تھی۔ پولیس افسران شیعوں کو دھڑا دھڑا مٹی جلوسوں کے لائنس دے رہے تھے۔ جہاں جہاں نئے لائنس جاری ہوتے فرقہ وارانہ اختلافات کی آگ اور بھڑکتی جاتی محسوس ہوتا کہ یہ لائنس ایک فرقے کے مطالبہ کو پورا کرنے کیلئے نہیں بلکہ فرقہ وارانہ فضا کو گرم کرنے کے لئے ہی جاری کیے جا رہے ہیں۔ سُنی دائروں میں ان حالات کے باعث سخت اضطراب تھا۔ ان دنوں حقوق اہل السنۃ کے تحفظ کے لئے ”سُنی بورڈ“ کا قیام عمل میں آیا تھا جس میں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی قادریؒ، مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ، مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادریؒ، مولانا عبدالستار خاں نیازی اور احقر خالد محمود عفا اللہ عنہ سب اس سُنی بورڈ کے رکن تھے۔ اُن دنوں سُنی دائرہ ان سب مسائل کا عمل کو محیط سمجھا گیا تھا۔

سو اس اصطلاح جدید میں اہل حدیث سے مراد اسلام کے بنیادی عقائد پر کوئی مختلف کردہ نہیں۔ چند فردی امتیازات کا حامل ایک طبقہ عمل ہے۔ جو ترک تقلید کے عنوان سے حدیث سے براہِ راست نسبت کا مدعی ہے۔ جن مسائل میں اختلاف ہے وہ زیادہ تر وہی ہیں جو ائمہ اربعہ کے مابین بھی مختلف فیہ ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ انسان حق سے کبھی بھٹکتا ہے جب ان چاروں مذاہب کے دائرہ عمل سے باہر آجائے اور ایسے مواقع اس باب میں کم ہیں۔ اور جو ہیں ان میں واقعی اصولی اختلاف ہے تقلید ہمیشہ سے جائز رہی ہے اسے حرام کہنا یقیناً حرام ہے۔

ہندوستان میں جماعت اہل حدیث بہ اصطلاح جدید کا قیام اورنگ زیب عالمگیرؒ کی وفات کے بہت بعد شروع ہوا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کے وقت ہندوستان کے کسی گوشہ میں فقہی اختلاف مسلک کی آواز نہ اٹھی تھی۔ سب اہل السنۃ والجماعت ایک ہی فقہی مسلک کے پیرو تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم اس عظیم علمی خدمت

میں شریک تھے۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں :-

خلاصہ حال ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ ہے کہ جب سے یہاں اسلام آیا ہے چونکہ اکثر لوگ بادشاہوں کے طریقہ اور مذہب کو پسند کرتے ہیں۔ اس وقت سے آج تک یہ لوگ (ہندوستان کے مسلمان) مذہب حنفی پر قائم رہے اور ہیں اور اسی مذہب کے عالم اور فاضل اور قاضی اور مفتی اور حاکم ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک جم غفیر نے مل کر فتاوے ہندیہ جمع کیا اور اس میں شاہ عبدالرحیم صاحب والد بزرگوار شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی بھی شریک تھے۔

مغلیہ سلطنت کے زوال پر مسلمانوں پر کوئی اجتماعی گرفت نہ رہی تو عام ذہن کچھ آزادی فکر کی طرف مائل ہوئے۔ نواب صدیق حسن صاحب اس سے پہلے لکھ گئے ہیں :-

کتاب تاریخ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو امن و آسائش و آزادی اس حکومت انگریزی میں تمام خلق کو نصیب ہوئی کسی حکومت میں بھی نہ تھی اور وجہ اس کی سوانے اس کے کچھ نہیں سمجھی گئی کہ گورنمنٹ نے آزادی کامل ہر مذہب کو دی۔

عہد جدید کی اس آزادی میں میں تقلید کا بند ٹوٹا اور پھر دیکھتے دیکھتے کچھ لوگ مختلف کشتیوں میں بہہ نکلے اور تاریخ نے مسلمانوں کا وہی حال کیا جو منتشر اقوام کا ہوتا ہے۔ پیشتر اس کے کہ اہلحدیث باصطلاح جدید پر کچھ تاریخی بحث کی جائے کہ اس نام سے ایک فقہی مسلک کی ابتداء کب سے ہوئی اور اس نام سے ایک فرقہ عمل کب سے موسوم ہوا۔ مناسب ہوگا کہ مختصر طور پر یہ بتلا دیا جائے کہ اورنگ زیب سے بہت پہلے ہندوستان میں علم حدیث آچکا تھا اور اس وقت تک لفظ اہلحدیث اصطلاح قدیم کے مطابق ہی چلا آرہا تھا۔

ہندوستان میں نامور محدثین کی آمد

علم حدیث کی یہاں تشریف آوری مسلمانوں کی آمد کیساتھ ہی شروع ہو چکی تھی۔ پانچویں صدی ہجری میں علم حدیث لاہور میں آچکا تھا۔ یہ عہد غزنوی کی بات ہے۔ شیخ اسماعیل کے بارے میں مؤرخین لکھتے ہیں :-

۱۔ ترجمان دہلیہ تصنیف نواب صدیق حسن خاں مرحوم ص ۱۷۲ ۲۔ ایضاً ص ۱۷۱

اول کہ علم حدیث بلاہور آورده اولود۔۔۔ پھر شیخ صنعانی لاہوری (۶۵۰ھ) آئے اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی قوی احادیث مجموعہ مشارق الانوار کے نام سے جمع کیں۔ یہ کوششیں ان دنوں کے مسلمانوں کے ذوق حدیث کا پتہ دے رہی ہیں۔۔۔ شیخ نور الدین شیرازی (۸۱۶ھ) احمد شاہ اول کے عہد میں ہندوستان کے علاقہ گجرات میں آچکے تھے۔ ان کی صحیح بخاری کی سند بہت عالی تھی۔ اور دور دور سے علماء آپ سے سند لینے آتے تھے۔ مولانا سید الاول حشتی جو تپوری کی خدمات حدیث کو کون بھلا سکتا ہے۔ یہ صحیح نہیں کہ حشتی حضرات علمی پہلو سے اہل حدیث نہ تھے۔ آخر یہ محدث جلیل بھی تو سلسلہ حشتیہ سے ہی تھے۔ پھر شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی کے شاگرد حافظ شمس الدین سخاوی کے دو شاگرد شیخ وجیہ الدین مالکی (۹۲۹ھ) اور شیخ جمال الدین محمد بن عمر حضرمی (۹۳۰ھ) ہندوستان آئے۔۔۔ پھر شیخ محمد طیب سندھی (۹۶۸ھ) شیخ علاؤ الدین علی المتقی (۹۷۵ھ) پٹنہ کے شیخ طاہر صاحب مجمع البحار (۹۸۶ھ) شیخ عبدالوہاب المتقی (۱۰۰۰ھ) اور ان کے شاگرد شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) شیخ علی بن احمد (۱۰۴۳ھ) صاحب السراج المنیر فی شرح الجامع الصغیر، شیخ نورالحق محدث دہلوی (۱۰۷۳ھ) شارح بخاری کو دیکھئے۔ یہ سب حضرات اپنے اپنے وقت میں اپنی اپنی جگہ حدیث کی بڑی خدمات سرانجام دے چکے تھے۔ شیخ ابوالحسن سندھی (۱۱۲۹ھ) کے صحاح ستہ پر حواشی اب تک اہل علم کا عظیم سرمایہ حدیث سمجھے جاتے ہیں۔ فقہی پہلو سے ان میں سے بیشتر محدثین حنفی تھے۔ مگر فن کے لحاظ سے بلاشبہ وہ اہل حدیث تھے۔ اور انہوں نے پوری عمر حدیث کی خدمت میں گزاری۔۔۔ سو اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ علم حدیث ہندوستان میں بہت پہلے دور میں آچکا تھا۔

پھر بارہویں اور تیرہویں صدی ہجری میں حدیث کی نہضت علمی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی کے ہاں جمع ہو چکی تھی۔ یہ سب حضرات محدث کے نام سے معروف تھے اور پورے ہندوستان میں انہی محدثین دہلی کی سند چلتی تھی۔ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی اور حضرت شاہ بیفیع الدین محدث دہلوی حضرت شاہ عبدالعزیز کے چھوٹے بھائی تھے اور محدثین کا یہ سارا گھرانہ علم حنفیہ کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ جناب نواب صدیق حسن خاں صاحب (۱۲۰۷ھ) اس خاندان کو

بیت علم احنفیہ کہا کرتے تھے۔ اس سے واضح ہے کہ ان دنوں مقلد ہونے اور محدث ہونے میں کوئی
تباہین کی نسبت نہ تھی ان میں تفاوت نہ سمجھا جاتا تھا۔ تقلید سے ان کے مسلک کا اظہار ہوتا تھا اور
حدیث سے ان کے فن کا پتہ چلتا تھا۔ اور حق یہ ہے کہ ان دنوں تک ہندوستان میں
ترک تقلید کے عنوان سے ”اہلحدیث“ نام سے کوئی فقہی مسلک معروف و موسوم نہ تھا۔
شاہ محمد اسحق صاحب محدث دہلوی (۱۲۶۲ھ) کے شاگردوں میں جناب میاں نذیر حسین صاحب
(۱۳۳۰ھ) سب سے پہلے اس بات میں نمایاں ہوئے۔ ان سے پہلے بنارس کے نو مسلم عبدالحق نامی
تقلید کے خلاف کچھ کام کر چکے تھے۔ صادق پور کے مولانا ولایت علی بھی کچھ اس طرف مائل ہوئے
تھے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ اس سلسلہ کے شیخ الکمل جنہوں نے ہندوستان میں ترک تقلید کے عنوان سے
ایک علیحدہ فقہی مسلک کی بنیاد رکھی۔ وہ جناب میاں نذیر حسین صاحب دہلوی ہی تھے جناب میاں
صاحب بھی کلیۃً فقہ حنفی کے خلاف نہ تھے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ جہاں تک حدیث سے براہ
راست مسئلے سکیں۔ فقہ کی طرف رجوع نہ کیا جائے۔ اور جو مسائل حدیث میں نہ مل سکیں۔ ان
میں فقہ حنفی پر اعتماد کر لیا جائے۔ فتاویٰ نذیریہ میں میاں صاحب کی یہی روش کار فرما رہی ہے۔
اور جگہ جگہ فقہ حنفی سے استناد کیا گیا ہے۔

اہلحدیث ایک فرقہ کی صورت میں

ابتداء میں اس جماعت کے لوگ کہیں اہلحدیث کہیں محمدی اور کہیں موحّد کہلاتے تھے۔
جماعت کسی ایک نام سے متعارف نہ تھی۔ ان کے مخالفین انہیں دہابی یا غیر مقلد کے نام سے
موسوم کرتے تھے۔ مولانا محمد حسین ثناءلوی صاحب نے انگریزی حکومت کو درخواست دی کہ ان
کے ہم خیال لوگوں کو سرکاری طور پر اہلحدیث کا نام دیا جائے۔ اس کے بعد اس اصطلاح جدید میں
اہلحدیث سامنے آئے اور ہندوستان میں ترک تقلید کے عنوان سے ایک مستقل مکتب فکر کی
بنیاد پڑ گئی۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے باہر اس نام سے راجلحدیث یا اصطلاح جدید
اب تک کوئی فرقہ موجود نہیں ہے۔

ہندوستان کے مشہور عالم دین مولانا محمد شاہ صاحب شاہجہانپوری لکھتے ہیں :-
 پچھلے زمانہ میں شاذ و نادر اس خیال کے لوگ کہیں ہوں تو ہوں۔ مگر اس کثرت
 سے دیکھنے میں نہیں آئے۔ بلکہ ان کا نام ابھی تھوڑے ہی دنوں سے سنا ہے۔
 اپنے آپ کو تو وہ اہلحدیث یا محمدی یا موحّد کہتے ہیں۔ مگر مخالف فریق میں ان
 کا نام غیر مقلد یا دہلوی یا لاندہب لیا جاتا ہے۔^۱

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت تک جماعت کسی ایک نام سے موسوم نہ تھی۔ مولانا محمد حسین
 صاحب بٹالوی کی کوششوں سے یہ جماعت اہلحدیث (باصطلاح جدیدہ) کے نام سے موسوم ہوئی۔
 مولانا عبد المجید صاحب سوہدروی لکھتے ہیں :-

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اشاعت السنۃ کے ذریعہ اہلحدیث کی بہت
 خدمت کی۔ لفظ دہلوی آپ ہی کی کوششوں سے سرکاری دفاتر اور کاغذات
 سے منسوخ ہوا اور جماعت کو اہلحدیث کے نام سے موسوم کیا گیا۔^۲
 سر چارلس ایچ پی سن صاحب جو اس وقت پنجاب کے لفٹیننٹ گورنر تھے آپ کے خیر خواہ تھے۔
 انہوں نے گورنمنٹ ہند کو اس طرف توجہ دلا کر اس درخواست کو منظور کرایا اور پھر مولانا محمد حسین
 صاحب نے سیکریٹری گورنمنٹ کو جو درخواست دی اس کے آخری الفاظ یہ تھے :-
 استعمال لفظ دہلوی کی مخالفت اور اجراء نام اہلحدیث کا حکم پنجاب میں
 نافذ کیا جائے۔^۳

دہلوی نام سے اختلاف کی وجہ

دہلوی نام سے اس کی اسی مناسبت کے سبب شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کے پیرو
 مراد لئے جاتے ہیں اور چونکہ یہ سب حضرات مقلد تھے اور امام احمد بن حنبل کی تقلید کرتے تھے
 اس لئے اہلحدیث جو ترک تقلید کے عنوان سے جمہور اہلسنت سے علیحدہ سمجھے جاتے ہیں مقلدین
 کی طرف اپنی نسبت پسند نہ کرتے تھے۔ اس لئے وہ لفظ دہلوی کو اپنے لئے پسند نہ کرتے تھے۔

مقلدین سے غیر مقلدین کو اصولی اختلاف رہا ہے۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے بارے میں لکھتے ہیں :-

سو مذہب نجدی مذکور کا حنبلی تھا اور اس نے بوسہروں اور بدوؤں پر چڑھائی کی تھی۔ اس مذہب (حنبلی مذہب) کی کتابیں ہندوستان میں رائج نہیں ہیں بلکہ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری نے بھی لکھا۔

محمد بن عبدالوہاب نجدی میں پیدا ہوا تھا جو مذہب حنبلی کا پیرو تھا محمد بن عبدالوہاب مقلد تھا اور اہلحدیث کے نزدیک تقلید جائز نہیں۔ اہلحدیث کو اس سے مسئلہ تقلید میں اختلاف تھا اور اب بھی ہے۔

نوٹ : موجودہ اہلحدیث اب شیخ کی مخالفت نہیں کرتے تاکہ سعودی عرب سے مالی امداد بند نہ ہو جائے۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب خود لکھتے ہیں :-

وَمَنْ اَيْضًا فِي الْفُرُوعِ عَلَى مَذْهَبِ الْاِمَامِ اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ وَلَا مُنْكَرَ عَلَى مَنْ قَلَّدَ الْاِمَّةَ الْارْبَعَةَ دُونَ غَيْرِهِمْ لِعَدَمِ ضَبْطِ مَذَاهِبِ الْغَيْرِ

ترجمہ ہم فروع میں امام احمد کے مذہب پر ہیں اور مذاہب اربعہ میں سے کوئی کسی کی تقلید کرے ہم اس پر کوئی نیکر نہیں کرتے۔

یہ تو شیخ کے الفاظ تھے۔ اب سوانح نگار کے الفاظ بھی سن لیجئے :-

وَانْهَمُ الْحَنَابِلَةُ مُتَعَصِبُونَ لِمَذْهَبِ الْاِمَامِ اَحْمَدَ فِي فُرُوعِهِ بِكُلِّ اتِّبَاعِ الْمَذَاهِبِ الْاُخْرَى فَهُمْ لَا يَدْعُونَ لَآلِ الْقَوْلِ وَلَا بِالْكِتَابَةِ اِنَّ الشَّيْخَ اَنِي بِمَذْهَبٍ جَدِيدٍ لَا اخْتَرَعَ عِلْمًا غَيْرَ مَا كَانَ عِنْدَ السَّلَفِ

ترجمہ۔ اور یہ سب حنبلی المذہب تھے امام احمد کے مذہب پر سختی سے کاربند تھے جیسے کہ دوسرے مذاہب کے پیرو اپنے اپنے امام کے طریقے پر کاربند ہیں زبانی اور تحریری انہوں نے کبھی نہیں کہا کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کوئی نیا دین لائے اور انہوں نے کوئی نیا علم دریافت کیا جو پہلوں کے پاس نہ تھا۔

شیخ محمد بن عبد الوہاب سے لا تعلقی

غیر متقلد ہونے کی وجہ یہ حضرات اس میں حق بجانب تھے کہ انہیں وہابی نہ کہا جائے۔ اس میں انہوں نے سر توڑ کوشش کی اور انگریزی حکومت نے انہیں فقط اہل حدیث سے موسوم کر دیا۔ اس وقت سے جماعت اہل حدیث اس نام سے باضابطہ طور پر موسوم ہوئی۔ تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اس سے پہلے ہندوستان میں ایک حلقے میں ترک تقلید کی فضا پیدا ہو چکی تھی۔ گریہ نام ابھی طے نہ ہوا تھا۔ میاں نذیر حسین صاحب دہلوی جو اس جماعت کے بانی یا شیخ الکمل کہلاتے ہیں، اُن کے استاد اور خسر مولانا عبد الحاق صاحب (۱۲۶۱ھ) لکھتے ہیں :-

سو بانی مبانی اس فرقہ نو احداث کا عبد الحق ہے اور چند دنوں سے بنارس میں رہتا ہے اور حضرت امیر المؤمنین (سید احمد شہید شیخ مولانا اسماعیل شہید) نے ایسی ہی حرکات ناشائستہ کے باعث اپنی جماعت سے اس کو نکال دیا تھا۔ اگر حضرت امیر المؤمنین اس زمانہ میں ہوتے تو ان نئے مذہب والے مفند گمراہوں غیر متقلدوں کا وہی حال کرتے جو ان کے پیشوا عبد الحق کا کیا تھا۔^۱ مولانا اسماعیل شہید اور ان کے شیخ سید احمد شہید غیر متقلدوں کے سخت خلاف تھے تقلید کے خلاف جو شخص بات کرے اسے اپنی جماعت سے نکال دیتے تھے۔

وہابیوں کے خلاف انگریزوں کی برہمی

شیخ محمد بن عبد الوہاب کے پیروؤں اور شریف مکہ کے مابین نجد اور حجاز کی سرحد پر جھڑپیں ہوتی تھیں۔ انگریزوں کے شریف مکہ سے گہرے تعلقات تھے۔ وہ اسے ترکوں کے خلاف استعمال کرنے کی سوچ رہے تھے۔ لیکن اس وقت نجد اور حجاز کی سرحد پر ان کی ہمدردیاں شریف مکہ کے ساتھ تھیں۔ سو ان کا وہابیوں کے خلاف ہونا ایک لازمی امر تھا۔ انگریزوں کے ہاں آل شیخ (وہابیوں) کا یہی تصور تھا کہ وہ ایک جنگجو حملہ آور گروہ ہے۔ جو گاہے گاہے اُن پر حملہ آور رہتا ہے۔ سو جہاں کسی نے جہاد کا نام لیا انگریز اس پر بڑی آسانی سے فقط وہابی سیٹ کر دیتے تھے۔

انگریز ہندوستان میں آئے تو یہاں بھی انہوں نے جسے ذرا سراٹھاتے دیکھا اسے دہابی کا نام دے دیا قطع نظر اس سے کہ اس کا شیخ محمد بن عبدالوہاب سے کوئی علمی یا روحانی رشتہ ہے یا نہیں عربی نہ جاننے کے باعث انگریز نہ جان سکے کہ شیخ کی نسبت کے بغیر کسی کو دہابی کا نام دینا علمی اعتبار سے درست نہیں۔ وہ اس لفظ کو جنگجو اور مجاہد کے معنی میں لے کر ہر آزادی پسند اور بہادر مسلمان کو دہابی کہتے رہے اور جہاں کہیں آزادی کی کوئی تحریک چلتی۔ وہ اسے دہابیوں کی یلغار بتلاتے۔ اگرچہ ان کا شیخ محمد بن عبدالوہاب سے کوئی بھی تعلق نہ ہوتا تھا۔

ہندوستان میں لفظ دہابی کا استعمال

مجاہد کبیر حضرت سید احمد شہید اور مولانا اسماعیل شہید حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے روحانی خلیفہ اور شاگرد تھے۔ محدثین دہلی کا یہ گہرانہ بقول نواب صدیق حسن خاں صاحب بیت علم اکھنڈ، دُحنیوں کے علم کا گہرا سمجھا جاتا تھا۔ مگر چونکہ انہوں نے سکھوں کے خلاف جہاد کیا اور سکھ ان دنوں انگریزوں کے حلیف تھے۔ تو انگریزوں نے انہیں بھی باوجود دُحنی ہونے کے دہابی کہا۔ ہندوستان میں لفظ دہابی کا یہ پہلا استعمال تھا۔ انگریز مورخ ڈاکٹر اسٹوارڈ Stuard لکھتا ہے۔

شمالی ہند میں ایک دہابی جانا سید احمد نے پنجابی مسلمانوں کو ابھار کر حقیقتاً ایک مذہبی سلطنت قائم کر لی۔ مگر ان کی ناگہانی موت سے شمالی ہند میں دہابی فتوحات کا امکان جاتا رہا۔ اس سلطنت کو سکھوں نے ۱۸۴۹ء میں برباد کیا۔ لیکن جب انگریزوں نے اس ملک کو فتح کیا تب دہابی عقائد کی سلگتی ہوئی چنگاریوں نے بہت کچھ پریشان کیا۔ یہ خیالات عرصہ تک باقی رہے اور اسباب غدر میں مدد ہوئے اور انہی عقائد نے افغانستان اور شمال مغربی سرحد کے وحشی قبائل کو ہمیشہ کے لئے مذہبی تعصب میں رنگ دیا۔

یہاں دہابی عقائد سے مراد لڑنا اور حملہ آور ہونا ہے۔ یہاں اس کا معنی مخالفین سے صف بندی کے سوا اور کچھ نہیں۔ ورنہ حضرت سید احمد شہید تو دُحنی تھے آل شیخ کی طرح جنبی نہ

تھے اور مقلدین ہونے کے باوجود دونوں میں بہت سے مسائل میں اختلاف تھا۔ کوئی رشتہ تلمذ و تعلق بھی نہ تھا۔ حضرت سید احمد شہید امیر مجاہدین بالاکوٹ اپنے عقائد کے بارے میں لکھتے ہیں:-
 ایں فقیر و خاندان ایں فقیر و بلاد ہندوستان گنام نیت الف الف انام از خواص
 و عوام ایں فقیر و اسلاف ایں فقیر رائے دانند کہ مذہب ایں فقیر اباعن جد
 حنفی است۔^{۱۰}

اس حقیقت کے ہوتے ہوئے مجاہدین بالاکوٹ کو دہانی کہنا کسی پہلو سے درست نہ تھا۔ انگریز چونکہ عربی زبان سے ناواقف تھے۔ اس لئے وہ یہ جانے بغیر کہ نام اپنے معنی کے اعتبار سے اپنے مسمیٰ پر کسی نہ کسی طرح منطبق ضرور ہونا چاہیئے بے محابا یہ نکتہ بولتے تھے اور چاہتے تھے کہ یہ لفظ آزادی کی تحریکوں میں حصہ لینے والوں کے لئے زیادہ سے زیادہ استعمال ہوں لوگوں کو وہ دہانی کہتے جو کبھی ان کے سامنے آوادی کا دم مارتے یا کسی تحریک کا نام لیتے اور لفظ دہانی کا یہ تصور ان کے ذہن میں خود نواب صدیق حسن خاں صاحب نے ہی ڈالا تھا۔ موصوف لکھتے ہیں:-
 اصل دہانی وہی لوگ ہیں جو پیر محمد بن عبدالوہاب کے ہیں جس نے ۱۱۱۲ھ میں نشان
 مخالفت کا ملک نجد عرب میں قائم کیا تھا اور خود یہ ایک غریب جنگ جو تھا اس
 کے جو مقلد ہیں وہی دہانی مشہور ہیں۔^{۱۱}

اس عبارت میں دہانی کا یہی معنی بتلایا گیا ہے کہ وہ جنگ جو اور حملہ آور قسم کے لوگوں کا نام ہے اور غیر مقلدین ایسے ہرگز نہیں۔ پھر انگریزوں نے اس لفظ کو جتنا بدنام کرنے کی کوشش کی لوگوں نے ان کی مخالفت میں کچھ اچھے معنی بھی تلاش کر لئے اور پھر یہ لفظ اتنا عام ہو گیا کہ بعض لوگ اس کی تاریخ سے کسی قسم کے تعارف رکھے بغیر اسے اللہ کے نام ”الوہاب“ سے جوڑنے لگے۔ اس تاویل سے البتہ اس میں کوئی غلطی نہ تھی۔ لیکن اس کا تاریخی پس منظر اس کے خلاف ہے۔

یہ صحیح ہے کہ ہندوستان میں یہ لفظ سب سے پہلے مقلدین پر بغیر کسی جوڑ کے آزمایا گیا کیونکہ عرب میں بھی یہ لقب مقلدین کو ہی دیا گیا تھا۔ جب یہ سکے وہاں نہ چلا تو پھر اسے ہندوستان کے غیر مقلدین پر استعمال کیا گیا اور اس میں صرف یہ نسبت ملحوظ رکھی گئی کہ تمام فردعی مسائل میں ان

غیر مقلدین کا طریقہ شیخ محمد بن عبد الوہاب کے پیروں کے طریقہ سے ملتا جلتا تھا۔ گو وہ مقلدین ہیں اور یہ غیر مقلدین۔ لیکن چونکہ نماز کی ہیئت ترکیبی دونوں میں ایک سی تھی۔ اس لئے ان پر بھی یہ نام چسپاں کر دیا گیا۔ وہابی ہونے کے لئے گو یہاں کوئی نسبت نہ تھی، مگر ایک مناسبت ضرور تھی۔
سوان پر تاریخی پہلو سے نہ سہی علمی پہلو سے یہ لفظ بولا جانے لگا۔ موجدین ہند نے اسے بہت بڑا منایا اور ہر ممکن کوشش کی کہ کسی طرح انہیں اس لفظ سے رہائی ملے اور انگریز انہیں مخالف نہ جانیں۔

غیر مقلدین کا وہابیوں سے لا تعلقی کا اظہار

لفظ وہابی انگریزی ریاست میں کسی نہ کسی طبقے پر تو آنا ہی تھا۔ غیر مقلدین نہ چاہتے تھے کہ انہیں ایک جنگ جو یا جانناز قوم سمجھا جائے۔ وہ صرف ترک تقلید کے عنوان سے ایک علیحدہ مکتب فکر قائم کرنا چاہتے تھے یا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھتے کہ وہ اپنے آپ کو میدان جنگ میں نہیں صرف ایک مذہبی دائرہ میں رکھنا چاہتے تھے۔ ان حالات میں ضروری تھا کہ وہ مولانا اسماعیل شہیدؒ سے اور ان کی جماعت مجاہدین سے پوری لا تعلقی کا اظہار کریں۔ اور لوگوں کو بتائیں کہ ان کا وہابیوں ہزارہ سے کوئی تعلق نہیں۔ انگریز اس جماعت مجاہدین کو خنفی ہونے کے باوجود وہابی کا ٹائٹل دے چکے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ لوگ ہندوستان میں حکومت حاصل کرنے کی سعی میں ان کے خلاف ایک خطرہ ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں:-

بخلاف ان لوگوں کے جو لفظ وہابی کو پسند نہیں کرتے اور اہلسنت و حدیث ہیں ان کے دین میں حکومت حاصل کرنے کی تگ و دو کرنا اور زمین میں فساد پھیلانا اور مذہبی تعصب کو رونق دینا اور ہر کسی پر نفسانیت و عداوت سے مدعی ہونا سخت گناہ اور حرام ہے۔

شیخ محمد بن عبد الوہاب سے لا تعلقی کا اظہار

نواب صدیق حسن خاں صاحب نے چاہتے تھے کہ ان کی جماعت کسی پہلو سے حکومت

کی نظر میں معتوب ٹھہرے۔ اس لیے وہ لفظ دہابی سے لا تعلقی کے ساتھ شیخ محمد بن عبدالوہاب سے بھی کلیۃً لا تعلقی چاہتے تھے۔ آپ لکھتے ہیں:-

اور سچ تو یہ ہے کہ دہابی ہونا عبارت ہے مقلد مذاہب خاص ہونے سے، کیونکہ پیشوا دہابیوں کا محمد بن عبدالوہاب مقلد مذہب حنبلی تھا اور تابعین حدیث کسی مذہب کے مذاہب مقلدین میں سے مقلد نہیں۔ پس دہابیہ اور اہلحدیث میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔^۱

اصل دہابی وہی لوگ ہیں جو پیر محمد بن عبدالوہاب کے ہیں جس نے ^{۱۲۱۴}ھ میں نشان مخالفت کا ملک نجد عرب میں قائم کیا تھا اور خود یہ ایک غریب جنگجو تھا اس کے جو مقلد ہیں وہی دہابی مشہور ہیں۔^۲

شیخ محمد بن عبدالوہاب سے اس کھلی مخالفت کے باعث غیر مقلدین حضرات لفظ دہابی کو اپنے لیے گالی سے کم نہ سمجھتے تھے اور نہ چاہتے تھے کہ ان کی شیخ عبدالوہاب سے کوئی نسبت ہو۔ نواب صاحب مرحوم ایک اور جگہ لکھتے ہیں:-

ہم کو دہابی کہنا ایسا ہے جیسا کوئی کسی کو گالی دے۔^۳

پھر ایک اور جگہ شیخ کے بارے میں لکھتے ہیں:-

وہ مذہب خاص رکھتا تھا اور یہ لوگ (نواب صاحب کے گردہ کے) مذہب

خاص نہیں رکھتے۔ قرآن و حدیث پر عمل کرتے ہیں یہی ان کا مذہب ہے اور

ہر فساد کی بات سے ہزاروں کوس بھاگتے ہیں اور نام سے دہابی کے انکار

و تعجب کرتے ہیں اور وہایت کو دین میں ایک بدعت جانتے ہیں۔^۴

نواب صاحب مرحوم کا ملکی آزادی کی تلگ و دُور فساد سمجھنا ان کا سیاسی موقف ہو

سکتا ہے۔ ہمیں اس سے بحث نہیں لیکن آل شیخ کے مسلک کو بدعت قرار دینا یہ ہمیں کسی

طرح سمجھ میں نہیں آتا۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی

راے یہ ہے: اس وقت کی سیاسی فضا میں یہ جرات مندانہ بیان دیکھئے۔

محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو دہانی کہتے ہیں ان کے عقائد عمدہ تھے اور مذہب ان کا منجلی تھا، البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی۔
سو غیر مقلدین حضرات کا شیخ محمد بن عبدالوہاب کے طریقے کو بدعت قرار دینا اور دہانیوں کو بدعتی سمجھنا کسی طرح صحیح نہیں۔ یہ مقلدین حقیقت میں حدیث کے ہی پیرو ہیں۔

تقلید کرنے والے کو بدعتی کہنا اور آل شیخ کو بھی مبتدعین قرار دینا یہ ایک زیادتی ہے۔ مقلدین ائمہ کی پیروی سے حدیث کی پیروی ہی مراد لیتے ہیں۔ امام کی ذاتی پیروی ان کے پیش نظر نہیں ہوتی وہ اس لیے اُن کی بات مان رہے ہوتے ہیں۔ کہ وہ امام حدیث کے مطابق یا مراد حدیث کے مطابق بات کہتے ہوں۔ حضرت مولانا اسماعیل شہید کے سامنے حضرت شاہ محمد الحق صاحب محدث دہلوی جو میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کے شیخ حدیث تھے، لکھتے ہیں:-

مقلد ایشاں را ہرگز بدعتی نخواہند گفت زیرا کہ تقلید ایشاں تقلید حدیث

شریف است۔ پس متبع حدیث را بدعتی گفتن ضلال و موجب نکال است۔

اس وقت یہ تاریخی موضوع پیش نظر نہیں کہ ہندوستان میں لفظ دہانی کی آمد کیسے ہوئی کس طرح یہ لفظ ”دہان بیان ہزارہ“ (جو مذہب حنفی کے مقلد تھے) پر آزمایا گیا۔ پھر کس طرح یہ لفظ غیر مقلدین ہند پر (اس مناسبت سے کہ ان کی ہیئت نماز آل شیخ کی ہیئت نماز سے ملتی جلتی تھی)، لایا گیا اور پھر اس لیے کہ جن لوگوں میں اس لقب کا سیاسی مفہوم کارفرما نہ تھا۔ یہ لقب اُن سے واپس لے کر انہیں اہل حدیث سے موسوم کیا گیا۔ یہ مباحث اس وقت موضوع گفتگو نہیں۔ اس وقت صرف یہ عرض کرنا ہے کہ ہندوستان میں جماعت اہل حدیث کا قیام کب سے عمل میں آیا اور ترک تقلید کے عنوان سے اس دور میں یہ جماعت کیسے بنی۔ مذکورہ تفصیلات سے یہ بات سامنے آچکی ہے کہ ترک تقلید کے عنوان سے جماعت کے شیخ اہل میاں نذیر حسین صاحب دہلوی تھے۔ لیکن ان کے عہد تک جماعت مختلف ناموں سے معروف تھی۔ کہیں یہ حضرات محمدی کہلاتے تھے کہیں انہیں مومنین کہا جاتا تھا اور کہیں انہیں اہل حدیث بھی کہہ دیتے تھے۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب کے دور تک کچھ اسی طرح کی کیفیت رہی۔

مولانا محمد حسین صاحب بنالوی پہلے شخص ہیں جنہوں نے بڑی تاک و دوسے اپنے گروہ کے لیے حکومت سے یہ ٹائٹل منظور کرایا اور اسی وقت سے جماعت اہلحدیث کے نام سے چل رہی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہندوستان میں ترک تقلید کے عنوان سے جس شخص نے پہلے زبان کھولی وہ عبدالحق بنارسى تھا۔ لیکن علمی پہلو سے اس کی کوئی خاص حیثیت نہ تھی۔ ہر جماعت کے شیخ الکل جناب میاں نذیر حسین صاحب ہی سمجھے گئے اور انہی سے اس سلسلے کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ اس وقت اس گروہ کے چند اکابر کا کچھ مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔ ان متقدمین سے ان کے متاخرین کو سمجھنے میں بہت مدد ملے گی۔

میاں نذیر حسین صاحب دہلوی (بانی مسلک جنہیں جماعت شیخ الکل کہتی ہے)

آپ ۱۲۲۰ھ کو موضع سورج گڑھ ضلع مونگیر (بہار) میں پیدا ہوئے اور ۱۲۴۰ھ میں ہوسال کی عمر پا کر وفات پائی۔ آپ کے استاد اور خسر مولانا عبدالخالق صاحب (متوفی ۱۲۶۱ھ) آپ کے سخت خلاف ہو گئے تھے، آپ پہلے رفیعیدین نہ کرتے تھے، حالانکہ آپ حدیث پڑھ چکے تھے۔ سر سید احمد خاں ۱۲۵۰ھ کی تحریک سے آپ نے رفع یدین شروع کی اور ایک مسلک کی بنیاد ڈالی۔ سر سید ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

جناب مولوی سید نذیر حسین صاحب دہلوی کو میں نے ہی نیم چڑھا دہلوی بنایا ہے۔ وہ نماز میں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ مگر اس کو ”سنت ہدے“ جانتے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ نہایت افسوس ہے کہ جس بات کو آپ نیک جانتے ہیں لوگوں کے خیال سے اس کو نہیں کرتے۔ میرے پاس سے اٹھ کر جامع مسجد میں نماز عصر پڑھنے گئے اور اس وقت سے رفع یدین کرنے لگے۔

پھر حکومت نے آپ کو شمس العلماء کا خطاب دے دیا۔ مولوی فضل حسین صاحب بہاری نے الحیاء بعد المماتہ، کے نام سے آپ پر ایک کتاب لکھی ہے۔ اس میں کئی ایسے واقعات ملتے ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ انگریز سرکار آپ کے بارے میں کس طرح سوچتی تھی۔

۱۷ مارج کوثر ص ۵۵ مؤلفہ شیخ محمد اکرام صاحب

کہے پتہ نہیں کہ سرسید احمد خاں کے حکومت سے کیا روابط تھے۔ ان کے کہنے سے رکوع کے وقت رفع یدین کرنا اور حکومت سے ۱۸۹۷ء میں شمس العلماء کا خطاب پانا اس پورے پس منظر کو واضح کر رہا ہے۔ رہی یہ بات کہ حضرت شاہ محمد اسحق نے پھر انہیں سندِ حدیث کیوں دی، سو یہ خود محل بحث ہے۔ مولوی فضل حسین بہاری لکھتے ہیں:-

آپ نے میاں صاحب کو صرف اطراف صحاح کی سند دی تھی میاں صاحب نے استیعاباً نہ آپ سے صحاح ستہ پڑھیں نہ ان کی سند لی۔ میاں صاحب خود اس سند کو چپڑاس کہتے تھے۔

آپ مطلق تقلید کے قائل تھے۔ فقہ حنفی سے فتویٰ دینا جائز سمجھتے تھے۔ ائمہ کی شان میں گستاخ نہ تھے اور اس پہلو سے آپ کا احترام ہر حلقے میں موجود تھا۔ غیر مقلد حلقوں میں گستاخ اور تفرقہ انگیز انداز کے داعی عبدالحق بنارسی اور ابوالحسن محی الدین تھے۔ یہ دونوں نو مسلم تھے۔ جو مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پھیلانے کے لیے داخل کئے گئے تھے اصلاً یہ ہندو تھے۔ عبدالحق بنارسی کا عقیدہ ملاحظہ کیجئے۔ میاں صاحب کے شاگرد قاری عبدالرحمن صاحب پانی پتی ان سے نقل کرتے ہیں عبدالحق نے کہا:-

عائشہ علی سے لڑی اگر توبہ نہ کی تو مرتد مری ہے (معاذ اللہ)

زبان اور زندہ دونوں ملاحظہ ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے شیعہ بھی ترک تقلید کی اس تحریک کے پیچھے بڑی سرگرمی سے کام کر رہے تھے اور اہل سنت نہ جانتے تھے کہ ان کے حلقوں میں آزاد خیالی کی ہوا کہاں سے تیز کی جا رہی ہے۔ ابوالحسن محی الدین جس نے النظر البین لکھ کر اس آگ کو اور بھڑکایا اس کا اصل نام ہری چند تھا۔ یہ دیوان چند نرم کھتری سکند علی پور ضلع گوجرانوالہ کا بیٹا تھا۔ اس کے اثرات اب تک علی پور چٹھہ میں موجود ہیں۔ وہاں منکرین حدیث کافی تعداد میں پیدا ہو چکے ہیں اور ترک تقلید کی یہ روش اب انہیں کفر کی سرحد کے بہت قریب لاکھی ہے۔ تفسیر القرآن بالقرآن وہیں لکھی گئی ہے۔ جس پر مولف کا نام نہیں ہے۔

نواب صدیق حسن خاں صاحب

میاں نذیر حسین صاحب کے بعد جماعت کے بڑے بزرگ جناب نواب صدیق حسن صاحب سمجھے جاتے ہیں۔ ۱۹۳۵ء میں بانس بریلی میں پیدا ہوئے اور ۱۹۳۸ء میں وفات پائی۔ آپ کی وفات کے وقت میاں نذیر حسین صاحب زندہ تھے۔ نواب صاحب مفتی صدر الدین صاحب دہلوی تلمیذ حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی اور حضرت شاہ عبدالعزیز کے شاگرد تھے۔ ان کے ذریعہ ہندوستان میں ترک تقلید کی ہوا بڑی تیزی سے چلی۔ ملکہ بھوپال شاہ جہاں بیگم سے آپ کی شادی ہوئی تھی۔ اس دولت کی بدولت آپ کو مسلک کی اشاعت اور علمی خدمات کا خوب موقع ملا۔ آپ امت کے کثیر التصنیف علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ اپنے آپ کو موحّد اور اپنے گروہ کو موحّدین ہند کہتے تھے۔ جماعت کے لفظ اٹھدیش کا تعین اس وقت تک نہ ہوا تھا۔ ریاست بھوپال سے تعلق کی وجہ سے آپ چاہتے تھے کہ موحّدین ہند ہر اس تحریک سے نفرت کریں جو انگریزوں کے خلاف ہو۔ چنانچہ مجاہدین بالاکوٹ جن کی قیادت حضرت سید احمد شہید اور مولانا اسماعیل شہید نے کی تھی، آپ نے ان سے ان الفاظ میں لا تعلقی ظاہر کی ہے۔

گورنمنٹ ہند کے دیگر فرق اسلام نے یہ دلنشین کر دیا ہے کہ فرقہ موحّدین ہند

مثل دہلیان ملک ہزارہ ایک بدخواہ فرقہ ہے اور یہ لوگ (موحّدین ہند)

دیے ہی دشمن و فسادی ملک گورنمنٹ برٹش ہند کے ہیں۔ جیسے کہ دیگر شری

اقوام سرحدی (مجاہدین بالاکوٹ وغیرہ) بمقابلہ حکومت ہند سوچا کرتے تھے۔

لفظ دہلی کے بارے میں انگریزوں اور نواب صاحب کی ایک سوچ

ملحوظ رہے کہ نواب صاحب نے دہلی کا لفظ لڑنے والوں کے لیے اس معنی میں استعمال

کیا ہے جس معنی میں انگریز اسے مجاہدین پر لانا چاہتے تھے اور اپنے لیے ان سے متماثل نام "موحّدین

ہند"، اختیار کیا ہے۔ نیز اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ یہ جماعت صرف ہندوستان میں ہے اور

ہندوستان سے باہر ان دنوں ترک تقلید کے عنوان سے کوئی مکتب فکر موجود نہ تھا۔ لفٹینٹ گورنر

نے جب یہ درخواست منظور کر لی کہ غیر مقلدین کو دہابی نہ کہا جائے تو اس میں صراحت کی کہ یہ لوگ دہابیان ملک ہزارہ (مولانا اسماعیل شہید وغیرہم) سے نفرت رکھتے ہیں۔ چنانچہ نواب صاحب لکھتے ہیں:-
چنانچہ نیشنل گورنر صاحب بہادر موصوف نے اس درخواست کو منظور کیا
اور پھر ایک اشتہار اس مضمون کا دیا گیا کہ موعدین ہند پر شبہ بدخواہی گورنمنٹ
عامہ نہ ہو۔ خصوصاً جو لوگ کہ دہابیان ملک ہزارہ سے نفرت رکھتے ہوں اور
گورنمنٹ ہند کے خیر خواہ ہیں ایسے موعدین مخاطب بہ دہابی نہ ہوں۔

موعدین ہند اس وقت تک صرف اس درجہ تک پہنچے تھے کہ لفظ دہابی ان پر نہ بولا
جائے اور مولانا اسماعیل شہید سے ان کا کوئی تعلق ظاہر نہ ہو۔ لیکن ابھی تک یہ مرحلہ باقی تھا کہ حکومت
سے اپنے لئے سرکاری سطح پر لفظ اہلحدیث خاص کر الیا جائے اور لفظ دہابی سرکاری طور پر بھی
کافذات سے نکال دیا جائے۔ یہ خدمت مولانا محمد حسین صاحب ثالوی نے سرانجام دی۔

نواب صاحب کی جماعتی فکر

ترک تقلید کی فضا ہمارے کرنے کے ساتھ ساتھ آپ شیخ عبدالوہاب نجدی اور ان
کے پیروؤں کے بھی سخت خلاف تھے۔ لفظ دہابی سے سخت نفرت تھی۔ انگریزوں
کو بار بار یاد دلاتے کہ ہم دہابی نہیں ہیں اور دہابیوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔
نجد کے شیخ محمد بن عبدالوہاب اور عرب کے وہابی امام احمد کے مقلد ہیں اور ہم غیر مقلد ہیں۔

وقت کی سیاسی فضا میں مسلمانوں میں آزادی پیدا کرنی ان خدمات کے باعث آپ
کی انگریزی سرکار میں بہت قدر و منزلت تھی۔ آپ کو ایک لاکھ چوبیس
ہزار روپیہ سالانہ وظیفہ ملتا تھا۔ آپ کی صاحبزادی شمس الامراء کو بھی
حکومت سے باون لاکھ کی جاگیر ملی تھی۔ ان مراعات کے ہوتے ہوئے ان کی
وفاداری کسی پہلو سے بھی محل شبہ میں نہ تھی۔

۱۔ ترجمان دہابیہ ص ۶۲ ۲۔ دیکھئے ترجمان دہابیہ ص ۲۸ ۳۔ المحطہ ص ۱۵۱ ۴۔ دیکھئے ماثر صدیقی ص ۲ مولانا حسن علی

موحدین ہند کی علمی اور عملی حالت

نواب صاحب کے عہد میں غیر مقلدین اہلحدیث کے نام سے موسوم نہ تھے۔ ترک تقلید کی فضا غامبی معروف ہو چکی تھی اور یہ لوگ موحدین ہند کہلاتے تھے۔ یہ لوگ کس علمی اور عملی حالت میں تھے، اسے خود نواب صاحب سے سنئے۔

یہ لوگ معاملات کے مسائل میں حدیث کی سمجھ اور بوجھ سے بالکل عاری ہیں اور اہل سنت کے طریق پر ایک مسئلہ بھی استنباط نہیں کر سکتے، حدیث پر عمل کرنے کی بجائے زبانی جمع و خرچ اور سنت کی اتباع کی جگہ شیطانی تسویلات پر اکتفا کرتے ہیں اور اسکو عین دین تصور کرتے ہیں۔ نواب صاحب نے معاملات کی قید اس لئے لگائی ہے کہ عبادات میں ان لوگوں نے آمین بآسمان اور رفع الیدین وغیرہ کی کچھ روایات ضرور یاد کی ہوتی ہیں۔ سو اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ لوگ فن حدیث سے کچھ آشنا ہیں۔ نواب صاحب عبادات میں بھی ان غیر مقلدین سے چنداں موافق نہ تھے۔ آپ کے صاحبزادہ جن علی لکھتے ہیں:۔

آپ حنفی نماز کو ہمیشہ اقرب الی السنۃ فرماتے رہتے تھے۔

پیش نظر ہے کہ عبدالحق بنارسوی اور میاں نذیر حسین صاحب کے دور تک یہ حضرات اہلحدیث (اصطلاح جدید) میں معروف نہ تھے نہ اس وقت تک یہ اصطلاح باضابطہ طور پر قائم ہوئی تھی۔ ابھی یہ حضرات ترک تقلید کے نام سے پہچانے جاتے تھے۔ یا موحدین ہند کے نام سے۔

مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی

مولانا بٹالوی ^{۱۲۵۲ھ} میں پیدا ہوئے۔ آپ اور نواب صدیق حسن خاں صاحب ہم استاد تھے۔ مولانا بٹالوی کے استاد بھی مفتی صدر الدین صاحب دہلوی تھے۔ آپ نے حدیث میاں نذیر حسین صاحب دہلوی سے پڑھی۔ آپ مولانا عبدالمجید صاحب سوہروردی کا یہ بیان پہلے سن گئے ہیں۔

نقطہ دہانی آپ ہی کی کوششوں سے سرکاری دفاتر اور کاغذات سے
منسوخ ہوا اور جماعت کو اہلحدیث کے نام سے موسوم کیا گیا۔^۵

یہیں سے جماعت اہلحدیث ایک مستقل مکتب فکر کے طور پر ابھرتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ
اس فرقے کا مولد و مسکن ہندوستان سے باہر کہیں نہیں ملتا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ حضرات اہل حدیث
کہلانے سے پہلے موحدین ہند کہلاتے تھے۔ تاہم یہ ضرور ہے کہ ان دنوں یہ فرقہ اہلحدیث کے
عنوان سے مشہور نہ تھا۔ اور اس کے تمام علماء تقریباً انہی بزرگوں کے شاگرد اور شاگرد در شاگرد
ہیں جنہیں جماعت کے موصوفین کے طور پر ہم ذکر کر آئے ہیں۔ مولانا حافظ عبدالمہمان وزیر آبادی
مولانا سلامت اللہ حیراجپوری، مولانا عبدالحق ملتانوی (بانی فرقہ امامیہ اہلحدیث)، اور حافظ محمد بکھوی
حافظ غلام رسول قلعہ میہان سنگھ واسے سب میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کے ہی شاگرد تھے۔ البتہ غزنی
سے چند ایسے اور بزرگ ضرور تشریف لائے جو اس مکتب فکر میں شامل ہوئے اور پھر اپنی محنت
و خدمت سے پنجاب میں ایک ممتاز گروہ بن کر ابھرے۔ یہ گروہ غزنوی نام سے معروف ہے۔

مولانا عبد اللہ غزنوی میاں صاحب سے حدیث پڑھ کر واپس غزنی چلے
گئے۔ وہاں مسلمانوں کو ترک تقلید کی دعوت دی۔ ان کی یہ تحریک وہاں
مسلمانوں کی وحدت ملی کو توڑنے کا موجب سمجھی گئی اور اندیشہ پیدا ہوا
کہ کہیں اس کے پیچھے انگریزوں کی افغانستان پر قبضہ کرنے کی سازش
کا فرمانہ ہو اس پر حکومت افغانستان نے انہیں ملک سے نکال دیا۔
اور یہ حضرات ہندوستان آگئے۔ ہندوستان میں ان دنوں مولانا محمد حسین
بٹالوی غیر مقلدین کے مذہبی ایڈوکیٹ تھے۔ آپ جہاد کے خلاف رسالہ
الاقتصاد لکھ کر انگریزوں کو مطمئن کر چکے تھے اور پھر انہیں سرکار انگلشیہ
سے ایک وسیع جاگیر بھی ملی تھی۔

سو ہندوستان میں غیر مقلد ہو کر رہنا اب ان حضرات کے لیے چنداں مشکل نہ تھا
یہاں کے غیر مقلدوں نے ان علمائے غزنی کا بڑے تپاک سے استقبال کیا۔

پنجاب میں غزنوی علماء کی آمد

مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کے عہد میں پنجاب میں غزنوی علماء کی آمد ہوئی۔ حضرت مولانا عبداللہ غزنوی افغانستان سے جلا وطن ہوئے تھے۔ ان حضرات کا رجحان ترک تقلید کی طرف تھا۔ انہیں یہاں بنایا میدان مل گیا۔ ہندوستان کے دیگر اہلحدیث حضرات سے ان کا ایک موضوع میں اختلاف رہا۔ یہ حضرات تصوف اور بیعت و سلوک کے قائل تھے۔ مولانا عبدالجبار غزنوی نے ”اثبات الالہام والبیعت“ کے نام سے اس موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی۔ مولانا عبداللہ غزنوی کے دو بیٹے مولانا عبدالجبار اور مولانا عبدالواحد تھے۔ مولانا عبدالجبار کے بیٹے مولانا داؤد غزنوی اور مولانا عبدالغفار تھے۔ مولانا عبدالواحد کی اولاد میں سے مولانا اسماعیل غزنوی اپنے حلقے میں معروف ہوئے۔ مولانا اسماعیل غزنوی سعودی عرب کے ملک عبدالعزیز بن آل سعود کے وزیر رہے ہیں۔ آپ کے واسطے سے سعودی عرب کے اور نجد کے علماء اور موحیدین ہند کے مابین خاصے تعلقات قائم ہو گئے۔ یہاں تک کہ اس مناسبت سے پھر سے لفظ وہابی موحیدین ہند پر آگیا۔ اب یہ لوگ لفظ وہابی سے زیادہ گریز نہ کرتے تھے کیونکہ سعودی تعلقات سے ان کی ایک نسبت آل شیخ سے قائم ہو چکی تھی۔ سو لفظ وہابی یہاں اور قوت پکڑ گیا اس دور میں۔ غزنوی حضرات جماعت میں اپنی محنت و خدمت سے ایک ممتاز گروہ بن کر ابھرے۔ اور ایک دور تک جماعت اہلحدیث کی قیادت ان کے ہاتھ میں رہی۔

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری علماء دیوبند اور جماعت اہلحدیث کے مابین ایک نقطہ اتصال تھے۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے۔ مگر مسلک ترک تقلید کا ہی رہا۔ تاہم آخر دم تک علماء دیوبند سے بہت قریب کا تعلق رہا۔ غیر مقلدین میں سے آپ نے مولانا حافظ عبداللہ خان وزیر آبادی سے حدیث پڑھی۔ مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کے بھی شاگرد تھے۔ ملک کی سیاسی جدوجہد میں بار بار علماء دیوبند کے ساتھ شریک ہوئے اور فرقہ باطلہ کے رد میں بھی علماء دیوبند کے شانہ بشانہ کام کیا۔ انگریزوں کی ڈائری میں تحریک ریشمی رومال کے ذیل میں لکھا ہے:-

جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے یہی شخص مولوی ثناء اللہ امرتسری ہے
انجمن اہلحدیث پنجاب کا صدر ہے۔ ہندوستان میں شاید سب سے ممتاز وہابی
ہے۔ امرتسر سے شائع ہونے والے ہفت روزہ اردو اخبار اہلحدیث کو
مرتب کرتا ہے۔ مولوی ثناء اللہ امرتسری مولانا محمود الحسن کا شاگرد ہے اور
شاید بیس پچیس برس گزرے ان سے حدیث پڑھی تھی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ انگریز اب پھر سے لفظ وہابی ان حضرات کے لئے واپس لا رہے
تھے۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب اور مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی نے جب رسالہ تنسیخ جہاد
پر دستخط کیئے اور وہاں ہزارہ سے نفرت کا اظہار کیا تھا تو لفظ وہابی ان مومنین ہند سے اٹھا
لیا گیا تھا اور جو نہی ان میں سے کسی نے مولانا محمود الحسن سے نسبت ظاہر کر دی تو پھر اُسے
وہابی قرار دیا جانے لگا۔ انگریزی سیاست کے اس مذہب میں معلوم نہیں کتنے لوگ ڈوبے
ہوں گے۔

مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی

آپ مولانا غلام حسن صاحب سیالکوٹی (شاگرد نواب صدیق حسن صاحب) اور
حافظ عبدالمنان صاحب وزیر آبادی کے شاگرد تھے۔ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری سے گہرے
تعلق کی بنا پر یہ بھی علماء دیوبند کے بہت قریب ہو گئے تھے یہاں تک کہ آپ کے بارے میں
انگریزوں کی ڈائری میں یہ الفاظ ملتے ہیں :-

پسر امرتسری قادر بخش سکھ سیالکوٹ — مشہور اور نہایت با اثر اور متعصب
وہابی مبلغ — ہندوستان میں سفر کرتا رہتا ہے اور وہابیوں کے جلسوں میں اور
دوسرے فرقوں سے مناظروں کے دوران نہایت پرجوش تقریریں کرتا ہے
اس لئے اس کی ہر وقت مانگ رہتی ہے — تظفر علی کا کٹر حامی ہے اور
ثناء اللہ امرتسری کا ساتھی اور مولوی عبدالرحیم عرف بشیر احمد اور عبداللہ شادری
کتاب فروش کا ساتھی ہے۔

۱۔ تحریک ریشمی رومال (انگریزوں کی اپنی ڈائری) ص ۷۷ ایضاً

جنگ طرابلس، جنگ بنگال اور کانپور کی مسجد کے واقعہ پر اس نے
 سیالکوٹ میں کافی بے چینی اور شورش پھیلا دی تھی۔ ایم ابراہیم کے بارے
 میں شبہ ہے کہ برطانیہ کے خلاف مسلم پراپیگنڈے میں اس کا ہاتھ ہے۔
 کیا ستم ظریفی ہے کہ جماعت اہل حدیث کے جس فرد نے کسی قومی کام یا تحریک آزادی
 میں حصہ لیا، انگریز پھر سے اس کے لئے لفظ دہابی لٹالائے اور باوجودیکہ شمس العلماء میاں
 نذیر حسین صاحب، نواب صدیق حسن صاحب اور مولانا محمد حسین ثالوی نے ہر ممکن کوشش کی
 تھی کہ ان کا کوئی تعلق مولانا اسماعیل شہید سے ثابت نہ ہو اور وہ اپنے ماحول میں دہبیان
 ہزارہ سے ہر گز نہ اظہار نفرت بھی کرتے رہے۔ مگر دہابی کا ٹائٹل جماعت سے پھر بھی کلیتہً
 اٹھ نہ سکا اور ان سے تعلق کا داغ دھل نہ سکا۔

یہاں تک گفتگو اس موضوع میں تھی کہ جماعت اہل حدیث (بہ اصطلاح جدید) کب
 سے قائم ہوئی اور اس کے مؤسسين کون کون حضرات تھے۔ اس ضمن میں لفظ دہابی بھی زیر
 بحث آگیا اور ہم نے اختصار وقت کی رعایت کرتے ہوئے اس پر بھی کچھ تاریخی بحث کی
 ہے۔ لیکن یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ بنیادی عقائد میں جماعت اہل حدیث عام مسلمانوں سے
 الگ کوئی جماعت نہیں۔ ترک تقلید کی تحریک میں جو لوگ حد سے بڑھنے والے تھے وہ اپنی
 اپنی جگہ خود ہی جماعت سے نکل گئے۔ کوئی مرزائیت میں چلا گیا، کوئی انکار حدیث کی لہروں
 میں جا ڈوبا، کسی نے نیچریت کی قبازیب تن کی اور جماعت اہل حدیث نے اپنی موجودہ شکل
 میں اپنے لئے سلفی کا عنوان اختیار کر لیا۔ یہ مذاہب باطلہ سے دوری کی ایک اچھی تعبیر ہے۔
 بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ تبدیلی ان میں سعودی عرب سے وابستگی کے بعد آئی
 ہے۔ چونکہ علماء آل سعود زیادہ تر مقلدین ہیں۔ یہ اس لئے سلفی ہوئے کہ ان سے
 رابطہ اس کے بغیر نہ ہو سکتا تھا۔ حقیقت میں یہ سلف کے پیروں یا نہیں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے
 انکار بدگمانی ہے جو بلا شہادت جائز نہیں۔ جو بات وفاق و اتفاق کے قریب ہوں
 کا خیر مقدم کرنا چاہیے جب تک بات اس کے خلاف کھل کر سامنے نہ آجائے۔

۱۔ انگریزوں کی ڈائری تحریک ریشمی رد مال ص۔

ترکِ تقلید کے نتیجہ میں نئے نئے مذاہب

ہندوستان میں مغلیہ عہد میں صرف دو ہی فرقے پائے جاتے تھے سنی تھے یا شیعہ۔ نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں :-

ہندوستان کے مسلمان ہمیشہ سے مذہبِ شیعہ یا حنفی رکھتے ہیں۔ انگریزوں نے جب یہاں مذہبی آزادی کا اعلان کیا تو سلاطین مغلیہ کی وہ گرفت جو عام مسلمانوں کو ایک ہی مذہب پر رکھے ہوئے تھی ذھیلی پڑ گئی۔ نواب صاحب گورنمنٹ کی پالیسی کے بارے میں لکھتے ہیں :-

جو امن و آسائش و آزادی اس حکومت انگریزی میں تمام خلق کو نصیب ہوئی کسی حکومت میں بھی نہ تھی اور وجہ اس کی سوائے اس کے کچھ نہیں سمجھی گئی کہ گورنمنٹ نے آزادی کامل ہر مذہب والے کو دی ہے۔

شیخ النکل میاں نذیر حسین صاحب نے اس آزادی سے فائدہ اٹھایا تو سرسید احمد خاں نے کل اسلاف سے ہی علمی بغاوت کر دی اور نیچری فرقہ کے عنوان سے معتزلہ ایک نئی شکل میں سامنے آئے۔ مولانا محمد حسین صاحب بنالوی اور مرزا غلام احمد قادیانی جو مدتوں اہلحدیث مسلک پر اکٹھے کام کرتے رہے تھے، ان میں سے مرزا غلام احمد کل پرانے اسلام سے بغاوت کر گئے اور قادیانی مذہب وجود میں آیا۔ میاں نذیر حسین صاحب کے شاگرد مولانا سلامت اللہ جیراچپوری اہلحدیث دبا اصطلاح جدید کے نامور عالم تھے۔ مگر ان سے ان کے بیٹے عافظ اسلم جیراچپوری ترکِ تقلید میں آگے بڑھ کر ترکِ حدیث کی سرحد پر آ گئے۔ ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے شاگرد مولوی عبداللہ چکڑالوی جو لاہور میں جماعت اہلحدیث کی پہلی مسجد دچینیاں والی، کے امام اور خطیب تھے رفتہ رفتہ منکرین حدیث کے پیرو بنے اور برطانوی ہندوستان میں قادیانی، نیچری، چکڑالوی سب اپنے اپنے محاذوں پر اکھڑے ہوئے۔ اس تلخ تجربے نے علمائے اہلحدیث کو پھر سوچنے پر مجبور کیا کہ ترکِ تقلید کا یہ انداز آخر کہاں تک چلتا رہے گا کہیں یہ ساری جماعت کو ہی اسلام سے لاپرواہ نہ کرے۔

اکابر جماعت اہل حدیث کے بیانات

مرزا غلام احمد قادیانی کے پرانے دوست مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی لکھتے ہیں :-
پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ
مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر
بیٹھتے ہیں۔^۱

پھر آپ یہ بھی لکھتے ہیں :-
گر وہ اہل حدیث میں جو بے علم یا کم علم ہو کر ترک تقلید کے مدعی ہیں وہ ان نتائج سے
دور ہیں۔ اس گروہ کے عوام آزاد اور خود مختار ہو جاتے ہیں۔^۲
مولانا سید علی میاں ندوی کے والد مولانا سید عبدالحی مرحوم نزہتہ اسخواطر کی آٹھویں جلد میں
مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کے ذکر میں لکھتے ہیں :-

وشدد النکیر علی مقلدی الائمة الاربعة لاسیما الاحناف وتعصب في ذلك
نعصباً غیر محمود فتأرت به الفتن وازدادت المخالفة بین الاحناف و
اهل الحديث ورجعت المناظرة الى المكابرة والمجادلة المتألفة ثم لما كبرت
سنه ورأى ان هذه المنازعة كانت سبباً لو هن الاسلام ورجع المسلمون الى
غاية من النکبة والمذلة رجع الى ما هو اصلهم لهم في هذه الحالة —
واما ما كان عليه من المعتقد والعمل فهو على ما قال في بعض الرسائل :
ان معتقده معتقد السلف الصالح مما ورد به الاخبار وجاء في صحاح الاخبار
ولا يخرج مما عليه اهل السنة والجماعة ومذهبه في الفروع مذاہب اهل
الحديث المتمسكين بظواهر النصوص۔^۳

ترجمہ۔ مولانا بٹالوی نے مقلدین ائمہ اربعہ خصوصاً احناف کے خلاف شدت اختیار
کی اور اس میں ایسے تعصب سے چلے کہ اسے اچھا نہیں کہا سکتا پس اس سے

مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کی فکری کردٹ پر پوری جماعت اہلحدیث کی روش بدل جانی چاہیے تھی۔ لیکن افسوس کہ وہ لفظ حنفی اور شافعی وغیرہ سے اسی طرح سیخ پا رہے کہ کسی درجہ میں وہ فقہ کے قریب آنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ یہ شیخ الکل میاں نذیر حسین صاحب دہلوی اور مولانا محمد حسین بٹالوی کے مسلک کے خلاف فرقہ وارانہ منافرت کی ایک لہر تھی جو جماعت کے بیشتر علماء کو لے ڈوبی بہت کم تھے جو معتدل مزاج رہے اور اہل السنۃ والجماعت کے دائرہ کے اندر رہے۔ غالباً ۱۳۲۶ھ کا واقعہ ہے کہ جماعت اہلحدیث کے اعیان دارکان لاہور میں جمع ہوئے اور انجمن اہلحدیث کے نام سے ایک تنظیم قائم کی جس کے صدر مولانا محمد حسین بٹالوی قرار پائے۔ مولانا بٹالوی مرزا غلام احمد قادیانی کا حال دیکھ کر ضرور سمجھتے تھے کہ غیر مقلدین فقہ اور مقلدین سے جو نفرت بڑھا رہے ہیں۔ اس سے اندیشہ ہے کہ کسی نہ کسی وقت یہ لوگ (غیر مقلدین) پورے اسلام سے ہی منحرف نہ ہو جائیں۔ انہوں نے اہلحدیث کے ساتھ اپنے کو حنفی کہنے کی بھی راہ نکالی۔ مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی لکھتے ہیں:-

لاہور میں ایک مجلس الطہاریت کے نام سے نامزد ہو کر قائم ہوئی ہے جس کے

۱۷۔ یہ مجلس تامل و ہمد کہ قائم ہوئی تھی حکومت بھارت نے یہ نام المجدیث انہیں الاٹ کیا تھا۔

صدر ہونے کی عزت اس ناپیز کو بخشی گئی ہے۔ اس میں یہ امر بحث میں آیا تھا کہ
 اہلحدیث (جس کی طرف یہ انجمن منسوب ہوئی ہے) کی کیا تعریف ہے اور اہلحدیث
 سے کون شخص موسوم ہو سکتا ہے (جو اس انجمن کے ارکان اور مجلس منتظمین داخل
 ہونے کا استحقاق رکھتا ہو۔ اس کا تصفیہ رسالہ اشاعت السنۃ جلد ۲۰ کے صفحہ ۱۵۹
 (جو اہلحدیث قوم کا اور گورنمنٹ میں مہتمم ایڈوکیٹ Representative
 ریپریزنٹیشن ہے) کے اس بیان سے ہو گیا کہ "اہلحدیث وہ ہے جو اپنا دستور العمل
 والاستدلال احادیث صحیحہ اور آثار سلفیہ کو بناوے اور جب اس کے نزدیک
 ثابت و محقق ہو جائے کہ ان کے مقابلہ میں کوئی معارض مساوی یا اس سے
 قوی پایا نہیں جاتا۔ تو وہ ان احادیث و آثار پر عمل کرنے کو مستعد ہو جاوے
 اور اس عمل سے اس کو کسی امام یا مجتہد کا قول بلا دلیل مانع نہ ہو۔"

از آنجا کہ اس تعریف کی رو سے بے تعصب و منصف مزاج مقلدین
 مذاہب اربعہ حنفیہ وغیرہ جو عمل بالحدیث کو جائز رکھتے اور سعادت سمجھتے
 تقلید مذہب ان کو اس عمل بالحدیث سے مانع نہ ہوتی، داخل ہو سکتے ہیں۔ نظر
 برآں اس انجمن کے صدر خاکسار کی یہ رائے قرار پائی کہ اس انجمن کے نام میں ایسی
 تعلیم و توسیع ہر جانی چلبیسے کہ اس کا نام سنتے ہی وہ مقلدین جو عمل بالحدیث
 کو سعادت سمجھتے ہیں داخل سمجھے جائیں بنا علیہ اس کے تجویز یہ ہوئی کہ لفظ
 انجمن اہلحدیث کے ساتھ بریکٹ میں حنفیہ وغیرہ بڑھا دیا جائے۔
 پھر مولانا محمد حسین صاحب بنالوی کی اپنی رائے ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ احادیث کے ساتھ آثار سلفیہ کو ماننے کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام کے ارشادات کو بھی اپنے لئے نزد سمجھے
 ۲۔ غیر مقلد علماء لفظ بلا دلیل کو ہمیشہ قول کی صفت بتاتے ہیں۔ یعنی وہ بات جس پر شریعت میں کوئی دلیل نہ ہو
 ظاہر ہے کہ اس کا ماننا کسی کے ہاں معتبر نہیں۔ مقلدین اسے قول کی صفت نہیں ماننے کی صفت بتلاتے
 ہیں کہ کسی مجتہد کی بات کو اس سے دلیل طلب کیے بغیر اس کے اعتماد پر مان لینا کہ قرآن و حدیث کی مطابقت
 ہی بتلا رہا ہو گا۔ ۳۔ ماہنامہ الہدی بابت ماہ ذیقعد ۱۳۲۶ھ تاہمام مولوی کریم بخش مہتمم دہلیک اسلامیتیم پریس لاہور

صدر انجمن خاکسار چونکہ باوجود اہلحدیث ہونے کے خفی بھی کہلانا جائز رکھتا تھا۔ لہذا اس امر کا اظہار اپنے ماہوار رسالہ اور سراج الاخبار کے ذریعہ کر دیا یہ امر ہمارے روحانی فرزند نوجوانوں کو جو صرف اہلحدیث کہلاتے ہیں اور وہ خفی وغیرہ کہلانا پسند نہیں کرتے تاگوار گزرا اور انہوں نے خاکسار کے اس اظہار کے خلاف اپنے اخبار اہلحدیث میں یہ نوٹ شائع کرادیا۔ الخ

مولانا ثناء اللہ صاحب نے اپنے اختلافی نوٹ میں لکھا تھا۔ کسی کا ہو رہے کوئی نبی کے

ہو رہے ہیں گے ہم۔۔۔۔۔ مولانا محمد حسین صاحب بنالوی نے اس کے جواب میں لکھا۔
نبی کے ہیں سبھی خفی نہ مرزائی نہ چکڑالی نہ معتزلی جو باطل کی کرتے ہیں شاگردی

لفظ اہلحدیث ماضی میں ایک علمی شان رکھتا تھا۔ فرقہ اہلحدیث میں جب جاہل بھی اہلحدیث کہلانے لگے تو پوری کی پوری جماعت نت نئے نئے اٹھنے والے فتنوں کا دروازہ بن گئی۔ مرزا قلام احمد کے پہلے جانشین حکیم نور الدین بھی پہلے اہلحدیث بنے تھے پھر مرزائی بنے۔

قاضی عبدالواحد صاحب خانی پوری کی رائے

ان حالات سے متاثر ہو کر جماعت اہلحدیث کے مقتدر عالم قاضی عبدالواحد صاحب خانی پوری نے اپنی جماعت کو بھنبھوڑا اور کہا:-

اس زمانہ کے بھوٹے اہلحدیث مبتدعین، مخالفین سلف صالحین جو حقیقت
ماجاہدہ الرسول سے جاہل ہیں وہ اس صفت میں وارث اور خلیفہ ہوئے
شیعہ و روافض کے۔۔۔۔۔ جس طرح شیعہ پہلے زمانوں میں باب و دہلیز

۱۔ اشاعۃ السنۃ محمدیہ مولانا ثناء اللہ امرتسری جو ان دنوں پرچہ اہلحدیث کے ایڈیٹر تھے ۷۷ تاریخ احمدیت
جلد چہارم ص ۶۹ میں ہے ”حریم سے واپسی پر نور الدین نے وہابیت اختیار کی اور ترک تقلید پر وعظ کیے۔
اور عدم جواز تقلید پر کتابیں تصنیف کیں بحیرہ میں ہیجان عظیم پیدا ہو گیا۔۔۔۔۔ چودھری ظفر اللہ خاں
قادیانی بھی اپنے دادا چوہری سکندر خاں کے بارے میں لکھتے ہیں:-

”وہاں تک مجھے معلوم ہو سکا ہے وہ اہلحدیث فرقے سے تعلق رکھتے تھے“ تحدیث نعمت ص ۳

کفر و نفاق کے تھے اور مدخل ملاحظہ اور زنادقہ کا تھے۔ اسی طرح یہ جابل، بدعتی
 اہلحدیث اس زمانہ میں باب اور دہلیز اور مدخل ہیں ملاحظہ اور زنادقہ منافقین
 کے بعینہ مثل اہل التشیع کے ہے

اس عبارت سے واضح ہے کہ ان پڑھ جابلوں کا اہلحدیث کہلانا کس طرح آئندہ دینی فتنوں
 کی اساس بننا رہا اور یہ بھی عیاں ہے کہ اس جماعت غیر مقلدین کے اعتدال پسند علماء کتنی درد مندی
 سے ترک تقلید کے کڑے پھل چکھتے رہے ہیں اور ان کا ذائقہ بھی ساتھ ساتھ بتاتے رہے ہیں
 مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی نے اچھا کیا جو اپنے آپ کو اہلحدیث حنفی کہنے لگے۔ یہ کسی نہ
 کسی دائرہ میں فقہ کی طرف لوٹنے کا ایک قدم تھا۔ اس پر دیگر علماء فرقہ ہذا بہت سیخ پا ہوئے تاہم
 مرزا غلام احمد کے انجام کا یہ ایک طبعی اثر تھا۔ جو اس کے پُرانے دوست مولانا محمد حسین صاحب پر اس
 تبدیلی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبدالحق سیالکوٹی لکھتے ہیں :-

ارباب فہم و ذکا و اصحاب صدق و صفا کی خدمت میں عرض ہے کہ کچھ عرصہ سے
 جناب مولوی ابو سعید محمد حسین بٹالوی نے اپنے آپ کو اہلحدیث حنفی لکھا ہے۔
 آپ کے اس لقب پر مولوی شہار اللہ صاحب امرتسری ایڈیٹر اخبار اہلحدیث
 نے ایک نوٹ لکھا ہے :-

اس سے واضح ہے کہ مولانا محمد حسین بٹالوی میں یہ تبدیلی بعد میں آئی۔ اس کا سبب اس
 کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کی دینی تباہی آنکھوں سے دیکھی تھی۔

مولانا وحید الزماں کی رائے

غیر مقلدین کا گردہ جو اپنے تئیں اہلحدیث کہلاتے ہیں، انہوں نے ایسی آزادی
 اختیار کی ہے کہ مسائل اجتماعی کی پرواہ نہیں کرتے نہ سلف صالحین اور صحابہ
 اور تابعین کی — قرآن کی تفسیر صرف لغت سے — اپنی من مانی کر
 لیتے ہیں۔ حدیث شریف میں جو تفسیر آچکی ہے اس کو بھی نہیں مانتے۔

۱۔ کتاب التوحید والسنۃ فی رد اہل الاتحاد والبدعہ ص ۶۲ ۲۔ الانصاف لرفع الاختلاف ص ۱۰۸ مولانا
 عبدالحق مطبوعہ ۱۹۱۱ء رفاه عام سٹیم پریس لاہور ۳۔ وحید اللغات مادہ شعب، حیات وحید الزماں ص ۱۲۰

مولانا عبد العزیز سیکرٹری جمعیت مرکزیہ اہلحدیث ہند

اہلحدیث جو اپنے ایمانیات و عقائد کی پختگی میں ضرب المثل تھے..... معتزلہ اور متکلمین کی شریعت کو دوبارہ زندہ کرنے والے حضرات ہم میں پیدا ہو گئے اور ان کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ نتیجہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج جمعیت اہلحدیث ایک جسم بلا روح رہ گئی۔ بلکہ جسم کہتے ہوئے بھی قلم رکتا ہے۔ آج ہم میں تفرق و تشتت کی یہ حالت ہے کہ شاید ہی کسی جماعت میں اس قدر اختلاف و افتراق ہو۔ ترک تقلید کا یہ نتیجہ ان حضرات کے اپنے قلم سے آپ کے سامنے ہے۔ کاش کہ یہ حضرات مولانا محمد حسین بٹالوی کی بات مان لیتے۔ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری نے اس وقت تو اپنے استاد مولانا بٹالوی کی مخالفت کی۔ لیکن ترک فقہ کے نتیجہ میں جب ترک حدیث کی اٹھتی ہوئی لہر دیکھی تو ان کے ذہن نے بھی پھر پٹا کھایا۔ مرزا غلام احمد کے ترک تقلید نے مولانا محمد حسین بٹالوی میں فکری تبدیلی پیدا کی۔ تو مولوی عبداللہ چکڑالوی کی تحریک ترک حدیث نے مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کو سوچنے پر مجبور کیا۔ کہ ترک حدیث کی ان لہروں کا پس منظر کیا ہے۔ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری مولوی عبداللہ چکڑالوی امام مسجد چنیاں والی لاہور کے بارے میں رقمطراز ہیں:-

جب انہوں نے دیکھا کہ اب لوگ فقہ کی بندش سے تقریباً آزاد ہو گئے ہیں تو انہوں نے احادیث پر نکتہ چینی شروع کر دی اور جب کچھ دنوں میں یہ مرحلہ بھی طے ہو جائے گا تو وہ جمع و تدوین قرآن میں رخنہ نکالنا شروع کر دیں گے اور جب تک لوگوں کو اس عیاری کا پتہ نہ چلے گا وہ عوام اور نئے تعلیم یافتہ طبقے کے دل و دماغ کو اتنا مسموم کر چکے ہوں گے کہ اس کا تدارک کسی سے نہ ہو سکے گا۔

آزادی رائے کا غلط استعمال

میاں نذیر حسین صاحب سے لے کر مولانا محمد حسین بٹالوی تک ہندوستان میں مطلق

تقلید کا انکار کہیں نہ تھا۔ غیر مقلدین بھی صرف تقلید شخصی کے خلاف تھے اور جملہ مومنین ہندو اجتہادی مسائل میں فقہ حنفی کا فیصلہ لیتے تھے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری کے عہد سے غیر مقلدین مطلق تقلید کے انکار کے درپے ہوئے پھر انہی کے عہد میں ترک تقلید کی فضا اپنی پوری بہار پر آئی۔ غیر مقلدین نہ صرف مقلدین سے برسرِ پیکار ہوئے۔ بلکہ آپس میں بھی ایک دوسرے کے خلاف محاذ آراء ہو گئے۔

قاضی عبدالاحد صاحب خانپوری نے مولانا ثناء اللہ کے خلاف ایک کتاب لکھی۔ اور اس کا نام کتاب التوحید والسنۃ فی رد اہل الاسکا والبدعہ رکھا اور اسے اظہار کفر ثناء اللہ بجمع اصول آمنت باللہ سے ملقب کیا کہ مولوی ثناء اللہ ایمان کی تمام بنیادوں کا منکر ہے۔ غزنوی حضرات نے مولانا ثناء اللہ کے خلاف اربعین لکھی اور اس پر چالیس کے قریب علماء اہلحدیث (باصطلاح جدید) نے دستخط کیے اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کو اہلحدیث سے خارج قرار دیا۔ مولانا ثناء اللہ صاحب نے مظالم روپڑی بر منظم امرتسری لکھ کر جماعت کی اندرونی حالت پوری طرح بے نقاب کی۔

مولانا عبدالوہاب ملتانی کے خلاف بانٹے علماء اہلحدیث نے دستخط کیے اور کہا کہ مدعی امامت (مولانا عبدالوہاب ملتانی) گمراہ ہے۔ اہلحدیث سے خارج ہے اور حدیث من لم یعرف امام زمانہ کو نہیں سمجھا۔ پھر مولانا عبدالوہاب کے شاگرد خدوسی مولانا محمد جونا گڑھی نے مولانا عبداللہ روپڑی کے بارے میں لکھا:-

یہ مولوی صاحب تھوٹے ہیں بدعتیہ ہیں اسے علم دین سے بلکہ خرد دین سے بھی مس نہیں..... اس کا وعظ ہرگز نہ سہو بلکہ اگر بس ہو تو وعظ کہنے بھی نہ دور نہ اس کے پیچھے جمعہ جماعت پڑھو۔

مولوی محمد یونس مدرسِ اول مدرسہ میاں نذیر حسین صاحب دہلوی نے عاقل

۱۔ دیکھئے سیرت ثنائی ص ۳۷ اور ہندوستان میں پہلی اسلامی تحریک ص ۳۹ مؤلف مسعود عالم ندوی
۲۔ مظالم روپڑی ص ۴۲ تالیف مولانا ثناء اللہ امرتسری

عبداللہ صاحب روپڑی کے بارے میں فرمایا :-

شخص مذکور ملحد ہے..... ایسے لوگوں سے قطع تعلق ضروری ہے۔

ان حضرات کی یہ نبرد آزمانی صرف اپنے علماء تک محدود نہ تھی۔ مولانا عبداللہ صاحب صاحب نے عوام اہلحدیث کو بھی اپنے اس فتوے میں گھسیٹ لیا۔ مولانا عبدالجبار صاحب کھنڈیوی مولانا عبداللہ صاحب سے نقل کرتے ہیں :-

جب تک مسلمان امام کو نہیں مانتا اس کا اسلام ہی معتبر نہیں ہے۔... کوئی کام

نکاح ہو یا طلاق بغیر اجازت امام وقت جائز نہیں ہے

ان حضرات کے اخبار محمدی کی ایک سُرخِ ملاحظہ ہو۔ روپڑ کا خوفناک بھیڑیا۔

ان کتابوں اور عنادوں سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ترکِ تقلید کے جوش میں لوگ اپنے گھر میں کیسی خوفناک آگ سے دوچار تھے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری کی خدمات اہلحدیث پر ان کے ہمندا علماء انہیں سردارِ اہلحدیث کہتے تھے۔ مولانا عبداللہ روپڑی کہ ان کی یہ حیثیت پسند نہ تھی۔ آپ نے مولانا ثناء اللہ صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا :-
ٹھیکے تلے کتاب چل رہا تھا وہ سمجھا کہ ٹھیکے کو میں کھینچ رہا ہوں تمہاری مثال یہ ہے۔

غیر مقلدین کی اس سرد جنگ سے یہ بات باسانی سمجھی جاسکتی ہے کہ ترکِ تقلید کی تحریک اس وقت کس مرحلہ میں داخل ہو چکی تھی

ان بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ ائمہ دین اور سلفِ صالحین سے بے نیازی کی روش جماعتِ اہلحدیث میں کہاں تک آزادی پیدا کر چکی تھی تاہم یہ غنیمت ہے کہ جماعت کے بعض حضرات کو اس کاشت سے احساس ہوا اور جو لوگ ترکِ تقلید میں مد سے بڑھتے جا رہے تھے وہ اپنی اپنی جگہ

۱۔ مقاصد الامامۃ ص ۱۶۱ ایضاً

۲۔ اخبار محمدی دہلی یکم جون ۱۹۲۹ء ۵۵ ثنائی نزاع تالیف عبداللہ روپڑی صاحب

خود ہی جماعت سے نکل گئے اور اہل حدیث (بہ اصطلاح جدید) اپنی موجودہ شکل میں کچھ نہ کچھ سنبھل گئے اور انہوں نے صحابہ کرام سے تمسک کرنے کو اپنے اصولوں میں داخل کر لیا۔

مسلم اہل حدیث میں اقوال صحابہ کا درجہ

اہل السنۃ والجماعت کی بنیاد ہی صحابہ کرام سے وابستگی پر ہے اور یہی جماعت ہے جس کی طرف منسوب ہو کر وہ اہل السنۃ والجماعت کہلاتے ہیں۔ جب تک ان کے قول و فعل سے تمسک رہے غیر مقلدین بھی جماعت اہل حدیث (بہ اصطلاح جدید) کے دائرہ میں رہیں گے اور اس گروہ کے جو لوگ حضرات صحابہ سے علیحدگی کو ہی سچائی کا نشان سمجھیں۔ وہ انجام کار اسلام کی سرحد کو ہی پار کر جائیں گے۔ جماعت کے مقتدر عالم حافظ محمد عبداللہ صاحب روپڑی لکھتے ہیں:-

جب انسان کو کوئی مسئلہ قرآن و حدیث سے صراحتہً نہیں ملتا۔ تو وہ قرآن و حدیث میں اجتہاد و استنباط کرتا ہے اور وہ اجتہاد و استنباط قرآن و حدیث سے الگ نہیں کہلاتا۔ اسی طرح صحابی کے اس قول کو جو اجتہاد و استنباط کی قسم سے ہو اس کو قرآن و حدیث سے الگ نہ سمجھنا چاہیے۔ بلکہ قرآن و حدیث میں داخل سمجھنا چاہیے۔

اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ صحابہ کے اقوال میں اقل تو رفع یعنی رسول کی حدیث ہونے کا احتمال قوی ہے اور اگر کہیں فہم کا دخل ہو تو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روش کی طرف زیادہ نزدیک ہیں۔ کیونکہ صحابہ آپ کی طرز استدلال کو دیکھتے تھے اور آپ کے کنایہ اور اشارے سے خوب سمجھتے تھے اور جتنی باتیں مشاہدہ سے تعلق رکھتی ہیں ان سے خوب واقف تھے اور بعد کے لوگ ان باتوں سے محروم ہیں۔ اس لیے پچھلوں کے اجتہاد پر صحابہ کے اقوال کو مقدم کرنا لازم ہے اور صحابہ چونکہ ان باتوں میں برابر ہیں اس لیے ان کے اقوال آپس میں ایک دوسرے کو ملنے لازم نہیں ہے۔

مولانا حافظ محمد عبداللہ صاحب روپڑی اس سے پہلے ساری بحث کا حاصل ان نکتوں

میں لکھ آئے ہیں :-

اقوال صحابہ کے ساتھ استدلال کرنا ٹھیکہ اسلام میں داخل ہے۔^۱

کتنا اچھا ہو کہ گروہ اہلحدیث کے دیگر حضرات بھی صحابہ کے قول و عمل سے استناد کرنا جائز سمجھیں اور اسے اپنی رائے پر ہر حال میں مقدم کریں۔ یہ صحابہ کی اتباع اور پیروی کا عقیدہ ہے جو اہلحدیث حضرات کو اہل سنت و جماعت میں داخل کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ائمہ کرام کا اکرام و احترام بھی ضروری ہے۔ ان کے کسی فیصلے سے اختلاف اور بات ہے اور مجموعی طور پر ان کی جلالت قدر سے کھیلنا اور ان کی علمی امامت کے انکار سے پورے اکابر امت کی تجمیل کرنا یہ وہ خوفناک روش ہے کہ اس راہ پر چلنے والا کبھی اہل سنت و جماعت میں نہیں رہ سکتا جماعت اہلحدیث کے جو علماء ائمہ حدیث و فقہ اور مجمع علیہم مجتہدین ائمہ اربعہ کا اکرام و احترام کرتے ہیں۔ انہیں چند فروعی اختلافات کی بنا پر اہل سنت کے دائرہ حق سے باہر نہ سمجھنا چاہیئے۔

۱۔ علماء اہلحدیث کے ہاں امام ابوحنیفہ کا مقام

مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی مولانا شمس الدین صاحب امرتسری کے بہت قریبی دوست ہونے کے باعث علماء دیوبند سے بھی اتنے ہی قریب تھے۔ امام ابوحنیفہ کے بہت معتقد تھے۔ اکثر فرماتے کہ امام ابوحنیفہ کا احترام مجھے رُوحانی طور پر بتلایا گیا ہے۔

میں ان شخصوں کو جن کو حضرت امام سے حسن عقیدت نہیں ہے کہا کرتا ہوں۔ افتخار و نہ علی مائی میں نے جو کچھ عالم بیداری اور ہوشیاری میں دیکھ لیا اس میں مجھ سے جھگڑا کرنا بے سود ہے۔ جو شخص ائمہ دین اور خصوصاً امام ابوحنیفہ کی بے ادبی کرتا ہے اس کا خاتمہ اچھا نہیں ہوتا بلکہ آپ نے تاریخ اہلحدیث کے نام سے محدثین اور اپنے اکابر جماعت کی ایک تاریخ لکھی۔ اس میں آپ نے امام ابوحنیفہ کا بھی ذکر کیا۔ آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس دہلی اس کو شائع کرنا چاہتی تھی۔ لیکن وہ لوگ اس پر رضامند نہ تھے۔ کہ امام ابوحنیفہ کو محدثین میں ذکر کیا جائے۔

۱۔ ضمیمہ رسالہ اہلحدیث ص ۷۷ ۲۔ تاریخ اہلحدیث ص ۷۹ ۳۔ ایضاً ص ۲۲۸ نقل عن الحافظ عبدالمنان

انہوں نے مولانا سے درخواست کی کہ وہ حضرت امام صاحب کا ذکر اس کتاب سے نکال دیں۔
مولانا ابراہیم صاحب نے کتاب ان سے واپس لے لی۔ مگر امام صاحب کا نام اس کتاب سے
نہ نکالا اور فرمایا کہ امام ابو حنیفہؒ کا نام محدثین سے کبھی الگ نہیں ہو سکتا۔

غزنوی خاندان کے علماء بھی حضرت امام صاحب کی شان میں بہت مؤدب رہے ہیں۔
سید ابوبکر غزنوی نے اپنے والد مولانا محمد داؤد غزنوی کے سوانح حیات میں مولانا محمد اسحق بھٹی
کا ایک مقالہ بھی درج کیا ہے۔ اس میں آپ سید محمد داؤد غزنوی کے بارے میں لکھتے ہیں:-
”ائمہ کرام کا ان کے دل میں انتہائی احترام تھا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا اسم
گرامی بے حد عزت سے لیتے۔ ایک دن میں ان کی خدمت میں حاضر تھا کہ
جماعت اہل حدیث کی تنظیم سے متعلق گفتگو شروع ہوئی۔ بڑے دردناک
لہجہ میں فرمایا:-

مولوی اسحق! جماعت اہل حدیث کو حضرت امام ابو حنیفہؒ کی روحانی
بددعا لے کر بیٹھ گئی ہے۔ ہر شخص ابو حنیفہؒ کو رہا ہے۔ کوئی بہت ہی
عزت کرتا ہے تو امام ابو حنیفہؒ کہہ دیتا ہے۔ پھر ان کے بارے میں ان کی تحقیق
یہ ہے کہ وہ تین حدیثیں جانتے تھے یا زیادہ سے زیادہ گیارہ۔ اگر کوئی بڑا
احسان کرے تو وہ انہیں سترہ حدیثوں کا عالم گرد داتا ہے۔ جو لوگ اتنے
جلیل القدر امام کے بارے میں یہ نقطہ نظر رکھتے ہوں ان میں اتحاد اور
یک جہتی کیوں کہ پیدا ہو سکتی ہے۔“ مولانا داؤد غزنوی، ص ۱۳۶

ان دنوں حضرت امام ابو حنیفہؒ کی وصیت جو آپ نے اپنے بیٹے حماد کے نام لکھی۔
نئی نئی طبع ہو کر آئی تھی۔ آپ اسے آنے جانے والوں کو دکھاتے اور فرماتے۔ حضرت امام
ابو حنیفہؒ کی نظر کم از کم پانچ لاکھ احادیث پر تھی۔

اب بھی جماعت اہل حدیث میں اچھے خاصے لوگ ملیں گے جو ائمہ کرام اور فقہاء اسلام کا خاصا
احترام کرتے ہیں لیکن افسوس کہ چند ناواقبت اندیش متعصب افراد کی جبارت اور دوسروں کی
اس پر مصیبت کمیش خاموشی پوری جماعت کو اہل سنت والجماعت سے لاپرواہ کر رہی ہے۔
اتاللہ و اتالیہ راجعون۔

لیکن افسوس کہ ان کے خطیب قسم کے علما اور جماعت میں اپنی جھوٹی شخصیت اُبھارنے والے فقہ حنفی سے برسرِ عام کھیلتے ہیں۔ حضرت امام کے علم حدیث کا مستحضر اڑاتے ہیں اور یہ مسخرے نہیں جانتے کہ حضرت امام کی بددعائیں کے بھی شامل حال ہوئی وہ قادیانی ہو کر مر یا رخص کی گرد میں گیا یا اسے منکرین حدیث میں جگہ ملی اور یا وہ پاگل ہو گیا۔ سلامتی سے اُسے یہاں سے رخصتی نہیں ہوئی۔ اَعَاذُنا اللہ من سوء الادب فی الامۃ المجتہدین۔ یہ درست ہے کہ اس حلقے میں بعض حضرات معتدل مزاج بھی تھے۔ انہوں نے کوشش کی کہ جماعت کو مطلق العنان ہونے سے سچا یا جائے اور انہیں پابند کیا جائے کہ کسی سُنَد میں سلف کی حدود سے نہ نکلیں۔ اس جذبہ سے بہت سے لوگ سلفی کہلانے پہلے جو لوگ قال اللہ اور قال الرسول کے سوا کچھ نہ سنتے تھے۔ اب سلف کی پیروی میں فخر عروس کرنے لگے۔ یہ ان لوگوں میں پہلی نظریاتی تبدیلی ہے جو عمل میں آئی ہے۔

ذاجتہادِ عالماں کوتاہ نظر اقتدارِ رفتگاں محفوظ تر

ہمیں پورا احساس ہے کہ موضوع زیر بحث اہل حدیث (باصطلاح جدید) کا تعارف ہے۔ یہ چند باتیں ہم نے صرف تاریخی پہلو سے کہی ہیں۔ کسی فریق کے کسی موقف کا اثبات یا ابطال ہرگز پیش نظر نہیں۔ حدیث کے طلبہ کے لئے حدیث سے متعلق جملہ مباحث لائق مطالعہ ہوتے ہیں۔ ہم نے ضرورت کے مطابق یہ تاریخی نقشہ آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ کسی عزیز نے کسی بات پر کوئی گرائی عروس کی ہو تو ہم اس سے معذرت خواہ ہیں۔ تاریخی حقائق سے صرف نظر تو کی جا سکتی ہے لیکن انہیں مٹایا نہیں جاسکتا۔ یہ بات آسانی سمجھی جا سکتی ہے کہ جو درخت تقریباً ایک صدی پہلے ترکِ تقلید کے نام سے بویا گیا تھا اس کے نیکلے کانٹوں سے خود اس کے داعی بھی خون آلودہ ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ بغیر ان حضرات اس لئے ان مفاسد سے بچے رہے کہ وہ سلوک و احسان کے قائل تھے مولانا عبد الجبار غزنوی کی کتاب اثبات الالہام والبیعتہ کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

یہ کتاب مولوی غلام علی قصوری کی ایک کتاب کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ مقلدین کے بارے میں آپ کا نظریہ یہ تھا۔

مذاہب اربعہ حق ہیں اور ان کا آپس کا اختلاف ایسا ہے جیسا صحابہ کرام میں بعض مسائل کا اختلاف ہوا کرتا تھا۔ باوجود اختلاف کے ایک دوسرے سے بغض و عداوت نہیں رکھتے اور باہم سب و شتم نہیں کرتے مثل خوارج و روافض کے صلحاء اور ائمہ دین کی محبت جزو ایمان ہے۔

مولانا عبد الجبار غزنوی مولانا عبد اللہ غزنوی کے بیٹے تھے۔ مولانا عبد الجبار کے بیٹے مولانا محمد داؤد غزنوی اور مولانا عبد الغفار تھے۔ مولانا عبد اللہ غزنوی کے ایک دوسرے پوتے مولانا اسماعیل غزنوی تھے۔ جو سعودی عرب کے ملک عبدالعزیز بن آل سعود کے مقربین میں سے تھے۔ ان کے باعث سعودی حکومت اور موحدین ہند میں خاصے روابط پیدا ہوئے اور اب تک یہ روابط قائم ہیں۔ اس مناسبت سے پھر سے لفظ واپائی ان حلقوں میں عام ہو گیا ہے۔ یہ حضرات اب اس لفظ سے نفرت نہیں کرتے۔ سعودی عرب سے تعلقات رکھنے کے لیے انہیں اب اس نام کی ضرورت ہے، ورنہ علماء آل سعود تو مقلدین ہیں اور حنبلی مذہب رکھتے ہیں۔

مولانا وحید الزمان حیدر آبادی۔ الممتونی
۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۰ء

کتب حدیث کے اردو تراجم اور وحید اللغات لکھنے کے باعث آپ فرقہ اہل حدیث میں سب سے بڑے مصنف سمجھے جاتے ہیں۔ نواب صدیق حسن خان کے بعد اس باب میں انہی کا نام ہے۔ پہلے نواب صاحب نے آپ کو تراجم کے لیے تنخواہ پر ملازم رکھا۔ آپ کے دور میں مولوی شمس الحق عظیم آبادی، مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی، مولوی عبد اللہ غازی پوری، مولوی فقیر اللہ صاحب پنجابی غیر مقلدین کی نمایاں شخصیتیں تھیں۔ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری بھی علم سے معروف ہو چکے تھے۔

آپ نے میاں نذیر حسین صاحب سے حدیث پڑھی۔ غیر مقلد ہونے کے بعد شیعیت

کی طرف خاصے مائل ہو گئے۔ آپ کی کتاب ہدیۃ المہدی آپ کے انہی خیالات کی ترجمان ہے۔
 مجھ کو میرے ایک دوست نے لکھا کہ جب سے تم کتاب ہدیۃ المہدی تالیف
 کی ہے تو اہل حدیث کا ایک بڑا گروپ تم سے بدول ہو گئے ہیں۔
 اور عامہ اہل حدیث کا اعتقاد تم سے جاتا رہا ہے۔

آپ فخر الدین الطریقی شیعہ (۱۰۸۵ھ) کی کتاب مطلع نیرین اور مجمع البحرین سے خاصے
 متاثر تھے۔ وحید اللغات کی اس قسم کی عبارات انہی خیالات کی تائید کرتی ہیں۔
 شیخینؒ کو اکثر اہلسنت حضرت علیؓ سے افضل کہتے ہیں اور مجھ کو اس امر پر
 بھی کوئی قطعی دلیل نہیں ملتی۔ نہ یہ مسئلہ کچھ اصول دین اور ارکان دین سے
 ہے۔ زبردستی اس کو مشکلیں نے عقائد میں داخل کر دیا ہے۔
 ”حضرت علیؓ اپنے تئیں سب سے زیادہ خلافت کا مستحق جانتے تھے اور ہے بھی یہی“
 حضرت امیر معاویہؓ کے بارے میں لکھتے ہیں:-
 ان کی نسبت کلمات تعظیم مثل حضرت درہی اللہ عنہ سخت دلیری اور بیباکی ہے۔
 پھر محرم کے بارے میں رقمطراز ہیں:-

یہ مہینہ خوشی کا نہیں رہا محرم کا مہینہ شہادت کی وجہ سے غم کا ہے۔
 ان خیالات کے باوجود جماعت اہل حدیث انہیں اپنے بزرگوں میں سے سمجھے۔ تو
 اسے وہ جانیں۔ جہاں تک ہم سمجھ سکے ہیں مولانا وحید الزماں شیعہ کتب حدیث کو اہلسنت
 کتب حدیث کی کتابوں کے قریب لانا چاہتے تھے اور اسی لیے انہوں نے مسکب اہل حدیث
 اختیار کیا تھا۔ حالانکہ شیعہ کتب حدیث ہمارے ہاں اصولاً ثابت نہیں ہیں۔ آپ کی نجات حدیث
 اسی فکر پر مرتب ہوئی ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔ آپ خود لکھتے ہیں:-

الذواللغة جو جامع لغات احادیث مع احادیث فریقین یعنی امامیہ و اہلسنت

ہے۔ بڑی عنایت اور جانفشانی سے مرتب کی ہے۔

الذواللغة، اسرار اللغة، وحید اللغات ایک ہی کتاب کے نام ہیں۔

نبوت اہل حدیث یہاں ختم ہوتا ہے۔

منکرینِ حدیث

الحمد لله وسلاماً علی عبادہ الذین اصطفى۔ اما بعد:

ابتداءً آفرینش سے حق کے مقابلے میں باطل اور نور کے بالمقابل ظلمت بُرد آزار ہے
ہیں۔ آدم نے ابھی خلعتِ خلافت نہ پہنی تھی کہ ابلیس ملائکہ کی صف سے علیحدہ ہو گیا۔ اور
ابراہیم علیہ السلام ابھی پیدا نہ ہوئے تھے کہ اقتدارِ مَرُود کے ہاتھوں میں تھا۔ کون نہیں جانتا کہ
حضرت موسیٰ کے بیدار ہونے سے پہلے تختِ مصر پر فرعون براجمان تھا۔ حدیثِ نبوی نے جس
طرح قرآن کریم کے گرد حفاظت کا پہرہ دیا اور عملاً ایک امت کی تشکیل کی اور اُسے توارثِ عمل
بخشا۔ ضروری تھا کہ اس کے بالمقابل پھر ظلمت کی گھٹا اُٹھے۔ امت کو اتحاد کی
بجائے انتشار ملے۔ قرآن اپنے احکام کے تعین میں ممبرانِ اسمبلی کا دستِ نگر ہو اور عقل کی ہر
بدلتی لہر تعلیمِ نبوت کے کنارے توڑتی رہے۔ منکرینِ حدیث انہی تقاضوں سے اُٹھے۔ اور
مختلف عنواناتوں سے سامنے آئے۔

انکارِ حدیث کی تحریک کسی دور میں منفی عنواناتوں سے نہیں چلی۔ اُس نے اپنی منفی
آواز کے لیے ہمیشہ سے کسی نہ کسی مثبت عنوان کا سہارا لیا ہے۔ منکرینِ حدیث کبھی ① جامعیت
قرآن کا نعرہ لے کر اُٹھے کہ قرآن کریم کے ہوتے ہوئے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں یعنی حدیث
کی ضرورت نہیں، کبھی ان لوگوں نے کہا ② قرآن کریم کے ابدی قوانین ہر زمانے کے نئے
تقاضوں کے تحت طے ہونے چاہئیں۔ قرآنی احکام کی جو تشکیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور
میں ہوئی۔ وہ صرف اس دور کے لیے تھی۔ اس نئے دور میں قرآنی احکام کی تشکیل اسمبلیوں
کے ذریعے ہونی چاہیے۔ ③ کبھی ان لوگوں نے بعض حدیثوں کے خلاف عقل ہونے کا سہارا
لیا اور ان کے ذریعہ کل ذخیرہ حدیث کو گدلا کرنا چاہا۔ ابتدائی عنوان ان کا یہ رہا کہ ہم ان حدیثوں

کو کیسے مان لیں جن میں یہ مضامین ہیں۔۔۔۔۔ ان لوگوں نے چند متشابہات کے باعث کل احادیث ہی لائق انکار ٹھہرا دیں اور ⑤ کہیں انہوں نے باطنی تاویلات کی راہ سے احادیث کا انکار کیا کہ ہم اہل معرفت خود ہی حدیث کو دیکھ لیتے ہیں، ہمارے ذخیرہ حدیث میں سے ہمیں کسی حدیث کی ضرورت نہیں، اہل قال اہل حال کو کیا سمجھیں۔۔۔۔۔ کوئی کچھ کہتا رہا کوئی کچھ۔۔۔۔۔ آوازیں مختلف اٹھتی رہیں، لیکن یہ بات اپنی جگہ حقیقت رہی اور اس میں شک نہیں کہ انکار حدیث کی تحریک پوری تاریخ میں کبھی منفی عنوان سے نہیں چلی، چودہویں صدی ہجری نے جہاں اور بہت سے گل کھلائے، انگریزی بنی کھڑے کیے، فتنہ انکار حدیث کو بھی نیا عروج بخشا، اب یہ فتنہ اچھا خاصا معروف ہو چکا ہے اور کچھ لوگ اب منفی عنوان اختیار کرنے سے بھی نہیں چوکتے اور یہ تحریک اب زور پکڑتی جا رہی ہے، ایک منکر حدیث کہتا ہے اور کتنا کھل کر کہتا ہے۔۔۔

یہ سنت ہی تھی جس نے اسلام کے ابتدائی جمہوری مزاج میں بگاڑ پیدا کیا
یہ سنت ہی تھی جس نے مسلمانوں کو متعدد فرقوں میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے
ان کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا، یہ سنت ہی تھی جس نے بنو امیہ اور بنو عباس
کے عہد میں مذہبی لوگوں کو غیر معمولی اہمیت دلوائی، اور یہ سنت ہی تھی جس
نے دولت عثمانیہ کو ناقابل علاج مریضوں کی آماجگاہ بنایا۔^{۱۷}
یاد رکھیے فتنہ انکار حدیث کی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خبر دے چکے تھے حضرت
مقدم (۸۷۷ھ) کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔۔۔

الا یوشک رجل شعبان علی اریکتہ یقول علیکم بہذا القرآن فما وجدتم
فیہ من حلال فاحلوه وما وجدتم فیہ من حرام فحرّموه۔^{۱۸}

ترجمہ: قریب ہے کہ ایک امیر آدمی اپنے صوفہ پر بیٹھے درس دے کہ
تمہیں یہ قرآن کافی ہے تم اس میں جو حلال پاؤ اسے حلال سمجھو اور جس چیز کو
حرام پاؤ اسے ہی حرام کہو۔

اس حدیث میں جہاں اس فتنے کی خبر دی۔ ایک یہ اشارہ بھی کر دیا کہ انکار حدیث کی آواز پہلے امراء کے اسی قسم کے حلقوں سے اُٹھے گی۔ لوگ صوفوں پر بیٹھے، کوٹھیوں میں محفلیں لگائے حدیث کا انکار کریں گے اور یہی لوگ ہیں جو منکرین حدیث کی صفِ بازو ہیں گے۔

پیشتر اس کے کہ ہم فتنہ انکار حدیث کی کچھ تفصیل کریں۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ معتزلہ شیعہ اور قادیانیوں کے حدیثی موقف کو جو بعض پہلوؤں سے تحریک انکار حدیث سے مل جاتا ہے کچھ پہلے بیان کر دیں تاکہ ان میں اور اس زمانے کے دوسرے منکرین حدیث میں کچھ مطابقت واضح ہو جائے۔

معتزلہ کا انکار

معتزلہ اخبار احاد کو حجت مان کر اہل سنت و جماعت کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔ کلام الہی کا اس کی صفت ہونا مخلوق نہ ہونا، معجزات کا خرق عادت ہونا انہیں ظاہری اسباب سے مسبب نہ بتلانا، عذاب قبر ان امور کی نفی خبر واحد کو حجت مان کر ان کے لیے عملاً ممکن نہ تھی۔ انہوں نے حیلہ کیا کہ عام عقل کو ارشاد رسالت پر غالب کر کے ان تعلیمات کے ارشاد رسالت ہونے سے ہی انکار کر دیا جائے۔ اخبار احاد کے انکار سے حدیث کا ذخیرہ بہت سمٹ جاتا تھا۔ بہت کم احادیث رہ جاتی تھیں جو توہم پر پوری اتریں وہ پھر ان میں بھی تاویل کی راہ اختیار کرتے۔ جن احادیث کو مانتے ان کا ماننا بھی نہ مانتے کے برابر رہ جاتا۔ ان کے اس طریق عمل سے پورے کا پورا ذخیرہ حدیث ان کے ہاں مشتبہ تھا۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ انہوں نے بھی اصولی طور پر حجیت حدیث کا انکار نہیں کیا۔ گو یہ صحیح ہے کہ ان کی فکر عام عقل سے شرعی تقاضوں کے فیصلے لیتی رہی تاہم دائرہ عقلیت اہل سنت و جماعت کے مقابلہ میں دائرہ اقلیت ہی رہا۔ حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ لکھتے ہیں:-

اسلام میں تقریباً پہلی صدی تک صحیح احادیث کو بلا تفصیل متفقہ طور پر حجیت سمجھا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ معتزلہ ظاہر ہوئے۔ ان کے دماغوں پر عقل کا غلبہ تھا۔ انہوں نے حشر و نشر، رویت باری تعالیٰ، صراط و میزان، جنت و جہنم اور

اس قسم کی اور احادیث کو قابل تسلیم نہ سمجھا اور اپنے اس مزاجی فساد کی وجہ سے اخبار متواترہ کے سوا بقیہ احادیث کا سرے سے انکار کر دیا اور بہت سی قرآنی آیات میں جو اپنے مذاق کے خلاف دیکھیں تاویلیں کر ڈالیں یہ حافظ ابن حزمؒ (۴۵۶ھ) فرماتے ہیں کہ

اہل سنت، خوارج، شیعہ، قدریہ تمام فرقے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث کو جو ثقہ راویوں سے منقول ہوں برابر قابل حجت سمجھتے رہے۔ یہاں تک کہ پہلی صدی کے بعد متکلمین معتزلہ آئے اور انہوں نے اس اجماع کے خلاف کیا۔

معتزلہ کا یہ فتنہ ایک علمی فتنہ تھا۔ اس لیے انکار حدیث میں انہیں بہت کچھ پس و پیش کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ ایک جماعت نے یہ تصریح کی کہ خبر واحد اگر عزیز ہو جائے (یعنی اس کے راوی اول سے آخر تک ہر طبقہ میں دو دور ہیں) تو چونکہ وہ مفید یقین ہو جاتی ہے۔ اس لیے وہ حجت ہو جائے گی۔ حافظ ابن حجرؒ (۸۵۵ھ) نے ابوعلی جہانیؒ (۵۰۰ھ) سے نقل فرمایا کہ حدیث کی مصحت کے لیے اس کا عزیز ہونا شرط ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انکار حدیث سے ان کا مقصد دین سے پوری سبکدوشی حاصل کرنا نہ تھا۔ بلکہ وہ ایک اصولی غلطی تھی جو ان کے دماغوں میں ایک غلط بنیاد پر قائم ہو گئی تھی۔

تحریک اعتزال کا بانی واصل بن عطا تھا جو پہلی صدی ہجری کے آخر میں اُبھر ا اور عقل کے ہتھیاروں کی تیزی میں بہت سے ذخیرہ حدیث کو کھٹکتے ہوئے آگے نکل گیا۔ دوسری صدی میں حضرت امام شافعیؒ اُٹھے اور آپ نے سب سے پہلے اس فتنہ انکار حدیث کا رد کیا۔

نیچریوں کا انکار

اس تحریک کے بانی سرسید احمد خاں تھے۔ اُن کے شاگرد نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی (۱۸۹۵ء) جیسے لوگ ایک مستقل فکری حلقہ بنا چکے تھے۔ تیرہویں صدی کے آخر میں یہ

معتزلہ کی نشاۃِ جدید تھی۔ ان کا انکار بھی علمی شہادت کی اوٹ میں پروان چڑھا۔ انکارِ حدیث کا عنوان انہوں نے بھی اختیار نہ کیا تھا۔ پھر یہ بھی یاد رہے کہ مسلمانوں نے اگر کچھ سرسید کا ساتھ دیا تو وہ اُن کی تعلیمی پالیسی کی وجہ سے تھا۔ مذہبی پہلو سے وہ اُن کے ساتھ نہ تھے مولانا سنا اللہ صاحب امرتسری ایک مقام پر لکھتے ہیں:-

پہلی تحریک علی گڑھ سے اُٹھی جس کے محرک سرسید احمد خاں مرحوم تھے۔ یہ تحریک انگریزی تعلیم کی ترقی کے لئے تھی۔ اس لئے مسلمان اس کے حامی کار ہوئے۔ مگر سرسید مرحوم نے مسلمانوں کے عقائد میں دخل دینا شروع کیا۔ تو بگاڑ شروع ہو گیا۔

سرسید اور ان کے حلقہ فکر میں اسلام کسی قسم کی نشوونما پارہا تھا یا انگریزی سلطنت کے سایہ تلے پورے اسلام کی بیخ کنی ہو رہی تھی؟ اس سوال کا جواب مولوی چراغ علی صاحب کی اس صاف گوئی سے ملتا ہے:-

مردم شماری ہوئی تو انہوں نے مذہب کے خانہ میں اپنی بیوی کے نام کے سامنے لفظ شیعہ لکھ دیا۔ لیکن اپنے اور اپنے بیٹوں کے نام کے مقابل صفر صفر لکھ دیئے۔

جہاں تک ان کے کسی مکتب فکر یا مسلک کا تعلق تھا حق یہ ہے کہ وہ صفر ہی تھا۔ احادیث کو چھوڑ کر جو مسلک قائم ہو گا وہ صفر سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

شیعہ کا انکار

شیعہ حضرات اہل سنت کے سامنے جب کبھی ان حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں جو اہل سنت و الجماعت کے ہاں متداول ہیں یا صحاح ستہ سمجھی جاتی ہیں۔ تو وہ انہیں الزامی طور پر پیش کر رہے ہوتے ہیں۔ وہ اس بات کے مدعی ہوتے ہیں کہ یہ روایات اہل سنت کے ہاں معتبر ہیں۔ لیکن جہاں تک ان کے اپنے عقیدے کا تعلق ہے۔ وہ ان کتابوں کو معتبر سمجھتے ہیں

مولانا مودودی سے خطاب ۱۵ چند مہر ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب طبع ۱۹۵۰ء انجمن ترقی اردو پاکستان

نہ ان کے مؤلفین سے انہیں کوئی عقیدت ہے نہ وہ انہیں اپنے ہاں مومن تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے ہاں حدیث کی اپنی کتابیں ہیں جو اصول اربعہ کے نام سے معروف ہیں۔ سو شیعہ حضرات کا صحاح ستہ کی احادیث سے انکار دراصل ان کتابوں سے انکار ہے۔ حدیث رسولؐ سے اصولی انکار نہیں۔ ارشاد رسالت کے حجت ہونے کے وہ بہر حال قائل ہیں۔ گو یہ صحیح ہے کہ انہوں نے کتاب اللہ و سنتیؐ (اللہ کی کتاب اور میری سنت کو لازم پکڑو) کی بجائے کتاب اللہ و عترتیؐ (اللہ کی کتاب اور میری اولاد کو تم سند اور حجت جانو) کی روایت اختیار کی ہے۔ اہل سنت و اجماعت کی کتب احادیث میں جہاں یہ روایت کتاب اللہ و عترتیؐ پائی جاتی ہے۔ اس کی استاد میں کوئی نہ کوئی شیعہ راوی ضرور موجود ہوتا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اصلاً یہ شیعہ کی روایت تھی۔ مثلاً ترمذی شریف میں ہے :-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا... ان اخذتم به لن تضلوا كتاب الله

دعوتی اہل بیتیؑ رواۃ الترمذی ۲: ۵۸۹ مکتوٰۃ۔

ترجمہ: اے لوگو! میں تم میں وہ چیز چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم نے اس سے تمسک کیا تو تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ کتاب اللہ اور اپنے اہل بیت۔

اس کی سند میں دور سے ہی عبدالرحمن الکوفی نظر آئیں گے اور انسان یہ سوچنے پر مجبور ہوگا کہ یہ کوفہ سے کون بزرگ آرہے ہیں جو یہ روایت سنارہے ہیں اور کوفی کا شیعہ ہونا لوگوں کو پہلے سے معلوم ہوتا ہے۔ پھر شیعہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ ان کا امام معصوم ہر دور میں موجود رہا ہے اور یہ صرف امام کی بات ہے جو ان کے ہاں حدیث کا درجہ رکھتی ہے۔ سو اس کی احادیث

۱۔ موطا امام مالک ص ۲۴۹ ۲۔ جامع ترمذی جلد ۲ ص ۲۱۹ یہ روایت صحیح ہو تو بھی اس میں خلافت عترت کی کوئی راہ نہیں۔ اس میں لفظ فیکم (تم میں) لائق غور ہے۔ حضورؐ صحابہ کو نصیحت فرما رہے تھے کہ قرآن کریم اور میری عترت کو ساتھ لے کر چلنا اور ان سے تمسک کرنا۔ جانے والا نصیحت کس کو کرتا ہے؟ جانشین کو۔ معلوم ہوا کہ جانشینی رسولؐ صحابہ کے پاس آرہی تھی۔ تبھی تو ان کو نصیحت کر رہے تھے کہ قرآن اور عترت کو ساتھ لے کر چلنا۔ جانشینی رسالت عترت کے پاس آئی ہوتی۔ تو عترت کو فرمانے کہ قرآن اور صحابہ کو ساتھ لے کر چلنا۔ لیکن ایسا نہ فرمایا اس کے برعکس فرمایا۔

کے ہوتے ہوئے انہیں جناب رسالت مآبؐ کی احادیث کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہتی۔

قادیانیوں کا انکار حدیث

قادیانی لوگ علمی مباحث میں جب کبھی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ تو ان کی بھی یہ کوشش بر سبیل الزام ہوتی ہے۔ خود وہ حدیث کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ وہ یہ انداز محض اس لئے اختیار کرتے ہیں کہ مسلمان حدیث نبوی کے قائل ہوتے ہیں اور وہ اُسے اپنے لئے خزانہ اعتماد سمجھتے ہیں اور علم و عمل کی سند جانتے ہیں۔

ورنہ جہاں تک قادیانیوں کا اپنا تعلق ہے وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی اس پوری امت کے لئے حکم بن کر آیا ہے۔ اور اب حدیث وہی قابل قبول ہے جسے وہ صحیح قرار دے اور وہ حدیث ضعیف ہے جسے وہ ناقابل قبول ٹھہرائے۔ ان کا یہ عقیدہ مرزا غلام احمد کی ایک تحریر میں اس طرح مرقوم ہے۔

اور جو شخص حکم ہو کر آیا ہو اس کو اختیار ہے حدیثوں کے ذخیرہ میں سے جس انبار کو چاہے خدا سے علم پا کر قبول کئے اور جس ڈھیر کو چاہے خدا سے علم پا کر رد کر دے۔
میرے اس دعویٰ کی حدیث بنیاد نہیں بلکہ قرآن اور وحی ہے جو میرے پرنازل ہوئی۔ ہاں تاکید کی طور پر ہم وہ حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں جو قرآن شریف کے مطابق ہیں اور میری وحی کے معارض نہیں اور دوسری حدیثوں کو ہم ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ معتزلہ، شیعہ اور قادیانیوں کے اختلافات عام مسلمانوں سے کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے حجت اور سند ہونے پر یہ پھر بھی متفق ہیں۔ حدیث کے ثبوت اور عدم ثبوت پر تو ان میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ کسی حدیث کے منسوخ ہونے یا نہ ہونے میں بھی ان سے اختلاف کیا جاسکتا ہے لیکن حجیت پیغمبر پر ان لوگوں نے بھی عام مسلمانوں سے کہیں اختلاف نہیں کیا۔ حضرت امام شافعیؒ (م. ۲۰۴) فرماتے ہیں:-

لے حاشیہ تحفہ گوڑویہ ص ۲۷ ضمیمہ نزول مسیح ص ۳

اگر بالفرض کسی خاص مسئلہ کے متعلق کسی کے لئے یہ کہنا جائز ہوتا کہ اس پر مسلمانوں کا ہمیشہ اجماع رہا ہے تو خبر واحد کی حجیت کے لئے بھی میں یہ لفظ کہہ لیتا۔ مگر احتیاط کے خلاف سمجھ کر اتنا پھر بھی کہتا ہوں کہ میرے علم میں فقہاء مسلمین میں کسی کا اس میں اختلاف نہیں۔ ترجمان السنۃ جلد ۱ ص ۱۶۷

قادیانی تو ویسے ہی پاکستان میں غیر مسلم اقلیت ہیں۔ شیعہ کے عوام پر گو غیر مسلم ہونے کا فتوے نہیں۔ تاہم یہ ضرور ہے اثنا عشری شیعہ علماء اسلامی صفوں میں کچھ وزن نہیں رکھتے۔ ان کے جمہور مسلمانوں سے اختلافات اصولی اور بنیادی ہیں۔ فروعی اور صرف مسلکی نہیں۔ اتنے اصولی اختلافات کے باوجود یہ لوگ بھی کھلم کھلا حدیث کا انکار نہیں کر سکے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیدہ توحید کے بعد اسلام کا سب سے بڑا نکتہ اتفاق یہ ہے کہ پیغمبر کی علمی و عملی آقائی اور سیادت کسی پہلو سے بھی محل بحث نہ بننے پائے۔

سے معتزلہ تو ان کا اعتزال اس دور میں مستقل نہیں رہا۔ شیعیت اور نیچریت میں جذب ہو چکا ہے۔ شیعہ حضرات ائمہ اہلبیت کے نام سے معتزلہ کی عقل پسندی کا ساتھ دیتے ہیں اور نیچرپی حضرات قانون فطرت اور کائنات کی عادت عامہ کے سہارے ذخیرہ احادیث کی اخبار احاد کا انکار کرتے ہیں۔

مستشرقین نے بھی اس پہلو سے صف اسلام میں بہت انتشار پیدا کیا ہے۔ حدیث سے اعتماد اٹھانے میں شک کے کانٹے دور تک بکھیرے۔ گولڈ زیمر اور مسٹر شاٹ نے اس معرکے میں اپنی عمریں صرف کر ڈالیں اور عرب ممالک میں حدیث کے خلاف ہر طرف تشکیک کی راہیں کھول دیں۔ — احمد شہد کہ ان ممالک میں جامعہ ازہر اور سعودی عرب کے بعض علماء نے اس محاذ پر کام کیا اور اس فتنے کا پوری طرح سد باب کیا ہے۔ برصغیر پاک و ہند براہ راست برطانوی عملداری میں تھا یہاں ان لوگوں کو کام کرنے کے بہت مواقع میسر آئے۔ عربی زبان نہ جاننے کے باعث بڑے بڑے مفکرین ان سے متاثر ہوئے اور حقیقت یہ ہے کہ فتنہ انکار حدیث جو اور کسی جگہ اپنی جڑیں زیر زمین نہ لے جاسکا تھا پاک و ہند میں الحاد کی پوری توانائی اور کم علمی کی پوری ڈھٹائی سے جدید طبقوں میں اپنا پرچم لہرانے لگا۔ — سوہم یہاں صرف اسی علاقے کے منکرین حدیث کا ذکر کریں گے۔

ہندوستان کے منکرینِ حدیث

① مولوی عبداللہ چکڑالوی

پہلا شخص جس نے ہندوستان میں کھلم کھلا حدیث کا انکار کیا قاضی غلام نبی تھا۔ یہ شخص چکڑالہ ضلع میانوالی کا رہنے والا تھا اور قاضی نور عالم مرحوم کا بیٹا تھا۔ حدیث سے یہاں تک نفرت بڑھی کہ اپنا نام غلام نبی بدل کر عبداللہ رکھ لیا۔ اسی کو عبداللہ چکڑالوی کہتے ہیں۔

قاضی غلام نبی المعروف بہ عبداللہ چکڑالوی ڈپٹی نذیر احمد کے شاگرد تھے۔ ۱۲۸۲ھ میں علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ ڈپٹی نذیر احمد ترک تقلید کی طرف مائل تھے۔ اُن کے زیرِ اثر قاضی غلام نبی صاحب بھی آہستہ آہستہ ترک تقلید کی رو میں بہنے لگے۔ کچھ عرصہ اہل حدیث رہنے کے بعد انہوں نے سرے سے حدیث کا انکار شروع کر دیا۔ چکڑالہ کے لوگوں نے آپ کو خطابت اور افتاء سے الگ کر دیا اور آپ نے جلال پور ضلع ملتان جا کر ملازمت کر لی۔ پھر اس علاقے کی دینی قیادت قاضی قمر الدین صاحب کے سپرد ہوئی۔ قاضی قمر الدین صاحب قاضی غلام نبی کے چچا زاد بھائی تھے۔

آپ نے حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری سے حدیث پڑھی تھی اور حضرت مولانا احمد حسن کانپوری سے بھی علمی استفادہ کیا تھا۔ آپ نے فتنہ انکارِ حدیث کا خوب کھل کر مقابلہ کیا۔ مولوی عبداللہ کے لڑکے قاضی ابراہیم نے اپنے والد کے مسلک کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ والد کی جائداد سے بھی محروم ہو گئے۔ اُن کے بھائی قاضی محمد عیسیٰ کچھ دنوں تک اپنے والد کے ساتھ رہے۔ انجام کار وہ بھی اس سے منحرف ہو گئے اور انکارِ حدیث سے تائب ہو کر مسلکِ حق اختیار فرمایا۔ — مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی نے ترجمہ القرآن بآیات القرآن

کے نام سے ایک تفسیر بھی لکھی جس کے چند اقتباسات ملاحظہ کریں۔ ان سے مولوی عبداللہ چکڑالوی کا نظریہ انکارِ حدیث کھل کر سامنے آتا ہے۔

کتاب اللہ کے مقابلہ میں انبیاء اور رسولوں کے اقوال و افعال یعنی احادیث قولی، فعلی، تقریری پیش کرنے کا مرض ایک قدیم مرض ہے۔ محمد رسول اللہ سلام علیہ کے مقابل و مخاطب بھی قطعی اور یقینی طور پر اہل حدیث ہی تھے۔^۱ کسی جگہ سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ قرآن کریم کے ساتھ کوئی اور شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی۔ اگر کوئی شخص کسی مسئلہ میں قرآن کریم کے سوا کسی اور چیز سے دین اسلام میں حکم کرے گا۔ تو وہ مطابق آیات مذکورہ بالا کافر، ظالم اور فاسق ہو جائے گا۔^۲

رسول اللہ کی زبان مبارک سے دین کے متعلق یا قرآن شریف نکلتا تھا۔

اور یا سہواً اپنے خیالات و قیاسات، جن میں القار شیطانی موجود ہوتا تھا۔ جن کو خدا تعالیٰ نے منسوخ و مذکور فی القرآن کر کے آپ کی اُن سے بریت کر دی۔^۳

مولوی عبد اللہ چکڑالوی کی ان تصریحات میں ان کا اعتقاد ہی چہرہ بہت کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔ کاش کہ وہ ترک تقلید کے زیر سایہ تفسیر نہ پڑھتے اور ترک تقلید انہیں اس گڑھے میں نہ اتارتی۔ مولوی عبد اللہ صاحب چکڑالوی پہلے فقہ کی بندش سے آزاد ہوئے۔ پھر حدیث سے آزاد می کی راہ ہموار کرنے لگے۔ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری نے پیشگوئی کی کہ اس کے بعد وہ قرآن کریم کی جمع و تدوین کے پیچھے پڑیں گے۔ دین سے آزادی حاصل کرنے کی یہ آخری منزل ہے۔ ————— مولانا ثناء اللہ صاحب لکھتے ہیں :-

امام اہل قرآن نے نفیات کے اس سلسلہ پر اچھی طرح غور کر لیا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ جماعت کے عقائد دیر میں اور بتدریج بدلتے ہیں۔ اس لیے جب انہوں نے دیکھا کہ اب لوگ فقہ کی بندش سے تقریباً آزاد ہو گئے ہیں تو انہوں نے حدیث پر نکتہ چینی شروع کر دی اور جب کچھ دنوں میں یہ مرحلہ بھی طے ہو جائے گا تو وہ جمع و تدوین قرآن میں رہنے نکلنے شروع کر دیں گے۔^۴ مولانا ثناء اللہ صاحب ان اہل قرآن کے بارے میں مزید لکھتے ہیں :-

ان کا ہر شخص خود امام ہے اور مجتہد ہے۔ اس کو کسی کی تقلید کی ضرورت نہیں کیونکہ تقلید نام ہے پابندی کا اور اسی پابندی سے بھاگنے کے لئے تو یہ سارا کھیل کھیدا گیا ہے۔ اس لئے یہ لوگ ایک دوسرے کی بالکل نہیں سنتے ہر شخص قرآن مجید کو جس طرح سمجھتا ہے۔ اسی طرح اس پر عمل پیرا ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس میں شبہ نہیں کہ انکار حدیث کی تحریک غیر مقلدوں کے جوش ترک تقلید سے اٹھی۔ مشہور مؤرخ شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:-

المحدث جماعت کے جوش و خروش کا دوسرا نتیجہ طبقہ اہل القرآن کا آغاز ہے۔ المحدث اپنے آپ کو غیر مقلد کہتے ہیں۔ وہ فقہی ائمہ مثلاً امام ابوحنیفہؒ کی تقلید سے آزاد ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ کئی طبیعتوں کو جو زیادہ آزاد خیال تھیں فقط فقہاء کی تقلید سے آزاد کی کافی معلوم نہ ہوئی اور انہوں نے مختلف اسباب کی بناء پر احادیث سے بھی آزادی حاصل کرنا چاہی۔ اس گروہ کا ایک مرکز پنجاب میں ہے۔ جہاں لوگ انہیں چکڑا لوی کہتے ہیں اور یہ اپنے آپ کو اہل القرآن کا لقب دیتے ہیں۔ اس گروہ کا بانی مولوی عبداللہ چکڑا لوی پہلے المحدث تھا۔

مولوی عبداللہ کے لئے سب سے بڑی مشکل نماز کا مسئلہ تھا۔ قرآن کریم بار بار نماز کا حکم دیتا ہے لیکن اس میں نماز کی کوئی پوری تشکیل مذکور نہیں۔ نماز کا سارا علی نقشہ امت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہے اور بدوں حدیث تسلیم کئے کوئی شخص قرآن کریم کے حکم و اقیما الصلوٰۃ پر عمل پیرا نہیں ہو سکتا۔ مولوی صاحب کے لئے انکار نماز بھی آسان نہ تھا اور کوئی ارکان نماز کی علی تشکیل میں قرآن سے سامنے لانا یہ ان کے لئے اس سے بڑھ کر مشکل تھا۔ مولوی صاحب نے قرآن کے نقشہ نماز کیلئے برطان الفرقان علی صلوٰۃ القرآن، ایک کتاب لکھی جو چار سو صفحات پر مشتمل ہے۔ نماز سیکھنے کے لئے چار سو صفحات کی ورق گردانی کون کرے گا اور مولوی صاحب کے اس میں استدلال کیا کیا ہیں۔ یہ اس وقت ہمارا موضوع نہیں۔ ہمیں اس وقت صرف یہ بتانا ہے کہ مولوی عبداللہ چکڑا لوی کا نظریہ حدیث کیا تھا۔ مولوی

صاحب پہلے اطاعت رسول کو زیر بحث نہیں لاتے، حدیث کے موجودہ لٹریچر کو جعلی اور وضعی بتلاتے ہیں۔ حدیث کی تشریح و تفصیل کتاب اللہ المجید کے سراسر مخالف ہے۔۔۔۔۔ اس وجہ سے مجھے اس بارہ میں شک ہوا کہ حدیث محمد رسول اللہ سلام علیہ کا قول و فعل اور تقریر نہیں ہے۔۔۔۔۔ اور میں نے دیکھا کہ وہ ایک نہایت ہی کرمیہ المنظر بد صورت، زشت رُوبہ شکل مصنوعی چیز ہے۔ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ کی وفات سے سینکڑوں برس پیچھے بعض خود غرض لوگوں نے از خود یہ ہزلیات گھڑ لیں اور کمال سیاہ دلی سے ان کو ناحق محمد رسول اللہ سلام علیہ کے فے لگا دیا ہے۔ یہ کام زیادہ تر بعض یہود و نصاریٰ دشمنان اسلام کا معلوم ہوتا ہے جنہوں نے اسلام کی ہتھکنی کی یہ بہترین راہ سوچی کہ وہ مسلمانی کے لباس میں لوگوں کو قرآن حکیم کی طرف سے ہٹا کر اور طرف لگا دیں۔ پھر ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

”مدنی الحقیقت حدیث میں اس قدر لغویات ہزلیات اور دور از کار اور بے سراپا باتیں مندرج ہیں کہ وہ اس کی شکل کو نہایت ہی بدنام بناتی ہیں، لیکن واضعین حدیث (حدیث بنانے والوں) نے یہ بڑی کاریگری کی کہ اس کو خاتم النبیین کی طرف منسوب کر دیا اور اس طرح اس کے بد شکل چہرہ پر سفید (پاؤڈر) مل دیا۔“

اس تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کا حملہ پہلے براہ راست اطاعت رسول کے لازم ہونے اور حدیث کی جیت پر نہ تھا۔ وہ صرف موجودہ ذخیرہ حدیث کو ناقابل اعتماد سمجھتے تھے اور ان کے پاس جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح تعلیمات تک پہنچنے کے لئے اور کوئی راہ بھی تو نہ تھی مجبوراً انہوں نے یہ راہ اختیار کی کہ قرآن مجید کو ہر طرح سے ہر بات میں کافی اور وافی کہیں تاکہ اور کسی طرف انہیں دھبیان نہ کرنا پڑے۔ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

”قرآن مجید میں دین اسلام کی ہر ایک چیز من کل الوجہ مفصل و شرح طور پر بیان ہو گئی ہے تو اب وحی خفی یا حدیث کی کیا حاجت رہی بلکہ اس کا ماننا اور دین اسلام میں اس پر عمل درآمد کرنا سراسر کفر و شرک اور ظلم و فسق ہے۔“

اس پر بس نہیں، ذرا آگے چلئے:

”نہ صرف زمانہ محمد رسول اللہ سلام علیہ کے لوگ ہی کتاب اللہ کے مقابلہ میں احادیث انبیاء پیش کرتے تھے، بلکہ یہ ملعون کام اس سے بھی پرانا ہے۔۔۔۔۔ فرعون بھی اہل حدیث ہی تھا اور موسیٰ سلام علیہ کے مقابلہ میں یوسف سلام علیہ کی احادیث پیش کرتا تھا“ لے

حدیث لڑچکر معتد ذخیرہ حدیث ہے یا نہ؟ اس کی بحث تدوین حدیث کے زیر عنوان پہلے ہو چکی ہے۔ آپ اس وقت صرف چکڑالوی صاحب کے موقف پر غور کریں۔ اس کا حاصل یہ ہے حدیث کا کوئی وجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ تھا، حضور نے قرآن کے سوا کبھی کوئی بات نہ کی تھی۔ صحابہ نے حضور کے کسی قول یا عمل کو کبھی کسی کے سامنے نقل کیا تھا نہ ان میں حضور کی وفات کے بعد حضور کی کسی بات کو آگے نقل کرنے کا داعیہ پیدا ہوا اور نہ ہی اگلوں نے پچھلوں سے حضور یا صحابہ کے زمانے کی کوئی بات پوچھی۔ انہی حالات پر اسلام کی دو تین صدیاں بسر ہوئیں اور اس کے بعد یہود و نصاریٰ کے کہنے سے حدیث کی کتابیں یکایک لکھ دی گئیں اور مسلمان یکایک انکی باتوں میں اگر ان ہزلیات کو دین سمجھنے لگے۔ پہلی تین صدیوں میں جو قرآنی نماز قائم تھی۔ وہ یکایک ترک ہو گئی اور نماز کا موجودہ نقشہ جو سراسر قرآن کے خلاف تھا۔ مسلمانوں میں قائم ہو گیا۔ اسلامی دنیا جہان تک وسیع ہوتی گئی، یہی عجیب نماز ہر جگہ پہنچی اور کسی عربی دان کو قرآن کے مطالعہ قرآن میں یہ نقشہ نماز نظر نہ آیا جو مولوی عبداللہ چکڑالوی نے اب برہان القرآن علی صلوة القرآن میں درج فرمایا ہے۔ پھر مسلمانوں میں ان قرون اولیٰ اور قرون وسطیٰ میں جتنے بھی قانون دان اور ماہرین فقہ گزرے۔ ان میں سے کسی کو پتہ نہ چل سکا کہ یہ معتبر راویوں کے نقل کئے ذخائر حدیث ہرگز ناخذ علم نہیں، بلکہ یہ سب ہزلیات کا ایک ذخیرہ ہے جو دشمنان اسلام نے مسلمانوں کی نینج کنی کے لئے تیار کیا ہے۔

بریں عقل و دانش بسا یہ گریست

چکڑالوی صاحب کا یہ تبصرہ صرف اس امت پر نہیں۔ وہ پہلی امتوں کو بھی برابر کا مجرم قرار

دیتے ہیں اور مولوی صاحب کا دعویٰ ہے کہ اتباع حدیث کی تجویز پہلے ادوار میں بھی تھی۔ فرعون اہل حدیث میں سے تھا اور موسیٰ علیہ السلام تورات کے سوا اور کسی چیز کو بنو اسرائیل کے لئے حجت نہ سمجھتے تھے اور نہ آپ نے کبھی کسی اور بات کی دعوت دی تھی

مولوی صاحب کی یہ بات پسند کیجیے نہ کہ مصداق ہے۔ ہم ان کی کس کس بات پر مرہم رکھیں اور ان کے لگائے کس کس زخم کو مندرجہ کرنے کی کوشش کریں۔ تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملی تھی اور وہ اسرائیل کے لئے بے شک تشریف پیغمبر تھے۔ ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام تو صاحب کتاب نہ تھے، پھر قرآن کریم میں یہ بات کیوں ہے کہ انہوں نے بھی قوم کو اپنی پیروی کی دعوت دی؟ اس کی وجہ اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ نبی اور رسول اسی لئے بھیجے جاتے ہیں کہ ان کی پیروی کی جائے اور ان سے رضاء الہی کے طریقے جاری ہوں۔ بنو اسرائیل جب سامری کے چکر میں گھرے تو حضرت ہارون علیہ السلام نے کیا یہ نہ کہا تھا: دیکھتے پہلے طہ ایت ۹۰،

يَقُومُ اِنَّمَا فَتَنَّاهُ وَ اَن رَّبِّكُمْ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَ اَطِيعُوْا اَمْرِيْ۔
ترجمہ: اے میری قوم! بات یہی ہے کہ تم بہک گئے اس (پھڑے) کے ساتھ

اور بے شک تمہارا رب تو رحمان ہے۔ سو میری پیروی کرو اور مانو میری بات۔
قرآن کریم کی اس آیت کا واضح ہوتا ہے کہ بنو اسرائیل کے لئے صرف تورات ماننے کی دعوت نہ تھی، اتباع رسالت بھی ان کے ذمہ تھا اور موسیٰ علیہ السلام تو اپنی جگہ لے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی اتباع اور پیروی بھی ان پر لازم تھی۔ حدیث ماننے کا سبق پہلی امتوں میں اس وقت کے نبیوں کے زیر تربیت رہا ہے۔ یہ کہنا کہ یہ ملعون کام پہلے سے ہوتا چلا آ رہا ہے بڑی جسارت ہے ہندوستان کے منکرین حدیث میں مولوی عبداللہ چکڑا دی کے بعد جناب حافظ محمد اسلم کا نام آتا ہے

② حافظ اسلم صاحب جیرا چوری

آپ بھوپال کے مشہور اہلحدیث گھرانہ سے تعلق رکھتے تھے مشہور غیر مقلد عالم جناب مولانا سلامت اللہ صاحب کے بیٹے تھے۔ آپ کے عقائد ملاحظہ ہوں۔

نہ حدیث پر ہمارا ایمان ہے اور نہ اس پر ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔
نہ حدیث کے راوی پر ہمارا ایمان ہے نہ اس پر ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا

گیا ہے نہ حدیث کی سند میں جو رجال ہیں ان پر ہمارا ایمان ہے نہ ان پر ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔ پھر یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ ایسی غیر ایمانی اور حیرت انگیز چیز کو ہم قرآن کی طرح حجت مانیں گے۔

قرآن میں جہاں جہاں اللہ و رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے مراد امام و امت یعنی مرکزِ امت کی اطاعت ہے۔ جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم امت میں موجود تھے ان کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت تھی۔ اور آپ کے زندہ جانشینوں کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت ہوگی اور اطاعت عربی میں کہتے ہیں زندہ کی فرمانبرداری کو گویا

مولوی صاحب کا یہ استدلال درست نہیں کہ اطاعتِ زندہ کی ہی ہو سکتی ہے فوت شدہ کی نہیں۔ فوت شدہ کی پیروی کئی لے بھی فقط اطاعتِ حدیث میں موجود ہے۔ ایک عورت حضرت عمرؓ کے بارے میں کہتی ہے۔ ما كنت لأطيعه حياً و أعصيه ميتاً۔ (ترجمہ) یہ نہیں ہو سکتا کہ میں ان کی زندگی میں تو ان کی اطاعت کرتی رہوں اور جب وہ چل بے تو ان کے خلاف چلوں۔

اسلم صاحب کا یہ نظریہ مشہور غیر مقلد عالم مولانا وحید الزمان سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے۔ یہی نظریہ شیعہ علماء کا ہے۔ مولانا وحید الزمان لکھتے ہیں :-

جو مجتہد فوت ہو چکا ہے اس کی تقلید جائز نہیں۔ اس میں شیعہ ہمارے ساتھ ہیں۔

(نوٹ) فوت شدہ مفتی کے فتوے پر عمل کی نفیس بحث حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) نے بھی کی ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں :- من كان مستنفا فليستن بمن قد مات - مشکوٰۃ ص ۳۲۔

حافظ اسلم۔ خاندانی طور پر غیر مقلد تھے۔ پھر انکارِ حدیث کرنے لگے۔ خود لکھتے ہیں :-

ہمارا گھر مقامی اور بیرونی ائمہ حدیث علماء کا مرجع تھا۔

شیخ محمد اکرام صاحب بھی رقمطراز ہیں :-

مولانا محمد اسلم بھی اوائل عمر سے ائمہ حدیث سے منسلک تھے۔

۱۔ مقام حدیث جلد ۱ ص ۱۶۹ ۲۔ ایضاً ص ۱۵۵ ۳۔ موطا امام مالک ص ۱۶۵ ۴۔ ہدیۃ المہدی ص ۱۱۱

۵۔ دیکھئے اعلام الموقعین ص ۵۶ مصر مطبع النیل ۱۲۱۵ھ ۶۔ نوادرات ص ۲۴۴ ۷۔ موج کرثر ص ۵۴

حافظ محمد اسلم جیرا چوڑی نے ایک مؤرخ کی حیثیت سے زیادہ شہرت پائی۔ تاریخ الامۃ کئی حقوں میں تحریر کی۔ آپ حدیث کے اصولاً خلاف تھے۔ مگر اسوۂ رسول کو اصولاً حجت مانتے تھے۔ آپ نے بھی حدیث کے خلاف بہت کام کیا ہے۔ اسوۂ رسول کے بارے میں ایسی ایسی قیود لگائیں کہ انجام انکار حدیث کے ہی قریب رہا۔ حضرت مولانا سید بدر عالم مدنیؒ ایک جگہ حافظ صاحب کے مسلک پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

مولانا اسلم صاحب اسوۂ رسول کو تو تسلیم کرتے ہیں۔ مگر اس کو متواتر فرماتے ہیں۔ ہمیں علمی لحاظ سے مولانا سے یہ سخت شکوہ ہے کہ وہ حدیث کے لیے پورے پورے ثبوت بھی ناکافی سمجھتے اور انہیں شک کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ لیکن جب خود کوئی دعویٰ کرتے ہیں تو اس کے لیے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ اگر اسوۂ رسول کے تواتر سے ان کی غرض یہ ہے کہ آپ نے نماز پڑھی تھی اور میں نے تو اس کے لیے صرف قرآن ہی کا تواتر کافی ہے۔ لیکن اگر اس سے آگے کی تفصیل مراد ہے تو ان کو یہ صاف کرنا ضروری تھا کہ کن کن ارکان میں ان کو تواتر مسلم ہے اور کن میں نہیں۔ اسی طرح قرآن کی تمام عبادات کی ادائیگی کا نقشہ انہوں نے کیا اختیار کیا ہے؟ آپ کے اسوۂ حسنہ میں آپ کی امامت آپ کا نظم و نسق امت۔ اور فصل قضا یا بھی شامل ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو صرف یہ حیثیت رسالت یا یہاں کوئی اور تقسیم ہے۔ اگر ہے تو وہ تقسیم بھی تو اتر سے ثابت ہے یا نہیں؟ بہر حال جتنی بات قرآن سے ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ رسول تمہارے لیے مطلقاً بلا کسی تخصیص کے اسوۂ اور نمونہ بنایا گیا ہے اور بلا کسی تقسیم کے وہ تمہارا رسول ہے۔ پس جب رسول کی ذات بلا کسی تفصیل کے اسوۂ ہے تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ جو کچھ بھی عملی پہلو میں اس نے کر دکھلایا ہے وہ سب مولانا کے نزدیک بھی قرآنی امر کے ماتحت واجب التسلیم ہونا چاہیے۔ اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری کی پوری زندگی آپ کا تمام

کام تمام اسوۂ حسنہ حرف بحرف بطریق تواتر منقول ہے یا اس کا ایک حصہ متواتر ہے اور بڑا حصہ غیر متواتر۔ پہلی صورت تو تواتر کے خلاف ہے۔ دُنیا میں کوئی شخص بھی یہ دعوے نہیں کر سکتا۔ کہ آپ کے عبادات معاملات کا ہر پہلو تواتر سے ثابت ہے۔ لامحالہ یہی کہنا پڑے گا کہ اس کا ایک حصہ متواتر اور دوسرا غیر متواتر ہے۔ بلکہ بڑا حصہ غیر متواتر ہے۔ مثلاً یہ متواتر ہے کہ آپ نے ظہر کی نماز پڑھی۔ یہ بھی متواتر ہے کہ چار رکعتیں پڑھیں، رکوع سجدہ کیے، رکوع پہلے کیا پھر سجدہ، نماز کے آخر میں بیٹھے اور سلام بھی پھیرا، شروع نماز میں ہاتھ اٹھائے، اس کے بعد ایک آدھی بات کا اور اضافہ کر بیٹھے۔ لیکن صرف متواتر امور سے بھی نماز کی پوری ہئیت مکمل نہیں ہوتی۔ پھر دین کے اس حصہ کے متعلق مولانا کا کیا فیصلہ ہو گا جو صحابہ کے سامنے اسوۂ رسول میں نظر آنے کی وجہ سے قابل قبول تھا اور اب تواتر کے ساتھ منقول نہ ہونے کی وجہ سے قابل تسلیم نہیں رہا۔ ان جزئیات کے لئے اب تجویز کیا ہے۔

پھر ایک اور جگہ ان کے جواب میں لکھتے ہیں۔ اس ضمن میں قارئین کو مولانا اسلم صاحب کی علمی سطح کا بھی کچھ اندازہ ہو جائے گا۔

مولانا اسلم صاحب حیرانچوری کو یہاں عجیب شبہ گزرا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ما اتاکم کی آیت مال غنیمت کی تقسیم کے بارے میں ہے۔ حدیث سے اس کا دور کا واسطہ نہیں ہے۔ یہاں ”اتاکم“ کے لفظ کو جو ”نہی“ کے بالمقابل واقع ہے لوگوں نے غلط فہمی سے امر یا قال کے معنی میں سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ یہ لفظ قرآن میں سینکڑوں جگہ آیا ہے اور کہیں ان معنوں میں مستعمل نہیں ہوا۔ بلکہ ہر جگہ اس کے معنی دینے ہی کے ہیں۔ لہذا یہ استدلال بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ حدیثیں اقوال ہیں۔ اُن کے لئے لینے دینے کا لفظ نہیں کہا جاسکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چیز دی ہے وہ قرآن ہے۔ انتہی

مولانا کی قرآن دہائی کی یہ انتہا ہے کہ انہیں سینکڑوں جگہ میں ایسی کوئی آیت نظر نہیں آتی جہاں یہ لفظ ایسے معنی میں مستعمل ہو جو حدیث پر بھی بولے جا سکیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ وَالَّذِينَ ادَّعَوْا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ ۚ وَاللَّهُ تَعَالَىٰ
درجے بلند کرتا ہے مومنین کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا ہے، اگر علم کے لئے
یہ لفظ مستعمل ہو سکتا ہے تو کیا حدیث ایک علم ہی نہیں؟ دوسری جگہ فرمایا۔
وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَ وَاتَيْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عَلَمًا ۖ اَتَيْنَا لَقْمَنَ الْحِكْمَةَ ۖ اَتَانِي الْكِتَابَ
وَجَعَلْنِي نَبِيًّا ۙ وَاَتَاكُمْ مَا لَمْ يَوْتِ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ ۚ اَتَيْنَاهُ الْحَكْمَ
فصل الخطاب۔ ان آیات میں ”اتا“ کا لفظ کتاب کے لئے علم کے لئے
حکمت کے لئے حکم اور نبوت کے لئے فضائل و کمالات کے لئے اور آخری
آیت میں ”فصل الخطاب“ یعنی اقوال کے لئے بھی مستعمل ہوا ہے۔ اس
لئے مولانا کا دعویٰ بالکل بے دلیل ہے۔ یہ چند سطور ہی مولانا کے دعویٰ کی
تردید کے لئے کافی ہیں۔

③ نیاز صاحب فختپوری

ماہنامہ نگار کے مدیر نیاز فتحپوری بھی انکار حدیث میں نمایاں شخصیت تھے۔ من ویرداں
اپنی کی تصنیف ہے۔ آپ انکار حدیث میں یہاں تک آگے نکلے کہ مسلمانوں کی تمام خرابیوں کا
ذمہ دار حدیث کو ٹھہرایا۔ خود لکھتے ہیں :-

اگر مولویوں کی جماعت واقعی مسلمان ہے تو میں یقیناً کافر ہوں۔ اور اگر میں مسلمان ہوں تو یہ سب نامسلمان ہیں۔ کیوں کہ ان کے نزدیک اسلام نام ہے صرف کو رائے تقلید کا اور تقلید بھی رسول و احکام رسول کی نہیں۔ بلکہ بخاری و مسلم و مالک و غیرہ کی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ حقیقی کیفیت یقین کی اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ جب تک ہر شخص اپنی جگہ غور کر کے کسی نتیجہ پر نہ پہنچے۔ فقہ مختصر یہ کہ اولین بیزاری اسلامی لٹریچر کی طرف سے مجھ میں احادیث نے پیدا کی ہے۔

اس میں نیاز صاحب نے مقلدین ائمہ اربعہ کو ہی نہیں کو سا بخاری و مسلم کے مقلدین جو ائمہ حدیث کہلاتے ہیں۔ انہیں بھی مقلد ہی قرار دیا ہے۔ ائمہ اربعہ کے نہ سہی، بخاری و مسلم کے ہی سہی۔ نیاز صاحب لکھتے ہیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کے متعلق قرآن کے بتائے ہوئے تصورات، دوزخ و جنت، حشر و نشر وغیرہ عقائد ان سب کا مفہوم میرے لئے کچھ سے کچھ ہو گیا ہے۔ کیونکہ اب مجھے نہ صرف عقائد بلکہ خود مذاہب کا وجود بچوں کا کھیل نظر آنے لگا ہے۔

اب دیکھئے حدیث میں شک کے کانٹے نکالنے والا قرآن مجید کے ساتھ کہاں تک قادر رہا؟ اسے اس کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے۔

کلام مجید کو نہ میں کلام خداوندی سمجھتا ہوں اور نہ الہام ربانی۔ بلکہ ایک انسان کا کلام جانتا ہوں ہے۔

قرآن کریم کے بارے میں یہ بد اعتقادی کہاں سے پیدا ہوئی؟ انکار حدیث سے۔ اور حدیث سے انکار کی یہ جرأت کہاں سے پیدا ہوئی؟ ترک تقلید سے۔ معجزات کے بارے میں نیاز صاحب کا عقیدہ ملاحظہ کیجئے۔

معجزے کبھی ظاہر ہی نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ سب داستانیں ہیں جو صدیوں بعد گھڑی گئیں۔

منکرینِ حدیث کے حلقے میں یہ نسبت صاحبِ علم سمجھے جلتے ہیں۔ آپ کا نظریہ حدیثِ حسبِ

ذیل ہے :-

وہی ایک حدیث صحیح ہے جو قرآن سے قریب تر ہو اور باقی سب غلط —
چاہے ان باقی کے راوی کیسے ہی ثقہ کیوں نہ ہوں اور وہ صحاح ستہ کی متفق
علیہ حدیثیں ہی کیوں نہ ہوں اور وہ ایک حدیث جو قرآن سے قریب تر ہے
اس کا راوی کیسا ہی مجروح کیوں نہ ہو اور وہ صحاح ستہ سے باہر ہی کی
حدیث کیوں نہ ہو۔ بلکہ شیعوں کی اصول کافی وغیرہ ہی کی حدیث کیوں نہ ہو۔

بعض صحابہ نے عہد نبوی میں حدیثوں کا لکھنا شروع کر دیا تھا اور وہ جو کچھ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے تھے یا آپ کو کرتے ہوئے دیکھتے
تھے اس کو لکھ لکھ کر جمع کرنے لگے تھے تو یہ آیتیں اُتریں۔ یا ایہا الناس قد
جاء تکم موعظۃ من ربکم..... ہو خذکم مایٰ جمعون۔ (سورہ یونس ع ۶)
اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حدیثیں
لکھنے سے منع کر دیا۔

جہور مسلمانوں کے ہاں لکھنے سے ممانعت پہلے دور میں تھی اور بعض صحابہ کو اجازت بعد میں ملی۔ مگر متناصاحب نے کس بے دردی سے یہ ترتیب بدلی اور کس داؤے انکار حدیث کی راہ نکالی۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ انہوں نے صحابہ کا حدیثیں لکھنا کسی نہ کسی درجہ میں ضرور مان لیا ہے۔

۱۔ یہ فیصلہ کون کرے گا کہ یہ حدیث قرآن کے مطابق ہے اور یہ نہیں؟ تمنا صاحب یا پرنس صاحب اگر کسی فیصلے کا قطعاً کوئی اعتبار نہیں تو پھر یہ بھی فیصلہ کیجئے کہ ایک شخص کا فہم دوسرے سے اگر مختلف ہو تو فیصلے کی صورت کیا ہوگی؟ ۲۔ اعجاز القرآن جلد ۱ مولفہ مولانا تمنا عمامدی ۳۔ ایضاً ص ۷۲

دروغ گور حافظہ نباشد

یہی تمنا صاحب جو یہاں کتابت حدیث کا اقرار کر چکے ہیں، دوسری جگہ لکھتے ہیں:-
یہ سب من گھڑت افسانے ہیں، دراصل کسی صحابی نے حدیثوں کا کوئی مجموعہ
مرتب نہیں کیا تھا، اگر دو چار حدیثیں بھی کوئی صحابی کسی ورق پر لکھ لیتے، تو
وہ ورق تبرک کے طور سے ضرور محفوظ رکھا جاتا۔

احادیث کو تو ان لوگوں نے اس طرح مشتبہ کر دیا، باقی رہا قرآن تو قرآن کریم کی تفسیر
میں اگر کوئی بات حضورؐ سے یا صحابہؓ سے نقل ہوئی کتابوں میں ملی تو اسے ان لوگوں نے جو دین سے
مکمل آذادی حاصل کرنے کی تمنا لیتے ہوئے تھے اور پادری عماد الدین کے حلقے سے تعلق رکھتے
تھے اس طرح ناقابل اعتبار بنادیا تمنا عمادی کی جرأت ملاحظہ ہو:-

راویان احادیث تفسیر میں جو لوگ زیادہ پیش پیش تھے تقریباً سب
کے سب ناقابل اعتبار اور اس جماعت میں وضاعین و کذابین کی ایک
بہت بڑی اکثریت کارفرما رہی۔ مفسرین متقدمین نے ہر آیت کے متعلق
متضاد و متخالف روایتیں جھوٹی سچی ہر طرح کی حدیثیں اور ہر طرح کے
اقوال جمع کر کے آیات قرآنی کے معانی کو مشتبہ کر دیا۔

ماہنامہ طلوع اسلام ستمبر ۱۹۵۷ء کی اشاعت میں ان کا ایک مضمون شائع ہوا جو حدیث
کے بارے میں ان کے نظریات کی پوری وضاحت کرتا ہے، تمنا صاحب لکھتے ہیں:-
اور منافقین عجم نے اپنے مقاصد کے ماتحت جمع احادیث کا کام شروع
کرنا چاہا تو انہیں منافقین عجم کے آمادہ کرنے سے اس وقت خود ابن شہاب
کو خیال ہوا کہ ہم حدیثیں جمع کرنا شروع کر دیں، تو یہ مدینہ پہنچے اور کوفہ بھی،
اور مختلف مقامات سے حدیثیں حاصل کیں اور بیسیوں راویوں کے
ساتھ رہے۔

اہل علم سے مخفی نہیں کہ ابن شہاب زہری (۱۲۴ھ) نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے حدیث لکھنی شروع کی تھی۔ صاحب بن کیسان (۱۴۲ھ) بھی آپ کے ساتھ تھے۔ مگر تمنا صاحب کا شوق تحقیق دیکھئے کس وضاحت سے اسے عجمی سازش کہہ رہے ہیں۔ لکھتے ہیں:-

انہیں منافقین عجم کی ایک جماعت نے اپنا رسوخ فی الدین اور ظاہری زہد و تقویٰ دکھا کر ابن شہاب زہری کو جمع احادیث پر آمادہ کیا۔ یہ اپنے تجارتی و زراعتی کاروبار کی وجہ سے اپنے وطن مقام ایلہ میں رہا کرتے تھے۔ مگر ایک بہت بڑی دینی خدمت سمجھ کر اس مہم پر آمادہ ہو گئے۔ اور وہی منافقین خود بھی پھر ان کے پاس آ کر حدیثیں لکھوانے لگے اور دوسرے وضاعین اور کذابین کو ان کے پاس بھیج کر ان سے بھی حدیثیں ان کے پاس جمع کرنے لگے۔

⑤ ڈاکٹر غلام جیلانی برق

ان کی کتابوں میں دو قرآن، دو اسلام، جہان نو اور حرفِ محرمانہ بسلسلہ انکار حدیث دیکھنے کے لائق ہیں۔ ایک جگہ مرزا غلام احمد کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-
مرزا صاحب درست فرماتے ہیں کہ تمام حدیثیں تحریف معنوی و لفظی سے آلودہ یا سرے سے موضوع ہیں۔

علماء اسلام پر طنز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

اپنے ہر خطبہ میں اپنے رسول کو خیر الانبیاء کہہ کر لا نفیق بین احد منهم کی صریح خلاف ورزی کر رہے ہیں۔

رسولوں کی اطاعت درکنار ہی برق صاحب کے ہاں خود ان پر بھی ایمان لانا ضروری نہیں۔ خدا تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان ہو تو نیک اعمال شرف قبولیت پالیتے ہیں۔ رسولوں پر ایمان ہونا ضروری نہیں۔ لکھتے ہیں:-

اللہ تعالیٰ نے اٰمنوا باللہ والیومر الاخر کو قبول اعمال کی بنیادی شرط قرار دیا ہے

اس میں ایمان بالرسول شامل نہیں ہے

ایک جگہ علماء کو خطاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

آپ کے ہاں اسلام چند عقائد کا نام ہے اور قرآن کے نزدیک صرف نیکی کا۔

اس لیے خدا اور رسول کا صحیح پیرو وہ ہے جو ان اعمال پر عمل کر رہا ہو۔ خواہ

اس پر عیسائیت کا لیل لگا ہوا ہو یا یہودیت کا۔ نہ وہ جو خدا اور رسول کا

صرف زبانی قائل ہو اور عملاً کافر ہے

ملا سے میرا نزاع اس بات پر ہے کہ وہ حدیث کو آگے لا کر بے شمار ظواہر کو

جزو اسلام بتانا چاہتا ہے

ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق جو انکار حدیث میں اس قدر

آگے نکلے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی دستگیری کی اور وہ انکار حدیث سے یکسر تائب ہو گئے

ان کی آخری تصنیف تاریخ حدیث (برق) ہے جس میں اُنہوں نے علماء کی سطح پر حدیث کو قبول

کرنے کا غیر مشروط اقرار کیا ہے۔

⑤ چودھری غلام محمد پرویز

چودھری صاحب کا عقیدہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے پاس کوئی طے شدہ شریعت نہیں ہے

ابدیت حاصل ہو اور اس میں ہمیشگی ہو۔ ان کا موقف یہ ہے کہ جزئیات مختلف حالات کے

ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔ ان کے ہاں ان بدلتی جزئیات کو ہی شریعت کہتے ہیں۔ جو وقت

کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ بدلتی چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی شریعت

صرف اُس دور کے لیے تھی اس دور کے لیے نہیں۔ ہمارے زمانے کی شریعت یہ ملت و وفاقی

اسمبلی، طے کرے گی۔ انہیں حدیث سے طے کرنا درست نہیں۔ پرویز صاحب کی مندرجہ ذیل

عبارات ملاحظہ ہوں :-

۱۔ ایک اسلام ص ۴۸ ۲۔ دو اسلام ص ۹۳ ۳۔ ایضاً ص ۱۱۱

جن جن نیات کو خدا نے خود متعین نہیں کیا۔ ان کے متعلق خدا کا منشاء یہی تھا۔
 کہ وہ ہر زمانے کے تقاضوں کے مطابق بدلتی رہیں اور جن جن نیات کو رسول اللہ
 نے متعین کیا۔ ان کے متعلق حضور کا بھی یہ منشاء نہیں تھا کہ وہ قیامت تک کے
 لیے ناقابل تغیر و تبدل رہیں یہ

ہم قرآنی اصولوں کی روشنی میں اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق اپنے قوانین
 خود متعین کریں۔ یہی قوانین شریعت اسلامی کہلائیں گے نہ کہ وہ قوانین جو اپنے
 زمانے کے حالات کے مطابق کسی سابقہ اسلامی حکومت (حضور کی حکومت)
 نے وضع کیے تھے۔

اگر خدا کا منشاء یہ ہوتا کہ زکوٰۃ کی شرح قیامت تک کے لیے اڑھائی فیصد
 ہونی چاہیے تو وہ اُسے قرآن میں خود بیان نہ کر دیتا۔ اس سے ہم اس نتیجے پر
 پہنچتے ہیں کہ یہ منشاء خداوندی ہی نہیں کہ زکوٰۃ کی شرح ہر زمانے میں
 ایک ہی رہے۔

جناب غلام محمد پر دین کے دور میں فتنہ انکارِ حدیث پورے عروج کو پہنچا ہے۔ آپ کا
 انداز تصنیف کچھ زیادہ سلیقہ دار اور الجھا ہوا ہے۔ جس میں جھانک کر اصل فتنے کی نشاندہی کرنا
 واقعی ایک بڑا مشکل کام ہے۔ آپ نے تفسیر مفہوم القرآن کئی جلدوں میں تحریر کی ہے جو
 اردو عبارت اور حسن طباعت میں نفیس کتاب ہے۔ لیکن اس میں کس طرح اسلام کے قطعی
 نظریات سے کھیل رہے ہیں۔ وہ مطالعہ سے ہی پتہ چلتا ہے کہ انکارِ حدیث کا نظریہ پر دین صاحب
 کو کہاں تک اسلام سے دور لے گیا ہے۔ اس کے لیے ان کی یہ تحریرات ملاحظہ ہوں۔
 اب آئیے قرآن کریم کی طرف — اس میں یہ بالتصریح کہیں نہیں لکھا کہ
 حضرت عیسیٰ کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی تھی۔

مسلمانوں کا یہ وہی عقیدہ نہیں جو قادیانیوں کا ہے؛ کیا قرآن حضرت عیسیٰ کو بار بار

۱۔ مقام حدیث جلد ۲ ص ۲۹۹ ۲۔ ماہنامہ طلوع اسلام اکتوبر ۱۹۵۷ء ص ۲ پر دین صاحب کا مضمون

زکوٰۃ پر ۳ ایضاً ص ۲ مقام حدیث جلد ۲ ص ۲۹۳ ۴۔ معارف القرآن جلد ۳ ص ۵۴

مسیح بن مریم نہیں کہتا؟ کیا پتہ سورہ آل عمران رکوع ۵ میں اور پتہ سورہ مریم رکوع ۲ میں اس پر مفصل بحث نہیں ملتی؟ اس وقت ہم اس موضوع پر بحث نہیں کر رہے۔ بتلانا یہ مقصود ہے کہ دیکھو انکارِ حدیث کس طرح پرویز صاحب کو قادیانیوں کے قریب لے گیا ہے۔ اور ملاحظہ کیجئے۔

حضرت عیسیٰ کے اب تک زندہ ہونے کی تائید قرآن کریم سے نہیں ملتی۔ قرآن پاک آپ کے وفات پا جانے کا بصراحت ذکر کرتا ہے۔

ہمیں تو اب تک قرآن پاک میں کہیں وہ آیت نہیں ملی جس میں خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات صراحت سے مذکور ہو۔ رہی الفاظ کی کھینچا تانی اور دورانہ کار تا دیلات تو اس سے قادیانیوں کا لٹریچر بھرا ہوا ہے۔ پرویز صاحب لکھتے ہیں:-

کوئی روایت جو حضرت عیسیٰ کی آمد کی خبر دیتی ہے وضعی اور تھوٹی ہے۔ جو ہمارے لئے سند نہیں ہو سکتی۔

جناب جب آپ کے ہاں کل ذخیرہ حدیث ہی جعلی اور وضعی ہے تو یہاں حدیث مسیح کی تخصیص کس لئے ہے؟ پرویز صاحب نے جس طرح قرآن پر یہ بہتان باندھا ہے۔ کہ وہ حضرت عیسیٰ کی وفات کا بصراحت ذکر کرتا ہے۔ اسی طرح قرآن پاک پر ان کا دوسرا بہتان بھی ملاحظہ کیجئے:-

قرآن کریم نے کس شدت اور تکراس سے اس کی صراحت فرمادی ہے کہ بنی اکرم کو کوئی حسی معجزہ نہیں دیا گیا اور حضور کا معجزہ صرف قرآن ہی ہے۔

پرویز صاحب تو اس باب میں شدت اور تکراس کے مدعی ہیں۔ لیکن ہمیں تو ایک آیت بھی ایسی نہیں ملی جس میں بصراحت کہا گیا ہو کہ حضور اکرم کو کوئی حسی معجزہ نہیں دیا گیا۔ معتزلہ نے اسی پہلو سے معجزات کا انکار کیا تھا۔ فتنہ انکارِ حدیث اپنی لپیٹ میں اسلام کے ہر بنیادی عقیدہ کو بھینچ رہا ہے اور اس دور میں مشر غلام احمد پرویز قلعہ اسلام کے لئے دوسرے غلام احمد کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ زیادہ اعتماد یہود و نصاریٰ پر کرتے ہیں۔ کوئی بات صاف نہیں کرتے۔ دلیل کی بجائے تحکم اور جذبات سے زیادہ کام لیتے ہیں۔ لیکن دیوارِ اسلام کو گرانے میں وہ کسی دوسرے ٹھوسے پیچھے نہیں۔

⑤ علی پور چٹھہ ضلع گوجرانوالہ کے
• صاحب کچھ دوسرے اربابِ قلم کے
ساتھ مل کر تفسیر القرآن بالقرآن کے نام سے ایک کتاب لکھ رہے۔ ادارہ بلاغ القرآن ۱۱۰۔ این
سمن آباد لاہور اسے شائع کر رہا ہے۔ پہلی جلد سورہ بقرہ تک ۲۴۸ صفحات میں دوسری سورہ نسا
تک ۲۷۶ صفحات میں اور تیسری سورہ اعراف تک ۵۱۲ صفحات میں شائع ہو چکی ہے۔
تیسری جلد کے آخر میں لکھا ہے۔

”ادارہ بلاغ القرآن کی شائع کردہ تفسیر القرآن بالقرآن چند اہل علم کی بشری کاوش کا نتیجہ ہے جو صرف خدمتِ قرآن کے جذبہ سے معمور ہے۔۔۔۔۔ حتیٰ کہ ان حضرات نے اپنے اسم گرامی بھی شائع کرنے کی اجازت نہیں دی۔“

ادارہ بلاغ القرآن نے جلد دوم اور جلد سوم کے متن قرآنی کی تصحیح قاری اظہار احمد صاحب تھانوی اور مولانا حامد حسن صاحب فاضل دیوبند سے کرائی ہے اور ان جلدوں کے آخر میں اُن کے نام لکھ دیئے ہیں۔ یہ عام لوگوں کو مغالطہ دینے کے لئے ہے کہ گویا یہ تفسیر ان حضرات کی مصدقہ ہے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں۔ ادارہ جب اصل مؤلفین کے ناموں کو سامنے نہیں لارہا۔ تو متن قرآن کے مصححین کے نام ذکر کرنے میں امر کیا مصلحت ہو سکتی تھی۔

۸۔ انکار حدیث متشابہات کے سائے میں

یہاں متشابہات کا لفظ عام اصطلاحی معنوں میں نہیں۔ ایک وسیع تر مفہوم میں ہے۔ کئی ایسے مضامین ہوتے ہیں جو اپنے ظاہری مفہوم میں مغالطہ انگیز ہوتے ہیں۔ لیکن ان کا چہرہ اس وقت کھلتا ہے جب انہیں محکمات کے ساتھ مطابق کیا جائے۔ منکرین حدیث نے اس قسم کے مردی مضامین سے بہت فائدہ اٹھایا ہے اور جو لوگ علم دین سے واقف نہیں ہوتے۔ انہیں وہ ایسی جذباتی تعبیر میں لے جاتے ہیں کہ احادیث ظاہر عقل سے ٹکرانے لگتی ہیں۔ ان سرسری پڑھنے والوں کو وہ اس قسم کی احادیث کے ظاہر پیرائے سے بہت مغالطے دیتے ہیں۔ مثلاً صحیح بخاری کے حوالے سے قتل کعب بن اشرف کے بارے میں یہ تاثر دیتے ہیں :-

خلفائے بنی امیہ و بنی عباس کا ایک دستور یہ بھی تھا کہ کبھی کبھی وہ اپنے دشمنوں کو غنمی تدبیروں سے قتل کرادیا کرتے تھے اور اس کو اپنی بساط سیاست کی ایک اچھی چال سمجھتے تھے۔ اس وجہ سے ان کے حامیوں اور حاشیہ نشینوں نے ایسی روایتیں بنائیں کہ اس قسم کے قتل کو رسالت مآبؐ کا فعل ثابت کریں تاکہ ان سلاطین کو اپنی کارروائیوں کے جواز کی سند مل سکے۔

کعب بن اشرف کے قتل کی اصل وجہ

اشرف طائی سے مکہ میں ایک قتل ہو گیا اور وہ بھاگ کر مدینہ میں چلا آیا۔ یہاں یہود کے قبیلہ بنو نضیر سے مل گیا۔ یہیں اس کی شادی ہوئی۔ کعب بن اشرف اسی کا بیٹا تھا جو اپنے اثر و رسوخ اور وجاہت سے علماء یہود کا دنیوی سرپرست بن گیا تھا۔ علماء یہود کو آنحضرتؐ کے خلاف کرنے میں اس کا بڑا دخل ہے۔ جنگ بدر کے بعد یہ مکہ گیا اور وہاں مقتولین بدر کے وارثوں اور رشتہ داروں کو آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بہت بھڑکاتا رہا۔ کعب بڑا

شاعر مہتا اور اس کی یہ سب قابلیت حضور کے خلاف استعمال ہوتی تھی۔ ایک دفعہ اس نے حضور کو دھوکے سے ایک جگہ بلایا۔ اس کا حضور کو قتل کرنے کا پروگرام تھا۔ جبریل امین اترے اور انہوں نے آپ کو اپنے پروں میں چھپا لیا (نقل فی الفتح) حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس تشریف لائے تو آپ نے فرمایا: ”کون شخص کعب بن اشرف کو قتل کرنے کا شرف حاصل کرے گا؟“ اس نے اللہ کے رسول کو بے حد تکلیف دی ہے نقص عہد کیا ہے اور مشرکین مکہ سے ملا ہوا ہے۔ محمد بن مسلمہ انصاریؒ نے کہا: ”میں اس کے لیے حاضر ہوں“ آپ نے اجازت دے دی اور اس کے ساتھ چار اور ساتھی ہو گئے۔ یہ کعب کے پاس گئے اسے قلعہ سے باہر بلایا اور قتل کر دیا۔

آپ غور کریں اس تمام واقعہ میں شرارت اور سازش کا سرغنہ کون ہے؟ کعب بن اشرف یا کوئی اور۔۔۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اکیلے کو سزا دلو اگر اس کی پوری قوم کو جنگ کے شعلوں سے بچالیا۔ اگر آپ اس سے اعلانیہ جنگ کرتے تو معلوم نہیں کتنے لوگ اس کی حمایت میں اکھڑے ہوتے اور پھر معلوم نہیں کتنے مسلمان ان کے ہاتھوں سے مارے جاتے اور جو فضا ایک سازشی کے قتل سے قائم ہو سکتی تھی۔ اس کے لیے کتنی جانیں دینی پڑتیں۔

کافروں سے نہ لڑنا ظاہر کر کے ”چھپے ہٹنا اور پھر بڑھ کر انہیں قتل کر دینا کیا اس کی تعلیم قرآن پاک میں موجود نہیں رہ دیکھئے پ (الانفال آیت ۱۶) اگر ہے اور لڑائی واقعی ایک چال ہے تو کیا یہ بہترین چال نہیں کہ دشمن کو ختم کرنے کا وہ طریق اختیار کیا جائے جس میں انسانی جانیں کم از کم تلف ہوں۔ معلوم ہوا قتل بڑی کوئی جرم نہیں۔ نہ یہ کوئی خلاف عقل اقدام ہے اور جن کے ہاں یہ جرم ہے وہ میدان جنگ میں بھی دشمن کو قتل کرنا جائز نہیں سمجھتے۔ وہ سرے سے ہی جہاد قتال کے قائل نہیں۔ ایک شخص کے قتل سے اگر فتنہ کی جڑ کٹتی ہے اور اس کی پوری قوم بچتی ہے تو اسے قتل بڑی سے کھلے میدان میں لے آنا اور قوموں کی جنگ بنا دینا یہ کوئی دانائی نہیں ہے۔

ابو رافع سلام بن ابی الحقیق کا قتل

کعب بن اشرف کے قتل کے بعد عام یہودی دُوب گئے اور ان کی روزِ روت کی شرارتیں رُک گئیں۔ مگر تین سال بعد ابو رافع سلام بن ابی الحقیق نے پھر سر اٹھایا۔ قبائل کو مسلمانوں کے خلاف برا انگیزتہ کرنے لگا۔ غزوہ خندق کے موقع پر عرب قبائل کو مسلمانوں کے خلاف لانے میں اس کا مرکزی کردار رہا۔ انصارِ مدینہ اس کی ان حرکتوں کو بھانپ چکے تھے۔ انہوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں اس کی سازشوں کی شکایت کی۔ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عتیک انصاری اور اس کے چند ساتھیوں کو اس کے قتل پر مامور فرمایا اور حکم دیا کہ کسی بچے اور عورت کو قتل نہ کرنا۔ صرف وہی سزا پائے جو فتنے کی جڑ ہے۔ عبداللہ بن عتیک گئے اور اس کا کام تمام کر دیا۔

یہ ابو رافع سلام کون تھا؟ اس نے تقضِ عہد کیا تھا۔ مسلمانوں کے خلاف جو لوگ اور طاقتیں کام کرتی تھیں انہیں مالی امداد دیتا تھا۔ غزوہ خندق کا اصل سبب یہی ہوا تھا۔ عبداللہ بن عتیک کے قتل سے یہ اپنے کیفرِ کردار کو پہنچا اور مسلمانوں کو چین نصیب ہوا۔ مسٹر پرویز کے نزدیک یہ دونوں واقعات خلاف واقعہ ہیں اور امام بخاری اور امام مسلم جیسے محدثین نے اپنی طرف سے گھڑیے ہیں۔ قدرِ قرآن اس کی اجازت نہیں دیتا کہ نبی اپنے دشمن کو قتل سڑی سے ختم کرے۔ کس قدر غلط یہ مفروضہ ہے اور بنائے فاسد علی الفاسد کی کتنی کھلی مثال ہے۔

ہم اس طرح کے قتل سڑی کو قیام امن کی عمومی مصلحت کے پیش نظر غلط نہیں سمجھتے مخفی تدبیروں سے بڑے بڑے فتنوں کا سدباب کرنا نہ عقل کے خلاف ہے نہ قرآن کریم کے خلاف۔ منکرینِ حدیث واقعات کی ظاہری سطح سے عوام کو دھوکہ دیتے ہیں۔ لیکن اپنے موقف کو کسی علمی سطح پر حق بجانب ثابت نہیں کر سکتے۔ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں امر فرمایا تھا کہ کسی بچے اور عورت کو قتل نہ کرنا اور قرآن مجید میں حضرت خضر کا حضرت موسیٰ کی موجودگی میں ایک بچے کو قتل کرنا صریح طور پر مذکور ہے۔ کیا قتل سڑی نہ

تھا؛ کیا اس وقت کے کھلے معاشرتی دائرہ میں اس قتل کی گنجائش تھی؟ اب اس واقعہ کی وجہ سے قرآن کریم کے خلاف بھی قضا بناؤ۔ اگر اس واقعہ کی بنا پر قرآن نہیں چھوڑا جاسکتا تو کعب بن اشرف اور ابو رافع سلام کے واقعات قتل سے حدیث کی آپ پر بھی کوئی دھبہ نہیں آتا اور نہ اس کے باعث حدیث چھوڑی جاسکتی ہے۔

منکرین حدیث ان دو واقعات پر طلوع اسلام کا یہ بیان خوب اچھالتے ہیں اور نہیں جانتے کہ مشرپہ دین کے پیشرو اسلام حیراجپوری ان واقعات قتل کو بالکل حق بجانب قرار دے چکے ہیں۔ — اسلام حیراجپوری لکھتے ہیں :-

چونکہ اسلام کی ترقی سے یہود کا ڈیڑی اثر اور اقتدار نیز ان کی دینی عظمت کا سکھ اٹھتا جاتا تھا۔ اس لیے کعب مسلمانوں کا سخت ترین دشمن تھا۔ جنگ بدر کے بعد اس نے مکہ معظمہ جا کر کشتگان بدر کے مرثیے بنا کر سنائے اور قریش کو مسلمانوں سے انتقام لینے کے لیے آمادہ کیا اور وہاں سے آکر اپنے اشعار میں مسلمانوں کی ہجو اور بے حرمتی کرنے لگا اور درپردہ اس فکر میں پڑا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرادے۔۔۔۔۔ اس کی فتنہ انگیزیوں سے مجبور ہو کر ربیع الاول ۳ھ میں محمد بن مسلمہ کو مع دو صحابیوں کے بھیجا انہوں نے جا کر اس کو قتل کر دیا۔

دیوبند کے مشہور متکلم اسلام حضرت مولانا مناظر حسن گیلانی لکھتے ہیں :-
(یہود) جب خون کے مستحق ہو چکے تھے اور ہر اعتبار سے ہو چکے تھے۔ لیکن ان کے ہزاروں کے خون کو صرف کعب بن اشرف اور ابو رافع دو ہی آدمیوں کے خون سے کیوں محفوظ کر دیا گیا؟ بہت بڑا خیر وہ شر ہے جس کے ذریعہ سے کسی عظیم و جلیل شر کا سد باب ہوتا ہو، قصاص میں زندگی ہے۔ بلاشبہ ان دونوں کی موت میں اور تمام یہودیوں کی زندگی کی ضمانت تھی۔ جو ان کے بعد زندہ رہے۔

صحیح بخاری کی ایک اور حدیث پر اعتراض

قرآن کریم میں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب العزت سے عرض کی مجھے دکھا دیجئے آپ مُردوں کو کیسے زندہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کیا تو اس پر ایمان نہیں لایا۔ حضرت ابراہیم نے عرض کی ”کیوں نہیں“، لیکن چاہتا ہوں کہ (آنکھوں سے دیکھ لوں تاکہ) دل قرار پکڑے۔ یہ واقعہ پت البقرہ کی آیت ۲۶۰ میں مذکور ہے۔ اس میں یہ بات واضح ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ کی قدرت میں شک نہ تھا۔ وہ علم الیقین سے عین الیقین میں آنا چاہتے تھے۔ بلی کہہ کر وہ اپنے ایمان و یقین کی خبر دے چکے تھے۔

۲ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ انبیاء کا ذکر بڑی تواضع اور نیا زمندی سے کر رہے تھے۔ اس میں آپ نے حضرت ابراہیم اور حضرت یوسف علیہم السلام کی عظمت و عزیمت کا ذکر فرمایا — یہ جتنا نے کہے لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی اس صفت احیاء میں کوئی شک نہ تھا۔ آپ نے آپ کو تواضعاً ان سے سچے درجہ میں رکھا اور فرمایا شک کے ہم ان سے زیادہ حق دار ہیں۔ جب ہمیں اللہ کی صفات کے بارے میں کوئی شک نہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس میں کسی طرح کا کوئی شک کیسے ہو سکتا تھا — شک نہ یہاں ہے نہ وہاں تھا — بات بس اتنی تھی۔

طبع اسلام کی اکتوبر ۱۹۵۰ء کی اشاعت میں اسلم جیورچری کا ایک مضمون شائع ہوا اس میں صحیح بخاری کی اس حدیث کو یہ کہہ کر رد کیا گیا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیشک ابراہیم علیہ السلام شک میں تھے۔ (معاذ اللہ)

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نحن احق بالشک من ابرہیم اذ قال رب ارنی کیف تخی الموتی۔

ترجمہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ ہم ابراہیم کی نسبت شک کے زیادہ سزاوار ہیں ابراہیم نے کہا تمہارے اللہ مجھے دکھا تو کس طرح مُردوں کو زندہ کریگا؟

اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے شک کا اثبات ہرگز نہیں۔ یہاں ان سے شک کی نفی مقصود ہے۔ محدثین نے اس کے یہی معنی لکھے ہیں :-

ان ذلك لم يكن من ابراهيم لاجل الشك بل لزيادة العلم اذ نحن احمق بالشك فاذا لم نشك لم يشك هو فهذا تواضع منه صلى الله عليه وسلم له ترجمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے یہ بات شک کے طور پر نہ تھی۔ یہ سوال زیادتی علم کے لیے تھا۔ ہم ان کی نسبت شک کے زیادہ اہل تھے جب ہمیں اس قدرت خداوندی میں شک نہیں تو حضرت ابراہیم اس میں کیسے شک کر سکتے تھے۔ یہ بات حضورؐ نے تواضعاً فرمائی۔

اس روایت میں شک کا لفظ ایمان کے مقابلے میں نہیں۔ ایمان تو خود اسی آیت میں مذکور ہے جو یہاں اس حدیث میں پڑھی گئی معلوم ہوا یہاں اس کا مفہوم ظاہر یہ سببی نہیں مراد کچھ اور ہے۔ یہاں اس کی الزاماً نفی مقصود ہے کہ جب ہم یہاں شک نہیں کر سکتے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس قدرت الہی میں کیسے شک ہو سکتا تھا۔

ایک اور اعتراض

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ایک اور حدیث نقل کی جاتی ہے :-

لم يكذب ابراهيم الا ثلث كذبات ثنتين منهن في ذات الله قوله

اني مستقيم وقوله بل فعله كبيرهم هذا الحديث

اس میں کہا گیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے تین باتیں خلاف واقعہ کہیں۔ ان میں سے دو کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔ ایک پ ۲۳ سورہ الصافات آیت ۸۹ میں اور دوسری پ ۱ سورہ الانبیاء آیت ۶۳ میں مذکور ہے۔ ظاہر آپ نے یہ دونوں باتیں خلاف واقعہ کہیں۔ اب قرآن کا ہر طالب علم انہیں حل کرنے کے لیے کوئی توجیہ یا تاویل ضرور اختیار کرتا ہے۔ قرآن اور حدیث میں اگر فرق ہے تو صرف یہ ہے کہ قرآن میں ان میں سے دو باتیں مذکور ہیں اور حدیث میں تین۔ اب دیانت

اور شرافت کیا اس کی متقنی نہیں کہ جس طرح ان میں سے دو باتوں کی توجیہ کی جاتی ہے اسی طرح تیسری بات کی بھی کوئی توجیہ کر لی جائے۔ ورنہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ قرآن میں بھی (معاذ اللہ) بہت غلط باتیں موجود ہیں اور اس طرح انکار حدیث انکار رسالت کی ایک سیڑھی قرار پائے گی بدنامیہاں لفظ کذب کا اطلاق سو یاد رہے کہ یہ اردو کے لفظ جھوٹ سے بہت مختلف ہے۔ عرب مطلق خلاف واقعہ بات پر بھی کذب کا لفظ بول دیتے ہیں۔ خواہ اس میں تمہد اور نیت نہ بھی ہو۔ علامہ خطابی نے معالم میں اس کی تصریح کی ہے۔ جلد ۱ ص ۱۳۴

حدیث غسل ام المؤمنین پر ایک اعتراض

فہم حدیث میں کسی جگہ کے عرف، محاورے اور استعمال کو بھی سامنے رکھنا ہوتا ہے مثلاً دو شخصوں میں دیانت داری سے اس موضوع پر نزاع ہو گیا کہ نہانے کے لیے کم از کم پانی کتنا ہونا چاہیے۔ ایک نے کہا میں دوسیر پانی سے نہا سکتا ہوں دوسرے نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا تم نہا کر دکھاؤ۔ وہ دوسیر پانی لے کر غلوت میں چلا گیا۔ نہا کر آیا اور کہا میں دوسیر پانی سے پورا غسل کر لیا ہے۔ ایک دوسرے کی دیانت پر انہیں پورا اعتماد تھا۔ اب پہلا شخص اگر یہ کہتا ہے کہ آدمی دوسیر پانی سے نہا سکتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ فلاں شخص میرے سامنے دوسیر پانی سے نہایا تو ایسے موقعوں پر گفتگو کا یہ انداز غلط نہیں ہو گا۔ نہ اس کے پیش نظر یہ بات غلط ہوگی۔ سامنے نہانے سے یہاں اس طرح نہا کر دکھانا مراد ہے نہ یہ کہ وہ دوسرا پہلے کے سامنے برہنہ ہوا تھا اور بالکل اس کے سامنے ہی نہایا تھا۔

حدیث میں ایسا کوئی واقعہ آجائے تو منکرین حدیث اسے نہایت چھنی سوچ سے سوچتے ہیں اور نہیں جانتے کہ دنیا میں تجربے اور مافی الضمیر کے اظہار کے لیے عرف اور ماحول کے کتنے پیمانے استعمال ہوتے ہیں۔ کیا مندرجہ ذیل حدیث کو سامنے کے اس عرفی پیمانے میں نہیں سمجھا جاسکتا؟

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھائی (رضاعی)،

عبد اللہ بن یزید آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بھائی نے حضرت ام المؤمنین سے پوچھا حضور

کتنے پانی سے غسل فرما لیتے تھے۔ آپ نے پانی منگایا جو ایک صاع (ایک پیمانہ) کے مطابق ہوگا اور غسل فرمایا اور اپنے سر سے پانی بہایا۔

صحیح بخاری میں یہاں صراحت سے منقول ہے کہ حضرت ام المومنینؓ اور ان کے بھائی اور بھانجے کے مابین پردہ تھا۔ اس تصریح سے بات وہی آتی ہے جو ہم کہہ چکے ہیں۔ مگر منکرین حدیث ہیں کہ اس حدیث کو (اس پر دے کی بحث سے یکسر جدا کر کے) نہایت تشویش سے نہ صرف پیش کرتے ہیں۔ بلکہ اس کے حوالے سے اپنے منکرین حدیث ہونے پر ناز کرتے ہیں۔

فَسَأَلَهَا اخُوها عَنْ غَسْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَعَتْ بَأْسًا وَمِنْهُ
مِنْ الصَّاعِ فَاعْتَسَلَتْ وَأَفَاضَتْ عَلَى رَأْسِهَا وَبَيْنَ يَدَيْهَا حِجَابًا

ترجمہ پس آپ سے آپ کے بھائی نے حضورؐ کے غسل کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے ایک برتن میں پانی منگایا جو صاع (ایک پیمانہ) کے برابر ہوگا اور اس سے غسل کیا اور اپنے سر سے پانی بہایا۔ ہمارے اور آپ کے مابین پردہ تھا۔

منکرین حدیث نے حدیث کو وہ مضحکہ خیز صورت دے رکھی ہے کہ کوئی انسان کسی سنجیدہ موضوع کو اس بے دردی سے پامال نہیں کرتا۔ جو ان لوگوں نے حدیث کے بارے میں اختیار کر رکھی ہے۔ کون نہیں جانتا کہ مباشرت ایک دوسرے سے اکٹھے ہونے اور ملنے کا نام ہے بعض جاہل قرین عورت سے اس کے ایام میں اتنی نفرت برتی تھیں کہ اسے گھر کے اندر رہنے کی بھی اجازت نہ ہوتی تھی۔ وہ باہر خیمے میں اپنے دن گزارتی اور کوئی اس سے ہاتھ ملانے تک کے لیے تیار نہ ہوتا تھا۔ اسلام نے عورت کو جہاں اور بہت سی عظمتیں بخشیں وہاں اسے اس قدر مذلت سے بھی نکالا۔ عورت اپنے ایام میں ہوتی تو اس کے ہاتھ کا پکا کھانا جائز کیا۔ اس کے دھوئے کپڑے پاک بتلائے۔ اور کہا کہ ماسوائے جماع کے اس سے ہر طرح مباشرت جائز ہے۔ ایام میں وہ کوئی ڈائن نہیں بن جاتی کہ اس سے اس قدر نفرت کی جائے۔

مباشرت کا لفظ کنایہ کے طور پر جماع کے لیے بھی آتا ہے۔ گو یہ اس کے حقیقی معنی نہیں اب

اگر کہیں حدیث میں آگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اذواج کو ایام میں بھی خدمت کرنے کا موقع دیتے تھے۔ ان سے مباشرت جائز سمجھتے۔ تو ان لوگوں نے طوفان سر پر اٹھالیا کہ دیکھو حدیث میں ہے حضور ایام میں بھی عورتوں سے مباشرت کرتے تھے۔ فلاں حدیث میں ہے کہ روزے میں بھی آپ مباشرت کر لیتے تھے۔ عوام بے چارے مباشرت کے معنی سے بے خبر تھے۔ وہ اس کے ایک خاص معنی سے ہی آشنا تھے۔ ان کے حلقوں میں اسی قسم کی روایات سے ان لوگوں نے ایسا طوفان کھڑا کر دیا ہوتا ہے کہ جب تک عوام کو اس لفظ اور ان احادیث کے پورے پس منظر سے آشنا نہ کیا جائے۔ ان کا رنگ دھلنے نہیں پاتا۔

اس قسم کی روایات میں جماع کی صریح نفی مروی ہے۔ مگر یہ لوگ اسے ذکر تک نہیں کرتے اور لفظ مباشرت کا اتنا ذہن دورا پیٹتے ہیں کہ الامان والحفیظ — کیا علمی دیانت اسی کا نام ہے مذہب کے نام پر دھوکہ بازی کیا ان کو میراث میں ملی ہے؟ یا دھوکہ منڈی کی پوری آڑھت اپنی کے نام ہے — حدیث کے یہ الفاظ دیکھئے اور ان لوگوں کے علم و دیانت کا ماتم کیجئے :-
کان یا مرنی فأتز قلیبا شرینی وانا حائض وکان یخرج رأسہ اعدو
معتکف فاعسلہ وانا حائض لہ

ترجمہ۔ آپ مجھے حکم دیتے کہ اپنا ازار باندھے رکھوں۔ آپ پھر مجھے ملے اور میں ایام میں ہوتی۔ آپ مسجد میں اعتکاف کی حالت میں ہوتے۔ اپنا سر مبارک آپ مسجد سے باہر (میرے حجرے کی طرف) کرتے میں اسے دھو دیتی۔ حالانکہ میں ایام حیض میں ہوتی تھی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ عورت کے ہاتھ اگر صاف ہوں تو وہ اپنے ایام میں کپڑے تک بھی دھو سکتی ہے۔ آٹا گوندھ سکتی ہے۔ نہلا سکتی ہے اور اس کے ساتھ رہنا سہنا کسی طرح ممنوع نہیں۔ سوائے اس کے کہ اس خاص معنی میں اس سے مباشرت جائز نہیں۔

راقم الحروف نہایت دکھے دل سے یہ بات نقل کرتا ہے کہ پاکستان ضلع کیمبل پور کا ایک مسلمان جو یہاں (انگلینڈ میں) اولڈہم میں مقیم ہے۔ عیسائی پادریوں کے اس ایک حوالے سے

قصه طلاق امیمة بنت النعمان - الجوتیه

هل يواجه الرجل امرأته بالطلاق له آیا مرد اپنی عورت کو سامنے طلاق دے۔

۱۔ آپ کا اسے ہی نفسک مجھے اپنا آپ بخش دے، کہنا نکاح کے لیے نہ تھا زوجیت پر آمادہ کرنے کے لیے تھا یہ الفاظ نکاح کے لیے بھی آتے ہیں لیکن یہاں یہ دوسرے معنی میں ہیں اور سیاق کلام اسی کا تقاضا کرتا ہے محدثین یہاں یہ کہتے ہیں کہ اس روایت کی روت سے آپ (معاذ اللہ) بغیر نکاح اسکے پاس گئے تھے اور اسکے انکار پر پیچھے ہٹ گئے اور وہ یہ نہیں سوچتے کہ پھر طلاق کا موضوع کیوں زیر بحث آگیا۔ اور محدثین اسے کتاب الطلاق میں کیوں لائے۔

۲۔ جوئیہ کے جملہ هل تهب الملكة ففسد السوق (کیا ملکہ اپنے کو رعیت کے سپرد کر سکتی ہے) کو بھی غلط معنی پہناتے ہیں اور سوق کے معنی بازار ہی کے کرتے ہیں کہ اس نے کہا میں اپنے آپ کو کیسے بازار ہی کے سپرد کروں (استغفر اللہ علامہ فیومی لکھتے ہیں

وقولهم رجل سوقة ليس المراد انه من اصل الاسواق كما تظننه المامه بل السوقة عند العرب فلذا الملك

مقابلہ کے سامنے ہیں یہ بدترین مثال ہے جس پر منکرین حدیث ناز کرتے ہیں۔

۱۔ صحیح بخاری ۲، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹

فَلْيَنصُرُوا النَّاسَ وَالْأَمْرَ أَمِينًا إِذَا نَحْنُ فِيهِمْ سَوَاءٌ تَنْصُرُ

⑧ خارجیت انکارِ حدیث کے سلسلے میں

انکارِ حدیث کی تحریک ادارہ طلوع اسلام یا بلاغ القرآن تک نہیں بٹھری۔ کراچی کا فتنہ خارجیت بھی انکارِ حدیث کی اسی اساس پر اٹھا ہے۔ محمود احمد عباسی کے حلقہ کے ایک صاحب عزیز احمد صاحب صدیقی ہیں۔ انہوں نے ”ام المؤمنین سیدہ خدیجہؓ“ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ دیکھئے آپ اس میں کس طنز یہ انداز میں حدیث کا انکار کرتے ہیں۔ عزیز احمد صاحب صدیقی صحیح بخاری کے متعلق لکھتے ہیں:-

یہ کتاب قرآن کے بعد سب سے زیادہ سچی کتاب کہلاتی ہے۔ کیونکہ یہ قرآن کی ناسخ ہے۔ مسلمان حدیث کو قرآن پر جو ترجیح دیتے ہیں۔ اس لیے دیتے ہیں کہ اس میں وہ مزید باتیں ہیں جو قرآن میں نہیں ہے۔ پھر لکھتے ہیں:-

بخاری صاحب نے اپنے مجوسی معاشرے کی حرام کاری، عیاشی اور بدکاری کو کس خوبی سے مُشرّف بہ اسلام فرمایا ہے۔
پھر اپنی دوسری کتاب ائمٹ باتیں میں لکھتے ہیں:-
ہماری تاریخ، ہماری فقہ، ہماری روایات یعنی حدیثیں اور تفسیریں سب مجوسیوں نے تیار کی ہیں۔

فتنہ انکارِ حدیث یہیں تک نہیں رُکا کہ عباسی صاحب کے حلقہ کو حلقہ بدام کہہ کے کچھ آرام کر لے۔ ہمیں افسوس ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کے حلقے کے بھی بعض نا عاقبت اندیش علماء اسی حلقے کے اسیر نکلے۔ صحیح بخاری کے بارے میں جو زبان عزیز احمد صاحب صدیقی نے استعمال کی ہے وہی زبان اس حلقے کے بعض علماء صحیح بخاری کے بارے میں استعمال کر چکے ہیں۔ الذاتِ شریعتِ ان کے پانچ علماء کا مشترکہ فتادے ہے۔ جو فیصل آباد سے دو جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ اس میں صحیح بخاری کے متعلق یہ زبان استعمال کی گئی ہے:-

ام المؤمنین سیدہ خدیجہ ص ۹۵ لے ایضاً ص ۱۰۴ لے ائمٹ نقوش ص ۲

امام بخاری نے مرجئہ و شیعہ و قدریہ و جہمیہ و اہل بدعت و ہوائیہ فرقہ سے حدیثیں نقل کی ہیں جن کی باتوں پر اعتماد کرنا منع ہے۔
انوار شریعت ۲ ص ۳۲۷

بخاری شریف کی بہت سی حدیثیں کتاب اللہ کے خلاف ہیں۔ ایضاً ۲ ص ۲۳۶
بیشک بخاری میں ایک دوسرے کے خلاف بھی بہت سی حدیثیں درج ہیں ایضاً ۲ ص ۲۳۶
امام بخاری وغیرہ نے تمام مذاہب باطلہ کے لوگوں سے حدیثیں لی ہیں جن کا ذکر جلد اول کے ضمیمہ میں گذر چکا ہے
ایضاً ۲ ص ۲۳۲

پھر ان حضرات نے اپنے مولانا عبد الکیم سے نقل کیا ہے :-
امام بخاری نے تو صحابہ کرام رسول علیہ السلام کی سخت توہین کی ہے وہو
هذا باب قول الرجل للرجل اخساء بخاری مطبوعہ احمدی ص ۹۱۱ یعنی یہ باب
ہے قول رجل کا واسطے رجل کے اخساء۔ پس یہاں پر رجل اول سے مراد محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور رجل دوم سے مراد ابن صیار ہے باب قول الرجل مرحبا
بخاری ص ۱۱۱۲۔ اس جگہ بھی رجل سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں سوم باب
ما جاء في قول الرجل ويلك یعنی یہ باب ہے قول میں رجل کے ويلك بخاری
ص ۹۱۰ یہاں بھی رجل سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ باب قول الرجل
شئ ليس بشئ بخاری ص ۹۱۷۔ اس مقام پر بھی رجل سے مراد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ہیں بس اب دیکھئے کہ بخاری کی متعدد جگہوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی شان میں لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ کہا بلکہ بجائے اس کے لفظ رجل کا جو کہ
عوام الناس کے حق میں بولا جاتا ہے کس کشادہ پیشانی سے بے دھڑک استعمال کیا گیا
ہے کہ جو ہر حال میں سخت افسوس کے قابل ہے بخاری پرست جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کو مثل اپنے ایک آدمی جانتے ہیں اس کا ماخذ بھی کتاب بخاری ہو تو تعجب نہیں

انوار شریعت جلد ۲ ص ۲۳۶، ۳۲۷

یہ عبارت نقل کرنے کے بعد ملا نظام الدین نے اس پر کوئی نکیر نہیں کی مندرجہ ذیل عبارت سے ملتی پر
اور تیل ڈالا ہے دیکھئے جلد ۲ صفحہ ۳۲۷

بیان کریں کہ بدول کتاب اللہ کے کونسی کتاب علم حدیث میں ہے جس میں حدیثیں بناؤں اور نامعقول باتیں درج نہیں اگر کہو کہ صحاح ستہ میں سے بخاری شریف اعلیٰ کتاب بعد کتاب اللہ قابل عمل ہے تو میں کہتا ہوں کہ یہ بات بالکل لغو اور بناوٹی ہے کیونکہ اس مجموعہ بخاری کی حدیثوں کی صحت پر کسی زمانہ میں کسی محدث کا اتفاق نہیں ہوا۔ جلد ۳۲۷

یہ جامع الفوائد مولانا احمد رضا خاں، حامد رضا خاں، نعیم الدین مراد آبادی اور نظام الدین ملتانی کے فتوؤں کا مجموعہ ہے۔ جسے غلام سرور قادری رضوی نے لکھا مولانا محمد اسلم علوی قادری رضوی نے مرتب کیا اور سنی دارالاشاعت رضویہ نے ڈبچوٹ روڈ لاہور سے شائع کیا ہے۔ یہ خیال نہ کیا جائے کہ یہ ساتوں علماء صرف صحیح بخاری کے بارے میں یہ رائے رکھتے ہیں موصوف کی یہ عبارت بھی دیکھ لیجئے

امام بخاری وغیرہ نے تمام مذاہب باطلہ سے حدیثیں لی ہیں۔۔۔ ذرہدانی
مرحہ سے تھا کتاب بخاری ایتم للوجه والکفین اور ترمذی نسائی اور ابن ماجہ کا حال بھی
عنقریب لکھا جائے گا
انوار شریعت ۲ ص ۲۳۳۔

بائیں ہمہ تحریرات انہیں منکرین حدیث میں جگہ نہیں دی جاسکتی یہ منکرین کتب حدیث تو ہو سکتے ہیں منکرین حدیث نہیں لیکن یہ بات پھر حل طلب ہے کہ اگر حدیث کے موجودہ ذخیرے ان کی نظروں میں یہی درجہ رکھتے ہیں تو پھر وہ کون سے با اعتماد ذرائع ہیں جن سے ان کی علم نبوت تک رسائی ہوتی ہوگی۔ اس کا جواب ان کے پاس نہیں ہے۔

علمائے دیوبند کا موقف ان کتب حدیث کے بارے میں وہی ہے جو محدثین دہلی حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا تھا وہ ان کتابوں کو بڑی غفلت سے دیکھتے دورہ حدیث پڑھاتے اور ہر وہ شخص جو ان کتابوں کی توہین کرے اسے بدعتی اور گمراہ سمجھتے تھے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں :-

ونحن بحمد الله نعتقد في هذين الكتابين الجليلين بما اعتقد ونقول
بما قال به شيخ شيوخنا ومقدم جماعتنا مولانا الامام الشاه ولي الله
الدهلوي قدس الله روحه في حجة الله البالغة وهذا لفظه اما

الصحيحان فقد اتفق المحدثون على ان جميع ما فيها من المتصل
المرفوع صحيح بالقطع (اسی بالتفصیل الذی ذکرنا) وانهما متواتران
الی مصنفیهما وانه کل من یهون امرهما فهو مبتدع (ضال) متبع
غیر سبیل المؤمنین فتح الملہم جلد ۱ ص ۱۰۸

(ترجمہ) اور ہم خدا کے فضل سے ان دو جلیل کتابوں (صحیح بخاری اور صحیح مسلم) کے بارے
میں وہی عقیدہ رکھتے ہیں اور وہی بات کہتے ہیں جو ہمارے اساتذہ کے استاد اور جات
کے سردار امام شاہ ولی اللہ دہلوی نے حجرہ الشریعہ میں کہی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ صحیحین
کے بارے میں محدثین کا اجماع ہے کہ ان میں جو بھی (سنداً) متصل اور (مختصراً) تک پہنچنے
والی، مرفوع حدیثیں ہیں سب یقینی طور پر صحیح ہیں اس تفصیل سے جو ہم ذکر کر آئے ہیں
اور دونوں اپنے مصنفین تک تواتر سے پہنچتی ہیں اور جو کوئی ان دو کتابوں کی توہین کرے
وہ بدعتی ہے گمراہ ہے اور اس راہ پر چلا ہے جو مؤمنین کی راہ نہیں۔

ہندوستان میں انکار حدیث کی صدا اٹھی تو حضرت شیخ الاسلام کے تلامذہ میدان میں نکلے اور ان
شہادت کا دامن پوری مستعدی سے چاک کیا جو منکرین کی اس تھکے علماء دیوبند نے علماء مصر
کو بھی اپنا مہنوا بنایا چند کتابوں کے نام ہم یہاں ذکر کئے دیتے ہیں۔

تدوین حدیث مولانا مناظر احسن گیلانی ضرورت حدیث مولانا کریم بخش منظر گرمھی
کتابت حدیث مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی حمیت حدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ
مقدمہ ترجمان السنہ حضرت مولانا بدر عالم مدنی حدیث رسول کا قرآنی معیار از حکیم الاسلام
قاری محمد طیبؒ فہم القرآن از مولانا سعید احمد اکبر آبادی اس باب میں اہم اور مفید کتابیں ہیں جو
انکار حدیث کی تردید میں لکھی گئیں ہیں، مولانا محمد ادریس میرٹھی (کراچی) نے مصر کی کتاب
السنہ و مکانتہا اور اردو ترجمہ کر کے اس باب میں ایک گرانقدر خدمت کی ہے۔

فتنہ انکارِ حدیث کیخلاف علماء کی جدوجہد

علمائے اہلسنت والجماعت نے جس طرح تاریخ کے پہلے دور میں اسلام کے خلاف اٹھنے والے ہر فتنے کا پوری قوتِ علمی سے مقابلہ کیا ہے معروف ہیں۔ وہ اس دور میں بھی اس فتنے سے مافل نہیں رہے۔ عرب ممالک میں تو ان منکرینِ حدیث کی آواز نہیں پہنچی۔ وہاں یہ کام مستشرقین ادا کرتے رہے ہیں اور احمد شہد کہ علمائے مصر، سعودی عرب اور امارات نے وہاں بھی اُن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے۔ رہے یہ منکرینِ حدیث جن کے قائد اس وقت پریز صاحب ہیں۔ تو احمد شہد علمائے ہندو پاک نے اس فتنے اور اس کے اسبابِ عروج کا بڑی تفصیل سے جائزہ لیا ہے اور منکرینِ حدیث کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے۔ چند اسماء گرامی ملاحظہ کیجئے اور ان علمائے حق کی عظیم علمی خدمات کی داد دیجئے۔ ان میں بیشتر حضرات حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کے شاگرد ہیں معلوم ہوتا ہے جس طرح شاہ صاحب فتنہ انکارِ ختمِ نبوت کے خلاف بڑی مستعدی سے ڈٹے۔ آپ نے فتنہ انکارِ حدیث کے خلاف بھی اپنے شاگردوں میں عظیم عزیمت کی رُوح بھونکی تھی۔

① حضرت مولانا مناظر حسن صاحب گیلانیؒ

آپ کی شہرہ آفاق تالیف تدوین حدیث مجلسِ علمی نے ۱۹۵۶ء میں شائع کی پھر مکتبہ اسحاقیہ کراچی نے ۱۹۷۰ء میں اسے ۴۸۰ صفحات میں شائع کیلئے ہے۔

② محدثِ کبیر حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی ثم المدنیؒ

حضرت مولانا بدر عالمؒ (۱۹۰۵ء) نے ترجمانِ اُسنہ کے مقدمہ میں جو بڑی تقطیع کے صفحات تک پھیلا ہوا ہے۔ حجیتِ حدیث اور اس سے متعلقہ مضامین پر سیر حاصل بحث کی ہے کہیں کہیں اسلم جیرا چوری کے نظریات بھی نقل کیئے ہیں اور اُن کے شافی جوابات دیئے ہیں۔

③ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ

آپ نے جامع مسجد نیلا گبند لاہور میں حجیت حدیث پر قسط وار تقاریر فرمائیں جو چھپتی رہیں آپ کی تالیف حجیت حدیث ان کے متن کی حیثیت رکھتی ہے۔

④ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

آپ کا تحقیقی مقالہ حدیث رسول کا قرآنی معیار اس باب کی نہایت بلند پایہ تالیف ہے۔ بعض تعلیمی اداروں میں یہ داخل نصاب بھی ہے۔ اس کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ حجیت حدیث کے بارے میں پھیلنے والے جملہ اعتراضات و شبہات کا اس میں ازالہ کیا گیا ہے۔ حضرت قاری صاحب نے حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی تقریر بخاری فضل الباری بشرح صحیح البخاری کا مبسوط مقدمہ تحریر فرمایا ہے۔ جو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں آپ نے حجیت حدیث، قواعد حدیث اور ان سے متعلقہ دوسرے مباحث پر نہایت فاضلانہ بحث کی ہے۔ اس کا بھی انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ جو فضل الباری جلد اول کے ترجمے کے ساتھ چھپ چکا ہے۔ یونیورسٹی طلباء اور دورہ حدیث کے طلباء کے لئے بہت مفید اور جامع تالیف ہے۔

⑤ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی ثم کراچی

آپ کے فاضل فرزند حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب عثمانیؒ نے کتابت حدیث کے نام سے ایک نہایت گراں قدر تالیف مرتب فرما کر اپنے والد مرحوم کے علم کی یاد تازہ کر دی ہے۔

⑥ محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری

آپ نے حجیت حدیث کو ایمانیات میں شمار کیا ہے اور اسکے منکر کو دائرہ اسلام سے باہر بتلایا ہے آپ نے اس پر علماء کی تصدیقات حاصل کی ہیں یہ فاضلانہ مقالہ تاریخی حیثیت کا حامل ہے۔

⑤ حضرت مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی

آپ کی تالیف فہم قرآن اس سلسلہ کی غالباً پہلی کڑی ہے جس نے ضرورت حدیث اور بحیثیت حدیث جیسے موضوعات پر جدید تعلیم یافتہ کو متاثر کیا۔ اسلوب بیان فاضلانہ اور طرز استدلال حکیمانہ ہے۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور اور دوسرے کئی تعلیمی اداروں نے اسے اپنے منتہی طلبہ کے لئے داخل نصاب کیا ہوا ہے۔

⑧ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب دیوبندی صدر وفاق المدارس پاکستان

حضرت مولانا مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی کے جلیل القدر اساتذہ حدیث ہیں۔ آپ نے مصر کے مشہور محقق کی کتاب اسئتہ و مکاتبتہا کا اردو ترجمہ کر کے طالبان حدیث پر بڑا احسان کیا ہے۔

⑨ حضرت مولانا پروفیسر کریم بخش صاحب لاہوری

آپ گورنمنٹ کالج لاہور میں عربی کے پروفیسر تھے۔ حدیث میں حضرت علامہ الزر شاہ صاحب کشمیری کے مجاز تھے۔ آپ نے ضرورت حدیث کے نام سے نہایت ایجاز سے ایک مختصر رسالہ قلمبند فرمایا۔ جسے اس موضوع کا متن متین کہنا چاہیے۔

⑩ شیخ الحدیث حضرت مولانا سر فراز خاں (گوجرانوالہ)

آپ حضرت مولانا حسین علی صاحب (داں بھجراں) اور حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے ممتاز شاگرد ہیں اور اپنے اساتذہ کے طرز پر پنجاب میں منبع فیض ہیں۔ آپ نے اہمیت حدیث اور حیثیت حدیث پر نہایت قابل قدر تالیفات پیش کی ہیں۔

۱۔ انکار حدیث کے نتائج ۲۔ شوق حدیث

آپ نے ان میں منکرین حدیث کے افکار و نظریات کا فاضلانہ تعاقب کیا ہے۔

منکرین حدیث نے عرب ممالک میں سے لیبیا کو اپنے ساتھ لے رکھا ہے یہ درست نہیں کیلینا کے ارباب درس و افتاء حدیث کو شریعت کا جزو نہیں مانتے کر نل سمرقانی کی بعض آراء سے اختلاف تو ہو سکتا ہے لیکن جہاں تک حجیت حدیث کی اصولی حیثیت کا تعلق ہے کوئی عرب ریاست اور اہل علم کا کوئی طبقہ اس کا منکر نہیں ہے۔

الدکتور محمد بن عبدالکریم ابجزازی محتاج تعارف نہیں آپ کی تالیف القذا فی المتقولون علیہ صفحات پر مشتمل ہے اس میں ان افظولوں میں سنت نبوی کی اصولی حیثیت کا اقرار کیا ہے۔

ان وظیفۃ السنة النبویة فی الشریعة الاسلامیہ ہی فی مقدمة القرآن الکریم من تفسیر عامہ وتوضیح مبہمہ وتفہیل مجملہ وتخصیص عامہ وتعلیل مطلقہ وغیر ذلک۔
پھر تدوین حدیث کی بحث میں لکھا ہے کہ :-

وكان الرسول ينهى اصحابه عن كتابته خشية اختلاطه بالفتاوى كبريم ص ۳۹
اس میں اس وہم کا شائبہ تک نہیں کہ آپ کا کتابت حدیث سے روکنا اس لیے تھا کہ حدیث قانون اسلامی میں حجیت نہ سمجھی جائے (معاذ اللہ) کوئی مسلمان اصولاً حجیت حدیث کا انکار نہیں کر سکتا۔
دکتور جیزازی نے ص ۴۹ پر حضرت عمر بن عبدالعزیز کا وہ حکم بھی نقل کیا ہے جو آپ نے جمع احادیث کے لیے صادر فرمایا تھا اور پھر موطاء امام مالک، مسند امام احمد، صحیح البخاری، صحیح مسلم اور کتب سنن کا بھی ذکر کیا ہے

سو یہ بات صحیح نہیں کہ وہاں کے علماء سنت کی اصولی حیثیت کا تو اقرار کرتے ہیں لیکن حدیث کو حجیت اور سند نہیں مانتے کتب حدیث میں سنت کی حفاظت کا ہی پورا اہتمام کیا گیا ہے۔
ردایہ عنوان کہ ان القرآن شریعة المجتمع تو اسے اسی طرح انکار حدیث کا زینہ نہ سمجھا جائے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خطبے میں حجیت حدیث کا انکار منظوم نہیں قرآن کی طرف دعوت۔
فقال علیکم بالقرآن وانکم سترجعون الی قوم یشترون الحدیث عنی
فمن عقل شیئاً فلیحدث به ومن اخطی علی فلیتوب ابیتاً او متعداً فی جہنم

لہ القذا فی المتقولون علیہ ص ۴۶ یہ رواہ الطحاوی فی مشکل الآثار جلد ۱ ص ۱۰۱۔

مدارس حدیث

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى. اما بعد فقد قال رسول الله ﷺ:
 حدثوا عني ولو آية او كما قال النبي صلى الله عليه وسلم:
 صحابہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنا اور آپ کو جو کچھ کہتے ہوئے
 پایا اُسے آگے پہنچایا اور انگوں نے صحابہؓ کے نام سے اس حدیث کی سند جاری کر دی۔
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی ایک معلم تھے اور آپ نے حدیثِ اَعْنی کہہ کر ہر ایک صحابی
 کو معلم ٹھہرایا۔ اس جہت سے ہر ایک صحابی کا حلقہٴ تعلیم ایک مستقل مدرسہ تھا اور طالبانِ
 حدیث مدرسہ بہ مدرسہ جا کر اس فن کی تکمیل کرتے۔۔۔ اصحابِ رسولؐ پہلے سائنڈ
 حدیث ہیں جن میں سے ایک ایک شمسِ منیر کی بدولت آسمانِ ہدایت پر پوری تابانی
 سے چمکا۔ ہر صحابی ہدایت کا روشن ستارہ ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ بعض ستارے تیز
 روشن ہوتے ہیں اور بعض مدہم۔۔۔ لیکن ہر ستارے سے روشنی ہی ملے گی اندھیر نہیں
 اور جہاں ستارہ چمکے گا اندھیرا چھٹے گا اور لوگوں کو رستے ملیں گے وَعَلِمْتُ دَبَابُجَہ
 مہم ہتدون۔ پکا النمل ۲۴

مدارس کی ہیئت و صورت

پہلے دنوں مدارس حدیث کے لیے بڑی بڑی بلڈنگیں نہ ہوتی تھیں۔ جہاں
 کوئی ہدایت کا ستارہ چمکا یا کوئی نامور استاد آیا وہیں طالبین حدیث نے حلقہٴ بتالیا اور
 یہ حلقہٴ مستقل مدرسہ کہلایا۔ ان دنوں مدارس بلڈنگوں اور انتظامات سے نہیں اساتذہ کے
 نام سے پہچانے جاتے تھے بعض جگہ ایک ایک مسجد میں کئی مدرسے لگتے اور ایک ایک
 میدان میں روایت حدیث کے متعدد خیمے نصب ہوتے۔ محدث اُنچی جگہ پر بیٹھتا۔ اور

طالبانِ حدیث اس کے گرد حلقہ بنا لیتے۔۔۔ دور دور تک شیخ کی آواز پہنچتی اور اس کے آگے تلامذہ بلند آواز سے اگلوں کے لیے حدیث نقل کرتے چلے جاتے اور دور دور تک حدیث کی تحدیث ہوتی جاتی۔ کہیں غیر عرب تلامذہ ہوتے تو محدث کے ساتھ مترجم بھی آ بیٹھتے اور حدیث پورے اہتمام سے آگے پڑھی جاتی اور پہنچائی جاتی تھی۔

قرنِ اول کی ممتاز درسگاہیں

پہلے دور میں بلادِ اسلامی میں پانچ دینی درسگاہیں زیادہ ممتاز ہوئیں۔ ۱۔ مدینہ منورہ۔ ۲۔ مکہ معظمہ۔ ۳۔ کوفہ دبصرہ۔ ۴۔ شام۔ ۵۔ مصر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں علمی پہلو سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) مرکزی حیثیت رکھتے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب کوفہ دبصرہ آباد کیے تو ان نو آبادیات میں بہترین عربوں کو بسایا جو قوموں کا حاصل تھے اور ان کی دینی تعلیم کے لیے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو معلم بنایا۔

کوفہ کا مدرسہ حدیث

کوفہ میں آپ نے اپنی مسندِ علمی لگائی۔ آپ کے تلامذہ میں ایسے ایسے جہالِ علم ابھرے کہ ان سے استفادہ کرنے کے لیے بعض دفعہ اصحابِ رسولؐ بھی حاضر ہوتے۔ پھر حضرت علی المرتضیٰؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں کوفہ کو اپنا مرکز بنایا اور اس علاقے کو اور علمی جلا بخشی۔۔۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اسی علمی مسند کے وارث تھے۔ حضرت امام سفیان ثوریؒ (۱۶۱ھ) بھی اسی سرزمین کے تھے۔ کوفہ اسلامی دنیا میں ایک عظیم مرکزِ علم بن گیا تھا۔ حضرت امام نوویؒ (۶۷۶ھ) کوفہ کو دارالفضل محل الفضلؒ کہہ کر ذکر کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں کی بدولت وہاں سینکڑوں مدارس حدیث قائم ہوئے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس کی علمی شان سے متاثر ہو کر فرمایا۔ الکوفة قبة الاسلامؒ۔ مشہور تابعی قتادہ بن دعامہ (۱۱۸ھ) کہتے ہیں کوفہ میں پندرہ سو صحابہؓ کا قیام تھا جن میں سے

چوبیس بدری تھے۔ امام محمد بن سیرین تابعی (۱۱۰ھ) کہتے ہیں جب میں کو فہ پہنچا تو وہاں چار ہزار طلبہ حدیث پڑھ رہے تھے۔

امام مالکؒ کا مدرسہ حدیث

مدینہ منورہ میں سینکڑوں مدارس حدیث قائم تھے۔ مدینہ منورہ کی سب سے ممتاز بڑی درسگاہ حضرت امام مالک (۱۷۹ھ) کی تھی۔ آپ عمل اہل مدینہ کی روشنی میں حدیث پڑھاتے تھے۔ موطا امام مالک اس حلقے کی ممتاز علمی دستاویز ہے جس کی سند لینے کے لیے دور دراز سے علماء وہاں آتے۔ حضرت امام محمد (۱۸۹ھ) جیسے جلیل القدر امام جو خود مجتہد تھے مدینہ کے اس مدرسہ حدیث میں گئے اور وہاں امام مالکؒ سے موطا کی سند لی جہاں حضرت امام محمد کی تحقیق حضرت امام مالک کے موافق نہ ہوئی امام محمد نے اسے الحجۃ علی اہل المدینہ کے نام سے مرتب کیا۔ یہ کتاب چار ضخیم جلدوں میں حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب سابق مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کے تحقیقی نوٹوں کے ساتھ چھپ چکی ہے۔ ہاں جس اصول پر سب مجتہد متفق ہوئے وہ حضرت امام مالکؒ کے الفاظ میں یہ ہے:-

اقول الله كتابه وترك فيه موضعاً لسنة نبیه وسنن نبیہ السنن وترك فيه موضعاً للرأی والقیاس۔

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم نازل فرمایا اور اس میں اپنے نبی کی سنت کے لیے جگہ چھوڑی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنتیں قائم کیں تو ان میں رائے اور قیاس کی گنجائش چھوڑ دی۔

اس رائے اور قیاس سے صحابہ کرامؓ اور مجتہدین عظام نے آگے شریعت کی دیگر جزئیات مکمل کیں۔ انہوں نے یہ مسائل ایجاد نہیں محض دریافت کیے ہیں۔ مجتہد احکام کا موجد نہیں ہوتا۔ صرف منظر ہوتا ہے کہ اس نے اس اصول میں چھپی ایک بات ظاہر کر دی۔

۱۔ کتاب الاسماء والکنی للرد دلابی ص ۱۷۴ جداول ۲۔ تدریب الراوی ص ۲۷۵

۳۔ نصب الراية للزیلعی جلد ۴ ص ۶۴ مصر

شام کا مدرسہ حدیث

شام کے مدارس حدیث میں امام اوزاعی (۱۵۷ھ) کی درسگاہ زیادہ معروف ہوئی۔ صحابہ میں حضرت ابوالدرداءؓ (۳۲ھ) اور حضرت امیر معاویہؓ (۶۰ھ) جیسے جہاں علم اس علاقہ میں قیام فرما رہے۔ اور ان کی وجہ سے یہ سرزمین علم کا گہوارہ بن گئی۔ مشہور تابعی امام کھولؓ (۱۱۸ھ) کی قدر و منزلت سے کون واقف نہیں۔ آپ کا علمی میدان ہی سرزمین شام تھی۔ امام اوزاعی آپ کے ہی شاگرد و کشید تھے۔ اہل کوفہ اور اہل مدینہ کے مقابل میں اہل شام حدیث اور اصول فقہ کے اپنے مستقل نظریات رکھتے تھے۔ اس علاقے میں چھٹی صدی ہجری تک امام اوزاعیؓ کی تقلید جاری رہی۔ پھر یہ لوگ امام شافعیؒ کے پیرو ہو گئے۔

مصر کا مدرسہ حدیث

صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ (۶۷ھ) مکثرین حدیث میں سے ہیں۔ اور آپ کی حدیثی خدمات اظہر من الشمس ہیں۔ آپ نے کثرت سے حدیث روایت کی ہے۔ کثرت روایت میں آپ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پایہ کے ہیں۔ آپ حضرت عمرو بن عاصؓ فاتح مصر کے بیٹے تھے اور اسی تعلق سے یہ زمین آپ کے فیض کا گہوارہ بنی۔ مصر ابتر میں ہی علم حدیث کا گہوارہ بن چکا تھا۔ تبع تابعین کے عہد میں امام لیث مصری (۱۷۵ھ) یہاں علم کا مرکز بنے۔ مسلمانوں کی سب سے بڑی درسگاہ جامع ازہر اسی ملک میں ہے جو آج بھی اپنی ہزار سالہ روشن تاریخ کے ساتھ قاہرہ میں قائم ہے۔

برسر مطلب آمدیم

اس وقت ہمیں عرب ممالک کی موجودہ اور سابقہ درسگاہوں سے بحث نہیں آپ برصغیر پاک و ہند میں رہتے ہیں اور ہم آپ کو اس علاقہ کے مدارس حدیث سے متعارف کرانا چاہتے ہیں تاکہ آپ جان سکیں کہ آپ کے گرد پیش علم کی خدمت کہاں کہاں ہوتی رہی ہے یا ہو رہی ہے۔ آپ پہلے یہ جانیں کہ برصغیر پاک و ہند میں علم حدیث کب آیا۔

علم حدیث ہندوستان میں

الحمد لله وسلاماً على عباده الذين اصطفى. اما بعد :-

برصغیر پاک و ہند کو یہ فخر حاصل ہے کہ محدث کبیر حضرت الربیع بن الصبیح (۱۶۰ھ) یہاں تشریف لائے۔ سندھ شروع سے ہندوستان کے لیے اسلام کا دروازہ رہا ہے پہلی صدی ہجری کے آخری حصہ سے لے کر تیسری صدی کے نصف تک سندھ کا تعلق دمشق، مدینہ بغداد کی خلافتوں سے رہا ہے۔ پہلے مؤرخین سندھ سے آگے ہند کا آغاز کرتے تھے محمد بن قاسم کا قافلہ پہلے یہیں اُترا تھا اور پھر یہیں سے اسلام کے قافلے وسط ہند کی طرف چلے گئے تھے۔ فتوح السنہ والہند سے کون واقف نہیں۔

آپ نے مشہور محدث عبد بن حمید (۲۴۹ھ) کا نام سنا ہوگا۔ حدیث کی مشہور کتاب سند عبد بن حمید انہی کی تالیف ہے۔ یہ کہاں کے رہنے والے تھے؟ سندھ کے علاقہ کچ کے۔ اسے عربی میں کس لکھتے ہیں۔ آپ کچ میں پیدا ہوئے پھر حدیث پڑھنے کے لیے عرب پہنچے اور وہاں امام ابو حنیفہ (۱۵۰ھ) کے شاگردوں عبد الرزاق بن ہمام (۲۱۱ھ) یزید بن ہارون (۲۱۷ھ) اور علی بن عاصم (۲۰۱ھ) سے حدیث سنی اور ایک عالم ان سے حدیث میں فیضیاب ہوا۔

(نوٹ) بعض علماء نے کچ کو سمرقند کا قصبہ کیش لکھا ہے یہ صحیح نہیں۔ علامہ یاقوت حموی (۶۲۶ھ) لکھتے ہیں :-

کس (کچ) سندھ کا ایک مشہور شہر ہے اس کا ذکر مغازی میں بھی آتا ہے۔ اس شہر سے نسبت رکھنے والوں میں عبد بن حمید بن نصر الکسی صاحب مسند بن حمید بھی ہیں۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی عام آمد مسلم فاتحین کے ساتھ ہوئی۔ پھر موفیاء کرام

نے یہاں کے عوام کو متاثر کیا اور ان کے زیر اثر لوگ مسلمان ہوتے گئے۔ علوم اسلامی میں علم تفسیر اور علم فقہ نے یہاں رواج پایا۔ علم حدیث اپنی باضابطہ شکل میں یہاں کچھ بعد میں آیا ہے۔

عرب، عراق اور شام میں بھی ترتیب تقریباً یہی رہی ہے۔ سعید بن جبیر (۹۵ھ) طاؤس (۱۰۵ھ) قاسم بن محمد (۱۰۷ھ) حسن بصری (۱۱۰ھ) عطار (۱۱۵ھ) اور قتادہ بن دعامہ (۱۱۸ھ) ائمہ تفسیر پہلے ہوئے۔ امام ابو حنیفہ (۱۵۰ھ) امام اوزاعی (۱۵۷ھ) امام مالک (۱۷۹ھ) سفیان ثوری (۲۰۱ھ) امام شافعی (۲۰۴ھ) اور امام احمد (۲۴۱ھ) مجتہدین کرام ان کے بعد آئے اور ارباب فن حدیث امام بخاری (۲۵۶ھ) امام مسلم (۲۶۱ھ) اور امام ابو داؤد (۲۶۲ھ) کچھ اور بعد میں آئے۔

ہندوستان میں سندھ، گجرات، کشمیر، متحدہ صوبجات اور دہلی کے علماء علم حدیث کی طلب میں حجاز پہنچے اور بہت سے بزرگوں نے وطن واپس آکر اس ملک میں حدیث کو فروغ دیا۔ بعض بزرگ بعد میں آئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔

برصغیر پاک و ہند کے پہلے محدثین

سندھ میں علمائے دیلم فن حدیث میں بہت معروف رہے ہیں۔ ابوالحسن علی بن احمد بن محمد تیسری صدی کے نامور محدث یہیں کے تھے۔ علامہ تاج الدین السبکی (۷۷۱ھ) نے طبقات شافعیہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ابو جعفر محمد بن ابراہیم دیلمی (۳۲۲ھ) نے ابو عبد اللہ سعید بن عبد الرحمن کے واسطے سے سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ) کی کتاب التفسیر اور امام عبد اللہ بن مبارک (۱۵۶ھ) کی کتاب کتاب البر والصلہ کی احادیث روایت کی ہیں۔ ابراہیم بن محمد دیلمی مکہ مکرمہ کے مشہور محدث محمد بن ابراہیم کے بیٹے تھے۔ بغداد میں حدیث پڑھاتے رہے پھر یہاں آکر اس علم کو فروغ بخشا۔ محمد بن حسین بن محمد (۳۳۹ھ) بھی دیلم کے رہنے والے تھے۔ آپ نے شام کو اپنا مسکن بنایا۔ امام ابوالحسن علی بن عمرو دارقطنی آپ کے شاگردوں میں سے تھے۔

حسین بن محمد بن اسد ابوالقاسم دیلمی نے بھی دمشق میں قیام کیا اور امام ابوالعلی

موصلی (۳۰۷ھ) سے حدیث سُنی۔ حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ابو العباس احمد بن عبد اللہ (۳۴۳ھ) بھی اسی علاقے کے تھے۔ حاکم صاحب مستدرک ان کے شاگرد ہیں۔ سندھ کے علماء کی یہ عظیم حدیثی خدمت ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ حضرات جب ان ملکوں میں گئے تو بیشتر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔

سندھ میں علم حدیث

قرون وسطیٰ کے آخر میں سندھ میں بہت علمی شخصیتیں ابھریں۔ شیخ عبد اللہ بن سعد اللہ سندھی، شیخ رحمت اللہ سندھی، طاہر بن یوسف (۱۰۰۴ھ) مولانا عثمان سندھی شارح صحیح البخاری (۱۰۰۸ھ) شیخ عیسیٰ بن قاسم سندھی (۱۰۳۱ھ) سے کون واقف نہیں۔ شیخ ابوالحسن سندھی (۱۱۳۸ھ) وسیع النظر آزاد خیال عالم تھے جن کے عاشیے صحاح ستہ کی تقریباً سب کتابوں پر موجود ہیں۔ شیخ محمد حیات سندھی آپ کے شاگرد تھے۔ شیخ خیر الدین سورتی (۱۲۰۶ھ) نے شیخ محمد حیات سندھی سے حدیث پڑھی اور پھر سورت میں نصف صدی تک حدیث پڑھاتے رہے۔ آپ کے مدرسہ کا نام مدرسہ خیر یہ تھا۔

سندھ کے مخدوم عبدالواحد سیہوانی (۱۲۲۴ھ) بڑے عظیم المرتبت محدث تھے۔ آپ کی تالیفات الازہار المتناثرہ فی الاخبار المتواترہ اور الاربعین فی فضل المجاہدین مشہور ہیں۔ ٹھٹھہ اور بوبک سندھ کے عظیم علمی مرکز رہے ہیں۔ محدث سندھ مولانا محمد طاہر برہم پوری، مولانا محمد عثمان بوبکانی، قاضی عبدالسلام سندھی ان علاقوں کے مشہور علماء میں سے ہیں۔ شیخ رحمت اللہ سندھی کی علمی شان جاننے کے لیے یہی کافی ہے کہ حضرت تلامذہ علی قاری جیسے محدث نے ان کی بعض کتابوں کی شرحیں لکھی ہیں۔ دکنی بہ فضل و فخر۔ پیر بھنڈاکا قدیمی کتب خانہ سندھ کے علمی مرکز کی منہ بولتی تصویر ہے۔ یہاں کچھ خاندانی اختلافات ہوئے۔ مگر معلوم نہیں انہوں نے بلا وجہ کیوں مسلکی اختلاف کی شکل اختیار کر لی؟ سندھ کی علمی مرکزیت کا یہ ایک سانحہ ہے۔

حضرت پیر راشد اللہ شاہ (صاحب علم اول) کے خاندان میں راشد اللہ شاہ سجادہ نشین کے

دو بیٹوں ضیاء الدین شاہ اور احسان اللہ شاہ میں باپ کی جانشینی پر اختلاف چلا اہلبیت میں پیر ضیاء الدین آگے
تھے مگر مریدوں کے پاس آنا جانا احسان اللہ شاہ کا تھا۔ فریقین میں طے پایا کہ اس اختلاف میں دیوبند کا
فتویٰ حاصل کیا جائے دیوبند کا فیصلہ ضیاء الدین شاہ کے حق میں ہوا جس پر حضرت مفتی عزیر الرحمن صاحب
اور حضرت مولانا انور شاہؒ کے دستخط تھے احسان اللہ شاہ بگڑ کر دیوبند کے خلاف ہو گیا اور اس
کے دواڑے محبت اللہ اور میر بدیع الدین غیر مقلد ہو گئے۔ گدی پر پیر و صاحب اللہ شاہ راشدی ہیں
یہ حضرت دیوبندی مسلک کے ہیں۔

پنجاب میں علم حدیث

شیخ محمد اسماعیل محدث لاہوری (۱۲۴۸ھ) — بخارا کے سادات عظام میں
سے تھے۔ سلطان سعد غزنوی کے ساتھ (۱۲۹۵ھ) میں لاہور آئے اور پھر یہیں کے ہو
رہے۔ حضرت علی بن عثمان ہجویری (۱۲۶۵ھ) لاہور میں فرود کش ہوئے شیخ محمد بن حسن
الصغافی (۱۲۵۰ھ) صاحب مشارق الانوار تے بھی لاہور کو وطن بنایا اور مصباح الدجی فی
احادیث المصطفیٰ، کشف الحجاب فی احادیث الشہاب اور الرسالة فی الاحادیث الموضوعہ
جیسی کتابیں لکھیں۔ اس علاقے میں حدیث کی خدمت قطب الدین محمد بن علاء الدین (۱۲۹۵ھ)
نے بھی کی۔ مکہ مکرمہ اور مصر گئے اور نور الدین ابو الفتح سے حدیث کی سند لی۔ ابو یوسف محمد یعقوب
بنانی لاہوری (۱۰۹۸ھ) نے صحیحین کی شرح انجیر الجاری بشرح صحیح البخاری اور المعلم بشرح
صحیح مسلم لکھیں۔ شیخ محمد صدیق لاہوری (۱۱۹۳ھ) کے والد کابل سے پنجاب آئے اور پھر یہیں
رہ گئے۔ آپ جامع مسجد وزیر خاں لاہور میں امام تھے اور آپ کے صاحبزادہ شیخ محمد صدیق
حدیث پڑھاتے تھے۔ ان دنوں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کاہلی میں درس جاری تھا۔
پنجاب میں علم حدیث کی یہ خدمت متفرق قسم کی تھی۔ ابھی اس نے یہاں باضابطہ
تدریس کی شکل اختیار نہ کی تھی۔ ہندوستان میں جو علاقہ سب سے پہلے حدیث کا مرکز بنا۔ وہ
گجرات ہے۔ یہاں کے علماء جس کثرت سے حجاز پہنچے اور پھر جس ولولے سے انہوں نے
اپنے ہاں علم حدیث کا چرچا کیا اس کی مثال نہیں ملتی۔ ان کے بعد دہلی کا نام ہے۔ یہاں
حدیث کی مرکزیت قائم ہوئی۔ اور پھر دہلی سارے ہندوستان کا مرکز بن گیا۔

گجرات میں علم حدیث

گجرات کے علاقہ احمد آباد کے ایک عالم راج بن داؤد (۹۰۴ھ) حرمین پہنچے۔ اور حافظ شمس الدین سخاوی سے حدیث کی سند حاصل کی۔ ان کی تین روایات عشریات (حدیث تک دس واسطوں سے پہنچنے کی سند) میں سے ہیں۔ جن میں سے ایک حضرت امام ابو حنیفہؒ کے واسطہ سے مروی ہے۔ حافظ سخاوی نے الصور الامع میں راج بن داؤد کو شیخ فاضل اور بارع کامل کے الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ گجرات میں اس سے پہلے (۸۵۱ھ) کا لکھا ہوا صحیح بخاری کا ایک نسخہ ملا ہے جو لسی بکراتی عالم کے ہاتھ کا لکھا ہے۔ مکہ کے شیخ ابو القاسم بن احمد جب گجرات آئے تو اپنے ساتھ فتح الباری کا ایک قلمی نسخہ بھی لائے تھے۔ شیخ علی المصطفیٰ (۵، ۶ھ) گجرات سے جاز گئے اور حافظ سخاوی سے حدیث کی سند حاصل کی۔

شیخ محمد بن طاہر (۹۸۶ھ) صاحب مجمع البحار گجرات کے نامور عالم ہیں۔ آپ جاز سے ہی حدیث پڑھ کر آئے تھے۔ آپ کی لغات حدیث کی کتاب مجمع البحار بڑی ضخیم کتاب ہے اور اپنی مثال آپ ہے۔ آپ کے گجرات واپس آنے سے یہاں علم حدیث کو بہت فروغ ہوا۔ آپ کے عہد میں یہاں علم حدیث کا بہت چرچا تھا اور صحیح بخاری، صحیح مسلم اور مؤطا بڑے اہتمام سے پڑھی جاتی تھیں۔ شیخ عبدالقادر بکھری الگجراتی نے النور السافر ۴، ۵ کے وقائع میں لکھا ہے کہ امیر صالح الخ خاں کے ہاں ۲۷ رجب کو ختم بخاری بڑے اہتمام سے ہوتا ہے اور امیر کی طرف سے اس کے لیے ایک بڑی دعوت کا انتظام کیا جاتا ہے۔ یہ صورتحال بتاتی ہے کہ علم حدیث اس علاقے میں اس سے بہت پہلے متعارف ہو چکا تھا۔ علاقہ گجرات میں جو علماء باہر سے آئے اور یہاں درس حدیث دیتے رہے ان میں شیخ احمد بن محمد النہروانی (۹۴۹ھ) اور شیخ احمد بن بدر الدین مصری (۹۹۲ھ) مشہور ہیں۔ شیخ احمد بن بدر الدین شیخ الاسلام زکریا انصاری کے شاگرد تھے اور انہوں نے حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) سے حدیث کی سند لی تھی۔

علم حدیث وسط ہند میں

نواب صدیق حسن خاں صاحب ہندوستان میں علم حدیث کا آغاز شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) شارح مشکوٰۃ سے کرتے ہیں۔ آپ نے حجاز میں شیخ علی ملتقی صاحب کنز العمال سے حدیث پڑھی تھی۔ آپ کی علمی شہرت نے آپکو سارے ہندوستان کا مرکز بنا دیا تھا۔ یہاں تک کہ گجرات سے بھی علماء ان کے پاس پہنچتے اور حدیث کی سند لیتے تھے۔ شیخ احمد بن سلیمان گجراتی بھی دہلی آئے اور حضرت الشیخ سے اس کی سند لی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے پوتے شیخ نورالحق (۱۰۷۴ھ) نے صحیح بخاری کی شرح فارسی میں لکھی جو علماء میں بہت مقبول اور متداول ہے۔

ان حضرات کے بعد دہلی کی یہ نہضت علمی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے خاندان میں منتقل ہوئی۔ آپ کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم جو فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں اورنگ زیب عالمگیر کے ساتھ کام کر چکے تھے۔ دہلی کے مدرسہ رحیمیہ کے بانی تھے۔ آپ کے بعد آپ کے بیٹے حضرت شاہ ولی اللہ اس مسند کے وارث ہوئے۔ حضرت شاہ صاحب نے حجاز کا سفر کیا اور شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم سے دوبارہ حدیث پڑھی حضرت شاہ ولی اللہ کے بعد آپ کے بیٹے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سرپرست اسے مسند حدیث ہوئے۔ آپ کی علمی سلطنت مصر و شام اور بلخ و بخارا تک پھیلی ہوئی تھی۔ آپ کے بعد آپ کے نواسے حضرت شاہ محمد اسحق یہاں درس و افتاء کا مرجع بنے۔ یہ مسند حدیث اس وقت تک سارے ہندوستان کا علمی مرکز تھی۔ گنگوہ سے شیخ عبدالغنی حدیث پڑھنے حجاز گئے اور واپس آکر یہاں علم حدیث کی خدمت کی۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی بھی اپنے وقت میں مرجع خلافت بنے۔ اور آخری دور میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی گنگوہ میں دورہ حدیث پڑھاتے رہے۔ ان کے بعد دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور جیسے ادارے عالم وجود میں آئے اور ان سے ایک عالم سیراب ہوا۔

ہندوستان کے مدارس حدیث

علاقہ گجرات کا ٹھیا واڑ

- پُرانے دور میں ان مدارس کی علمی خدمات کا بہت چرچا تھا۔
- ۱۔ مدرسہ سرخیز اس کے بانی شیخ احمد کتوتھے۔ ۱۹۲۱ء تک اس مدرسہ کے آثار باقی رہے۔
 - ۲۔ مدرسہ شمع برہانی۔ شیخ محمد عثمان برہانی (۸۶۳ھ) — الملقب بہ شمع برہانی اس کے بانی تھے۔ اس میں حدیث بھی پڑھائی جاتی تھی۔
 - ۳۔ مدرسہ شیخ محمد طاہر (۹۸۲ھ)
 - ۴۔ مدرسہ علویہ عالیہ احمد آباد۔
 - ۵۔ مدرسہ شیخ وحیہ الدین علوی (۹۹۸ھ) شارح شرح نخبۃ الفکر۔
 - ۶۔ مدرسہ فیض صفا سلطان عالمگیر۔
 - ۷۔ مدرسہ صدر جہاں احمد آباد۔
 - ۸۔ مدرسہ عالیہ کا ٹھیا واڑ۔
 - ۹۔ مدرسہ ہدایت بخش ۱۱۰۹ھ میں بنا۔ شیخ الاسلام اکرام الدین اس کے ناظم تھے۔ علامہ سید مرتضیٰ زبیدی (۱۲۰۵ھ) شارح احیاء العلوم اسی مدرسہ میں ٹھہرتے اور درس دیتے تھے۔
 - ۱۰۔ مدرسہ لاجپور سورت۔ یہ شیخ سلیمان بن عبدالاحد نے بنایا تھا۔ انگریزوں نے ۱۲۸۹ھ میں اس پر قبضہ کر لیا اور آہستہ آہستہ اسے بند کر دیا۔ مولانا محمد حسن سملکی بانی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل اسی مدرسہ کے پڑھے ہوئے تھے۔

عہد جدید میں اس علاقے کے جو مدارس طلبہ حدیث کا مرجع ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ معروف یہ ہیں۔

- ۱۔ دارالعلوم اشرفیہ راندھیر۔ ۱۲۸۱ھ میں قائم ہوا۔ حضرت شاہ محمد اسحق محدث دہلوی اور حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے ارشاد پر حاجی اسماعیل اشرف راندھیر نے اسے

قائم کیا تھا۔ حضرت مولانا احمد علی کے شاگرد شیخ برکت اللہ اس کے پہلے صدر مدرس تھے اور پہلے مہتمم قاضی رحمت اللہ (۱۳۲۲ھ) تھے۔ پھر شیخ محمد اشرف راندھیری جو حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کے شاگرد تھے اس کے مہتمم ہوئے۔ آج کل مولانا محمد رضا جمیری اس کے شیخ الحدیث ہیں۔

۲۔ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل۔ یہ عظیم اسلامی درسگاہ (۱۳۲۲ھ) میں قائم ہوئی۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے شاگرد شیخ احمد بزرگ اس کے پہلے مہتمم ہوئے۔ آپ نے اہتمام چھوڑا تو مفتی لبیب اللہ صاحب اس کے مہتمم بنے جو ۱۳۷۱ھ تک اس منصب پر فائز رہے۔ ۱۳۷۹ھ سے اس کا اہتمام جناب احمد بزرگ کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد سعید صاحب کے پاس ہے۔ اس درسگاہ کی تاریخی عظمت اور علمی سطوت کے لیے یہ جاننا کافی ہے کہ رئیس المحدثین حضرت مولانا انور شاہ کشمیری، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت الشیخ عبدالرحمن امر دہی، محدث کبیر حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی، شیخ الاسلام حضرت مولانا شمس الحق افغانی، محدث کبیر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی، محدث العصر مولانا محمد یوسف بٹوری، حضرت مولانا حفظ الرحمن سید ہاروی جیسے جہاں ذہ علم اس میں درس حدیث دیتے رہے ہیں۔

ان دنوں شیخ الحدیث حضرت مولانا انور شاہ کشمیری کے شاگرد مولانا محمد ایوب ہیں ۱۹۷۵ء میں شیخ الازہر شیخ عبدالحلیم محمد بھی یہاں تشریف لائے تھے۔

۳۔ جامعہ حسینیہ راندھیر۔ ۱۳۲۵ھ میں قائم ہوا۔ شیخ المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے سنگ بنیاد رکھا۔ ان دنوں مہتمم ماقط اسماعیل بن احمد راندھیری اور شیخ الحدیث حضرت مولانا احمد اللہ ہیں۔ آپ کئی دفعہ انگلستان کے تبلیغی دوروں پر بھی تشریف لے گئے ہیں۔ آپ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے شاگرد ہیں۔

۴۔ فلاح الدارین ترکیب۔ ترکیب سورت سے تقریباً چالیس کلو میٹر کے فاصلے پر ہے دینی فکر رکھنے والے حاجی غلام احمد رادت شیخ آدم ٹیل، حاجی یوسف رادت، حاجی موسیٰ رادت کی محنتوں سے یہ درسگاہ قائم ہوئی۔ مفتی احمد بن ابراہیم بیات آج کل یہاں صدر مدرس ہیں۔

۵۔ دارالعلوم بھڑوچ کنٹھاریہ۔ سنگ بنیاد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی

نے رکھا۔ پہلے مدیر شیخ آدم منویری تھے جو ۱۹۷۸ء تک اس منصب پر فائز رہے۔ پھر یہ ذمہ داری جناب علی بن یوسف پر آئی۔ آج کل مولانا اسماعیل منویری جو پہلے انگلستان رہے، اس کے مدیر ہیں اور مولانا یعقوب بن اسماعیل سامرودی صدر مدرس ہیں۔

۶۔ دارالعلوم ماٹلی والا۔ جنوبی افریقہ کے جناب حاجی موسیٰ ماٹلی والا اس کے سرپرست ہیں۔ شیخ ابوالحسن بہاری صدر مدرس ہیں۔ ہندوستان کے مشہور خطیب اور مناظر اسلام حضرت مولانا عبدالحمن صاحب اسی مدرسہ میں درس حدیث دیتے ہیں۔

۷۔ دارالعلوم بڑودہ۔ مولوی دلی احمد کاوی اس کے مدیر ہیں اور شیخ الحدیث مولانا احمد رویدی ہیں۔

۸۔ جامعہ اسلامیہ آنند ضلع کیرا۔ یہ جامعہ احمد آباد سے ۵۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے پہلے یہ مدرسہ تارا پور میں تھا۔ شیخ غلام نبی تارا پوری اس کے بانی ہیں۔ آج کل صدر مدرس مولانا ابراہیم پالنپوری ہیں۔

۹۔ دارالعلوم چھابی۔ شمالی گجرات کی در بگاہ بہت قدیم ہے۔ پہلے اس کا نام مدرسہ کنتز المرغوب تھا۔ آج کل پٹنہ کے شیخ محمد سعید اس کے ناظم ہیں۔

۱۰۔ مدرسہ عربیہ اسلامیہ (ودالی)۔ ان دنوں اس کے صدر مدرس شیخ فضل الرحمن صاحب پشاور میں ہیں۔

(نوٹ ۱) بچیوں کی دینی تعلیم کے لیے علاقہ گجرات میں مدرسۃ البنات (سیمک) اور مدرسہ حیات الصالحات (راندھیر) خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ کئی اور مقامات پر بھی بچیوں کی درسگاہیں قائم کی جا رہی ہیں۔

(نوٹ ۲) اس علاقہ میں مولانا احمد بن محمد سامرودی (۱۳۱۵ھ) سے ”الحدیث“ مکتب فکر قائم ہوا۔ آپ دہلی گئے اور مولانا نذیر حسین صاحب سے حدیث پڑھی۔ آپ کے بعد مولانا محمد علیل سامرودی اس مسلک کا مرکز بنے۔ مولانا رحمت اللہ لاچپوری نے بھی پال جا کر حسین بن محسن یمانی سے حدیث پڑھی۔

دہلی کے مدارس حدیث

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۲۵ھ) سے دہلی میں علم حدیث کا چرچا ہوا۔ ہندوستان کے طلبہ مختلف اطراف سے یہاں آتے اور حدیث کا درس لیتے تھے۔ شیخ سلیمان ابو احمد الکودی یہیں سے پڑھ کر گجرات گئے تھے۔ ان کے بعد دہلی میں دورہ حدیث کی باقاعدہ شکل مدرسہ رحیمیہ سے شروع ہوئی۔ اس کے مدیر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے والد حضرت شاہ عبد الرحیم رحمۃ اللہ تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ اپنے والد سے تکمیل علوم کے بعد ۱۱۴۳ھ میں حجاز پہنچے اور شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم سے حدیث کی سند لی۔ مدرسہ رحیمیہ کی علمی سلطنت بلخ اور بخارا اور مصر و شام تک پہنچی۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) حضرت شاہ محمد اسحق محدث دہلوی ۱۸۴۶ء کے بعد دیگرے اس کے مند نشین رہے۔

ان سند نشینوں کے پہلو بہ پہلو جنہوں نے حدیث و تفسیر کی خدمات سرانجام دیں ان میں حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی (۱۲۳۰ھ) حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی (۱۲۳۳ھ) حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی (۱۲۲۵ھ) شاہ اسماعیل شہید (۱۲۴۶ھ) شاہ عبدالغنی مجددی اور مولانا مملوک علی سرفہرست ہیں۔

دہلی میں انگریزی تسلط کے باعث اس مدرسہ پر بھی تاخست و تاراج ہوئی یہاں مولانا نذیر حسین دہلوی صاحب کو مند نشین بنادیا گیا۔ مولانا نذیر حسین صاحب کا مسلک حضرت شاہ محمد اسحق صاحب کے مسلک سے کچھ مختلف تھا۔ لیکن دور دراز کے طلبہ اس سے واقف نہ تھے۔ وہ پچھلی شہرت کی بنا پر برابر اس مدرسہ کی طرف کھینچے جاتے رہے۔ مولانا نذیر حسین کے کثرتِ تلامذہ کی وجہ ان کی شخصیت نہیں مدرسہ رحیمیہ کی مرکزی شہرت تھی یہی وجہ ہے کہ آپ کے تلامذہ میں ہر مسلک کے لوگ نظر آتے ہیں۔ مولانا نذیر حسین صاحب نے خود بھی حضرت شاہ محمد اسحق صاحب سے حدیث پوری نہ پڑھی تھی۔ اطراف سنا کر مندلے لی تھی۔

حکومت اب اس مدرسہ سے کسی وجہ میں خائف نہ تھی۔ بلکہ اس مدرسہ میں جو

فکری نزاع اور فقہی اختلاف راہ پار ہے تھے۔ انگریز حکومت کے لیے حوصلہ افزا تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ مسلمان جس قدر فرقوں میں تقسیم ہوں گے اتنا ہی ان کا اقتدار طویل ہوگا۔

مولانا امیر علی بن معظم علی (۱۳۴۷ھ) صاحب مواہب الرحمن و عین الہدایہ و مترجم فتاویٰ عالمگیری مولانا فاروق احمد چڑیا کوٹی مولانا نذیر حسین صاحب کے خاص تلامذہ میں سے ہیں۔ آپ نے ان کتابوں کے ترجمے عربی دان ہونے کی وجہ سے کیے ہیں جنہیں بزرگ نہیں سمجھتے۔ حضرت مولانا ویدانماں (۱۳۳۸ھ) کا ترجمہ شرح وقایہ کتنا مقبول ہے۔ مگر مسلمان آپ غیر مقلد تھے اور میلان شیطیت کی طرف تھا۔ معلوم نہیں جماعت اہل حدیث انہیں اپنے بزرگوں میں سے کیوں سمجھتے

دہلی کی اس مرکزی درسگاہ میں یہ انقلاب آیا تو حضرت شاہ عبدالغنی مجددی اور مولانا مملوک علی کے تلامذہ دوسرے شہروں کی طرف رخ کرنے لگے۔ اکابر اب نئے مدارس قائم کرنے کی تلاش میں نکلے۔ یہاں تک کہ دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور، مدرسہ شاہی مراد آباد، مفتاح العلوم مظفرنگر جیسی درسگاہیں قائم ہوئیں۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ دہلی ان کی توجہ کا برابر مرکز رہا۔ دہلی کی مرکزی درسگاہ مدرسہ رحیمیہ گو حکومت کے تسلط میں چلی گئی تھی۔ لیکن ان حضرات نے دہلی کے دوسرے علاقوں میں حدیث کی نئی درسگاہیں قائم کر لیں اور کچھ پھیلی درسگاہوں کو اور آباد کیا اور اس طرح اسی علاقہ کی ذمہ داری پوری طرح سنبھال لی۔ دہلی کے ان مدارس حدیث میں زیادہ مشہور یہ درسگاہیں ہوئیں۔

۱۔ مدرسہ امینیہ۔ اس مدرسہ کی علمی عظمت کے لیے یہ جانتا کافی ہے کہ مفتی اقلیم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی سالہا سال اس مدرسہ کے شیخ الحدیث رہے اور دارالعلوم دیوبند کے بعد یہ درسگاہ ہے جو سالہا سال مرجع طلبہ و علماء رہی رہے۔ مولانا انور شاہ صاحب بھی یہاں پڑھاتے رہے ہیں۔

۲۔ مدرسہ جامع مسجد فتح پوری۔ دیوبند کے مشہور محدث مولانا شبیر احمد عثمانی اس مدرسہ کے شیخ الحدیث رہے۔ بعد میں آپ دیوبند اور ڈابھیل تشریف لے گئے۔ مدرسہ مسلک دیوبند کمطابق تھا۔ مگر جامع مسجد فتح پوری کا نظم ان کے ہاتھ میں نہ تھا۔

۳۔ مدرسہ عبدالرب دہلی۔ ہندوستان کے نامور عالم مولانا عبدالعلی یہیں پڑھاتے تھے۔

یوپی کے مشہور مدارس حدیث ہندوستان کی سب سے بڑی دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند اسی صوبہ میں ہے گولڑہ کے مولانا فیض احمد حضرت پیر مہر علی صاحب کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

۱۲۹۰ھ میں ہندوستان تشریف لے گئے ان دنوں وہاں لکھنؤ۔ دیوبند۔ رام پور۔ کانپور۔ علی گڑھ۔ دہلی اور سہارنپور میں بڑے بڑے علمی مراکز قائم تھے لکھنؤ میں مولانا عبدالحی موتی ۱۳۰۳ھ مرجع خلافت تھے جن کی ذات محتاج تعارف نہیں دیوبند میں مدرسہ کا افتتاح ۱۲۸۳ میں ہو چکا تھا اور مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کی سرپرستی میں یہ مدرسہ کافی ترقی کر رہا تھا ان ایام میں وہاں مولوی محمد یعقوب صاحب نانوتوی خلیفہ مولوی مملوک علی صاحب مدرس اعلیٰ تھے جو اجیر شریف میں بھی مدرس رہ چکے تھے۔۔۔۔۔ رام پور میں مولانا فضل حق خیر آبادی کے فرزند مولانا عبدالحق مدرسہ عالیہ نواب صاحب کے پرنسپل تھے لے

مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ پہلے اجیر شریف مدرس اعلیٰ رہے پھر دیوبند۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں اجیر شریف اور دیوبند میں کوئی تسلیٰ بعد نہ تھا دونوں اہل سنت و الجماعت کی دینی درسگاہیں سمجھی جاتی تھیں مولانا محمد یعقوب صاحب کے دیوبند آنے کے بعد اجیر میں مولانا معین الدین صاحب صدر مدرس ہوئے یہ وہی بزرگ ہیں جنہوں نے مولانا احمد رضا خاں صاحب کے خلاف تجلیات انوار المعین نامی کتاب لکھی اور ان کے شوق تکفیر کی سخت مخالفت کی ہے۔

بریلی کا مدرسہ مصباح العلوم ۱۲۸۹ھ میں قائم ہوا اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ نے دیوبند سے آکر اس کا افتتاح کیا مولانا احمد رضا خاں کا مدرسہ اس کے تقریباً نصف صدی بعد بنا اس کا پہلا سالانہ جلسہ ۱۳۲۹ میں ہوا۔ مظاہر العلوم سہارنپور مدرسہ شاہی مراد آباد اپنے اپنے درس حدیث میں پورے ہندوستان کا مرکز تھے۔

لکھنؤ کے مشہور مدارس

حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی کی ذات محتاج تعارف نہیں مدرسہ عالیہ فرنگی محل پورے ہندوستان کا علمی مرکز تھا ہندوستان کی عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ بھی یہیں

ہے مولانا شبلی اور حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کا مرکز علم بھی مدوہ ہے حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کا عظیم علمی مرکز بھی یہیں تھا جس کی عالمی شہرت تھی اور دوسرے ممالک کے علماء بھی یہاں کھینچے چلے آتے تھے۔

بنگال کے مدارس حدیث

۱۔ جامعہ امدادیہ کشور گنج۔ حضرت مولانا اطہر علیؒ خلیفہ حضرت تھانویؒ کا قائم کردہ سہاب اس کے نائب مہتمم مولانا عطاء الرحمن خاں ہیں جو بنگلہ دیش کی مدارس عربیہ کی تنظیم وفاق المدارس العربیہ بنگلہ دیش کے ناظم عمومی بھی ہیں۔

۲۔ مدرسہ نوریہ اشرف آباد ڈھاکہ۔ اس کے مہتمم مولانا عظیم الدین ہیں۔

۳۔ جامعہ محمدیہ، محمد پور ڈھاکہ۔ مہتمم مولانا عزیز الحق اور مفتی اور نائب صدر کے طور پر مولانا منصور الحق کام کر رہے ہیں۔

۴۔ مدرسہ اسلامیہ بدلوٹ نواکھلی۔ مولانا حبیب اللہ صباح اس کے مہتمم ہیں۔

۵۔ جامعہ قرآنیہ لال باغ ڈھاکہ۔ قائم کردہ مجاہد اعظم مولانا شمس الحق فرید پوری۔

۶۔ جامعہ کمرنگیر چیر (ڈھاکہ) تحریک خلافت کے قائد مولانا محمد اللہ حافظ جی کا قائم کردہ ہے۔

۷۔ جامعہ اشرف العلوم بڑا کٹرہ ڈھاکہ۔

۸۔ دارالعلوم اعزازیہ جسر حضرت مولانا شاہ ابوالحسن خلیفہ مفتی عزیز الحق صاحب (

۹۔ دارالعلوم اسلامیہ پورشا (راجشاہی)

۱۰۔ دارالعلوم خادم الاسلام گوہر ڈانگہ گوپال گنج فرید پور۔ باہتمام مولانا عبدالمنان (قائم کردہ شاہ مولانا عبد الوہاب)

۱۱۔ جامعہ مدنیہ اسلامیہ قاضی بازار سلہٹ، بنگلہ دیش، مولانا حبیب الرحمن رئیس جامعہ ہیں۔

۱۲۔ مدرسہ نوریہ اشرف آباد (ڈھاکہ) مولانا عظیم الدین۔

۱۳۔ دارالعلوم معین الاسلام جامعہ اہلیہ ہاٹھزاری صائغام (چٹاگانگ) حضرت مولانا محمد ابراہیم

بلیاوی بھی کچھ عرصہ یہاں صدر مدرس رہے ہیں اس کے سرپرست حضرت تھانوی تھے اب

صدر حضرت علامہ احمد شفیع خلیفہ حضرت مدنیؒ ہیں اسے اس علاقہ کا دیوبند سمجھا جاتا ہے

- ۱۴۔ جامعہ اسلامیہ (ضمیرِ قاسم العلوم) پٹیہ صا تغام قطب الارشاد حضرت مولانا گنگوہیؒ کے خلیفہ مولانا ضمیر الدین نے اسے قائم کیا اس کے صدر شیخ المشائخ مولانا محمد یونس ہیں۔
- ۱۵۔ جامعہ عربیہ اسلامیہ جیری صا تغام۔ زبدۃ الفقہ مفتی نور الحق صاحب جو اس علاقے میں ختم نبوت کا کام بھی کر رہے ہیں اس کے صدر ہیں
- ۱۶۔ جامعہ قاسم العلوم چاریہ ہاٹھڑی صا تغام۔ اسے محدث العصر مولانا سعید احمد نے قائم کیا تھا آپ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے بھی رکن تھے اس مدرسہ کے مہتمم اب آپ کے صاحبزادہ عزیز احمد ہیں۔
- ۱۷۔ جامعہ عزیز العلوم بابونگر فتکچری صا تغام۔ اس کے رئیس زبدۃ العارفین مولانا محمد ہارون تھے
- ۱۸۔ جامعہ اسلامیہ عبیدیہ ناتوں پور چٹاگاٹک غظیم روحانی شخصیت شیخ سلطان احمد اس کے مہتمم ہیں یہ مدرسہ مرجع خواص و عوام رہا ہے۔ اور ہے
- ۱۹۔ جامعہ اسلامیہ مظاہر العلوم چکائی صا تغام۔ حضرت تھانویؒ کے متوسلین میں سے مولانا اسماعیل اس کے روح رواں ہیں۔
- ۲۰۔ جامعہ اسلامیہ ناظر ہاٹ فتکچری صا تغام (مولانا شاہ نور احمد)
- ۲۱۔ جامعہ دارالسنہ ٹھیلہ لکسبازار صا تغام بانی حضرت گنگوہیؒ کے خلیفہ زبدۃ العارفین قاری ابراہیم تھے اب مہتمم مولانا منظور احمد ہیں۔
- ۲۲۔ جامعہ اسلامیہ اوجانی (چاند پور) ۲۲۔ مدرسہ عزیزہ امداد العلوم راؤ جان چانگام
- ۲۳۔ جامعہ نور العلوم فیضی نواکھلی ۲۵۔ مدرسہ فیضیہ عیسیٰ پور (مولانا عبدالرحمن)
- ۱۳۔ مدرسہ فریدیہ — حضرت تھانویؒ کے خلیفہ ارشد اس کے بانی تھے۔

پاکستان کے مدارس حدیث

بلوچستان میں

۱۔ جامعہ عربیہ مطلع العلوم (رجسٹرڈ) بروری روڈ کوئٹہ۔

مولانا عرض محمد ملیز حدیث حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی و خلیفہ مجاز شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری اس کے بانی ہیں آپ کی وفات ۱۹۷۱ء کے بعد مولانا عبدالواحد اس کے مہتمم ہوئے ۱۹۴۰ء سے یہاں دورہ حدیث ہو رہا ہے حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری کے شاگرد مولانا محمد سعید شیخ اکھیت ہیں مدرسہ وفاق سے ملحق ہیں

۲۔ مدرسہ مظہر العلوم شالدرہ کوئٹہ

۱۹۴۳ء میں قائم ہوا مولانا عبدالغفور صاحب شاگرد حضرت مدنیؒ اس کے بانی مہتمم اور پیلے شیخ اکھیت ہیں اب مولانا عبداللہ جمیری شیخ اکھیت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں

۳۔ مدرسہ مفتاح العلوم سٹیلائیٹ کوئٹہ شہر۔

وفاق سے ملحق ہے۔ مولانا عبدالباقی اس کے مہتمم اور شیخ اکھیت ہیں۔

۴۔ جامعہ رحیمیہ کوئٹہ

حاجی محمد رحیم رئیس اعظم کوئٹہ اس کے بانی ہیں۔ مطلع العلوم کے پرانے فاضل مولانا عبدالستار شاہ اس کے مہتمم اور شیخ اکھیت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

۵۔ مدرسہ تجوید القرآن کوئٹہ

قاری غلام نبی اس کے بانی ہیں حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی نے اس کا سنگ بنیاد رکھا۔ اب حضرت مدنیؒ کے شاگرد قاری مہر اللہ اس کے مہتمم ہیں اب یہاں حدیث کا درس بھی شروع کر دیا گیا ہے قاضی عبدالقادر صاحب شیخ اکھیت ہیں۔

۶۔ مدرسہ بحر العلوم منہ (زیارت)

اس کے بانی مولانا جان محمد ہیں اور شیخ اکھیت

۷۔ جامعہ انوار العلوم کوئٹہ (زیارت)

اس کے بانی مولانا نیاز محمد فاضل قاسم العلوم ملتان ہیں۔ ۱۹۷۰ء سے دورہ حدیث

شروع ہے آپ ہی اس کے مہتمم اور شیخ الحدیث ہیں۔ وفاق سے ملحق ہے جامعہ کے بورڈ پر لکھا ہے یادگار حضرت شیخ لاہوری۔

۸۔ دارالعلوم الاسلامیہ (نورالانی) اس علاقے کی یہ مرکزی درسگاہ ہے۔

۹۔ مدرسہ مفتاح العلوم پنجگور (مکران)

حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے تلمیذ خاص مولانا رحمت اللہ اس کے بانی مہتمم اور شیخ الحدیث ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی مدارس بلوچستان میں دین کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔

سندھ میں

۱۔ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۵

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری شارح ترمذی شریف نے اسے قائم کیا آپ اس کے پہلے شیخ الحدیث ہیں آپ کے بعد حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب اس کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور حضرت مولانا مفتی احمد الرحمن صاحب (جو حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کھیلپوٹی سابق صدر مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے صاحبزادے ہیں) اس کے مہتمم مقرر ہوئے نائب مہتمم ڈاکٹر حبیب مختار ہیں جو امام ترمذی کے موضوع خاص دینی الباب پر تحقیقی کام کر رہے ہیں۔ محدث شہیر حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی شاگرد خاص حضرت مولانا سید الفیاض شاہ صاحب کشمیری بھی یہاں کے مشہور استاد حدیث ہیں جو تیس سال سے یہاں کام کر رہے ہیں۔

۲۔ دارالعلوم کراچی

فقہ العصر مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع مؤلف تفسیر معارف القرآن اس کے بانی ہیں حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی سالہا سال یہاں شیخ الحدیث رہے حضرت مرحوم کے صاحبزادگان مفتی محمد رفیع عثمانی اور حبشس مولانا تقی عثمانی کی علمی شخصیات اور ساعی جیلہ سے دارالعلوم بہت ترقی پر ہے شیخ الحدیث حضرت مولانا سبجان محمود حدیث میں ممتاز علمی شہرت رکھتے ہیں۔ دارالعلوم کی وسیع لائبریری ہے مستقل دارالتالیف ہے ماہنامہ البلاغ اس کا علمی آگرن ہے

۳۔ جامعہ فاروقیہ کراچی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صدوق المذاہب العربیہ جو حضرت مولانا مسیح اللہ خاں خلیفہ ارشد حکیم الامتہ حضرت مولانا تھانوی کے زیر اہتمام — منظر نگریں سالہا سال درس حدیث دیتے رہے ہیں اس کے ہتھم اور شیخ الحدیث ہیں۔ جامعہ کی عظمت اور خدمت کے لیے حضرت کا نام نامی کافی ضمانت ہے مدرسہ نہایت عالی شان دار الاقامہ عظیم جامع مسجد اور اعلیٰ دفتری نظام سے ممتاز ہے

۴۔ انوار القرآن آدم ٹاؤن نارتھ کراچی

حافظ الحدیث حضرت مولانا عبد اللہ درخواستی نے اسے ۱۹۷۵ء میں قائم کیا مولانا فدا الرحمن درخواستی اس کے ہتھم ہیں مولانا انیس الرحمن درخواستی اس کے پہلے استاد حدیث ہیں اب دورہ حدیث بھی شروع کر دیا گیا ہے۔

۵۔ انوار العلوم کراچی

مولانا محمد زکریا فاضل دیوبند لکھنؤ صوبائی اسمبلی اس کے ہتھم ہیں مدرسہ کی عظیم جامع مسجد وسیع عمارات عمدہ نظام تعلیم اور طلبہ کی کثرت سے پورے سندھ میں مشہور ہے۔

۶۔ مدرسہ مفتاح العلوم حیدرآباد

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الرؤف سندھ کی مشہور علمی شخصیت اس کی روح رواں ہیں۔ حضرت مولانا عبدالحق ناظم اعلیٰ ہیں۔ یہ مدرسہ پورے حیدرآباد کا علمی مرکز سمجھا جاتا ہے۔

سرحد میں

۱۔ جامعہ امداد العلوم پشاور۔ حضرت مولانا فقیر محمد خلیفہ حضرت تھانوی کے صاحبزادے مولانا

عبد الرحمن اس کے ہتھم ہیں حضرت مولانا فقیر محمد صاحب کی روحانی سرپرستی میں یہ مدرسہ بہت کام کر رہا ہے۔

۲۔ دارالعلوم سرحد مولانا محمد ایوب بنوری اس کے ہتھم اور شیخ الحدیث ہیں۔ سرحد کا مرکزی مدرسہ ہے

۳۔ جامعہ اشرفیہ پشاور مولانا محمد یوسف قریشی اس کے ہتھم ہیں حضرت مولانا عبد الرحمن (لاہور) اسکے سرپرست ہیں۔

۴۔ مدرسہ ہادیہ نوبہار کالونی پشاور میں ہے۔

۵۔ دارالعلوم نغانیہ ڈیرہ اسماعیل خاں مولانا علاء الدین اس کے ہتھم اور شیخ الحدیث مولانا احمد حسین ہیں۔

۶۔ دارالعلوم نجم المدارس کلاچی (ڈیرہ) پاکستان کی مشہور علمی شخصیت مولانا قاضی عبدالکریم اس کے مہتمم ہیں۔ قاضی عبداللطیف ممبر پاکستان سینٹ آپکے بھائی ہیں۔

۷۔ معراج العلوم بنوں حضرت مولانا صدر الشیہ سابق ممبر قومی اسمبلی پاکستان اس کے شیخ الحدیث اور مہتمم ہیں۔

۸۔ دارالعلوم الاسلامیہ لکی مروت مولانا فضل اللہ امیر تنظیم اہل سنت صوبہ سرحد اس کے مہتمم ہیں
۹۔ دارالعلوم شیر گڑھ ضلع سردان - ۱۰۔ دارالعلوم رستم ضلع مردان ۱۱۔ مدرسہ تحفظ القرآن مردان
۱۲۔ دارالعلوم الاسلامیہ اضار خیل تحصیل نوشہرہ (مہتمم مولانا ثار اللہ مشکوٰۃ تک حدیث کی تعلیم ہے
۱۳۔ جامعہ الاسلامیہ اکوڑہ خشک مولانا بادشاہ گل اس کے بانی ہیں ان کے صاحبزادے مولانا گوہر علی شاہ آج کل اس کے مہتمم ہیں۔

۱۴۔ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خشک یہ صوبہ سرحد کا بڑا دینی مدرسہ ہے اس کے شیخ الحدیث شام ترمذی شریف حضرت مولانا عبد الحق سابق استاد حدیث دارالعلوم دیوبند ہیں آپ پاکستان کی قومی اسمبلی کے ممبر بھی ہیں آپ کے صاحبزادے مولانا مسیح الحق مدرسہ کے مالک و آرگن الحق کے مدیر اعلیٰ ہیں۔

۱۵۔ جامعہ اشاعت القرآن حضرو مولانا محمد صابر مولانا عبد السلام اور مولانا محمد امتیاز اس کے ممتاز اساتذہ حدیث ہیں مہتمم مولانا سکندر خاں ہیں۔ یہاں کا دورہ حدیث پورے علاقے میں مشہور ہے۔

۱۶۔ مدرسہ تعلیم القرآن کوہاٹ حضرت مولانا نعمت اللہ شاگر و شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی اس کے شیخ الحدیث ہیں

۱۷۔ جامعہ مدنیہ انک قاضی محمد زاہد انیسینی خلیفہ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری اس کے مہتمم ہیں

۱۸۔ مدرسہ مظہر العلوم سوات مہتمم مولانا فضل احمد کے اہتمام میں یہ اس علاقے کا علمی مرکز ہے

۱۹۔ مدرسہ اسلامیہ رحمانیہ (بہبودی) حضرت مولانا عبد الرحمن کیمپوری سابق صدر مدرس منظم العلوم سہارنپور کی یاد میں یہ مدرسہ قائم ہے۔

۲۰۔ دارالعلوم نصیریہ (غورخشتی) یہ مدرسہ شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین صاحب خلیفہ حضرت مولانا حسین علی کی یاد میں ساہا سال سے حدیث کی خدمت سرانجام دے رہا ہے

- ۲۱۔ مدرسہ عربیہ سراج العلوم جھڑی (ہزارہ) مولانا سید غلام نبی شاہ صاحب اسکے مہتمم اور صدر مدرس ہیں
- ۲۲۔ مدرسہ معارف القرآن جامع مسجد مانسہرہ، شیخ الہند کے شاگرد اور کارکن خلافت مولانا محمد اسحاق کا قائم کردہ ہے ان دنوں مہتمم مولانا عبداللہ خالد سرپرست مجلس ختم نبوت، ہیں
- ۲۳۔ مدرسہ قاسم العلوم مانسہرہ (مہتمم مفتی داؤد) ۲۴۔ جامعہ حسنیہ شنکیاری (مولانا نواب حسین شاہ)
- ۲۴۔ دارالعلوم شہید بہ بالا کوٹ (قاضی خلیل احمد) ۲۵۔ جامعہ اسماعیل شہید بستی سریش (مولانا محمود الحسن)
- ۲۶۔ مدرسہ احسن المدارس سکندر پور تحصیل ہری پور ۲۷۔ مدرسہ بڑی گھاٹ ضلع الگ (مولانا عبدالحی)
- ۲۸۔ مدرسہ انوار الاسلام کمال ایبٹ آباد (مولانا شفیق الرحمن)
- ۲۹۔ مدرسہ بستی دولت ضلع ایبٹ آباد (قاضی محمد صادق) ۳۰۔ مدرسہ معہد القراء مانسہرہ (قاضی فضل بنی حسن)
- ۳۱۔ مدرسہ عربیہ نواں شہر ایبٹ آباد (قاضی محمد نواز) ۳۲۔ مدرسہ حاجی خونا گل منگورہ ضلع سوات
- سرخد میں اور بھی کئی مدارس ہیں جہاں حدیث پڑھائی جاتی ہے

کشمیر میں

- ۱۔ جامعہ اسلامیہ راولا کوٹ مولانا عبدالعزیز فاضل دیوبند خطیب جامع مسجد اس کے مہتمم ہیں
- ۲۔ دارالعلوم تعلیم القرآن پلندری — شیخ الہند کے شاگرد مولانا غلام حیدر اس کے بانی تھے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف فاضل دیوبند ہیں جو منگ (پلندری سے ۵ میل شمال) کے ہیں
- ۳۔ جامعہ العلوم الاسلامیہ ایبٹ ۲ سیر پور انگلینڈ کے کلج محمد بوستان اسکے بانی اور مہتمم ہیں۔
- ۴۔ مدرسہ عربیہ جاری خطیب الاسلام مولانا محمد الیاس اسکے صدر مدرس اور مہتمم ہیں
- ۵۔ مدرسہ تعلیم القرآن باغ مولانا امین الحق اس کے مہتمم ہیں۔ بانی مولانا محمد عبداللہ تھے۔
- ۶۔ مدرسہ انوار العلوم دھیر کوٹ مولانا عبدالحی اس کے مہتمم ہیں۔
- ۷۔ مدرسہ فاروقیہ جامع مسجد عمر کٹرک راولا کوٹ حاجی محمد ابراہیم خاں اس کے بانی اور مولانا محمد سعید مہتمم ہیں۔
- جامعہ صدیقہ کلیال سیر پور مولانا عبدالغفور صاحب اس کے مہتمم ہیں خطیب حضرت مولانا عبدالشکور ہیں

پنجاب میں

- پنجاب میں تینوں مسالک کے اپنے مدارس ہیں (۱) مسلک اہل سنت و جماعت دیوبند۔
- (۲) مسلک جماعت اہل حدیث (غیر مقلدین) اور مسلک بریلوی کچھ مدارس جماعت اسلامی کے ہیں
- خانقاہی مدارس جیسے تونسہ شریف اور گولڑہ شریف کے مدارس ان کے علاوہ ہیں انکی اپنی انفرادیت ہے

مسکات اہل سنت دیوبند

۱۔ جامعہ قاسم العلوم فقیر والی ضلع بہاولنگر۔ قائم شدہ ۱۹۳۷ء۔
جامع شریعت و طریقت مولانا فضل محمد صاحب تلمیذ رشید شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی
نے ۱۵ اگست ۱۹۳۷ء میں اسکی بنیاد رکھی آپ حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے بیعت تھے
اور آپ نے زیادہ تر تعلیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں پائی نصف صدی تک آپ اسی مدرسہ کے
مہتمم رہے صدر جہ ذیل علماء اعلام نے اس درسگاہ کو تدریس کا شرف بخشا ہے۔
۱۔ حضرت مولانا عبدالکریم گتھلوی خلیفہ ارشد حضرت تھانویؒ والد گرامی مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی
ساہیوال ضلع سرگودھا۔

۲۔ حضرت مولانا فاروق احمد برادر زادہ عمدۃ المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ
۳۔ حضرت مولانا عبدالقدیر محدث کیمپوری تلمیذ رئیس المحدثین حضرت مولانا سید الفیاض شاہ صاحب کشمیریؒ
۴۔ حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ راپٹوری تلمیذ رشید حضرت شیخ الہند و ہم سبق شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ
۵۔ حضرت مولانا محمد نعیم دیوبندی صاحب کمالین علی اکبرالین۔

۶۔ شیخ الحدیث مولانا عبداللہ راپٹوری خلیفہ ارشد حضرت شاہ عبدالقادر راپٹوری و حضرت شیخ الحدیث
نوٹ۔ مدرسہ ہذا ۸۴ کنال رقبے پر مشتمل ہے مہتمم صاحبزادہ مولانا محمد قاسم اور شیخ الحدیث
مولانا بشیر احمد قادری نعانی ہیں مدرسہ میں امام ابو حنیفہ اکیڈمی بھی قائم ہے مدرسہ اس لحاظ سے خوش قسمت
ہے کہ دارالافتاء کا قلم عرصہ چالیس سال سے مولانا عبداللطیف فاضل دیوبند کے ہاتھ میں ہے۔

جامع العلوم بہاولنگر اس علاقے کا دوسرا مرکزی مدرسہ ہے علاقہ چین کے حضرت مولانا نیاز احمد فاضل
دیوبند سالہا سال سے یہاں دورہ حدیث پڑھا رہے ہیں۔

۲۔ جامعہ رشیدیہ ساہیوال۔

پہلے راپٹور (ضلع جالندھر) میں ۱۹۰۰ میں قائم ہوا پھر شگوری میں ۱۹۳۸ء میں اس کی
نشاۃ جدید ہوئی حضرت شاہ عبدالرحیم راپٹوری نے اس کا سنگ بنیاد رکھا اور حضرت گنگوہیؒ کی نسبت
سے یہ رشیدیہ سے موسوم ہوا حضرت گنگوہیؒ کے خلیفہ حافظ محمد صالح غالباً اس کے پہلے مہتمم اور
حضرت شیخ الہندؒ کے تلمیذ خاص حضرت مفتی فقیر اللہ صاحب راپٹوری اس کے صدر مدرس تھے

حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب بھی اس میں پڑھاتے رہے ہیں پاکستان بننے پر مولانا حبیب اللہ شاگر
خاص حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ نے اسے شروع کیا اور آپ کی نظامت میں مدرسہ بہت جلد
ملک کا مرکزی ادارہ بن گیا شیخ الحدیث مولانا عبداللہ رائے پوری رحمہ کی شخصیت کی کشش ہے کہ مرکز تبلیغ
رائے ونڈ کے طلبہ دورہ حدیث کے لیے یہاں آتے ہیں دوسرے مشہور اساتذہ میں حضرت علامہ غلام
رسول کا نام نامی سرفہرست ہے پاکستان کے دیگر سب مدارس تاریخی حیثیت سے اس کے بعد کے
بعد کے ہیں اس پہلو سے اسے ام المدارس العربیہ پاکستان کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔
۳۔ جامعہ اشرفیہ لاہور۔

مخدوم العلما حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب خلیفہ ارشد حضرت حکیم الامت نے امرتسر
سے لاہور آنے پر اس جامعہ کی بنا رکھی امرتسر میں آپ مدرسہ نعمانیہ کے صدر مدرس تھے لاہور آنے
پر آپ نے نیلا گنبد کی ایک متروکہ عمارت میں جامعہ کا آغاز کیا جامعہ نے بہت جلد ہی ترقی کی اور
اب یہ پاکستان کی عظیم دینی درسگاہ مسلم پارک میں ایکڑ زمین میں نہایت عمدہ بصورت منظر
اور انتہائی دلکش فضا اور بلند شان عمارات میں قائم ہے اسے پاکستان کا دیوبند کہنا بے جا نہ ہوگا۔
دارالعلوم کے مشہور اساتذہ جامع منقول و معقول استاذ المحدثین حضرت مولانا رسول خاں، شیخ
الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی حضرت مولانا مفتی جلیل احمد تھانوی سابق مفتی اعظم
و استاذ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور مولانا سید فیض علی شاہ سابق مدرس دارالعلوم دیوبند، اس میں
سالہا سال درس حدیث دیتے رہے ہیں ان دنوں مولانا محمد مالک کاندھلوی، حضرت مولانا محمد سرور
صاحب خلیفہ ارشد حضرت مفتی محمد حسن صاحب امرتسری محدث جلیل حضرت مولانا محمد موسیٰ بازی
اور شیخ التفسیر والحدیث مولانا عبدالرحمن زینت آزاد مسند حدیث ہیں حضرت مفتی صاحب رحمہ کے بڑے
صاحبزادے حضرت مولانا عبید اللہ صاحب اس کے مہتمم ہیں۔ جامعہ نیلا گنبد شاخ کا اہتمام مولانا
حافظ فضل رحیم تلمیذ رشید حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمہ کے ہاتھ میں ہے طالبات کے مدرسہ فیصل
کے بھی آپ ہی مہتمم ہیں۔ جامعہ کا مالدانہ آرگن اکھن ہے۔

۴۔ جامعہ خیر المدارس ملتان

محدث پنجاب حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ نے ۹ مارچ ۱۹۳۱ء میں جالندھر میں اس کی

بنیاد رکھی خیر المدارس کو حضرت مولانا انور شاہ کشمیری اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی تاحیات سرپرستی حاصل رہی تقسیم ملک کے بعد حضرت مولانا جالندھری نے ۱۸ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ملتان میں اس کی نشاۃ ثانیہ کا سنگ بنیاد رکھا اور جامعہ اپنی تعلیمی خصوصیات کے باعث بہت جلد پاکستان کا دارالعلوم دیوبند بن گیا ملک کی مشہور تنظیم وفاق المدارس العربیہ کی بنیاد یہیں ڈالی گئی اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب تاحیات اس کے صدر رہے اب تک وفاق کا دفتر بھی یہیں چلا آتا ہے۔

اکابر اساتذہ حدیث میں حضرت مولانا عبدالرحمن کمیلپوری سابق صدر مدرس مظاہر العلوم سہارنپور محدث العصر علامہ محمد شریف کشمیری، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ راپٹوری، شیخ الحدیث حضرت مولانا فیض احمد صاحب، شیخ الحدیث حضرت مولانا جمال الدین صاحب، شیخ الحدیث حضرت مولانا نذیر احمد، حضرت مولانا مفتی عبدالسار صاحب حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب ملتان حضرت مولانا محمد صدیق صاحب حضرت مولانا منظور احمد صاحب کے اسماء گرامی سرفہرست ہیں۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا محمد شریف جالندھری اس کے ہتھم ہوئے۔ جامعہ کی خدمات سرانجام دینے کے بعد آپ نے کوئٹہ مکرّمہ میں وصال فرمایا اور جنت المعلیٰ میں دفن ہوئے ان کے بعد مجلس شوریٰ نے جامعہ خیر المدارس ملتان کا اہتمام ان کے بیٹے مولانا محمد حنیف جالندھری کے سپرد کیا آپ نے باوجود کمسنی کے جامعہ کی ذمہ داریاں اس طرح ادا کیں کہ چند سالوں میں اسے خدمت و شہرت کے آسمان پر پہنچا دیا مدرسہ کا ماہانہ آرگن انجیر اس دور ترقی کی ایک سنہ بولتی تصویر ہے۔ رسالہ کا وقار مولانا محمد ازہر کے عزم اور قلم سے قائم ہے۔ مدرسہ کے کئی ذیلی مدارس بھی ہیں جن میں مدرسہ البنات سرفہرست ہے۔

۵۔ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

پاکستان کی مرکزی دینی درسگاہ ہے شیخ الحدیث حضرت مولانا صوفی عبدالحق صاحب صواتی اسکے ہتھم ہیں اس شہر کی تاریخی خصوصیات میں سے ہے کہ شیخ الہند کے مشہور شاگرد محدث پنجاب حضرت مولانا عبدالعزیز کا مسکن رہا ہے مولانا قاضی شمس الدین صاحب بھی یہاں حدیث پڑھاتے رہے ہیں ان دونوں شیخ الحدیث محدث جلیل حضرت مولانا سرفراز احمد صاحب ہیں جن کی خدمات تالیف تدریس اور تبلیغ حق عالمی سطح کی ہیں شعبان اور رمضان میں یہاں دورہ تفسیر بھی ہوتا ہے

ہے مولانا سر فراز احمد صاحب حضرت مولانا حسین علی صاحب ر کے طرز پر تفسیر پڑھاتے ہیں۔
دیگر ممتاز اساتذہ میں مولانا عبدالقیوم صاحب مفتی محمد عیسیٰ اور مولانا حبیب اللہ زیادہ معروف ہیں

۶۔ جامعہ قاسم العلوم ملتان۔

یہ مدرسہ ملتان کا قدیمی مدرسہ ہے قیام پاکستان سے کئی سال پہلے شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی بنیاد رکھی دارالعلوم دیوبند کے ممتاز استاد حدیث مولانا عبدالخالق اس کے پہلے شیخ اکھدیت تھے شیخ التفسیر مولانا مفتی محمد شفیع تھے جو ملتان کی بلند پایہ علمی شخصیت تھے پھر حضرت مولانا مفتی محمود اس کے شیخ اکھدیت اور مفتی دے ہیں شیخ اکھدیت مولانا عبدالقادر صاحب قاسمی بھی یہاں دورہ حدیث کی کتابیں پڑھاتے رہے ہیں آج کل اس کے شیخ اکھدیت حضرت مولانا فیض احمد صاحب (مالک مکتبہ امدادیہ) ہیں۔

۷۔ جامعہ امدادیہ فیصل آباد۔

محدث پنجاب حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد خاص اور حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحی صاحب (کراچی) کے خلیفہ مجاز شیخ اکھدیت مولانا نذیر احمد صاحب اس کے بانی اور ہتھم ہیں یہاں کا دورہ حدیث پاکستان میں شہرت رکھتا ہے یہ جامعہ تعلیم کے ساتھ ساتھ طلبہ کی تربیت میں خاص طور پر ممتاز ہے فیصل آباد بابر چوک کے قریب حبیب شہید کالونی میں یہ جامعہ وسیع عمارات کی دلکشا فضا میں قائم ہے۔

۸۔ سراج العلوم سرگودھا۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا انور شاہ کشمیری کے مایہ ناز شاگرد مولانا مفتی محمد شفیع اس کے بانی تھے جامع معقول و منقول شیخ الاسلام حضرت مولانا شمس الحق افغانی حضرت مولانا خدابخش بھروی (سابق استاد حدیث مدرسہ اہلینہ دہلی) محدث جلیل مولانا محمد نور صاحب شیخ التفسیر حضرت مولانا صالح محمد، سابق مخطیب شاہی مسجد چنیوٹ اور کئی دیگر نامور اساتذہ حدیث یہاں درس حدیث دیتے رہے ہیں آج کل شیخ اکھدیت جامع معقول و منقول حضرت مولانا احمد سعید ہیں مولانا قاری عبدالسبع بھی یہیں استاد حدیث ہیں یہ مدرسہ خانقاہ سر اجیہ کنڈیاں کی سرپرستی میں چل رہا ہے حضرت مفتی صاحب مرحوم بھی مرکز رشد و ہدایت کنڈیاں کے خلیفہ مجاز تھے۔

۹۔ مخزن العلوم خاںپور

اس مدرسہ کے تعارف کے لیے حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی کا نام نامی اور اسم گرامی کافی ہے آپ نصف صدی سے یہاں قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں بلند کر رہے ہیں یہاں کا دورہ تفسیر ملکی شہرت کا حامل رہا ہے پورے ملک سے طلبہ اور علماء یہاں کچھ چلے آتے تھے حضرت نے جب دورہ پڑھانا چھوڑ دیا تو حضرت مولانا شفیق الرحمن درخواستی اور مفتی حبیب الرحمن صاحب درخواستی اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی جیسے ممتاز اساتذہ یہاں دورہ پڑھاتے ہیں

۱۰۔ دارالعلوم کبیر والہ ضلع خانیوال۔

عمدۃ المحدثین حضرت مولانا عبدالخالق اس کے بانی مہتمم اور شیخ الحدیث تھے ملتان سے آکر آپ نے اس عظیم درس گاہ کی بنیاد رکھی آج کل شیخ الحدیث حضرت مولانا علی محمد صاحب ہیں دوسرے ممتاز اساتذہ حدیث جامع معقول و منقول حضرت مولانا منظور الحق صاحب شیخ تفسیر مولانا ظہور احمد برادرزادہ حفرة شیخ الحدیث اور مولانا عبدالجبار صاحب (حال شیخ الحدیث کروڑ پکا، معروف شخصیت ہیں

۱۱۔ جامعہ خفیہ جہلم

مولانا عبداللطیف صاحب تلمیذ حضرت مولانا حسین احمد مدنی و خلیفہ مجاز حضرت شیخ التفسیر لاہوریؒ نے نصف صدی پہلے یہ مدرسہ جامع مسجد گنبد رالی شہر جہلم میں قائم کیا تھا اب یہ مدرسہ اپنی مستقل شاندار عمارت کے ساتھ مدنی محلہ میں قائم ہے

۱۲۔ جامعہ اسلامیہ صدر راولپنڈی

۱۹۶۰ء میں قائم ہوا مہتمم مولانا قاری سعید الرحمن محدث العصر حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کیمپوری سابق صدر مدرس مظاہر العلوم سہارنپور کے صاحبزادے ہیں مولانا سراج الحق اس کے شیخ الحدیث ہیں۔

۱۳۔ انوار العلوم محلہ امام باڑہ راولپنڈی

مولانا محمد اسحاق مانسہروی کا قائم کردہ ہے مولانا سید چراغ الدین شاہ اس کے مہتمم ہیں۔ شاہ صاحب نے مستقل نئی عمارت میں جامعہ سراجیہ کے نام سے دورہ حدیث شروع کرا رکھا ہے

۱۴۔ دارالعلوم تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی

مولانا غلام اللہ خاں اس کے مہتمم ہیں محدث العصر حضرت مولانا عبدالقدیر تلمیذ خاص رئیس المحدثین حضرت مولانا انور شاہ کشمیری شیخ الحدیث ہیں

- ۱۵۔ جامعہ عربیہ قریدیہ اسلام آباد مرکزی جامع مسجد اسلام آباد محلہ آب پارہ کے خطیب مولانا محمد عبداللہ اس کے مہتمم ہیں ۱۳۰۵ھ میں یہ مدرسہ قائم ہوا مشکوٰۃ تک یہاں درس حدیث ہو رہا ہے
- ۱۶۔ جامعہ عربیہ چنیوٹ۔ مولانا منظور احمد چنیوٹی اس کے مہتمم ہیں مشکوٰۃ تک یہاں درس حدیث ہو رہا ہے
- ۱۷۔ مدرسہ العلوم الشرعیہ جھنگ حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی کے نامور شاگرد مولانا سید صادق حسین شاہ، یہاں حدیث پڑھاتے ہیں۔ یہ جھنگ کا مرکزی مدرسہ ہے۔
- ۱۸۔ جامعہ فاروقیہ شیخوپورہ مولانا محمد عالم بالا کوٹی فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور اس کے مہتمم ہیں
- ۱۹۔ مدرسہ اشرفیہ چوک سرور شہید ضلع مظفر گڑھ۔ مولانا عبد المجید شیخ الحدیث ہیں۔
- ۲۰۔ مدرسہ العلوم الشرعیہ ساہیوال مولانا مقبول احمد خطیب جامع مسجد گلاسگو اس کے مہتمم ہیں
- ۲۱۔ جامعہ مدنیہ ڈسکہ۔ ضلع میانکوٹ کی مرکزی درسگاہ ہے مولانا محمد فیروز خاں فاضل دیوبند اس کے مہتمم ہیں

جماعت اہل حدیث

- ۱۔ جامعہ سلفیہ فیصل آباد۔ مولانا محمد عبدہ مترجم المفردات علامہ راعب اس کے شیخ الحدیث ہیں
- ۲۔ دارالعلوم تقویۃ الاسلام لاہور غزنوی حضرات کی تعلیمی یادگار ہے مولانا محمد اسحاق شیخ الحدیث ہیں
- ۳۔ مدرسہ تعلیم الاسلام ماموں کاجن ضلع فیصل آباد۔ صوفی محمد عبداللہ اس کے بانی ہے حافظ بنیامین اس کے شیخ ہیں
- ۴۔ جامعہ محمدیہ اوکاڑہ لکھوی حضرات کی مرکزی درسگاہ ہے مولانا عبد اکلیم علوی اسکے مہتمم ہیں
- ۵۔ جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ مولانا حافظ محمد گوندلوی کی علمی یادگار ہے مولانا ابوالبرکات احمد مدنی شیخ الحدیث ہیں
- ۶۔ جامعہ ابی بکر کراچی فرقہ امامیہ کے مولانا عبدالستار دہلوی کا مرکزی ادارہ ہے مولانا محمد صادق شیخ الحدیث ہیں۔

مسلمک بریلوی

- ۱۔ دارالعلوم حزب الاحناف لاہور مولانا دیدار علی شاہ مولانا ابوالحسنات اور مولانا ابوالبرکات کی مرکزی یادگار ہے
- ۲۔ جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور۔ مولانا نعیم الدین مراد آبادی کی یاد میں بنا ہے مفتی محمد حسین نعیمی شیخ الحدیث ہیں۔
- ۳۔ دارالعلوم امجدیہ کراچی۔ مولانا امجد علی خلیفہ خاص مولانا احمد رضا خاں کے نام پر بنا ہے۔
- ۴۔ جامعہ نظامیہ اندرون لوہاری دروازہ لاہور۔ مفتی عبد القوم ہزار دی اسکے مہتمم ہیں۔
- ۵۔ جامعہ رضویہ مظہر الاسلام فیصل آباد۔ مولانا سردار احمد گرداسپوری کا قائم کردہ ہے۔
- ۶۔ انوار العلوم ملتان۔ مولانا احمد سعید کاظمی امرتسری اس کے مہتمم ہیں

یہ بطور نمونہ چند مدارس کے نام ہیں۔ پاکستان ہندوستان بنگلہ دیش اور برما میں سب سے زیادہ عربی مدارس مسلک اہل سنت دیوبند کے ہیں علماء و طلبہ کی زیادہ تعداد انہی میں ہے سواد علم کے معنی میں ہو تو سوادِ عظم بھی لوگ ہیں گو کم سواد اسے نہیں سمجھتے خانقاہی مدارس اس کے علاوہ ہیں جیسے تونسہ اور گولڑہ کے مدارس۔ یہ اپنے مسلک اور مزاج میں دیوبندی بریلوی نزار سے بالا ہیں پھر ہر مسلک کے اور بھی کئی مدارس ہیں۔ جن کے نام ہم یہاں نہیں دے سکے اہل مدارس دارالمعارف کو اپنے کوائف سے مطلع فرمائیں تو اگلے ایڈیشن میں اس کمی کو پورا کیا جاسکتا ہے یہ چند نام صرف برائے تعارف تھے جہاں حدیث کی کسی وجہ سے خدمت ہو رہی ہے — واللہ الحمد اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً

تم الجلد الثانی ویتلوہ الجلد الثالث ان شاء اللہ واول بابہ اختلاف الحدیث

الاعتذار والاعتراف

آثار الحدیث کے یہ تیس مضامین حضرت علامہ خالد محمود صاحب کے مسودات میں پر اگندہ پڑے تھے کہ راقم الحروف نے انہیں یکجا کرنے اور مرتب کرنے کا بیڑہ اٹھایا جو جتنے نامکمل ملے انہیں آپ سے مزید لکھوایا اور انہیں کتابی شکل میں لانے کی سعی کی۔ الحمد للہ کہ یہ دوسری جلد آپ کے ہاتھ میں ہے۔

ہو سکتا ہے کہ کسی مقام پر کچھ حوالے درج کرنے سے رہ گئے ہوں یا کچھ تزلزین کے سین ساتھ نہ دیئے جاسکے قارئین کرام سے معذرت خواہ ہوں کہ جلدی طباعت کے باعث مجھ سے تالیف و ترتیب کا حق ادا نہیں ہو سکا اگر کسی جگہ کوئی کوتاہی پائی تو اسے مرتب کی جلدی یا قصور مطالعہ پر محمول کریں علامہ صاحب اپنی جگہ ہر مضمون کی صحیح نشاندہی کرتے ہیں۔ محمد اقبال عفا اللہ عنہ

